من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم (الحديث)

خزینۂ علوم و معارف

معارفِ مدنی

افادات

شیخ الاسلام قدوۃ الانام سراج السالکین زبدۃ العارفین فخر المحدثین

حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تفسیری، حدیثی، فقہی افادات، سلوک و تصوف سے متعلق روح پرور مضامین اور تحقیقاتِ عالیہ پر مشتمل ایک عظیم علمی مجموعہ

جمع و ترتیب

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہٗ

بانی: جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)

ادارہ اشرف الامداد

جامعہ صیانۃ العلوم ○ گلشن اشرف ○ اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم (الحديث)

خزینۂ علوم و معارف

معارفِ مدنیؒ

افادات

شیخ الاسلام قدوۃ الانام سراج السالکین زبدۃ العارفین فخر المحدثین

حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تفسیری، حدیثی، فقہی افادات، سلوک و تصوف سے متعلق
روح پرور مضامین اور تحقیقاتِ عالیہ پر مشتمل ایک عظیم علمی مجموعہ

جمع و ترتیب

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہٗ
بانی، جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)

ادارہ اشرف الامداد

جامعہ صیانۃ العلوم   گلشن اشرف   اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور

فون: 042-5182617, 7540617

نام کتاب ———— معارف حضرت مدنیؒ
مرتب ———— فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ
سرورق ———— جناب نصر اللہ مہر صاحب زید مجدہ
کمپوزنگ ———— حقانیہ کمپوزنگ سنٹر ساہیوال سرگودھا
مطبع ———— عکاظ پرنٹرز، شمع پلازہ، لاہور
ناشر ———— ادارہ اشرف الامداد، جامعہ صیانۃ العلوم،
گلشن اشرف، اسلام نگر، سندر ملتان روڈ لاہور
باہتمام ———— مولوی محمد بلال اشرف
منتظم مرکز مجلس صیانۃ المسلمین، جامعہ صیانۃ العلوم سندر لاہور

ملنے کے پتے

☆ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
☆ مدرسہ مدینۃ العلوم مقام حیات صدیق اکبرؓ روڈ سرگودھا
☆ مدرسہ اسلامیہ محمودیہ گلشن رحمان سرگودھا
☆ مکتبہ عارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
☆ مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی سرگودھا
☆ مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی سرگودھا
☆ مدرسہ علوم شرعیہ ٹوبہ روڈ جھنگ
☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
☆ کتب خانہ جمیلی ۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
☆ دفتر مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ لاہور

فہرست معارف حضرت مدنیؒ

تمت المحتویات

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

از: مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد:

گذارش آنکہ احقر کے والد ماجد یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ نے اپنے استاذ گرامی قدر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے مبارک وخوشگوار حالات طیبہ اور آپ کے علمی وعملی کارناموں کی تفصیل پر مشتمل ابھی کچھ عرصہ قبل ایک کتاب بنام ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' تحریر فرمائی تھی جسے گذشتہ سال ''المکتبۃ الاشرفیۃ لاہور'' نے عمدہ کاغذ اور خوبصورت جلد کے ساتھ بڑی آب وتاب سے شائع کیا۔

۴۸۲ صفحات پر مشتمل اس تذکرہ کو حضرات اکابر علماء کرام اور طلبہ نیز دیگر احباب اور متعلقین ہر ایک نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر جگہ سے اس کی پذیرائی کے خطوط اور پیغامات موصول ہوئے۔اس کتاب سے حضرت اقدس مدنیؒ کے بلند علمی اور روحانی مقام کا تعارف بھی نمایاں طور پر سامنے آیا جو اس کی تصنیف کا اصل سبب اور محرک تھا۔

نیز تھانویؒ ،مدنیؒ کے عنوان سے پیدا کردہ بلا جواز تفریق کو ختم کرنے میں بھی اس کتاب نے بطور خاص اہم کردار ادا کیا، والحمدللہ تعالیٰ علی ذٰلک ۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ کی مجلس اور صحبت میں بیٹھنے والے حضرات ہمیشہ یہی تأثر لے کر اٹھتے تھے کہ حضرتؒ کو دونوں بزرگوں سے انتہائی عقیدت ومحبت اور حد درجہ کا عشق ہے آپ کو اپنے اکابرؒ سے جو والہانہ تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی کوئی مجلس ان کے تذکرہ سے خالی نہیں ہوتی تھی بڑے کیف وسرور سے آپ ان کا تذکرہ فرماتے اور بسا اوقات اس سے متأثر ہو کر بے ساختہ بار بار آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

ولنعم ماقیل ۔

و ذکرک للمشتاق خیر شراب

وکل شراب دونه کسراب

نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت والد ماجدؒ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے سیاسی مسلک کی انتہائی پابندی اور تقلید کے باوجود حضرت مدنی قدس سرہ کے متعلق ادنیٰ درجہ کی بھی سوءِ ادبی کو روا نہ رکھتے تھے۔

احقر ناکارہ کے نزدیک یہ دونوں اکابر قدس سرہما اس عبارت کے مصداق تھے جو حضرات شیخین مکرمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے جب ان سے حضرات شیخین مکرمین کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :(ھما) امامان عادلان قاسطان کاناعلی الحق وماتاعلیه فعلیهما رحمة الله یوم القیامة۔

اللہ تعالیٰ اکابرؒ کے فروعی اختلاف میں اعتدال کی راہ پر قائم رہنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔آمین

قدوۃ الانام مرجع الخواص والعوام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی جامع اور عبقری ہستی ایسی عظیم اور بلند ہستی ہے کہ ایسے نابغۂ روزگار صدیوں میں پیدا

ہوتے ہیں کسی نے سچ کہا ہے:

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حق تعالیٰ نے انہیں علم وعمل کا جامع اور تمام علوم وفنون کا ماہر بنایا تھا لیکن افسوس کہ بعض حضرات علم وعمل کی جامع اس عظیم ہستی کو صرف ایک سیاسی راہنما کی حد تک سمجھتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سیاسی خدمات کا تعلق حضرتؒ کی زندگی کے صرف ایک گوشہ سے ہے نہ کہ پوری زندگی سے کیونکہ آپ کی پوری زندگی علم وتقویٰ زہداور عرفان ،للّٰہیت ،تواضع وانکساری ، عاجزی ،عشق الٰہی وخوف خدا، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ،فنائیت ، مجاہدات وریاضت، خدمت دین اور خدمت خلق سے عبارت ہے اس کو صرف ایک حصہ میں محدود کر دینا انصاف کا خون کر دینے کے مترادف ہے بلاشبہ آپ اسلاف کی روایات کے امین اوران کے سچے جانشین تھے مولانا ظفر علی خان مرحوم نے آپ کے بارہ میں سچ کہا

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج

جن سے پرچم ہے روایات سلف کا سر بلند

حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ نے اسی مذکورہ تأثر کے ازالہ کیلئے کتاب ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' تحریر فرمائی تھی جس میں حضرتؒ کے علمی روحانی مقام کا بطور خاص تعارف کرایا گیا تھا۔

لیکن چونکہ اس تذکرہ میں حضرتؒ کے علمی فقہی مقام اور آپ کے باطنی کمالات کی صرف ایک جھلک ہی دکھائی جا سکتی تھی اس سے زیادہ تفصیل ممکن نہ تھی اس لئے حضرت اقدس والد صاحبؒ نے اس کیلئے ایک مستقل کتاب ''معارف حضرت مدنیؒ'' کے نام سے الگ مرتب فرمائی جس میں حضرت اقدسؒ کے علمی، فقہی، تفسیری، حدیثی ،اصلاحی نیز سلوک وتصوف سے متعلق مضامین ومقالات کو جمع فرما دیا۔

کتاب ''معارف حضرت مدنیؒ'' پڑھ کر قاری کو واضح طور پر حضرت اقدس مدنیؒ کی

علمی تحقیقات اور فقہی کمالات اور تصوف میں آپ کی مہارت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔

آپ نے کتنے لاینحل سوالات کی گتھیوں کو اپنی خداداد علمی حذاقت اور روحانی قوت سے سلجھایا ہے کیسے کیسے نکتے حل فرمائے ہیں اور تشنگان علم وحکمت کی سیرابی کیلئے علم وفراست اور دانائی کے کیسے دریا بہائے ہیں اس کا اندازہ ان مقالات ومضامین اور مکتوبات سے ہوسکتا ہے جن کو ایک بہترین ترتیب کے ساتھ ''معارف حضرت مدنیؒ'' کے نام سے ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے، بلاشبہ یہ معارف وحقائق پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اہل علم جب ان سے اپنی علمی مشکلات کو حل ہوتا پائیں گے تو یقیناً محظوظ اور مسرور ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ؎

کتا ب لو تأ مله ضر یر

لعا د کر یمتا ہ بلا ارتیا ب

حق تعالیٰ مولانا مدنی نوراللہ مرقدہ کے ان علوم ومعارف سے ہم کو فیضیاب وسیراب فرمائیں اور حضرت اقدس والد ماجدؒ کو جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے نہایت محنت سے یہ عظیم مجموعہ اہل علم کیلئے تیار فرما کر اس سے استفادہ کو آسان فرمادیا ہے: فللّٰہ درھما وعلی اللہ اجرھما جزاھما اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ورزقنا وایاھما عیشۃ مرضیۃ وعاقبۃ حسنۃ۔

زیر نظر کتاب ''معارف حضرت مدنیؒ'' میں بعض وہ علوم ومعارف بھی جمع کر دیئے گئے ہیں جو مکتوبات شیخ الاسلام کی چار جلدوں کے سینکڑوں صفحات میں متفرق ومنتشر تھے۔

مکتوبات شیخ الاسلام کو عام طور پر مکتوبات کی کتاب سمجھا جاتا ہے اس لئے اہل علم اس طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ یہ صرف نجی اور ذاتی نوعیت کے مکتوبات ہی نہیں ہیں بلکہ علوم ومعارف کا گنجینہ اور تصوف وسلوک، فقہ وفتاویٰ کا عظیم خزینہ ہیں مگر افسوس کہ ان سے خاطر خواہ استفادہ نہیں ہو رہا جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ یہ درر ہائے نادرہ، فریدہ، باہرہ یکجا نہیں ہیں بلکہ مکتوبات کی متفرق جلدوں میں سینکڑوں صفحات میں منتشر ہیں اس لئے اس کی انتہائی ضرورت تھی کہ ان لآلی نضیدہ اور درر ہائے فریدہ کو جمع کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا

جائے تا کہ وہ ان سے استفادہ کرسکیں مگر افسوس کہ عرصہ دراز تک اس کی نوبت نہ آسکی حضرت اقدس والد ماجد نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت خیال تھا کہ مکتوبات شریفہ سے یہ علوم جمع کئے جائیں، چنانچہ انہوں نے پیرانہ سالی ہجوم امراض وافکار اور ضعف وکمزوری کے باوجود اس طرف توجہ فرمائی اور نہایت محنت سے مکتوبات کی تمام جلدوں کو سامنے رکھ کر ان منتشر علوم ومعارف کو جمع فرما کر مختلف عنوانات کے تحت ان کو مرتب فرما دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔

''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' اور ''معارف حضرت مدنیؒ'' کے بعد حق تعالیٰ نے چاہا تو حضرت اقدس مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے ''جامع ترمذی'' سے متعلق وہ درسی افادات بھی ہدیہ ناظرین ہوں گے جو حضرت والد ماجد قدس سرہ نے بزمانہ طالب علمی دارالعلوم دیوبند قلمبند فرمائے تھے ان کی تبییض کا سلسلہ جاری ہے ان شاء اللہ تعالیٰ تعلیقات وحواشی کے ساتھ یہ افادات بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کی خوشی اور مسرت کا باعث ہوں گے، انکی بسہولت تکمیل وطباعت کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

قارئین کرام سے حضرت اقدس والد ماجدؒ کے رفع درجات کی دعا کیلئے خصوصیت سے درخواست ہے نیز احقر ناکارہ کیلئے بھی دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھے ان کے علوم ومعارف کو جمع کر کے پھیلانے کی سعادت عطا فرمائیں آمین۔

کتاب ''معارف حضرت مدنیؒ'' حضرت اقدس والد ماجدؒ کی حیات میں تیار ہو چکی تھی مگر افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کی طباعت نہ ہو سکی، حضرتؒ کو اس کی طباعت سے جس قدر خوشی ہوتی اس کا اندازہ دوسروں کیلئے مشکل ہے۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ جب کتاب ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' طبع ہو کر آئی اور حضرتؒ کو پیش کی گئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرط مسرت سے اشکبار ہو گئے پھر فرمانے لگے کہ: حق تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا جائے کہ اس نے مجھے دونوں اکابرؒ (حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت مدنی قدس سرہما) سے نسبت عطا فرمائی ہے جو بہت بڑی نعمت ہے (انتھیٰ ما قالؒ)

افسوس کہ یہ کتاب ایسے موقع پر طبع ہو رہی ہے کہ حضرتؒ ہم میں موجود نہیں ہیں انا اللہ و انا الیہ راجعون، ولکن کان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرتؒ کی روح مبارک کی مسرت وخوشی کا ذریعہ بنائیں اور علیین میں ان کو اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائیں آمین۔

اس کتاب کی اشاعت عزیزی مولوی محمد بلال اشرف سلمہ الرحمٰن منتظم مرکز مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ صیانۃ العلوم سندر لاہور اپنے ادارے ''ادارہ اشرف الامداد'' کی طرف سے کر رہے ہیں، جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزأ۔

نیز احقر کی فرمائش پر عزیز محترم مولوی محمد صدیق سلمہ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا نے نہایت محنت سے کتابت اور تصحیح کا مرحلہ سرانجام دیا، حق تعالیٰ ان کو اور دیگر تمام معاونین کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ولوالدیہ

(ابن حضرت اقدس ترمذیؒ)

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۰ رذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیری وحدیثی افادات

دروس قرآن کریم

افادات: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ

مرتبہ: حضرت مولانا سید محمد میاںؒ سابق شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی

ارشاد: حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا تحقیق یہی ہے کہ دوسری کتب سماویہ کے مفہوم اور معنی کا القاء حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے ہوا ہے الفاظ کی تالیف حضرت باری عزاسمہ کی جانب سے نہیں ورنہ انکی نظم بھی قرآن پاک کی طرح معجز ہوتی کیونکہ کلام الملوک ملوک الکلام کے بموجب معجز کا کلام بھی معجز ہی ہوتا ہے کوئی انشاء پرداز اگر کسی دوسرے کا بیان بھی نقل کرتا ہے تو اس میں انشاء پردازی کی شان نمایاں ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ان کتابوں کو کتب تو کہا گیا مگر کلام اللہ نہیں فرمایا گیا قرآن پاک کو کلام بھی کہا گیا ہے۔

ارشاد: (قرآن حکیم کے علاوہ باقی) کتب سماویہ کی نظم عبارت ممکن ہے فرشتوں کی جانب سے ہو جیسا کہ القی الالواح سے معلوم ہوتا ہے یا خود انبیاء علیہم السلام کی جانب سے ہو۔

ارشاد: کلام ایک وصف ہے ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور علم وغیرہ کے علاوہ۔ کلام کے چند مرتبے ہیں: (۱) مابہ الکلام یعنی مبدأ الکلام (۲) معنی اور مفہوم جو تسویل عبارت فی الذہن سے پیشتر ذہن میں آئے جس کا مرتب ہونا ضروری نہیں (۳) مسئول و مرتب عبارت جو تلفظ سے

پیشتر ذہن میں ترتیب دے لی جائے (۴) کلام ملفوظ جو لسان اور صوت وغیرہ سے ادا ہو۔

مرتبہ چہارم کا کلام بالاتفاق حادث ہے کماقیل لفظی بالقرآن حادث یہ کلام وصف باری تعالیٰ نہیں ہے باقی تینوں مرتبوں کا کلام باری تعالیٰ عزاسمہ کی صفت ہے اور قدیم ہے مشہور یہ ہے کہ کلام لفظی کی قدامت کا قول صرف امام احمد بن حنبلؒ کا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ یہی حق ہے مگر کلام لفظی سے مراد مرتبہ سوم کا کلام ہے: روی عن ابی یوسف انه قال باحثت مع ابی حنیفة ستة اشهر ثم اتفقنا ان الکلام اللفظی قدیم۔

ارشاد: اس امت کیلئے بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کو ایک وصف عطا فرمایا گیا اور اسی لئے ہر کلمہ کے نزول کے ساتھ اس کے جلو میں مؤکل فرشتوں کا نزول ہوا اور اسی لئے ہر کلمہ ایک خاص قوت رکھتا ہے جس سے عامل حضرات کام لیتے ہیں۔

ارشاد: اور اسی لئے جو سلوک کلام اللہ کے ذریعہ ہو وہ قوی اور پائیدار ہوتا ہے مگر دیر سے ہوتا ہے کیونکہ انسان قرآن حکیم کے دیگر عجائبات میں لگ جاتا ہے اور ذکر کے ذریعہ طبیعت جلد متوجہ ہوتی ہے مگر وہ اس قدر پائیدار نہیں ہوتی۔

ارشاد: نزول قرآن پاک کے بارے میں تین کلمے قرآن حکیم میں وارد ہوئے ہیں: فی لیلة مبارکة،شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن،انا انزلناه فی لیلة القدر ، لیلۃ القدر اس سال شہر رمضان میں ہوئی اس لئے ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے لیلة مبارکة سے مراد لیلة البراءت ہے نزول قرآن کے بھی تین دفعات ہیں دفعہ اول وہ ہے کہ امر الٰہی ملائک کو ہوا کہ ام الکتاب اور لوح محفوظ سے اتنا حصہ اخذ کریں، دفعہ ثانیہ ملائک نے بیت العزت میں اس کلام کو ودیعت کیا اور دفعہ ثالثہ بیت العزت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا لیلة مبارکة یعنی لیلة البراءت یعنی جس میں ملائک عالم اسفل کو خدمات سپرد ہوتی ہیں فیها یفرق کل امر حکیم پس فی لیلة مبارکة میں نزول اول مراد ہے کہ ملائک کو ام الکتاب سے نقل کرنے کا حکم ہوا اور لیلة القدر میں نزول ثانی مراد ہے کہ بیت العزت کی جانب نزول ہوا۔

ارشاد: قلم چار ہیں جن کی تقسیم یہ ہے قلم تکوین اور قلم تشریع پھران دونوں میں سے ہر ایک کی تقسیم یہ ہے کہ ایک قلم امور مبہمہ کلیہ کے متعلق دوسرا قلم امور جزئیہ اور تفصیلیہ کے متعلق کما وردفی الحدیث فیمایختصم الملأالاعلیٰ وفی القرآن المجیدوماکان لی من علم بالملأ الاعلیٰ اذ یختصمون ای فی امورجزئیة بان جزاء اسباغ الوضوء والخطاء الی المساجد ماذا یکون وماوردفی حدیثه صلی اللّٰہ علیه وسلم جف القلم علیٰ ماھو کائن اوجف القلم علیٰ علم اللّٰہ فالمرادبه قلم التکوین الذی یتعلق بهاالامورالمهمة الکلیة واللّٰہ اعلم قد سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی العرش صریف الاقلام۔

ارشاد: کلام منسوب ہوا کرتا ہے مؤلف کی جانب خواہ وہ اپنے کلام میں واقعہ اور حال کسی کا بیان کرے ہر ایک مؤلف اپنے انداز پر تالیف کرتا ہے۔

ارشاد: متصرف فی العالم اسماء الٰہیہ ہیں اور حضرت حق جل مجدہ کے ساتھ صفات الٰہیہ اور اسماء کی نسبت بلا تشبیہ ایسی ہے جیسے آفتاب، اس کی شعاعیں اور دھوپ، نور جرم آفتاب میں بھی ہے اور اسی لئے آفتاب آفتاب ہے، دوسرا نور وہ ہے جو آفتاب کے گرداگرد آفتاب سے متصل ہے (لازم غیر منفک) یہ نہ عین آفتاب ہے نہ غیر آفتاب کہ انفکاک کسی جانب سے بھی متصور نہیں، تیسرا نور وہ ہے جس کو دھوپ کہا جاتا ہے، اسماء الٰہیہ کی یہی حیثیت ہے۔ اسماء مخلوقات میں عموماً کوئی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ تاثیر مسمّٰی میں ہوتی ہے (اور وہ بھی وقتی عطا) تاہم بعض اسماء فوراً تاثیر کردیتے ہیں مثلاً لفظ ''مَلِک'' وغیرہ مگر اسماء الٰہیہ (جو صفت تکوین کے مختلف شعبے ہیں) وہ مؤثر ہیں یہ اسماء اپنے فعال وتاثیرات کے تنوع اور تمیز کے بموجب آپس میں ایک دوسرے سے فرق ضرور رکھتے ہیں۔

ارشاد: روح اصل میں عامل ہے قلب اس کا دارالسلطنت ہے ارادہ متوجہ ہوتا ہے اور دست و پا عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس وقت عمل اگرچہ دست و پا کر رہے ہیں مگر اصل قوت اور مؤثر حقیقی روح ہے دست و پا روح سے بے نیاز نہیں یہی مثال حضرت حق جل مجد

اس کی صفات اور اسماء کی ہے، صفات الٰہیہ کی مثال بلاتشبیہ ارادہ جیسی ہے۔

ارشاد: حسن افغانیؒ ایک بزرگ تھے جن کو قرآن پاک کی صرف چند سورتیں یاد تھیں اور کچھ لکھے پڑھے نہیں تھے، یہ خلیفہ تھے حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی قدس سرہ کے جو خلیفہ ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے حسن افغانیؒ امی ہونے کے باوجود قرآن پاک کی آیت اور عربی زبان کے دوسرے کلام میں امتیاز کرلیا کرتے تھے، بیضاوی وغیرہ کی عبارتیں پڑھ کران کا امتحان لیا گیا مگر یہ کمال تھا کہ فوراً بتادیا کرتے تھے کہ یہ کلام اللہ شریف کی آیت ہے، یہ آیت نہیں ہے عربی عبارت ہے۔

اسی طرح شیخ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ تبریز میں مذکور ہے کہ امی ہونے کے باوجود آیات قرآنی کے علاوہ احادیث مقدسہ کو بھی کلام عرب سے ممتاز کردیا کرتے تھے ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کلام الٰہی کے ساتھ میں ایک نور پاتا ہوں جو فرش سے عرش تک ہوتا ہے۔

ارشاد: جس کا کلام بھی پڑھا جائے اس سے ایک تعلق پیدا ہوجاتا ہے پھر صاحب کلام کے جذبات وخیالات کا اثر اس شخص پر پڑتا ہے۔ ناولوں، شعراء کرام، صوفیاء کرام کے ملفوظات ومکتوبات کے جو اثرات طبیعتوں پر ہوتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں، اسی طرح جو شخص کلام الٰہی سے تعلق رکھتا ہے لامحالہ حضرت حق جل مجدہ کے اوصاف کا اس پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ سلوک جو کلام اللہ کی تلاوت سے ہو وہ قوی تر ہوتا ہے، بہتر صورت یہی ہے کہ تلاوت تفکر کے ساتھ ہو (جو کچھ تلاوت کرے اس کا مفہوم ومطلب سمجھتا رہے اور اس پر غور کرتا رہے) اس صورت میں قوت مدرکہ جلد متأثر ہوتی ہے باقی صرف تلاوت سے بھی اثر ہوتا ہے اگرچہ بدیر۔

ارشاد: تلاوت کلام اللہ شریف کا ثواب احادیث میں تصریح کے ساتھ بتادیا گیا ہے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب پھر حرف سے مثلاً پورا الٓمٓ مراد نہیں بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ اور میم الگ (یعنی ایک مرتبہ الٓمٓ پڑھنے سے تیس گنا ثواب ملتا ہے) مشائخ کرام نے تفصیل فرمائی ہے کہ وصول الی اللہ کے چند طریقے ہیں مثلاً: (۱) عبادت وریاضت (۲) تلاوت

کلام اللہ شریف (۳) ذکر (ذکر کی صورت زوداثر اس لئے ہے کہ وہ مدرکہ پر جلد ہی اثر انداز ہوتا ہے یعنی مدرکہ خاص مذکور کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور تلاوت کلام اللہ کی صورت میں توجہ دوسرے عجائبات قرآنیہ کی طرف مشغول ہو جاتی ہے)

ارشاد: کتاب اللہ میں مقصود اپانچ علوم ہیں: (۱) علم الاحکام (۲) علم المخاصمات بالفرق الباطلة وهم اربعة، اليهود والنصارى والمشركون والمنافقون (۳) علم التذكير بآلاء الله (۴) التذكير بايام الله، التذكير بمابعدالموت من الحشر والنشر وغير ذلك كما افاده الشاه ولى الله المحدث الدهلوىؒ فى الفوز الكبير۔ پھر ان پانچوں کا خلاصہ تین چیزیں ہیں (۱) معرفة ذات الله (۲) معرفة صفاته (۳) معرفةطرق الوصول الى الله۔

ارشاد: سورۃ فاتحہ تمام کلام اللہ کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ تینوں اموراس میں موجود ہیں الحمد للہ تا رحیم میں معرفت خدا جل مجدہ، اور معرفت صفات خداوندی ہے مالک یوم الدین میں طرق وصول الی اللہ کے ایک شعبہ معاملہ مخلوق بالخلوق کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصلاح کی ترغیب وتنبیہ ہے اور ایاک نعبدو ایاک نستعین میں طرق وصول الی اللہ کے شعبہ ثانیہ معاملہ مخلوق باخالق کی طرف ایماء اور اس کی تصویر ہے الذین انعمت علیھم تا آخر میں الوصول الی اللہ کی جانب ایماء ہے نیز تذکیر بآلاء اللہ پھر تذکیر بایام اللہ کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ یہود و نصاریٰ نے احکام الٰہیہ میں عملاً یا علماً خلط ودجل کیا تھا اور تذکیر بایام کے سلسلہ میں انہی واقعات کو پیش کیا گیا جو انعام یا انتقام وغضب کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔

ارشاد: یہی فضیلت ہے جس کی وجہ سے اس کا نزول بار بار ہوا قرآن حکیم میں سبعاً من المثانی والقرآن العظیم فرمایا گیا، تحقیق یہ ہے کہ والقرآن العظیم میں عطف تفسیری ہے۔

ارشاد: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ اسم جلالہ ہے جس کا تعلق معرفت ذات وصفات الٰہیہ سے ہے رحمٰن کو مفسرین نے رحمٰن الدنیا کہا ہے حقیقت یہ ہے کہ رحمانیت وہ صفت ہے جو انعام عمومی کو مقتضی ہے اور رحیمیت وہ صفت ہے جو انعام عظیم کو مقتضی ہو جس کا مظہر آخرت ہے۔

ارشاد: چونکہ ثمر حاصل کرنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ جملہ لوازمات ثمر کو مہیا کیا جائے (چنانچہ کاشتکار گیہوں پیدا کرنے کیلئے کھاد بھی کھیت میں ڈالتا ہے) لہٰذا دنیا میں ہر ایک پر انعام ہوتا ہے اور وصف رحمانیت کارفرما ہے۔ بہر حال جب وصف رحمانیت مبدأ ہے دنیاوی نعمتوں کا تو تذکیر بآلاء اللہ کی جانب اشارہ کے ساتھ ساتھ ''طرق وصول الی اللہ'' کی جانب ایماء بھی ہو گیا اور ''رحیم'' سے وصول الی اللہ کی جانب ایماء ہو گیا۔

ارشاد: چونکہ بسم اللہ لب لباب ہے تمام قرآن پاک کا اس لئے ہر سورت کے آغاز میں اس کو لایا گیا، چونکہ مؤثر فی العالم اسم اللہ ہے لہٰذا باء استعانت کی اسی پر داخل کر دی گئی اس کو باء الصاق بھی کہہ سکتے ہیں (جو اتصال کے مفہوم کو ادا کرتی ہے) کیونکہ جس طرح کسی شخص سے الصاق (اتصال) اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا جائے یا اس کے پاؤں چھوئے جائیں اسی طرح الصاق باللہ، اللہ تعالیٰ سے اتصال اس کے اسماء کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چونکہ باء الصاق (اتصال) کیلئے ہے اور الصاق اور وصول الی اللہ (خدا کی ذات تک رسائی حاصل کرنا اور اس سے وابستہ ہو جانا) شریعت مطہرہ کا مقصود ہے اور شریعت مطہرہ مقصود کتاب اللہ ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ پورے قرآن کا لب لباب بسم اللہ کی باء میں ہے واللہ اعلم۔

ارشاد: وصف ربوبیت کا تقاضا ہے پرورش، مربی کو لامحالہ پروردہ سے محبت ہوتی ہے اگر اس کی اولاد نہ ہو تب بھی ہوتی ہے لہٰذا وصف ربوبیت خداوند عالم کی لامحدود محبت کا نشان دیتی ہے نیز انسان مصیبت اور ضرورت کے وقت مربی کی طرف رجوع کرتا ہے لہٰذا یہ اسم (رب العالمین) ترغیب ہے رجوع الی اللہ کیلئے۔

ارشاد: اصطلاحاً پرورش کی مدت بلوغ تک مانی جاتی ہے اس کے بعد انسان براہ راست اسباب زندگی نعمت و دولت حاصل کرتا ہے لہٰذا وہ وصف رحمانیت سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے جو نتیجہ اور انتہاء کے لحاظ سے وصف رحیمیت کا خوشہ چین ہوگا۔

ارشاد: ''نعبد'' لفظ جمع اس لئے لایا گیا ہے کہ تنہا اپنی جانب سے کسی امر کا اظہار سلطانی

بارگاہوں میں اس درجہ مقبولیت حاصل نہیں کرتا جتنی کسی جماعت کی مشترک استدعاء مؤثر ہوا کرتی ہے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ اظہار ہو جائے جملہ اعضاء کی جانب سے، واللہ اعلم۔

ارشاد: ایاک نستعین تتمہ ہے ایاک نعبد کا کیونکہ عبادت صحیح معنی میں امداد خداوندی کے بغیر ممکن نہیں مثلاً اعضاء اگر نہ ہوں یا مدد نہ کریں اسی طرح قلب اور نفس وغیرہ جن پر عبادات کا مدار ہے اگر وہ نہ ہوں تو عبادت ممکن نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ضروری ہوا نیز وسوسوں اور اوہام وخیالات اور خواطر وغیرہ سے براءت اور نجات امداد الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، علاوہ ازیں نعبد میں اسناد عبادت الیٰ النفس ہے (یعنی اپنی طرف عبادت کو منسوب کرتے ہوئے جب کہا جاتا ہے کہ ہم عبادت کرتے ہیں تیری) تو اس سے شائبہ اعجاب وخود پسندی پیدا ہوتا ہے اس کے ازالہ کیلئے ایاک نستعین لایا گیا لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ کسی موقعہ پر بھی کسی قسم کی امداد واستعانت غیر خدا سے درست ہی نہیں۔

ارشاد: اھدنا الصراط المستقیم (بتا ہم کو راستہ سیدھا)

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک عبادت گذار ایاک نعبد (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کہہ رہا ہے کہ عبادت میں شرک سے بھی اجتناب ہے حتی کہ اسناد عبادت الی العابد میں جو توہم اعجاب ہے تو اس کی بھی نفی کی جارہی ہے پس اس صورت میں ہدایت الی الصراط المستقیم خود حاصل ہے اب اس دعا کے کیا معنی کیا یہ تحصیل حاصل نہیں ہے۔

جواب (۱): حقیقت یہ ہے کہ عبادت کے بعد وصول الی اللہ میں بہت سے مراحل ہیں۔

جواب (۲): علاوہ ازیں مقصود عبادت ہے اس کی کیفیات غیر محدود ہیں کسی مرتبہ پر توقف درست نہیں، لہٰذا دعا بدایت الی صراط مستقیم نہایت ضروری ہے۔

ارشاد: صراط مستقیم اقرب طرق ہوگا کیونکہ ان دو لفظوں کے درمیان جو خط بلا اعوجاج (کجی) کے ہو وہ اقرب ہوگا بمقابلہ ان خطوط کے جو اعوجاج کے ساتھ ہوں۔ دیگر انبیاء علیہم

السلام کے مذاہب بھی اگر چہ وہ منتہیٰ رکھتے ہیں مگر ان کی مثال ان خطوط قوسیہ کی ہے جو ایک مبدأ سے شروع ہو کر واحد منتہیٰ پر ختم ہوں اور صراط مستقیم وہ ہے جو قطر کی حیثیت میں ہو۔ طرق مشائخ کی مثال جدولوں جیسی ہے، باغبان کبھی ایک نالی سے باغ کی آب پاشی کرتا ہے کبھی دوسری نالی سے اس وقت پہلی نالی میں پانی نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے یہی صورت فیضان الٰہی کی ہے۔

ارشاد: غیر المغضوب علیهم و لاالضآلین کو انعمت علیهم کیلئے صفت مبینہ کہا گیا ہے مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے المغضوب علیهم الیهود و لاالضآلین النصاریٰ تو اس تخصیص کی وجہ کیا ہے جملہ فرق باطلہ مغضوب علیهم یا ضآلین ہو سکتے ہیں اور ظاہر ہے مشرکین، زندیقین اور منافقین یہود و نصاریٰ سے بہتر نہیں ہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ غیر المغضوب علیهم و لاالضآلین کو احتراز (صفت مقیدہ) قرار دیا جائے۔

ارشاد: واقعہ یہ ہے کہ منعم علیہم مغضوب علیہم اور ضال ہو سکتے ہیں چنانچہ یہودی منعم علیہم بھی ہیں کما قال الله تعالیٰ: یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العالمین وغیرھامن الآیات اور اس کے باوجود وہ مغضوب علیہم ہیں کمایتبین بقوله تعالی: فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم الآیة علیٰ ہٰذا نعمت کے ساتھ ضلال کا اجتماع ہو سکتا ہے کما یظهر بقول الحواریین هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء ،والظاهر ان مثل هذاالقول یدل علی الارتیاب فی المقدرة المطلقة و لاریب انه ضلال مع ان المائدة انزلت علیهم و کذٰلک انعموا بنعم اخر مع ان الیهود کان علیهم من الامر ماکان حتی امروا بالدعاء ربنا لاتحمل علیناا صراً کماحملته علی الذین من قبلنا وقال ایضاً فی وصف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ویضع عنهم اصرهم و الاغلال التی کانت علیهم قال المطلوب بدعاء المحمدبین ان یهدیهم الیٰ صراط لایکون مشو یا بشیٔ من الغضب والضلال وقال ممایدل علی ان الیهود والنصاری مع کونهم منعمین کانوا علی شیٔ من الغضب والضلال .حدیث زیدبن عمروبن تفیل حین ذهب الی احبار

الیھود فقالوا لن تدخل فی الیھود والا اصابک سقط من الغضب فقال زیدبن عمرو بن نفیل انماجئت الیکم لاخلص من الغضب ثم ذھب الی النصاری فقالوالن تدخل فیناو الا اصابک شیئ من الضلال فاجابھم بمثل ماجاب الیھود،القصۃ مشھورۃ۔

باقی رہا یہ کہ قرآن پاک میں انعم اللہ علیھم کی تفسیر النبیین و الصدیقین و الشھداء والصالحین سے کی گئی ہے جس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں بھی صدیقین،شہداء اور صالحین ہوتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ مراتب کا تعلق عملی تفاوت سے ہے وہ اپنے مسلک پر عمل پیرا ہوتے تو قوت اور ضعف عمل کے لحاظ سے یہ خطابات حاصل کر سکتے تھے یعنی صدیقین وہ تھے جو اسی مسلک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سب سے اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے علی ہذا شہداء اور صالحین۔

ارشاد: غضب اور ضلال میں فرق یہ ہے کہ ضلال کے یہ معنی کہ کسی طبعی اور اندرونی سبب کے باعث صحیح راستہ سے بھٹک جائے جیسا کہ نصاریٰ حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور سادہ لوحی کے سبب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ اور ثالث ثلاثۃ کہنے لگے اور سوال کر لیا ھل یستطیع ربک اور غضب یہ ہے کہ خارجی سبب کے باعث راستہ سے ان کو دھکیل دیا گیا جیسے یہود نے اپنے طبعی تفنن کے باعث جو تاویلیں یا حرکتیں کیں ان کی بنا پر اعتدال سے ہٹا کر ان کو ایسا راستہ دیا گیا جو دشوار گذار تھا کما یظھر بقولہ تعالیٰ فبظلم من الذین ھادوا حرمناعلیھم طیبات احلت لھم،

ارشاد: انبیاء علیہم السلام کی مثال ان بچوں جیسی ہے جن کا جوہر خود ہی صالح ہو اور ان کے متعلق کوئی بادشاہ یہ طے کرے کہ ان کو وزیر بنایا جائے گا ایسے بچوں کو ابتدا ہی سے خاص تربیت دی جاتی ہے اور خاص خاص آداب کی ان کو تعلیم ہوتی ہے اور مخالف اور حقیر چیزوں سے ان کو پوری احتیاط کے ساتھ روکا جاتا ہے ان کے برخلاف کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تربیت اگرچہ خاص توجہ سے نہیں ہوتی مگر وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے کسی خاص منصب پر پہنچ جاتے ہیں یہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے حضرات ہیں جن کو علی فرق مراتب صدیقین،شہداء اور صالحین کے خطاب سے نوازا جاتا ہے والیہ اشارۃ بقولہ تعالیٰ اللہ یجتبی الیہ من یشاء

ویھدی الیہ من ینیب (سورہ شوریٰ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرے۔ پس انبیاء علیہم السلام تو وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے لئے چن لیتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو پاک نفس اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محروم نہیں فرماتا بلکہ راستہ دے دیتا ہے جس سے وہ قرب خداوندی حاصل کرتے ہوئے صدیقیت وغیرہ کے درجات تک پہنچ سکیں۔

ارشاد: انبیاء علیہم السلام کیلئے اسی مفہوم کے اور الفاظ بھی قرآن پاک میں لائے گئے ہیں مثلاً سورۃ حج میں ارشاد ہے: اللہ یصطفی من الملآئکۃ رسلاو من الناس (ع ۱۰) اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا یاموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی (سورۃ اعراف ع ۱۷) اے موسیٰ میں نے امتیاز دیا تجھے لوگوں پر (منتخب کرلیا) اپنے پیغامات پہنچانے اور اپنے کلام کرنے کیلئے۔ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واصطنعتک لنفسی چن لیا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وانا اخترتک میں نے تجھ کو پسند کیا۔ اسی طرح کے الفاظ حضرت آدم، حضرت یوسف، حضرت مریم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے وارد ہوئے ہیں،

ارشاد: ''الٓـمّٓ'' حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے نزدیک راجح اور محقق یہ ہے کہ حروف مقطعات پوری سورت کے مضامین کا جوہر ہیں۔

ارشاد: حقیقت یہ ہے کہ حروف کا بھی ایک عالم ہے حروف کے درجات بھی متفاوت ہیں حتیٰ کہ بعض نبی ہیں اور دیگر مراتب بھی ان کو حاصل ہیں مثلاً میم کو موسیٰ علیہ السلام سے خاص نسبت ہے حروف کے علیحدہ علیحدہ خواص اور اثرات ہیں جس طرح مختلف خواص کے مختلف عناصر سے ملکر ایک چیز ظہور پذیر ہوتی ہے اور صورت شخصیہ اس کو خاص شکل کے ساتھ متشکل کر دیتی ہے اسی طرح مختلف حروف سے اس کا اسم مرکب ہوتا ہے، یہ حروف اپنے خواص اور اثرات

میں مسمّٰی پر منطبق ہوتے ہیں پھر جس طرح ایک ہی چیز مختلف ممالک میں وہاں کے خاص خاص طبعی اثرات کے تفاوت کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہتی ہے خربوزہ کہیں کا بہت شیریں ہوتا ہے اور کہیں کا بہت پھیکا اسی طرح مختلف ممالک کے لحاظ سے اسماء کی شکلوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی تاثیر کی مختلف معجونیں ہوسکتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف چیزیں اثر اور تاثر میں ایک دوسرے کے متبادل اور متماثل ہوتی ہیں اسی طرح اسماء کے اختلاف کو بھی کہا جاسکتا ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے اس موضوع پر بحث کی ہے اور سیمری اس نظریہ کے حامیوں میں خاص شہرت رکھتے ہیں مصنفین نے سیمری کی اس تحقیق کا مذاق اڑایا ہے مگر حروف کے خواص اور تاثیرات سیمری کی تائید کرتے ہیں شریعت سے بھی تاثیرات کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ سورۃ شفاء بہت سے امراض کیلئے شفاء ہے مثلاً عقرب گزیدہ (جس کو بچھو نے کاٹ لیا ہو) کہ اس کیلئے تریاق کا اثر رکھتی ہے مطلب یہ ہے کہ حروف کی وہ خاص ترتیب جو سورۃ شفاء (الحمد) میں ہے وہ گویا ایک معجون ہے جو بہت سے امراض کیلئے مفید اور شافی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس کے استعمال کے طریقے عام طور پر معلوم نہیں ہوتے اس لئے اس کی تاثیر سے فائدہ بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

ارشاد: یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ حروف کلام ربانی میں مرتب ہوں بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ بامعنی کلمات ہوں بعض ایسے الفاظ جو بظاہر بے معنی ہوتے ہیں ان کی خاص خاص تاثیریں ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں بچھو کی ایک جھاڑ بتائی گئی بسم اللہ شجة قرانية ملحة بحر قفطا اس کے بعض الفاظ کا اگرچہ ترجمہ ہوسکتا ہے مگر نہ پوری عبارت کوئی مفہوم ادا کرتی ہے اور نہ تمام الفاظ کا ترجمہ کسی لغت میں مل سکتا ہے۔

ارشاد: "ذٰلک" اشارة الی موجود فی الکتب السابقة فلیس فیه تنزیل القریب منزلة البعید وحینئذ لا یحتاج فی "لاریب فیه" ماتکلفوه من تنزیل الموجود منزلة المعدوم

ارشاد: "المتقین" (ڈرنے والے) مستقبل کے متعلق غور وخوض اور پیش آنے والے

خطرات کا احساس پھر ان سے بچنے کی کوشش کرنا فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے اور ارشاد ربانی میں متقی سے ایسے ہی انسان مراد ہیں چنانچہ المتقین کی پہلی صفت الذین یؤمنون بالغیب (جو ایمان لاتے ہیں غیب پر) اسی طرف اشارہ کررہی ہے یعنی جو یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے مشاہدات سے بالا اور ہمارے حواس سے پوشیدہ بھی کچھ حقیقتیں ہیں ظاہر ہے پاداش عمل، حساب ومحاسبہ، حشر ونشر اور مرنے کے بعد کے حالات بھی اسی ''الغیب'' اور انہی مخفی حقیقتوں میں داخل ہیں جن کو ایک دیدہ ور، دور اندیش محسوس کرتا ہے اور ان کا یقین رکھتا ہے۔

ارشاد: ''ممارزقناهم ينفقون'' ليس مخصوصاً بالزكوٰة (قال مولانااسمٰعيل صاحب قالوا ممارزقناهم ينفقون اى يستعملونها فى خدمة الخلق) قال (الشيخ المدنىؒ) ان سلمناهذايلزم ان يكون مرجع الوصفين (اى يقيمون الصلوٰة وممارزقناهم ينفقون واحداً اى الامور البدنية فلايستحسن قال الشيخ رحمةالله عليه (وفى البياض دامت بركاته) يرجع الوصف الاول الى حقوق الله والوصف الثانى الى حقوق العباد۔

ارشاد: ''ان الذين كفروا'' الآية. انسانوں کی طبیعتیں یا صلاحیت رکھتی ہیں یا صلاحیت سے محروم ہوتی ہیں یا ان میں اعوجاج (کجی) اور ٹیڑھ ہوتا ہے المتقین پہلی جماعت ہوئی اب اس جماعت کا تذکرہ ہے جو صلاحیت سے محروم ہوگئی۔

ارشاد: اوصاف اور القاب کے اطلاق میں عموماً آخری حالت کا لحاظ ہوتا ہے جو شخص آخر میں تاجر یا وزیر یا ڈپٹی یا گورنر ہو وہ اسی لقب سے مشہور ہوتا ہے خواہ اس سے قبل کچھ بھی رہا ہو، علیٰ ہذا اس کے عکس کی صورت میں لہٰذا الذین کفروا سے وہ مراد ہوں گے جو کفر پر مریں اس صورت میں کسی مخصوص جماعت کی طرف اشارہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہ آیت تنبیہ اور اظہار حقیقت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تسلیہ بھی ہوگی، واللہ اعلم۔

ارشاد: ختم الله على قلوبهم (مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر)

اعتراض: کیا جاتا ہے کہ جب ان کے دلوں پر مہر لگ گئی یعنی استعداد اور صلاحیت ہی

ختم ہوگئی تو اب ان سے ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جیسے کسی بہرے سے سننے کا مطالبہ کرنا اور کسی اندھے کو دیکھنے کا حکم دینا ظاہر ہے یہ تکلیف مالایطاق ہے (جس کو اسلامی اصول جائز نہیں قرار دیتے) جواب: دیا جاتا ہے کہ اگر ان کا ایمان لانا ممتنع بالذات ہوتا تو بیشک مطالبہ ایمان تکلیف مالایطاق ہوسکتا تھا مگر ان کا ایمان لانا ممتنع بالذات نہیں ہے لہٰذا اس کا مطالبہ تکلیف مالایطاق نہیں (حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا) مگر یہ بحث یہاں بے موقع ہے کیونکہ ختم اور مہر لگانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندر کی چیز اندر رہ جائے اور باہر کی چیز داخل نہ ہوسکے یہاں دلوں پر مہر کردینے کا مطلب یہ ہوا کہ باہر کی چیز (وعظ ونصیحت کا اثر) اندر نہیں جاسکتا یعنی یہ ایک سخت بندش ہے ختم کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوجائے لہٰذا ایمان کا مطالبہ اس صلاحیت اور استعداد کی بناء پر ہے جو اس مہر اور بندش کے بعد بھی باقی ہے۔

ارشاد: ارشاد ربانی ہے فاقم وجھک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق الله (سورۃ روم ع ۴) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "کل مولود یولد علی الفطرة اوقال علی الاسلام فابواہ یھودانہ اوینصرانہ او کماقال صلی اللہ علیہ وسلم" کا مفاد یہ ہے کہ ایمان وجودی چیز ہے جو فطرت انسان میں ودیعت ہوتی ہے کفر اس کی نفی کا نام ہے ایمان اور کفر میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہے کفر عارض ہے اور ایمان اصل جیسے چراغ کی لو پر دھواں یا آگ کے گرد اگرد راکھ۔ پس ختم سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فطری صلاحیت ودیعت ہوئی تھی مگر اس پر کفر وتمرد کا اتنا پردہ پڑ گیا کہ ایمان کی روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی۔ امکان کذب یا تکلیف مالایطاق کی بحث سے آیت کا تعلق نہیں ہے۔

ارشاد: نفاق نام ہے ضعف کا اگر علم میں ضعف ہے تو نفاق فی العقیدہ ہوا، اور عمل میں ضعف ہے تو نفاق فی العمل ہے۔

ارشاد: کفر جہاراً (کھلے بندوں) اگرچہ قبیح ہے مگر بمقابلہ نفاق کے اس میں ایک طرح کی صفائی ہے اس کا خطرہ بھی ایک ظاہری چیز ہے اور اس سے پہنچنے والے نقصان کا اندازہ بھی

آسان ہے اور نفاق کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس میں تکدر بھی کفر صریح سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے متعلق پورے رکوع میں بحث کی گئی ہے نیز ارشاد ہوا کہ اسلام سے پہلے جنگ بغاث کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا اوس اور خزرج نے باہمی سمجھوتہ کر کے اتحاد کی راہ نکالی وہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے کہ اسی اثناء میں اسلام کا چرچا مدینہ میں ہونے لگا اور اوس وخزرج کا صالح عنصر اسلام کی طرف دوڑنے لگا تو عبداللہ بن ابی کی مجوزہ بادشاہت ختم ہوگئی تھی اس کی مخالفت کا اصلی سبب یہی تھا چنانچہ وہ جنگ بدر تک کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا رہا جنگ بدر کی فتح کے بعد اس کی ذہنی مرعوبیت نے کفر صریح کو نفاق میں تبدیل کر دیا۔

یخادعون اللہ و الذین آمنوا الآیۃ دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے، سوال یہ ہے کہ دغا اور دھوکہ ناواقف سے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کس طرح کیا جا سکتا ہے جو عالم الغیب ہے جو دلوں کے چھپے ہوئے بھیدوں کو بھی اسی طرح جانتا ہے جیسے برسرعام تقریروں اور لیکچروں کو۔ پھر فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ ''یخادعون'' کو بلا تاویل کے اصلی معنی میں لیا جائے اور منشأ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم السرائر اور دل کی پوشیدہ باتوں کا واقف کار نہیں ہے جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بنوثقیف کے لوگ اور کچھ قریش کے لوگ اس میں بحث کر رہے تھے کہ خدا ہماری باتیں سنتا ہے یا نہیں ایک نے کہا کہ جو بات چیت بلند آواز سے ہوتی ہے اس کو سنتا ہے اور پوشیدہ کو نہیں سنتا۔

ارشاد: **فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا** (ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دیا اللہ نے ان کا مرض) نفاق کمزوری کا نام ہے لہٰذا قلوب میں لامحالہ مرض ہوا پھر اسلام کے احکام (جہاد وغیرہ) نے ان کو ان چیزوں پر مجبور کیا یا ان سے ان باتوں کا مطالبہ کیا جو ان کے تقاضائے طبع کے مخالف ہیں مثلاً جن کافروں سے ان کے خصوصی تعلقات تھے انہیں سے جہاد کا حکم دیا گیا اس سے ان کی کڑھن اور مرض میں اضافہ ہوگیا۔

ارشاد: انمانحن مصلحون (یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہیں مصلح یعنی وہ صرف اپنے طرزعمل ہی کو اصلاح سمجھتے ہیں)

ارشاد: اللہ یستھزیٔ بھم اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے (اللہ مذاق بناتا ہے ان کا) مجازات کے طور پر لفظ استہزاء بولا گیا ہے ورنہ استہزاء کی تفسیر وہ ہے جو واؤ تفسیری کے بعد "یمدھم فی طغیانھم" سے کی گئی ہے۔

ارشاد: اولٓئک الذین اشتروا الآیۃ چونکہ اکثر اہل مکہ اور عموماً یہودی تجارت پیشہ تھے اس لئے لفظ تجارت بار بار لایا گیا ہے۔

ارشاد: مثلھم کمثل الذی استوقد الخ ،ضعف علمی اور ضعف عملی کو دو مثالوں میں بیان فرمایا گیا ہے پہلی مثال ضعف علمی کو واضح کر رہی ہے جس کے نتیجہ میں ارشاد ہے صم بکم عمی یعنی جملہ ذرائع ادراک مسدود ہیں دوسری مثال یعنی او کصیب میں ضعف عملی کی جانب ایماء ہے۔

ارشاد: شریعت پر عمل کرنے میں کچھ دشواریاں بھی ہیں مگر نتیجہ مفید ہی ہوتا ہے جیسے بارش کہ وہ نتیجہ کے لحاظ سے مفید ہی ہے اگرچہ برستے وقت برق، بادکی مصیبتیں بھی ہوتی ہیں بسا اوقات سیلاب وغیرہ سے مکانات گرنے کا نقصان اور ٹپکنے کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

ارشاد: یٰایھاالناس اعبدوا ربکم(الآیۃ) ذٰلک الکتاب کو ھدیً للمتقین فرمایا گیا ہے اس آیت سے اس ھدیً کی تفصیل شروع ہوتی ہے اول اس نعمت کا ذکر ہے جس سے نفس وجود رونما ہوتا ہے اس کے بعد ان نعمتوں کا ذکر ہے جن پر وجود کا بقاء موقوف ہے یعنی یہ کہ زمین کو تمہارے حق میں بچھونا بنادیا، آسمان کو چھت کی طرح کردیا، آسمان سے پانی اتارا جس سے کھیتیاں اور باغات سیراب ہوئے جن سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوئے (وغیرہ وغیرہ)

ارشاد: انسان فطرۃً مقلد پیدا ہوتا ہے اگر کسی نے باپ دادا کے ساتھ احسان کیا ہو تو جس طرح باپ دادا اس کے احسان مند ہوتے ہیں یہ بھی احسان مند ہوتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے لہٰذا آیت میں ارشاد ہوا والذین من قبلکم یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم کو پیدا کیا ان کو

بھی پیدا کیا جن کا تم احسان مانتے ہو لہٰذا وہی مستحق عبادت ہے کیونکہ وہ تمہارا بھی محسن ہے اور تمہارے باپ دادوں اور پیش رو بزرگوں کا بھی محسن ہے جن کا تم احسان مانتے ہو۔

ارشاد: ''لعلکم'' کہا جاتا ہے لعل شک کیلئے ہے پھر جوابات دیئے جاتے ہیں کہ لعل جب کلام الٰہی میں واقع ہو تو یقین کیلئے ہوتا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ '' کَی '' کے معنی میں ہوتا ہے وغیرہ مگر حقیقت یہ ہے کہ لعل ترجی کیلئے ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (قدس سرہ العزیز) فیوض قاسمی میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز نے ماغوک کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تین لفظ متقارب بولے جاتے ہیں (ان کے معنی قریب قریب اور ایک دوسرے جیسے ہیں) ترجی، تمنی اور غرور، فرق یہ ہے کہ اسباب قریبہ کے ارتکاب اور عمل میں لانے کے بعد جو امید قائم ہو اس کیلئے ترجی (اور رجاء) آتا ہے جیسے کھیت کو بونے، جوتنے اور آب پاشی نیز حفاظت کے ضروری انتظام کے بعد غلہ کی جو امید ہوگی اس کیلئے ''ترجی'' بولا جائے گا (اردو میں اس کیلئے ''امید'' کا لفظ ہے) مثلاً ایسی صورت میں کاشتکار کہے گا خدا کی ذات سے امید ہے کہ سو (۱۰۰) من غلہ ہو جائے گا۔ اور اسباب بعیدہ کو عمل میں لانے کے بعد جو خیال قائم ہوتا ہے اس کو ''تمنی'' کہا جاتا ہے (اردو میں تمنی کا تمنا کر دیا گیا) جیسے کاشتکار صرف زمین لے لے اور باقی اسباب کو عمل میں نہ لائے اور غلہ کی خواہش کرنے لگے۔ اور ایسی صورت کہ نہ اسباب بعیدہ ہوں نہ اسباب قریبہ اور توقع قائم کر لی جائے اس کیلئے ''غرور'' کا لفظ آتا ہے، تمنا خام، خیالی پلاؤ، قرآن حکیم میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے ارشاد ہے: فلا تغرنکم الحیوٰۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور سو تم کو نہ بہکاوے دنیا کا جینا اور نہ دھوکہ دے تم کو وہ دغاباز (سورہ لقمان) یعنی شیطان دھوکہ دیتا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے اور دنیا کا جینا اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ جس کو یہاں نعمتیں میسر ہیں وہ وہاں نعمتوں سے ہمکنار رہے گا (محمد میاں بحوالہ موضح القرآن)

اس کے قریب قریب ''امنیۃ'' ہے جس کی جمع ''امانی'' آتی ہے قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے: لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب (الآیۃ) یعنی نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے نہ اہل

کتاب کی آرزوؤں پر بلکہ اصول یہ ہے کہ جوکوئی برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ مددگار، اور جوکوئی کچھ عمل نیک کرے گا مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہوگا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا حق نہ مارا جائیگا تل بھر (سورہ نساء ع ۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، یا اہل کتاب کیلئے اپنے نبی پر ایمان لانا فوز وفلاح اور نجات کیلئے سبب بعید ہے اور سبب قریب ہے عمل۔ عمل کے بغیر توقع قائم کر لینے کو امانی کہا گیا ہے۔ لعل کا صحیح ترجمہ ''شاید'' کے لفظ سے ادا نہیں ہوتا البتہ ''شاید'' فارسی میں ترجی کیلئے بھی آیا ہے اس لحاظ سے ''شاید'' ترجمہ ہوسکتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ''لعل'' عربی میں ''شاید'' کی طرح ہی ہو کہ ترجی کیلئے بھی آتا ہے اور شک کیلئے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

ارشاد: انزل من السماء ماء الخ (نازل کیا آسمان سے پانی پیدا کئے اس سے پھل جو رزق ہیں تمہارے لئے) حکم سابق یعنی ''رب کی عبادت کرو'' کیلئے ایک خطابی دلیل ہے یہاں اس نعمت کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے سامنے ہے اور خود اس کے معترف ہیں (کہ آسمان سے بارش برستی ہے اس سے پیداوار ہوتی ہے) یہاں یہ بحث بے موقع ہے کہ کیا بارش واقعی آسمان سے برستی ہے یا آسمان سے بہت نیچے پہاڑوں کی بلندی کے قریب جو بادل فضائے آسمانی میں دوڑتے پھرتے ہیں، ان سے بارش برستی ہے کیونکہ بارش کی حقیقت بیان کرنا آیت کا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت کا اظہار ہے جس کے وہ خود اپنے مشاہدہ اور اپنے عقیدہ کے لحاظ سے قائل ہیں۔

یہ ایک حقیقت کا اظہار بھی ہوسکتا ہے کیونکہ احادیث میں ''ماء'' کا اصل معدن ''سماء'' ہی کو قرار دیا گیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عرش کے نیچے ایک ''بحر'' ہے نیز سمندروں کے پانی کا کم نہ ہونا نیل وفرات اور دجلہ کا ہمیشہ سے جاری رہنا خود شاہد ہے کہ ان کو ''مدد'' یعنی کمک آسمان سے پہنچتی رہتی ہے۔ واللہ اعلم

ارشاد: وان کنتم فی ریب مما نزلنا (الآیۃ) ترجمہ: اگر تم ہو شک میں اس کلام سے جو

اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی۔ اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے۔ (موضح القرآن)

قرآن پاک اپنی صداقت کیلئے خود اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اگر تمہیں شک ہے کہ یہ کلام کلام اللہ نہیں ہے تو اللہ کے کسی ماسوا سے اس جیسا کلام بنوالو، تم خود بناؤ، اپنے دوستوں سے ساتھیوں سے، سرپرستوں اور سربراہوں کی مدد سے بناؤ، اگر انسانوں کے سوا جنات اور شیاطین کی مدد تم کو مل سکے تو ان کی مدد سے بناؤ بہرحال اللہ کے سوا جتنی بھی طاقتیں تمہارے پاس موجود ہیں یا میسر آسکتی ہیں یا جس کا تم تصور کر سکتے ہو ان سب کو بلالو، اور اس جیسا قرآن بنادو۔ یہی دلیل ہے سچائی اور صداقت کی اور اگر تم اس جیسا قرآن نہیں بناسکتے تو پھر یقین کرلو کہ تمہارا انکار کرنا سراسر عناد، غرور، سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے جس کا نتیجہ نار جہنم ہے جو ہمیشہ دہکتی رہتی ہے، اور تم جیسے انسان اس کا ایندھن ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ مضمون پانچ جگہ دہرایا گیا ہے اور اس کیلئے پانچ لفظ استعمال کئے گئے: (۱) مثل هذا القرآن (سورہ بنی اسرائیل) (۲) بحديث مثله (سورہ طور) حدیث سے مراد یہی پورا قرآن ہے، ان دونوں آیتوں کا مفاد یہ ہے کہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اس جیسا قرآن بنالاؤ (۳) بعشر سور مثله (سورہ ہود) اس جیسی دس سورتیں بنالاؤ (۴) بسورة من مثله (سورہ بقرہ) ایک سورت اس قسم کی، یہاں من مثله کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اس جیسے سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سے جو امی محض ہو ایک سورۃ اس جیسی بنوالاؤ (۵) بسورة مثله (سورہ یونس) یہاں یہ احتمال بھی نہیں بلکہ صاف ہے کہ اس جیسی کوئی ایک سورۃ لے آؤ۔ اس مطالبہ میں ترتیب ملحوظ ہے کیونکہ وہ آیات جن میں قرآن، حدیث یا عشر سور ہے، یعنی جن میں مطالبہ ہے کہ اس جیسا قرآن لے آؤ اور اس سے اتر کر مطالبہ یہ ہے کہ دس سورتیں بنالاؤ یہ مکی ہیں اور یہ آیتیں جن میں صرف ایک سورت کا مطالبہ ہے مدنی ہیں۔ پھر سورت کے بارے میں کوئی قید نہیں کہ چھوٹی یا بڑی ہو اور کتنی بڑی ہو، حالانکہ سورت کوثر بھی سورۃ ہے جس میں چھوٹی چھوٹی صرف تین آیتیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول مطالبہ ہوا کہ اس جیسا قرآن بنالاؤ، جب اس سے عاجز رہے تو مطالبہ میں تخفیف کی گئی کہ پورا قرآن نہیں تو قرآن کی دس سورتوں جیسی دس سورتیں بنالاؤ اور جب اس سے بھی عاجز رہے تو مدینہ طیبہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ ایک ہی سورت بنالاؤ اور جب صرف تین آیتوں کی سورتیں بھی قرآن شریف میں موجود ہیں تو بعنوان دیگر مطالبہ یہ ہوا کہ قرآن پاک کی آیتوں جیسی تین آیتیں بنالاؤ۔ اس سے بڑھ کر قرآن پاک کے اعجاز اور صداقت کی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے یہ اعلان فضاء عالم میں گونج رہا ہے مگر کسی کو ہمت نہیں ہوسکتی کہ اس الہامی چیلنج کا جواب دے سکے۔

ارشاد: عوام کیلئے ترغیب وترہیب سے کام لیا جاتا ہے مثلاً جنت کی نعمتیں شمار کی جاتی ہیں یا دوزخ کی مصیبتوں سے خبردار کیا جاتا ہے کیونکہ بلند اور گہرے مضامین ان کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں، خواص کیلئے احسان اور انعامات شمار کرائے جاتے ہیں اور اخص الخواص کیلئے محبت، اسباب محبت پانچ ہیں: کمال، جمال، احسان، قرب اور اطاعت وفرمانبرداری، پانچواں سبب یعنی اطاعت وانقیاد تو ایسا ہے کہ رب العالمین کا حریم عظمت اس سے بلند ہے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کسی کے مطیع یا فرمانبردار نہیں البتہ اس پانچویں سبب کے علاوہ باقی چاروں سبب دامن الوہیت سے وابستہ ہیں جن کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنے رب کا محبّ اور عاشق جانباز ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات احاطۂ عدد وشمار سے بالا ہیں، وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها اگر شمار کرو اللہ کی نعمت کو تو اس کو گن نہیں سکتے۔ جمال الٰہی، آج سامنے نہیں ہے، حجاب حائل ہے مگر قیامت کے روز اور آخرت میں جمال الٰہی انتہا درجہ کی اور سب سے بڑی نعمت ہوگا، اور اس سے مجوبیت موجب اضطراب ہوگی جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں اور ارشاد ربانی ہے: انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون ''وہ اپنے رب سے اس روز حجاب میں ڈال دیئے جائیں گے'' یہ ارشاد بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ دیدار خداوندی نعمت عظمٰی ہوگا اور اس سے محرومی مصیبت کبریٰ، کیونکہ اگر مجوبیت موجب اضطراب نہ ہوتی تو تہدید کے موقع پر جہاں طرح طرح

کے عذاب شمار کرائے جارہے ہیں اس کو ذکر نہ کیا جاتا، ہاں پانچویں چیز یعنی اطاعت وانقیاد اور فرمانبرداری اس کی صلاحیت عبد میں ہوتی ہے لہٰذا وہ عبد مورد محبت الٰہی ہوگا جو مطیع ومنقاد ہوگا اور جتنا زیادہ فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوگا اتنا ہی زیادہ محبوب رب العالمین ہوگا اس کے برخلاف کافر و سرکش اس محبوبیت سے محروم ہوگا چنانچہ قرآن حکیم میں بار بار ارشاد فرمایا گیا ہے: ان اللہ لایحب الکافرین ،ان اللہ لایحب الفاسقین، ان اللہ لایحب کل مختال فخور ۔وغیرہ

ارشاد: ولھم فیھا ازواج مطھرۃ ان کیلئے بیویاں ہوں گی پاکیزہ (پاک صاف) مقصود بالخلق مرد ہے، عورت اس کے تابع ہے جیسا کہ ارشادات ربانی سے معلوم ہوتا ہے ارشاد ہے: خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھازوجھا (سورہ نساء) تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا۔ خلقکم من انفسکم ازواجاًلتسکنوا الیھا تمہارے لئے تم میں ہی سے تمہارے جوڑے بنائے کہ ان سے سکون پاؤ۔ الرجال قوامون علی النساء بمافضل اللہ بعضھم علٰی بعض وبماانفقوا من اموالھم (سورہ نساء) مرد حاکم (نگران ومربی) ہیں عورتوں پر اس لئے کہ فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر اور اس لئے کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال میں سے۔ للذکر مثل حظ الانثیین (سورہ نساء) ترکہ میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ نساء کم حرث لکم (سورہ بقرہ) تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں۔

ارشاد: ظاہر اور قوی تر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت نبی نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ دونوں ناقص ہیں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دینا قوت علمیہ کے نقصان کی علامت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے پھر نسوانی عوارض۔ علاوہ ازیں جہاد، جماعت اور جمعہ کا عورتوں پر فرض نہ ہونا قوت عملیہ کے ضعف کی دلیل ہے، لہٰذا عورتیں نبی نہیں ہونی چاہئیں باقی یہ جو حدیث میں وارد ہے کمل من الرجال کثیر ولم یکن من النساء الاار بعۃ مردوں میں سے بہت سے مرد کامل ہوئے مگر عورتوں میں چار عورتیں کامل ہوئی ہیں تو اس حدیث میں نبوت کا لفظ نہیں بلکہ کمال کا تذکرہ ہے اس سے نبوت لازم نہیں آتی۔ واللہ اعلم بالصواب (ماخوذ از مجالس سبعہ)

منسوخ الحکم آیات پر ایک نفیس بحث

والا نامہ در بارہ آیات منسوخ الحکم ومنسوخ التلاوت آیا تھا، بہت مرتبہ ارادہ کیا کہ کچھ عرض کروں مگر اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ اب تک موقع نہ مل سکا اس وقت سفر میں وارد ہا آیا ہوا ہوں، تھوڑی سی فرصت پا کر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر تمہیداً چند باتیں پہلے ذہن نشین فرما لیجئے:

(۱) ہمیشہ کلام کی نسبت تالیف کرنے والے کی طرف ہوتی ہے، اس نسبت کیلئے تکلم کا ہونا ضروری نہیں، البتہ کبھی مؤلف متکلم بھی ہوتا ہے تو کلام بھی اسی کا کہلاتا ہے اور تلفظ بھی اور کبھی مؤلف دوسرا ہوتا ہے اور متکلم دوسرا اس وقت میں کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے شخص کے کلام کو بول یا پڑھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ سعدی کی گلستان اور خواجہ حافظ شیرازی کا دیوان کہا جاتا ہے، حالانکہ تکلم اور تلفظ ہمارا ہے، حروف ہجائیہ ہمارے ہی اصوات سے پیدا ہوتے ہیں، ہم تلفظ آج ۱۳۵۹ھ میں کر رہے ہیں اور گلستان ۶۵۶ھ میں معرض وجود میں آئی تھی اسی طرح کبھی اپنے کلمات مؤلفہ کو اپنی زبان پر اور اپنی طرف سے تالیف کرتا ہے اور کبھی دوسرے کی زبان پر اور دوسرے کی طرف سے تالیف کرتا ہے، معانی اور مقاصد دوسرے کے ہوتے ہیں، نیز اسلوب خطابات وغیرہ بھی اسی دوسرے کے ہوتے ہیں مگر تالیف کلمات کسی دوسرے کے ہوتے ہیں ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں منشی اور محرر نے یہ کلام تصنیف کیا ہے اور فلاں شخص کی زبان پر تحریر کیا ہے، آپ کے پاس ایک بڑھیا آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بیٹے کے پاس خط لکھ دو اور فلاں فلاں مضمون اس میں لکھ دو، وہ بیچاری جاہل اور گنوار ہے اپنی زبان میں مطلب بیان کر دیتی ہے آپ اپنی انشاء پردازی سے نہایت فصیح اور بلیغ الفاظ اور عمدہ اسلوب میں اس کی طرف سے لکھے ہوئے مکتوب الیہ کو برخوردار، نور چشم، قرۃ العین وغیرہ الفاظ تحریر کرتے ہوئے منشیانہ انداز میں مضمون ادا کرتے ہیں

اگر بڑھیا پر یہ عبارت پڑھی جائے تو غالباً سمجھنے سے بھی قاصر ہوگی مگر یہ تمام خط بڑھیا ہی کا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی زبان پر لکھا گیا ہے اس کی طرف سے تخاطب کیا گیا ہے اس مضمون کو درج کیا گیا ہے ہاں کلام آپ کا شمار کیا جائے گا اسی وجہ سے اس میں جو کچھ بھی فصاحت اور بلاغت آئے گی وہ آپ کی مہارت کا ثمرہ ہوگی تو یہ کہا جائے گا کہ یہ کلام فلاں منشی صاحب کا ہے مگر زبان پر فلاں بڑھیا کے لکھا گیا ہے یہاں پر ''اس کی زبان پر'' کہنا بطور مجاز ہوگا، ہاں کبھی حقیقۃً بھی دوسری زبان پر کسی شخص کا تالیف کردہ کلام جاری ہو جاتا ہے اگر کسی پر جن یا بھوت چڑھ جاتا ہے تو وہ کلام اس شخص کے زبان سے بولنے لگتا ہے اور ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس کی اس صاحب زبان کو اطلاع تو درکنار لیاقت بھی نہیں ہوتی، صاحب زبان بے ہوش ہوتا ہے اور وہ جنی اس کی حقیقی زبان سے اپنے تالیف کردہ کلام کو ادا کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ کلام ہمیشہ تالیف کرنے والے کا ہی ہوتا ہے تلفظ کسی کا ہو، منجانب کسی کے ہو، زبان پر کسی کے ہو۔

(۲) کلام کا تالیف کرنا حقیقۃً قلب کا کام ہے زبان تو صرف اس کی ترجمانی کرنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ شاعر کہتا ہے ؎

ان الکلام لفی الفؤاد و انما
جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

اس لئے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فؤاد کا کلام ہے، زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش اور تخیلی کلمات جو کہ خزانۂ حافظہ میں محفوظ ہو گئے ہیں، سب کے سب اسی کلام نفسی کے دوال اور ظلال اور آثار ہیں ان پر اطلاق کلام ثانیاً و بالعرض اور مجازاً ہے، یہ کلام مؤلف فی القلب کلام نفسی کو نہ صرف معنی کی صورت میں حاوی ہوتا ہے بلکہ کلام لفظی (جو کہ مرکب از الفاظ و حروف ہجا ہے) کسوت میں بھی ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے، اگر تلفظ نہ پایا جائے یا عرصہ کے بعد پایا جائے، ہاں وجود کلام لفظی مختلف اطوار رکھتا ہے، پس اگر مؤلف اعلیٰ درجہ کا حکیم اور اعلیٰ درجہ کا فصیح ہے تو معانی بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گے اور الفاظ بھی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو سب کے سب گرے ہوئے ہونگے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ مثل دیگر صفات حقیقۃً ازلی ہیں قرآن شریف کو تالیف فرمایا، اس لئے معانی اور الفاظ قدیم ہوں گے اور تلفظ مثل تحریر و نزول وغیرہ حادث ہوگا، ان الفاظ میں ازل میں تقدم اور تاَ خر صرف ذاتی ہوگا اور زمانی نہ ہوگا، اور ہمارے تلفظ میں قصورِ آلہ کی وجہ سے زمانی بھی ہوجائے گا، اس لئے کلام لفظی کو حادث کہنا خلاف تحقیق ہوگا، صرف تلفظ حادث ہے، کلام نفسی حادث نہیں ہے اور کلام لفظی بھی حادث نہیں ہے، کمافصله بحر العلوم فی فواتح الرحموت۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو قدیم کہنا اسی بنا پر ہے مگر حنابلہ نہ سمجھ سکے اور بالآخر غلاف اور کاغذ کو بھی قدیم کہنے لگے اور یہی معنی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں کہ: نــاظـرت اباحنیفة ستة اشهر اجتمع رأیی ورایه علی ان من قال بخلق القرآن فهو کافر۔

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ بھی ہوا جس طرح وہ اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور حقائق کا جامع بھی ہے کـلام الـمـلوک ملوک الکلام اس کا شاہد عدل ہے اور اسی بناء پر تحدی اور اعجاز بھی اس میں پایا گیا۔

(۴) قرآن شریف میں صرف احکام کا ہی بیان نہیں ہے اس میں تحدی اور اعجاز بھی ہے اس میں قوت تاثیر بھی اعلیٰ پیمانہ کی ہے: لـو انـزلـنـا هـذا الـقـرآن علی جبل لرأیتـه الآیة (اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا اللہ کے ڈر سے، حشر۔ از حاشیہ)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بوقت نزول پسینہ پسینہ ہوجانا، جسم کو قابو میں نہ رکھ سکنا متغیر اللون والکیف ہوجانا، شدت اور برحا میں مبتلا ہوجانا، آپ کے جسم مبارک میں ایسے ثقل کا ہوجانا کہ دوسروں کو خـفـت ان تـرض فـخـذی (میں ڈری کہ میری ران نہ ٹوٹ جائے۔ از حاشیہ) کی کیفیت عارض ہوجائے وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ جنات اور آسیب وغیرہ اس سے سخت پریشان ہوجاتے ہیں "دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خوانند" اس کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر لفظ میں نورانیت بہت بڑے پیمانہ

پر ہے جس کو اہل اللہ مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھو ابریز وغیرہ۔

(۵) اس میں شفاء امراض ظاہرہ وباطنہ بھی ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے :وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃللمؤمنین (اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے۔ازحاشیہ) قل ھو للذین امنوا ھدیً وشفاء (کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے۔ازحاشیہ)

(٦) اس میں ازالۂ ذنوب وآثام بھی ہے وشفاء لمافی الصدور (اور شفاء دلوں کے روگ کی۔ازحاشیہ) نص قرآنی ہے، جلاء للقلوب نص نبوی ہے۔

(۷) اس میں ہر ہر حرف پر اجر وثواب بھی ہے، جس پر فرمایا گیا ہے کہ جس نے ایک حرف بھی پڑھا اس کو دس نیکیاں ملیں گی لااقول الٓمّ حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف او کماقال علیہ السلام (میں نہیں کہتا کہ الٓمّ ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ازحاشیہ)

اس کے احکام ہی سے تعبد نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کی تلاوت سے بھی تعبد مقصود ہے خواہ معنی جانے جائیں یا نہ: یتلون آیات اللہ اناء اللیل الآیۃ (وہ راتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ازحاشیہ) یتلونہ حق تلاوتہ الآیۃ (وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا۔ازحاشیہ) الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ الحدیث (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہر قرآن بزرگ اور نیکوکار لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ازحاشیہ) وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں اس کی ہر ہر آیت میں ذکر خداوندی بھی ہے تقریباً کوئی آیت اسماء الٰہی یا صفات وافعال خداوندی سے خالی نہیں ہے اسی وجہ سے اس کا نام بھی ذکر رکھا گیا، غفلتوں کو دور کرنے والا، قلوب اور ارواح کو مانجنے والا، ان کو رنگ دینے والا، اس میں رقت اور خشیت پیدا کر دینے والا، ان سے قساوت اور تاریکی اور سیاہی آثام دور کرنے والا ملائکۃ اللہ اور سکینت کو کھینچ کر لانے والا، رضاء باری سبحانہ وتعالیٰ کا موجب یہ قرآن ہے ما عبداللہ بشی

ماعبدبما خرج منه الحدیث (او کماقال) وغیرہ، چونکہ یہ تالیف از جناب باری عزاسمہ تھی اوراس کا ہی کلام ہے اس لئے ان امورمذکورہ کا ہونااس میں ضروری ہے،ان کے علاوہ خدا جانے کتنے کتنے فوائداس میں رکھے ہوئے ہیں ہم نے اختصاراً کچھ عرض کئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نظم قرآنی میں بہت زیادہ فوائداور مقاصدرکھے گئے ہیں بنابریں اگرکسی آیت کا حکم منسوخ ہوگیاتواس کے الفاظ میں دیگر مقاصد عظیمہ باقی ہیں،اس لئے منسوخ حکم کو برائے تلاوت باقی رکھاجاناقرین قیاس تھااورہے،آیات احکام چونکہ اصلاح عباد بالخصوص اہل عرب کیلئے جن کواساتذۂ عالم بنایاہے اتاری گئی ہیں اور چونکہ اصلاح تدریجی ہی مفید ہوتی ہے بالخصوص ان اقوام کیلئے جوکہ بالکل ہی نابلدہوں،اس لئے ان کوشیئاًفشیئاً مؤدب کیا گیا،کبھی نرمی سے سختی کی طرف کبھی سختی سے نرمی کی طرف جب وہ کسی حکم کے عادی بن گئے ان کوآگے بڑھایا گیااور پہلا حکم اٹھالیا گیا،تاآنکہ حدکمال تربیت پرپہنچ گئے تو: الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ مطمئن کردیا گیا۔

جس کے لڑکے کولکھناسکھایاجاتاہےتوایک زمانہ تک موٹےقلم سے تختی پر لکھنے کاحکم دیا جاتاہے جب وہ اس میں ماہرہوگیاتو تختی لے لی جاتی ہےاور کاغذدیدیاجاتاہے،جب اس کا ماہرہوجاتاہےتو موٹاقلم لےلیاجاتاہےاورایک باریک قلم دیدیاجاتاہے وعلیٰ ہذاالقیاس اوریہ سب مدارج تعلیم پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں۔

اسی بناء پرفرمایاجاتاہے: ماننسخ من ایۃ اوننسھا نات بخیر منھااو مثلھا، پس بہت سی آیتیں منسوخ الحکم والتلاوۃ کردی گئیں اوراس سے بہتریاان کی مثل آیات اتاردی گئیں جن میں ہرقسم کے فوائداور مقاصد تھے لہٰذا آیات منسوخہ کی حاجت باقی نہیں رہی اسی طرح جوآیات فوائداخروی کی مماثل فوائدیابہترکوجامع تھیں انہوں نے بعض ایسی آیات سے مستغنی کردیاجن کاحکم توباقی رہامگرتلاوت کی حیثیت سے وہ منسوخ کردی گئیں کہ اعلیٰ کے یامماثل کے موجود ہونے میں ان کی ضرورت نہیں اگراس کے بعدبھی ان سب کو باقی رکھاجاتاتولوگوں کوقرآن کا

حفظ کرنا بھی مشکل ہو جاتا اور تلاوت سے بھی گھبراتے، یہ موجودہ قرآن بھی جس طرح یاد کیا جا رہا ہے اور جس طرح اس کی تلاوت کی جارہی ہے وہ سب کو معلوم ہے بعض بعض سورتیں حسب تصریحات صحابہ کرامؓ سورۃ بقرۃ کے برابر یا زیادہ تھیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر بالقرآن آسان کر دیا گیا، ولقد یسرنا القرآن الآیۃ (ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو۔ از حاشیہ) اس کا شاہد عدل ہے۔

محترما! اول تو آیات منسوخۃ الحکم کتنی ہیں اس میں بحث ہے، عام طور سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نسخ بیان مغیر اور تخصیص کے معنی میں ہوتا تھا، نسخ اصطلاحی یعنی رفع حکم شرع بآخر مثلہ کے معنی میں بہت کم ہے، چنانچہ اتقان اور اس کے بعد فوز الکبیر میں مقدار بہت ہی گھٹا دی گئی ہے آیات کے معنی اس طرز پر بیان کئے گئے کہ ان کو منسوخ الحکم کہا ہی نہیں جا سکتا، نواب صدیق حسن خان صاحب نے کتاب النسخ میں ان باقی ماندہ کو بھی اٹھا دیا ہے۔ مگر علی تقدیر التسلیم (جیسا کہ عام مفسرین کی رائے ہے اور مفہوم ظاہری آیت ماننسخ الآیۃ کا بھی ہے) ہمارے معروضات سابقہ پر غور سے نظر فرمایئے۔ ان شاء اللہ مشکلات حل ہو جائیں گی۔

قلت فرصت میں یہ تحریر لکھی گئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ عبارت میں الجھاؤ ہو یا اختصار مخل فہم ہو، مگر غور کرنے پر ان شاء اللہ مطلب حل ہو جائے گا۔ ۱۵ر رجب ۱۳۵۹ھ

(مکتوبات ص ۳۰۲ ج ۱)

تاریخ تدوین حدیث پر محققانہ مقالہ

آپ کا ٦ ذیقعدہ کا والا نامہ جس کو آپ نے ہسپتال سے لکھا تھا پہنچا تھا مگر عدیم الفرصتی کی بنا پر جواب نہ دے سکا...... یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی، علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت علیہ السلام ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو آپ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دیدی تھی وہ لکھا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع میں منیٰ میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا جس میں اجمالاً تمام شرائع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا تو ابوشاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعاً کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (بخاری)

زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلات اپنے عاملوں کو لکھوا کر دیں جو کہ کتاب ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کی اقسام اور ان میں اونٹوں کی عمریں وغیرہ درج ہیں جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے؟" فرمایا کہ نہیں، مگر جو کاغذ ہماری تلوار کے میان میں موجود ہے، پوچھا گیا اس میں کیا ہے، کہا دیت کے اونٹوں کی عمریں اور احکام اہل ذمہ وغیرہ۔ (بخاری)

غرضیکہ تسوید احادیث زمانۂ نبوی علیہ السلام میں شروع ہوگئی تھی جو کہ صحابہ کرامؓ کی توجہ

سے ترقی پذیر ہوتی رہی (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہوگئی) مگر یہ تحریریں محض یاداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں کوئی ترتیب نہ تھی، اسلام کی نشر واشاعت کی مصروفیت، اشتغال بالجہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا، مگر اسی زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشو ونما پا جاتے ہیں جنہوں نے ان متفرق مسودوں کو محفوظ فی الصدور، احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے ہمعصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانۂ خلافت سو ہجری ہے یعنی بعد وفات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے برس پر، انہوں نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا بہت بڑے علامہ، جلیل القدر خلیفہ راشد ہیں انہوں نے اپنے عہد خلافت میں نشر واشاعت حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا، ان کے زمانۂ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی اور اس وقت سے علم حدیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں شروع ہوگئی۔

امام مالک رحمہ اللہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، محمد بن اسحاق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے فقہ اور حدیث میں کی گئیں، امام محمد رحمہ اللہ کی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر و سیر صغیر، مبسوط وغیرہ کتب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمایئے، اوزاعی رحمہ اللہ کی تصانیف نیز سفیان ثوری، اعمش، طبری وغیرہ نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں ہاں ان کتابوں میں یہ بات ضروری تھی کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاویٰ بھی بکثرت ہوتے تھے فقہی استخراجات اور استدلالات بھی ہوتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الام'' اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ''امالی''

وغیرہ ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہیں، ان حضرات نے سن ایک سوہجری کے بعد عموماً ابتدائی صدی میں یہ ذخائر جمع کردیئے ہیں پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس میں ایسے بڑے بڑے اولوالعزم حضرات پیدا ہوجاتے ہیں جو کہ ان سابقہ مؤلفات کو چھانٹتے ہیں اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے ،امام احمد بن حنبلؒ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے ، امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" مشہور کتاب تصنیف کی ،امام احمدؒ ان کے استاد ہیں انہوں نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا اور اسی دوسری صدی کے آخری زمانہ میں امام طحاویؒ، علی ابن المدینیؒ ،ابن معینؒ، یحیٰ بن سعید القطانؒ، دارمیؒ وغیرہ ہیں جن کی تصانیف کثرت سے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہوجاتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس میں ترقی ہوجاتی ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عام طور پر تسوید اور ترتیب ابواب جاری ہوگئی اور روز افزوں ترقی کے ساتھ اخیر صدی تک میں بڑی بڑی کتابیں مرتب اور مہذب ہوکر وجود میں آگئیں ،ہر حدیث کے معلم کے یہاں املاء کا طریقہ جاری تھا ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانۂ صحابہ کرامؓ مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہیں تاریخ میں ملاحظہ فرمایئے ،صرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ احادیث مجمع تحدیث میں سنادی جائے اور ان کی تفسیر کردی جائے بلکہ عموماً قلم ،دوات اور کاغذ ہر طالب علم کے پاس استاد کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہوجاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہیں معجم صغیر وکبیر واوسط طبرانی کی اسی کی یادگار ہیں، ہاں معجمات میں استاد کی جملہ روایات رطب ویابس لکھی جاتی تھیں امام مالکؒ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان پھوڑ اور کانٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے ان کی کتاب مؤطا وظیفۂ محدثین میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور عام شہرہ ہوگیا (اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ المؤطا) مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بنا پر کہ اس

میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فتاویٰ اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہیں دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئیں جوکہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہیں، بہرحال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی۔

علم حدیث کی تعریف

(۱) علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے: علم يعرف به احوال مانسب الى النبی صلى الله عليه وسلم قولاً اوفعلاً اوتقريراً اوصفةً علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں جوکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے گئے ہوں بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے، یہی تعریف راجح اور قوی ہے بعض حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی داخل کیا ہے اور ان کے اقوال وافعال کو بھی حدیث میں شمار کیا ہے عمادی صاحب کی تعریف اس قول پر ہے۔

(۲) جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے: ومايـنطق عن الهوىٰ ان هو الاوحی يوحیٰ (سورہ نجم) ان علينا جمعه وقرآنه...... ثم ان علينابيانه (سورہ قیامہ) تو پھر اس میں دارمی وغیرہ کی روایت کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے میں اس کو تلاش کیا جائے اور اس کی صحت وسقم سے بحث ہو جو کچھ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم دینیات ارشاد فرمائیں گے وہ سب وحی ہے ہاں بعض وحی اس قسم کی ہے کہ جس کے الفاظ بھی القاء فرمائے گئے ہیں اور بعض وہ ہے جس کے معنی القاء کئے گئے اور الفاظ میں اختیار دیا گیا ان معنی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے اور اکثر وہ ہیں جن کی جناب باری عزوجل کی طرف نہیں، اول الذکر قرآن ہے، ثانی حدیث قدسی ہے، ثالث عام حدیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتراً

منقول ہے یعنی اس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جن میں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا اس لئے اس کا منکر کافر ہے اور اس کو ماننا عقلاً ونقلاً ضروری ہے اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں اس لئے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے اس لئے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا۔ یہ تو فرق ہمارے لئے ہے صحابہؓ کیلئے نہیں ان کیلئے قرآن اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہوجائے گا۔

پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل چھوٹ جاتا ہے تو غلبۂ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہوجانے کی بنا پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح یا حسن کہا جاتا ہے اور اگر ان کے احوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دی جاتی ہے پھر اگر صحیح احادیث ہم معنی متواتر طریقہ پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تواتر نہ پایا جاتا ہو تو اس حدیث کو متواتر بالمعنی کہا جاتا ہے عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسے ہی ہیں انہیں میں سے اعداد رکعت وغیرہ کی روایات ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہوگا اور انکار کفر ہوگا اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ سے نہ ہو جیسے روزمرہ کے بشری کاروبار دنیاویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا، وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ سے صادر ہوں گے، انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا انتم اعلم بامور دنیاکم الخ، ہر حدیث کی وحی کیلئے نزول جبرئیل علیہ السلام ضروری نہیں وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں، الہام اور کشف بھی وحی ہے، ان کے دل میں کوئی بات من جانب اللہ آجائی جس کو ان کو بتلا دیا جائے کہ من جانب اللہ ہے وحی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت ریل میں جلدی میں یہ تحریر لکھ سکا ہوں بہت سے خطوط کے جوابات میں اس

کی وجہ سے حرج ہوا ہے اگر کافی ہو فبھا اگر اس پر کوئی شبہ ہو تو لکھیں بوقت فرصت اس کیلئے بھی کچھ عرض کرسکوں گا۔ گھر میں اور دیگر متعلقین اور احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۱۰۱)

روایات کی صحت وعدم صحت

روایات کے وضع اور سقم وصحت کا مدار سند اور رواۃ کے احوال اور صفات پر ہے۔ امام بخاریؒ اور دیگر محدثینؒ اس کو معیار قرار دیتے ہیں، متن کی معقولیت اور غیر معقولیت ان کا نصب العین نہیں ہے، بخلاف ائمہ کلام واصول، ان کا نصب العین متن ہے جو روایت ان ائمہ کی نظر میں قطعیات اور اصول دین اور مجمع علیہ کے خلاف ہوگی، اسکو موضوع قرار دینگے خواہ رواۃ کیسے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں اور محدثین اگر سند کو معیارِ وثاقت وحفظ وغیرہ پر کامل پائیں گے تو صحت کے مقر ہو جائیں گے خواہ متن کا کچھ حال ہو، ائمہ کلام جن متون کو قطعیات کے خلاف سمجھ کر ان کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں بسا اوقات غور وفکر کی کوتاہی یا صاحبِ نظر کا ضعف فکر بھی باعث بن جاتا ہے، اور یہی امر باعث تفاوت مراتب ہے، رُبَّ مُبَلَّغٍ اوعیٰ من سامع اور من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین اور فقیہ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد اس کے شواہد ہیں، بناء بریں تحقیق اور مکمل توجہ اور تفتیش کی ضرورت ہے، اس بارہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر ومنزلت معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ میں سفر ریل میں الہ آباد اور کانپور کے درمیان یہ جواب لکھ رہا ہوں کتابیں پاس نہیں ہیں اس لئے اجمال پر اکتفاء کرتا ہوں، الغرض روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ دربارہ عبداللہ بن اُبَیّ اور روایت لایبقی علی ظھر الارض میں گفتگو محض ظاہری فہم اور قلت تدبر کی وجہ سے منکَر ہے، ورنہ ہر دو میں کوئی تخالف قطعیات کا موجود نہیں ہے۔ ۳ر جمادی الاول ۱۳۶۹ھ

(مکتوبات ص ۲۴۴ ج ۱)

درس ترمذی شریف کی افتتاحی تقریر

تعریف حدیث

الحدیث علم یعرف به ما نسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً او فعلاً او صفةً او تقریراً۔

لفظ حدیث جدید کے ہم معنی ہے اور ہر گفتگو حدیث ہے مگر اصطلاح شرع میں اس کی تعریف یہی کی گئی ہے مانسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فیدخل فیھا الموضوع والصحیح کلاھما لان فی الموضوع ایضاً نسبة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا اس کی تخصیص کیلئے "علم یعرف به" کی قید لگا دی گئی تا کہ ہر منسوب الیہ کی معرفت کے بعد انتساب کی صحت وسقم کا عرفان ہو جائے اور اس سے موضوع وغیرہ نکل جائیں۔

"صفةً" سے مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی حالات یا روحانی کمالات کا ذکر کیا جائے، مثلاً آپؐ کا رنگ، آپؐ کا قد، آپؐ کی نیند، آپؐ کی چال ڈھال تو یہ صفت ہے، اور اگر آپؐ کے اخلاق بتائے جائیں کہ آپؐ اجود الناس واصدق الناس تھے، لوگوں کے بوجھ اٹھالیا کرتے تھے، تو یہ احوال روحانیہ ہوئے، احوال مادیہ کی طرح یہ بھی صفت ہیں۔

تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

التقریر ماعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فعل رجل اوقوله ولم ینکر علیه (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کا قول یا فعل ہو اور وہ خاموش رہ جائیں، انکار نہ کریں تو یہ اس کی صحت کیلئے حجت ہے) اسی کا نام تقریر ہے لیکن نبی کے علاوہ کسی کی تقریر حجت نہیں ہے کیونکہ صرف نبی کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ ان کے سامنے اگر کوئی قبیح قول یا فعل ہو گا تو اس

پر سکوت نہیں کر سکتے اس کی نکیر کرنا ان کیلئے ضروری ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قول وقرار اور وعدہ وعدی کے باوجود اپنے سامنے فعل منکر دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا فوراً اعتراض کردیا، حضرت خضر علیہ السلام کی دھمکیاں سنتے رہے مگر شان نبوت ہر جگہ غالب رہی، چنانچہ جب کشتی توڑی گئی تب اعتراض کیا پھر لڑکے کو بلا وجہ قتل کیا گیا تو اور زیادہ برافروختہ ہو گئے حتی کہ جب دیوار کو سہارا دے کر اسے ٹھیک کر دیا تب بھی ضبط نہ کر سکے، یہ منصب کا اثر ہے، کسی صحابی یا غیر صحابی کی تقریر اس لئے حجت نہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ان کے روبرو کوئی فعل یا قول منکر ہو جائے اور وہ اس پر سکوت کر جائیں۔

حدیث کی یہ تعریف محدثین نے کی ہے، اصولیین نے اس میں ایک اور قید کا اضافہ کیا ہے یعنی "غیر القرآن" اور یہ صراحت اچھی ہے کیونکہ گفتگو بہرحال غیر قرآن کی ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں وعلیہ اھل السنة والجماعة اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر مجتبیٰ و مخلَص ہوتا ہے باری تعالیٰ کہتا ہے: انا اخلصنا ھم بخالصة ذکری الدار، نیز ارشاد ہے: وعندنالمن المصطفین الاخیار۔

مقربین الٰہی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مجتبیٰ جن کو پہلے سے چھانٹ لیا گیا ہو دوسرے منیب جن کو کثرت ریاضت سے بڑائی حاصل ہو جاتی ہے، جیسے امراء وسلاطین کے یہاں جس پر شروع سے ہی نظر انتخاب پڑ جاتی ہے تو اس کو شروع ہی سے تربیت کے سامان مہیا کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اس سے کسی وقت غفلت نہیں برتی جاتی لہٰذا وہ بہت جلد جوہر قابل بن کر نکھر جاتا ہے اس کو اجتباء واصطفاء کہتے ہیں بخلاف اس شخص کے جس کو اس کی دانائی یا تجربہ کی بناء پر عہدہ دار بنا دیتے ہیں اس کو بادشاہ خود نہیں چنتے بلکہ وہ اپنی کوشش، جدوجہد سے کامیابی تک پہنچتا ہے۔

قرآن کہتا ہے: اللہ یجتبی الیہ من یشاء اسی وجہ سے نبی کے ماں باپ کا کافر ہونا ممکن ہے مگر ان کے والد والدہ کا بدکار ہونا ممکن نہیں ہے جس کی وجہ سے اختلاط مادہ کا اندیشہ

ہو اور بچہ قابل نفرت ٹھہر جائے۔

مجتبیٰ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قدرت نے جو برتاؤ کیا ہے اس میں اجتباء کی شان جھلکتی ہے کیونکہ ایسی جگہ پیدا کئے گئے جہاں ایسی تربیت کرنے کا کوئی سامان نہ تھا اور والد کو پہلے ہی اٹھا لیا گیا پھر والدہ کو، اس کے بعد دادا کو بھی، تربیت کیلئے صرف چچا رہ گئے مگر وہ بھی کثیر الاولاد اور تنگ حال تھے انہوں نے کیا بھی تو صرف یہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکریاں چرانے کیلئے امراء کے پاس ملازم رکھ دیا، مکہ میں گھاس پھوس نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ جانوروں کو لے کر شہر سے دس دس میل دور نکل جاتے تھے۔ اور خود شہر مکہ کو بھی بالکل جاہل رکھا اور ایسا اس وجہ سے کیا گیا کہ جناب باری تعالیٰ آپؐ کے خود معلم ہوئے اور امی ہونے اور ایسے جاہل علاقے میں رہنے کے باوجود آپؐ علوم لائے اور وہ بھی ایسے علوم کہ صحابہ کرامؓ کو صرف اپنے ہی مدرسہ میں رکھ کر جرنیل، عالم، صوفی، حکمران اور بادشاہ بنا دیا، انہیں ایسی ایسی تعلیم دی کہ فارس، روم اور مصر کے لوگوں کے چھکے چھڑا دیئے، اسی طرح فصل خصومات کیلئے ایسے ایسے قاضی پیدا کر دیئے کہ بڑے بڑے جج آج تک دنگ رہ جاتے ہیں، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ہر طرح سے کامل بنا دیا۔ کسی کو سیاست میں ماہر جیسے ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، کسی کو قانون سازی میں ماہر جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کسی کو تصوف میں باکمال کر دیا۔ تو جو لوگ مخلص و مجتبیٰ ہوتے ہیں ان کو اس طرح تعلیم دی جاتی ہے کہ میدان میں بیٹھ کر حقائق کی ایسی دنیا سنوار دی کہ بڑے بڑے دانشور دنگ رہ گئے، یہ تمام شانیں آپؐ کے مجتبیٰ ہونے کی ہیں کہ قوم کے سب سے بڑے خاندان میں پیدا کیا گیا اور اس طرح تعلیم دی گئی کہ پھر کسی دوسرے کو استاد بنانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔

شئون حفاظت

جو شخص مجتبیٰ ہوگا وہ فحشاء اور برائیوں سے ہمیشہ بری رہے گا، کما قال اللہ تعالیٰ فی

یوسف علیہ السلام ''ولقد همت به وهم بها لولا ان رّا برهان ربه '' کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی هم کا صدور ہو جاتا اگر برہان رب نہ دیکھ لیتے۔ ''البرهان ''المشهور فيه ان جبرئيلٌ اتىٰ في صورة يعقوب عليه السلام وكان الاصبع تحت اسنانه اشارة الى المنع یہاں اگر ''همت به '' پر وقف کر کے پڑھیئے تو یہ معنی ہوں گے، لیکن اگر وقف نہ کیا جائے تو هم کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف معلوم ہوتی ہے۔لغت میں جو خیال دل میں گزر گیا ھجس کہلاتا ہے، اگر دل میں قرار دیا گیا تو خطور ہے، ادھر میلان ہو گیا تو حديث النفس ہے، اس میں لذت ملنے لگی تو هم ہے، اگر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو جزم ہے: فقد قال النبی صلی الله عليه وسلم الهم بالمعصية ليس بمعصية وان عزم بهافهو معصية ، اس بناء پر اگر یہاں هم بالمعصية ہو بھی تو وہ معصیت نہیں ہے، مثلاً سارق نے اگر سرقہ کا ارادہ کر لیا تو جب تک اس سے فعل سرقہ صادر نہ ہو جائے اس وقت تک گناہگار نہیں ہوگا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کو هم کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف پسند نہیں اس لئے اس مقام پر اس سے حفاظت فرما دی اور پھر خود ہی اس کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں: كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادناالمخلصين گویا مخلص کو گناہ ہی سے نہیں شائبہ گناہ سے بھی بچایا جاتا ہے اسی لئے اہل سنت والجماعت تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں وقال الامام ابو الحسن الاشعری: العصمة لاتزول عصمت کبھی زائل نہیں ہوتی۔

اب رہی یہ بحث کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کیسے ہو گئی؟ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو کیسے مار ڈالا، یا اخوان یوسف علیہ السلام سے معصیت کیسے ہو گئی، تو جواب یہ ہے کہ ایک چیز عمداً ہوتی ہے ایک غلط فہمی سے ہو جاتی ہے دونوں میں بڑا فرق ہے اسی لئے اگر کسی نے ہرن سمجھ کر آدمی کو مار ڈالا تو اس پر قصاص نہیں ہے حالانکہ وہ بھی بظاہر قتل انسان ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا شیطان کی یقین دہانی پر اور اس کی اچھی باتوں کے چکر میں آنے کی وجہ سے کیا قرآن شاہد ہے: وقاسمهماانی لکمالمن الناصحين ، نیز اس

نے کہا تھا: اوتکونامن الخالدین تو قرب خداوندی کے حصول کیلئے وہ دھوکا کھا گئے اور قائل کے احوال پر نظر نہیں کی اس کی باتوں کو مان لیا اس لئے ان سے جو ہوا وہ معصیت نہیں تھی قرآن کہتا ہے: فنسی ولم نجدله عزما، مگر ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی'' اس لئے عتاب میں آ گئے، اس طرح کے جو بھی واقعات ہیں ان میں قصد نہیں نسیان ہے یا غلط فہمی کیونکہ قبطی کو اس نیت سے نہیں مارا تھا کہ وہ مر جائے مگر وہ ایک طمانچہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسی طرح اخوان یوسف ہیں انہوں نے جس مقصد کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو والد کے سامنے سے ہٹایا ہے وہ خود کہتے ہیں: وتکونوا من بعده قوما صالحین گویا تم باپ کی نگاہوں سے دور نہیں قریب ہو جاؤ گے۔ توان واقعات میں مقاصد اچھے ہیں افعال خراب ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کفار کو گرفتار کرنے کے بعد صحابہؓ سے مشورہ کیا تب فدیہ لیا تھا کہ فقر و فاقہ دور ہو مگر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبیؔ سے مرتے وقت جو سلوک فرمایا ہے کہ اپنا کرتا کفن کیلئے دیدیا، منہ میں لعاب دہن ڈالا خود جنازے کی نماز پڑھائی اس سلوک کو دیکھ کر ایک ہزار آدمی جو اس کے ساتھی تھے مخلص ہو گئے تھے مگر اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا حالانکہ یہ چیزیں معصیت نہیں ہیں مصالح شرعیہ ہیں مگر دوسری مصالح کے پیش نظر عتاب ہوتا ہے اور کبھی ترقی درجات کیلئے بھی ان پر تنبیہ کی جاتی ہے، اسی لئے شقی وہ ہے جو گناہ کرتا ہے توبہ نہیں کرتا اور تقی وہ ہے جو گناہ کرتا ہے مگر اسکو چین نہیں آتا تاوقتیکہ توبہ نہ کر لے، مگر نبی وہ ہوتا ہے جو گناہ کے صدور سے معصوم و محفوظ ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں گناہ کرنے کی قدرت نہیں رہ جاتی، اگر قدرت ہی نہ رہ جائے تو بچنے میں کمال کیا رہیگا، ان وجوہ سے نبی کے قول، اس کے فعل اور اس کی تقریرات کو قبول کرنا ضروری ہے۔

اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

باری تعالیٰ نے بعثت نبوی کا مطلب ہی یہ بتایا ہے: لتبین للناس مانزل الیهم جس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اور جس قدر بھی احادیث نبوی ہیں وہ کلام الٰہی کا بیان اور تفسیر ہی ہیں

اورقرآن شاہد ہے:مـاينطق عن الهوىٰ ان هو الاوحى يوحىٰ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اورقول رسول میں کوئی فرق نہیں ہے ،حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے ،ان دونوں میں زمین وآسمان کافرق ہے۔

آپؐ کےاقوال وحی ہیں مگر غیـر معبر بالفاظ من الله تعالیٰ بخلاف قرآن کے،وہ ہے مـعبر بلفظه من الله عزوجل یعنی الفاظ وحروف کی ترکیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہوتی ہے، گویا حدیث میں معانی القاء ہوتے ہیں اورانہیں پیغمبر اپنے الفاظ میں مناسب طور پر ظاہر فرما دیتے ہیں مگر قرآن میں معانی اورالفاظ دونوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہے،یہی وجہ ہے کہ احادیث کی فصاحت وبلاغت قرآن کی طرح حد اعجاز کونہیں پہنچ سکتی۔

بعض علماء نے حدیث وقرآن کافرق یوں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔

رہا حدیث قدسی اورقرآن میں فرق،تو صرف اس قدر ہے کہ احادیث قدسیہ مـعبـر بالفاظ ومعنی ہونے کے باوجود منقول بنقل متواترنہیں ہوئیں اورقرآن معبر بالفاظ ومعنی من الله تعالیٰ ہوکر منقول بنقل المتواتر ہے۔

تفسیروتاویل

آپؐ کے تمام اقوال وحی غیر متلو ہونے کی وجہ سے کلام اللہ کی تفسیر ہوسکتے ہیں کیونکہ تفسیر بیـان ماهو المراد کانام ہےاوربجز نبی کے دوسرا کوئی متکلم (اللہ تعالیٰ) کی مراد ظاہر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا،بخلاف تاویل کے،کیونکہ اس میں مـايـمكن ان يكون مراد المتكلم ہونا معتبر ہےاس لئے اس کوغیر نبی بھی کرسکتا ہے۔

نیز جس طرح آپؐ کےاقوال کتاب اللہ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں اسی طرح آپؐ کے افعال اورتقریرات بھی قرآن کیلئے لتبيـن لـلـنـاس کافائدہ دیتے ہیں چنانچہ انہی اقوال وافعال اورتقریرات سے آپؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی پوری تعلیم وتربیت فرمائی۔

افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو انسانوں کے سدھارنے کیلئے بھیجا تھا محض تبلیغ کیلئے نہیں پیدا کیا تھا اس لئے کہ صرف تبلیغ تو فرشتوں سے بھی ہوسکتی ہے، اشتہارات آسمان سے برسائے جاسکتے تھے مگر اس سے انسانیت سدھاری نہیں جاسکتی تھی وہ اسی وقت ممکن تھی کہ کوئی معلم خود قوم میں نمونہ بن کر موجود ہو اور اپنے عمل وکردار سے اس کو سدھارے اس لئے انبیاء علیہم السلام صرف کہنے کیلئے نہیں آئے بلکہ کام کرنے اور کرانے کیلئے بھیجے گئے، اور چونکہ فرشتہ یا جن ہوتا تو وہ انسانوں سے اس قدر ہمدردی اور سلوک نہیں کرسکتا تھا جس قدر ان سے انسان کرسکتا ہے کیونکہ انسانوں کی تکلیف کا اندازہ انسان ہی کرسکتا ہے جن وملک کو اس کا احساس نہیں ہوسکتا اسی حقیقت کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے: لقدجاء کم رسول من انفسکم۔

پھر آپؐ کی بعثت ہوئی ہے تو اس شان سے کہ آپ کی عمر چالیس (۴۰) سال کی ہے، بڑھاپے کی ہے، بڑھاپے کا آغاز ہو رہا ہے، تب نبوت سپرد کی جاتی ہے اس کے بعد تیرہ سال تک آپ مکہ معظمہ میں صبر وضبط یا عدم تشدد کی زندگی گزارتے ہیں اور جب ۵۴ برس کی عمر میں بڑھاپا آچکا ہے تو جہاد فرض کیا جاتا ہے اور آپؐ ہمہ تن اس میں لگ جاتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ پہاڑوں اور ریگستانوں کا سفر ہے اونٹوں پر جھولتے ہوئے سفر کرنا ہے اس کے باوجود آپؐ نے نو سال کے اندر ۲۷ جہاد فرمائے ہیں اور اس اولوالعزمی کے ساتھ کہ تہجد کی نماز تک نہیں چھوٹی۔ انسانیت کی بھلائی اور اپنے فرض منصبی کی تکمیل کیلئے یہ سب کچھ کیا تھا۔

وما علینا الا البلاغ

(ماخوذ از خطبات اکابرؒ)

حدیث "نزول الرب" کی محققانہ تشریح

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی تقریر ترمذی کا ایک ضروری حصہ بطور خلاصہ درج کیا جاتا ہے حضرت شیخ کی اس متکلمانہ تقریر سے نزول باری کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور قرآن وحدیث میں جن مقامات پر اس قسم کے مضامین آئیں گے ان سب کو سمجھنے میں سہولت وآسانی ہوگی جو کچھ لکھا جارہا ہے وہ حضرت شیخ کے دریائے علم وفضل کے چند قطرات ہیں جو تشنگان علوم کی پیاس بجھانے کیلئے کافی ووافی ہیں۔ (جمع کردہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی)

عن ابی ھریرةؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :ینزل اللہ تبارک وتعالٰی الی السماء الدنیا کل لیلة حین یمضی ثلث اللیل الاول فیقول انا الملک من ذا الذی یدعونی فاستجب لہ من ذا الذی یسألنی فاعطیہ من ذا الذی یستغفرنی فاغفر لہ فلایزال کذلک حتی یمضی الفجر۔ (ترمذی ج ا ص ۵۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات جبکہ تہائی رات گذر جاتی ہے آسمان دنیا پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں بادشاہ مطلق ہوں کون شخص ہے جو مجھ سے دعا کرے پس میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطا کروں، کون شخص ہے جو کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے پس میں اس کو بخش دوں، برابر یہی شان رہتی ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے،

نزول کہتے ہیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کرنے کو بشرطیکہ ایک مکان اونچا اور ایک نیچا ہو مکان اور زمان خصوصیاتِ جسم اور خصوصیاتِ حوادث میں سے ہیں اس لئے نزول کا استعمال باری تعالیٰ کے ساتھ کس طرح ہوگا؟ فرقہ مجسمہ اس قسم کی روایات کو حقیقت پر حمل کرتا ہے لیکن حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے (اس مسئلہ میں) اہل سنت والجماعت کے تین اقوال ہیں:

(۱) یہاں پر استعارہ بالکنایہ استعمال کیا گیا ہے یعنی خداوند کریم کی رحمت کا متوجہ ہونا بمنزلہ

نزول کے ہے ایسے موقعہ پر مشبہ بہ کوذکر کر کے مشبہ کوحذف کر دیا جاتا ہے جیسے رأیت اسدافی الحمام اصل میں ہے رأیت زیدا کالاسد فی الحمام یہاں پر مشبہ کے لوازمات ذکر کر دیئے گئے ہیں یہ استعارہ بالکنایہ کہلاتا ہے۔

(۲) متکلمین اس جگہ پر مجاز بالحذف مانتے ہیں: ینزل اللہ کو ینزل ملائکۃ اللہ تعالیٰ (یا) ینزل امر اللہ تعالیٰ (یا) ینزل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے معنی میں رکھتے ہیں یہ توجیہ متکلمین متأخرین کی ہے (لیکن) متقدمین کہتے ہیں: ینزل اللہ کما یلیق بشانہ (اللہ تعالیٰ جس طرح بھی اس کے شان کے لائق ہے اس طرح نزول فرماتا ہے) یعنی ہمارے جیسا نزول نہیں ہے جس سے مکان وغیرہ کا مقید ہونا پڑے جناب باری تعالیٰ کیلئے ہمارے جیسا نزول یقیناً خلاف شان ہے، دیکھو آفتاب کی حرارت منتقل ہو کر آتشیں شیشے میں آتی ہے لیکن آفتاب کا نزول نہیں ہوتا حرارت بعینہٖ شمس میں رہتی ہے۔ جبکہ بعض اجسام کی یہ حالت ہے تو باری تعالیٰ سبحانہ کا نزول بدرجہ اولیٰ اس کی شان کے مطابق ہوگا ہمارا نزول ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں ہوتا ہے لیکن باری تعالیٰ سبحانہ کا نزول ایسا نہیں ہے (اگر نزول باری تعالیٰ پر تعجب ہے تو اس محسوس مثال پر غور کرو کہ کس طرح) آفتاب نزول کر کے چھوٹے سے آئینے میں آجاتا ہے حالانکہ وہ ہیئت قدیمہ کے نزدیک زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے اور ہیئت جدیدہ کے نزدیک زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے۔ جب متأخرین نے دیکھا کہ لوگوں کے شکوک وشبہات بڑھتے چلے جاتے ہیں تفلسف (فلسفہ) ان میں بڑھ رہا ہے تو انہوں نے تاویلات کیں۔

اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح گروہِ اشاعرہ، ماتریدیہ تاویلات کرتے ہیں معتزلہ وجہمیہ بھی تاویلات کرتے ہیں اِن میں اور اُن میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کی تاویلات میں فرق یہ ہے کہ اشاعرہ ماتریدیہ تاویلات پر جزم نہیں کرتے برخلاف معتزلہ وغیرہ (اہل باطل) کے کہ وہ جو تاویلات کرتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ بس یہاں یہی معنی مراد ہے۔

(۳) تیسری تاویل صوفیاء کی ہے صوفیاء کہتے ہیں کہ ایک شے کے ظہور متعدد طریقوں سے

ہو سکتے ہیں ہر ظہور میں درجات متفاوت ہوتے ہیں اسی طرح ہر ظہور کیلئے لازم نہیں ہے کہ نفس شے اپنے شئون وصفات سے بدل جائے دیکھو ایک آفتاب ہے اس کا ظہور شیشوں کے تغیرات کے موافق ہے ان تغیرات سے بظاہر رنگ وکیفیت آفتاب میں فرق نظر آتا ہے (سبز شیشہ ہے تو دھوپ سبز اور سرخ ہے تو دھوپ سرخ معلوم ہوتی ہے) لیکن نفس آفتاب میں کوئی فرق نہیں آتا اسی کو تجلی کہتے ہیں خداوند کریم بھی مختلف مکانات میں اسی طرح تجلی کرتا ہے لیکن تجلیات کے اختلافات وتفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ متجلی (تجلی والا) بھی مختلف ہو جائے خداوند کریم نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی نار کے ساتھ فرمائی اگر چہ وہ نار و نور دونوں سے منزہ ہے لیکن اس کا ظہور انسانی استعداد کے مطابق ہوا۔

تجلی وتدلی کا فرق

تدلی کے معنی لٹک جانے کے ہیں جیسے ایک فرشتہ بصورت بشر آجائے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آئے تھے وہ تجرد جو اعلیٰ درجہ کی صفت تھی اس کو چھوڑ کر ادنیٰ درجے کو اختیار کیا یہ تدلی ہے لیکن خداوند کریم کا نزول ہر رات کو سماء دنیا پر بطور تجلی ہوتا ہے۔

فائدہ: خداوند کریم کی جو صفات اشتباہ پیدا کرنے والی ہیں جیسے ضحک، قدم، غضب، ید، وغیرہ ان میں یا تو متکلمین متقدمین کا طریقہ جو کہ اسلم (محفوظ) ہے اختیار کیا جائے (کہا جائے کہ یہ صفات اس کی شان کے مطابق ہیں نہ کہ ہماری جیسی) یا متأخرین کا احکم (مضبوط) طریقہ جو کہ لاعلی سبیل الجزم ہے (تاویلات پر جزم وحصر نہیں ہے) اختیار کیا جائے لاعلی سبیل الجزم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان تاویلات پر جزم نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ممکن ہے ان تاویلات کے علاوہ دوسری تاویلات بھی ہو سکیں ان تاویلات پر حصر نہیں ہے۔

دوسری بحث: ''الی السماء الدنیا'' آسمان دنیا چونکہ ہم سے قریب ہے اس لئے مراد یہ ہے کہ رحمت الٰہی ہم سے بہت قریب ہو جاتی ہے ''کل لیلة'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رات مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر رات رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے مگر شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ ایک وقت

میں رات نہیں ہوتی اور کوئی آن ایسی نہیں پائی جاتی جس میں کہیں نہ کہیں رات نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نزول الٰہیہ ہر وقت ہوتا ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مخصوص رحمت الٰہی ہر جگہ رات ہی کو نازل ہوگی اگر چہ عام رحمت کا تعلق ہر آن کے ساتھ ہے لیکن کیفیات میں فرق ہوگا۔

"حین یمضی ثلث اللیل الاول" مصنف کے نزدیک " ثلث اللیل الآخر "صحیح روایت ہے اور" نصف اللیل الاول ،ثلث اللیل الاول " والی دوسری روایت کو مرجوح قرار دیا جائے گا یہی کہا جائے گا کہ جتنی رات گزرتی جائے گی جمالیت بڑھتی جائے گی ،اول وقت جمالیت اتنی زیادہ نہ ہوگی اس لئے کہا جائے گا کہ نزول رحمت شروع اول شب میں ہوتا ہے نصف شب میں رحمت بڑھ جاتی ہے اور آخر شب میں رحمت خداوندی کا ظہور بہت زور سے ہوتا ہے ،جس طرح برسات ساون کے آخر میں زور سے ہوتی ہے اگر چہ برسات ساون سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے لیکن اس کا اول ووسط اور آخر میں ظہور ہوتا ہے یہی حال رات میں رحمت الٰہی کا ہے۔

فائدہ: رات مظہر جمال ہے اور دن مظہر جلال اسی وجہ سے رات کو قرأت زور سے پڑھنے کی اجازت اور حکم ہے اور دن کو آہستہ پڑھنے کا حکم ہے حضرت شیخ نے ضمناً فرمایا کہ ماں مظہر جمال ہے اور باپ مظہر جلال ،آخر میں حضرت شیخ نے حسب عادت اپنے خدام کو ضروری ہدایت وتلقین فرمائی ،اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت بہت بابرکت ہے ایسے وقت میں تم ٹانگیں پھیلائے ہوئے سوتے ہو تمہارے حجرے میں کوئی صوفی مزاج طالب علم ہے اور رات کو تہجد کیلئے اٹھتا ہے تو تم صبح کو شکایت کرتے ہو کہ ہمیں سونے نہیں دیتا اگر جاڑوں میں اس نے کہہ دیا بھائی الشتاء ربیع الابرار جاڑوں کا زمانہ ابرار(نیک آدمیوں) کیلئے موسم بہار ہے عبادت کیلئے اچھا زمانہ ہے ۱۴ گھنٹہ کی رات ہوتی ہے اٹھو تہجد پڑھ لو تو تم کہتے ہو کہ یہ تو ۱۴ گھنٹہ کی رات ہے اگر ۱۸ گھنٹہ کی بھی رات ہوتی تو میں نہ جاگوں۔احادیث میں ان میاں بیوی کے فضائل آتے ہیں جو ایک دوسرے کو تہجد کیلئے اٹھائیں بیوی چھینٹا دے کر میاں کو اٹھائے آج تو اگر بیوی چھینٹا دے کر میاں کو رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھائے تو میاں مارنے کو دوڑے گا۔ (ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

حدیث خلق اللّٰہ آدم علیٰ صورتہ کا معنی اور مفہوم

یہ روایت بہت قوی ہے بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہئے اور وہ لفظ آدم ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے۔

سورۃ حج میں ہے: یاایھاالناس ان کنتم فی ریب من البعث فاناخلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة الآیة (اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی الخ)

سورۃ مؤمنون میں ہے: ولقدخلقناالانسان من سلالة من طین ثم جلعناه نطفة فی قرار مکین ثم خلقناالنطفة علقة فخلقناالعلقة مضغة الآیة (اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی) سورۃ مرسلات میں ہے: الم نخلقکم من ماء مھین الآیة (کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بےقدر پانی سے)

الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے، اسی بناء پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعاً الحدیث (دیکھو بخاری شریف نصف ثانی) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

صورت سے مراد صورت روحانیہ ہے

''صورتہ'' کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں، بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادۂ شیطانی اور مادۂ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے

جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اس کو آنکھ دی گئی، اس میں قوت بطش تھی اس کو ہاتھ دیئے گئے وعلی ھذاالقیاس اس کی روح میں قوت حاسہ تھی اس لئے اس کے جسم میں قوت حساسہ رکھی گئی، اس کی روح میں قوت واہمہ تھی اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی۔ اس کی روح میں قوت بہیمہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی علی ھذا القیاس اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوت سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قویٰ عقلیہ کا تخت سلطنت بنے وھکذا، غرض کہ مبدأفیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی مامنعک ان تسجدلماخلقت بیدی (کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے، یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں جیسے حیوانات اور پہاڑ، نباتات وغیرہ بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصۂ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے: لقد خلقناالانسان فی احسن تقویم (ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز ے پر) اس لئے اس پر بوجھ تشکر کا سب سے زیادہ رکھا گیا، اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے باز پرس بھی زیادہ ہوتی ہے، ثم رددناہ اسفل سافلین الآیۃ (پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے) اور یہی وجہ ہے کہ وہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا، شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دی جاتی۔

جمال روح آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوبصورت پیدا کی گئی جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوبصورت اور مکمل دیا گیا: لقدخلقناالانسان فی احسن تقویم، شاعر کہتا ہے ؎

ما انت مادحها یا من یشبهها بالشمس والبدر لابل انت هاجیها

اے مادح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اس کو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے یہ تو تعریف نہیں ہوئی بلکہ اس کی ہجو ہے۔

من این للشمس خال فوق وجنتها ومضحک من نظام الدر فی فیها

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے؟

من این للبدر اجفان مکحلة بالسحر والفنج یجری فی حواشیها

بھلا بدر کامل میں وہ سرگین آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں

فارسی شاعر کہتا ہے ؎

من ماہ ندیدم کلہ دارد من سرو ندیدم قبا پوش

ایک اشکال کا جواب

اگر ضمیر "صورته" کی لفظ "جلاله" کی طرف راجع کی جائے، اگر چہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے الاتفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر الآیة (انفال) اور وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بکرةً واصیلاً (فتح) ضمیر "تسبحوه" البعد مذکور کی طرف راجع ہے، تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ جناب باری عز اسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے لیس کمثله شیٔ، ذی صورت کیلئے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شی محیط ہے وہ محاط نہیں ہوسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کیلئے کہا جاتا ہے: صورة المسئلة کذا وکذا ای صفتها کذا وکذا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور حضرت آدمؑ کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا، ان کے ظلال وعکوس بتمامہا اس میں رکھ دیئے، اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں، جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہ بنائے گئے، اور اسی لئے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہو

سکے کسی کا نائب وہی شخص ہوسکتا ہے جو کہ منیب کے صفات خاصہ کا کم وبیش حامل ہو، آفتاب کے نائب چاند یا ستارے یا شمع چراغ ہو سکتے ہیں، شجر حجر نہیں ہو سکتے۔ (مکتوبات ص ۴ے۱ ج ۱)

حدیث لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ کی تشریح

سوال: لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (الحدیث) اس حدیث مبارک میں "والد" اور "ولد" کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟

جواب: محبت عموماً دو قسم کی ہوتی ہے، محبت اجلال اور محبت شفقت، قسم اول میں والد سب سے بڑھا ہوا ہے اور قسم ثانی میں ولد سب سے بڑھا ہوا ہے، ہر دو محبتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور عقلی محبت سب سے بالا ہونی مطلوب ہے، یعنی انسان کو اپنی نفسانی خواہشات اور راحات سے پھیرنے والی یہ محبتیں ہوتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اتباع میں ان دو محبتوں کے پھیرنے سے زیادہ تر پھرنا ازبس ضروری ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ محبت طبعی کیلئے بڑے بواعث احسان اور قرابت ہیں، دربارہ احسان سب سے بڑا احسان عالم ظاہر میں باپ کا احسان ہے اور قرابت میں سب سے زیادہ قرابت بیٹے کی قرابت ہے کہ وہ جزء والد ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان والدین کے احسان سے بھی بڑھا ہوا ہے والدین کے احسانات صرف جسمانی اور مادی ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات روحانی اور مادی دونوں قسم کے تمام امت پر ہیں، روحانی احسانات سے آخرت کے عذاب سے نجات، روح کی حقیقی پرورش، اس کو غضب خداوندی کے موجبات سے بچانا وغیرہ وغیرہ بے شمار ہیں، اور مادی پرورش بھی ظاہر وباہر ہے، امت کو جب تک وہ تابعدار رہی اقوام عالم پر فوقیت اور حکومت عطا فرمائی گئی، فرماتے ہیں: زویت لی مشارق الارض ومغاربھا وان ملک امتی سیبلغ مازوی لی منھا، الحدیث (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے لئے مشرق ومغرب کی زمینیں اکٹھی کردی گئیں میں نے دیکھا کہ عنقریب میری امت کی حکومت ان تمام حصوں پر ہوگی) لتفتحن کنوز کسری والروم، الحدیث (یقیناً

کسریٰ اور روم کے خزانہ پر قبضہ کیا جائے گا) وغیرہ ہیں۔ بیٹے کی قرابت والدین سے صرف مادی اور جسمانی ہے، جس پر جملہ النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم (نبی سے زیادہ لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے) دلیل کامل ہے جب کہ آپؐ ارواح مؤمنین سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوئے جو کہ لفظ''اولی'' کا لفظ مدلول مطابقی ہے تو وہ قرب مفہوم ہوا جو کہ آباء کے قرب سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے کیونکہ جزئیت وکلیت کا قرب نفس شی کے قرب سے کمزور ہوتا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لفظ''اولی''اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا قرب نفوس مؤمنین کے اپنے قرب سے بھی زیادہ ہے، تو دو وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کو آباء وامہات کے قرب سے زیادتی ہوئی، ایک شدت قرب اور دوسرے روحانی قرب جو کہ جسمانیت سے بہت زیادہ بالاتر ہے اور اسی کا نتیجہ ازواج مطہرات کی امویت ہے وہ بھی روحانی امہات ہیں، نیز بعض قراءت میں'' وهو ابوهم '' بھی واقع ہے، خلاصہ یہ کہ طبعی محبت کے اقوی اسباب کا ان دونوں لفظوں''والده وولده میں''اظہار فرمایا گیا ہے۔ والله اعلم

حدیث من قال لا اله الا الله دخل الجنة کا مفہوم

سوال: جو شخص صرف موحد ہو مقر بالرسالت نہ ہو اس کی نجات ہوگی یا نہیں؟ پھر من قال لااله الاالله دخل الجنة کے کیا معنی ہیں؟

جواب: (۱) ان الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون ان يتخذوا بين ذلک سبيلاً اولئک هم الكفرون حقاواعتدنا للكافرين عذابامهينا والذين امنوابالله ورسله ولم يفرقوا بين احد منهم اولئک سوف يؤتيهم اجورهم وكان الله غفوراً رحيما (نساء پ٦)

ترجمہ: جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں

کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کے ایمان کے معتبر ہے، اور نہ فقط رسول پر ایمان بغیر اللہ کے اور اس کی توحید کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر عدم ایمان معتبر ہے اس لئے یہ قول کہ صرف لاالہ الااللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہے اس کو اقرار رسالت کی ضرورت نہیں باطل ہے۔

(۲) ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہیں جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالاتفاق ضروری ہوتی ہیں، مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے، فقط یہی کہا گیا ہے کہ: من قال لاالہ الااللہ دخل الجنة تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزاء اور مذاق کے طور پر یا کسی کے کلام کی نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا، یا کسی نے مسلم جیش کے سامنے جان بچانے کیلئے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہوگا یا اس کلمہ کے کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک کا بول دیا، یقیناً معلوم ہے کہ وہ توحید نجات کیلئے کافی نہیں ہے اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی، اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی، اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالت کی بھی قید لگانی ضروری ہوگی، جیسا کہ آیت مذکورہ نمبر ا سے ظاہر ہے۔ سورۃ حجرات میں ہے: انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔

ترجمہ: ایمان والے لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔

لفظ ''انما'' جو کہ صیغۂ حصر ہے یہاں استعمال کیا گیا ہے، حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اور حدیث وفد عبدالقیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لئے بیان فرماتے ہوئے

ایمان بالرسل و الملائکۃ و الکتب و القیامۃ و القدر کوذکر فرمایا گیا ہے۔

(۳) توحید کا دعویٰ تو یہود، نصاریٰ، مشرکین عرب اور ہنود ہند سب کرتے ہیں مگر اسی توحید کے ساتھ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور ید اللہ مغلولۃ اور ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں، نصاریٰ اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں، بت پرستان ہند نرا انکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے اوتاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں، کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی، اس لئے قائل من قال لاالہ الااللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی اور جب اس کی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آ گئی، ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے جو کہ قابل اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

(۴) اسی روایت من قال لاالہ الااللہ، الحدیث کے جملہ طرق اگر جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا روایت مختصر واقع ہوئی ہے، اس میں کچھ اور بھی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے، مثلاً مخلصاً من قلبہ بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے، دوسری روایتوں میں وانی رسول اللہ بھی موجود ہے، اسی لئے ائمۂ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو ستر (۷۰) اور اسی (۸۰) تک کی قید لگاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کئے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنا ناواقفی اور بے اصولی ہے، کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کر کے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہے، جس کو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں، مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری انجینئری، نقشہ نویسی، تاریخ، سائنس وغیرہ میں تو یہ قاعدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے مگر فن حدیث وفقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول وقوانین رائے زنی کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحمیق کرتا ہے۔ واللہ اعلم (مکتوبات ص۲۱۳ ج۱)

حدیث اولیائی تحت قبائی الخ کی تشریح

حدیث ''اولیائی تحت قبائی لایعرفهم غیری'' کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی، بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو ہم لوگ بھی جانتے ہیں، اس لئے لایعرفهم غیری کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

(۱) اس لئے عرض ہے کہ یہ قضیہ سور کلیہ سے خالی ہے اس لئے مہملہ ہوگا جو کہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے۔ یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمیع اولیائی تحت قبائی الخ اس جزئیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

ولایت کا مدار ایمان وتقویٰ پر ہے

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ مدار ولایت ظاہری اعمال پر نہیں ہے فرمایا جاتا ہے: الاان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لهم البشریٰ فی الحیٰوة الدنیا وفی الآخرة. لاتبدیل لکلمات الله ذٰلک هو الفوز العظیم (یادرکھو جولوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کیلئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی کامیابی)

تفسیر اولیاء میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں ایمان کا قلبی ہونا ظاہر ہے فرماتے ہیں: قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم الآیة (کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں) اور تقویٰ کیلئے ارشاد ہے: الاان التقوی ههنا واشار الی قلبه (اوکما قال علیه السلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یادرکھو تقویٰ یہاں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی جانب تین بار اشارہ فرمایا۔

اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہوتے ہیں جن کی دلالت قطعی نہیں۔ امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، عام لوگ تو صرف ظاہر کی

کسی کی ولایت کی شہادت دے سکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے، بسا اوقات اس میں غلطی اور فاش غلطی ہوتی ہے۔ ؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ

البتہ اولیاء کاملین کو قلبی امور پر بھی اطلاع ہو جاتی ہے، مگر یہ بھی علم یقینی نہیں ہے، عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام ورؤیاء صالحہ غیر انبیاء علیہم السلام میں ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں، اگر چہ مشہور ہے کہ ؎ ولی را ولی می شناسد

ولایت کا مدار حسن خاتمہ پر ہے

(۳) مدار ولایت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے بلکہ حسن خاتمہ پر ہے، فرمایا جاتا ہے: ولا تموتن الا وانتم مسلمون حدیث شریف میں ہے: انما الاعمال بالخواتیم (او کما قال علیہ السلام) اور فرمایا جاتا ہے: ان الرجل یعمل بعمل اھل الجنۃ حتی لایکون بینہ وبین الجنۃ الاذراع واحد فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیکتب من اھل النار الحدیث (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے پس وہ دوزخ کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے)

بنابریں خواہ کیسے ہی تقویٰ پر انسان ہو اور کیسے ہی اعمال صالحہ اور کشف وکرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولایت حقیقیہ کا فتویٰ نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے، اور یہ مخصوص بعلم اللہ تعالیٰ ہے یا وحی سے اپنے پیغمبر کو علم کرا دیا جاتا ہے، جیسا کہ مبشرین بالجنۃ کے متعلق واقع ہوا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: من کان منکم مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ۔

اس لئے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا۔ بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف ومشہور ہیں، کس قدر کرامات وکشوف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

معرفت اور علم میں فرق

(۴) حدیث شریف میں لایعرفهم غیری فرمایا گیا ہے لایعلمهم نہیں فرمایا گیا اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے ہیں، جو کہ مسبوق بالعلم ہو، اور اس وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جس کو پہلے سے جانتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لئے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا اور کون نہ ہوگا، ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے۔

ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولٰئک عنها مبعدون الآیة (جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے) اولٰئک یسارعون فی الخیرات وهم لها سابقون الآیة ۔

ترسم زگنہ نیست کہ او غفار است — از سابقۂ روز ازل می ترسم

اگر چہ اطلاق لفظ "عارف" جناب باری عز اسمہ پر ابہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسانوں میں اس کا اطلاق ادراک بعد الذہول پر بھی ہوتا ہے وهو محال علی اللہ عزوجل اور کبھی ادراکات جزئیہ پر ہوتا ہے جس سے ابہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ہے اور فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عز اسمہ پر ممنوع نہیں تھا، جیسا کہ روایات میں لفظ مذکور بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے۔

حدیث میں حصر اضافی ہے

(۵) حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراق حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے، اگر چہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں، یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ وبتعریفه پہچان سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

اگر موجب اشتباہ فی معنی الحدیث اور کوئی امر ہو اور اس کیلئے یہ جوابات کافی نہ ہوں تو اس کو تحریر فرمائیں تاکہ اس پر غور کیا جائے۔ (مکتوبات ص ۱۶۹ ج ۱)

حدیث مامن مسلم یسلم علیَّ الخ کی تشریح

سوال: ایک شبہ ناشی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں یہی ہمارا عقیدہ ہے پھر سلام کا جواب دینے کیلئے روح کے واپس آنے کے کیا معنی؟ ابن قدامہ نے احمد سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: مامن احدیسلم علی عندقبری الحدیث کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے...... دوسری حدیث ابن حبان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کیلئے مقرر کر رکھی ہے جو سیاحی کرتی رہتی ہے اور میری امت میں سے جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اس سلام کو یہ فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلام کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دیتے ہیں، مستدرک کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی خدمت عالی میں سلام بوساطت ملائکہ پہنچتا ہے۔ (از حاشیہ)

جواب (۱) (الف) ابوداؤد کی روایت میں رد اللہ عَلَیَّ روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مامن مسلم یسلم عَلَیَّ الا رد اللہ عَلَیَّ روحی حتی اسلم علیہ او کماقال، اگر لفظ "الی روحی" فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، علیٰ استعلاء کیلئے ہے اور الیٰ نہایت طرف کیلئے ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت علیہ السلام مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کا انہاک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کیلئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود والے کی

طرف متوجہ کردیا جاتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیلئے متوجہ ہوکر دعا فرماتے ہیں۔

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لئے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور علیٰ اور الیٰ میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوام حیات لازم آئے گا۔

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمی بہ ''ابریز'' میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینہ مبارکہ میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی بے شمار نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بناء پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے اگر وہ منقطع ہوجائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیزؒ نے کہا کہ اچھا مجھ کو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ آپ ضرور یہ کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی، کوئی نصرانی، کوئی دہریہ ہوگیا معاذ اللہ، بناءً علیٰ ذٰلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے والے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پرفتوح کی توجہ شدید ہوجاتی ہے، اور آنجناب علیہ السلام اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرما کر دعا فرماتے ہیں۔

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ''آب حیات'' ص ۲۳۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ دقت مضمون اور طول کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں:

اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق

فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرمادیتا ہے یعنی مبدا انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہوجاتا ہے اوراس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اوراپنی ذات وصفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع ہوجاتی ہے، سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہے اس لئے اس سے مطلع ہوکر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔اس صورت میں اثبات حیات اور دفع مظنہ ممات بمعنی انقطاع تعلق حیات کیلئے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدا انکشاف کو حاصل ہے لفظ روح جو خود حدیث میں موجود ہے اس پر شاہد ہے ہاں ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہاں آپ صلی اللہ عیہ وسلم کا شیدائی ہے،کوئی دم ایسا نہ گزرتا ہوگا جو کوئی آپؐ پر سلام نہ عرض کرتا ہو،اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا بلکہ یوں کہو کہ درپردہ اس کا انکار کرنا پڑا، یہ شبہ ایسا ہے کہ اور مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے، ہاں بطور احقر البتہ اس کا جواب سہل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پرفتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اوراصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مؤمنین امت ٹھہری تو جونسا امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں،اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا،آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں،الخ (ص ۲۳۴)

جواب (۲) ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی کی نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''فیوض الحرمین'' میں فرماتے ہیں کہ میں جب بھی مواجہہ شریفہ میں مزار اقدس پر حاضر ہوا روح پرفتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں

پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف، خصوصی طور پر توجہ فرماتے ہیں، اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اوراسی طرح پران لوگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ ہوتی ہے جوکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہیں اوران سے خوش ہوتے ہیں، میں نے دیکھا کہ روح پرفتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔ (انتہیٰ مختصراً بالمعنی)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب ودعا بنتا ہے اوراگرامکنہ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جوکہ اس خدمت کیلئے متعین ہیں، پہنچاتے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کوشرف حاصل ہوتا ہے (مکتوبات ص۲۲۶ ج۱)

الولایۃ افضل من النبوۃ کی تحقیق

سوال: الولایۃ افضل من النبوۃ کے کیا معنی ہیں؟ نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہوسکتی ہے (از حاشیہ)

جواب (۱) الولایۃ افضل من النبوۃ کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہوسکتا۔

(۲) ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر میں فرمایا ہے یا حالت صحو میں، ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔

(۳) اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ الولی افضل من النبی جوکہ مجمع علیہ اور قطعی کے خلاف ہے بلکہ ''الولایۃ افضل من النبوۃ'' کہا گیا ہے۔

(۴) ولایۃ النبی افضل من نبوتہ اس سے مرادلیا جاتا ہے اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی کو مراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہوجائے فکل نبی ولی ولاعکس چونکہ ولایت سیر الی اللہ فقط یا سیر فی اللہ کے ساتھ یا سیر فی اللہ فقط سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے، اس لئے ذاتی حیثیت سے ولایت اعلیٰ

اوراکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے بخلاف نبوت کے، وہاں پر توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اوراس کا انہماک اوراس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یاکم ازکم بے توجہی کا باعث ہوتا ہے، اذافرغت فانصب اورواذکر ربک اذا نسیت اوران لک فی النھار سبحاطویلا وغیرہ ان کے شواہد ہیں، انه لیغان علٰی قلبی الحدیث اس کا مستدل ہے ایک عاشق صادق قوی العشق کیلئے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اورغیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے، اہل عشق سے پوچھئے ؎

ہر آنکہ غافل از وے یک زمان است ہماندم کافراست اما نہاں است

مبادا غائبی پیوستہ باشد در اسلام بر وے بستہ باشد

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کوکوئی نعمت رؤیت باری عزاسمہ کے برابر نہ معلوم ہوگی اس لئے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے، مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچ کر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اوران کو پروانۂ شمع محبوب بنائے اس لئے وہ خلاف جذبہ طبیعت اطاعةً للحبیب دن ورات جوروجفاوشدائد، مکارہ جھیلتا ہے، اورمعلوم ہے کہ جس قدراس کوعشق تام ہوگا اسی قدرتوجہ الی الغیر میں تکلیف اورگرانی ہوگی ؎

بھنورا لوبھی پھول کلی کلی رس لیت کانٹا لاگے پریم کا ہرت جی دیت

اُوذِیت فی اللہ ولایُوذٰی نبی واُخِفتُ فی اللہ ولایُخَافُ نبی (جس قدر مجھ کواللہ کے راستہ میں تکلیف دی گئی کسی نبی کونہیں دی گئی اور جس قدر مجھ کواللہ کے راستہ میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کونہیں ڈرایا گیا) مقالہ حضرت سرورکائنات علیہ السلام ہے، یاایھاالنبی بلغ ماانزل الیک من ربک وان لم تفعل فمابلغت رسالته قول خداوندی ہے، اس سے یہ شبہ بھی زائل ہوجاتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کوبظاہرآنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ ترتکلیف پہنچائی گئی، حضرت زکریا اورحضرت نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ظاہرہیں۔

بہر حال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اس کے مقام نبوت سے افضل ہے، اگر چہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آ جائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے، تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

(۵) اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو کہ مقام ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر افضلیت ہے اگر چہ خارجی طور پر مقام نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے، قد یوجد فی النہر مالا یوجد فی البحر، واللہ اعلم (مکتوبات ص ۱۷۶ ج ۱)

الصلوٰۃ معراج المؤمنین کی توجیہ

الصّلوٰۃ معراج المؤمنین کے متعلق دو توجیہیں اس وقت خیال میں ہیں:

(۱) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ آلہ ہے، اس قضیہ میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مؤمنوں کیلئے آلۂ عروج ہے، کیونکہ بہیمیت سے مَلکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بُعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیبوبت سے حضور کی طرف عروج اسی نماز کے ذریعہ ہوتا ہے، طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان میں تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنے والی اور انجاس ظاہری کے ساتھ ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہے، قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں: حتی یخرج نقیاً من الذنوب الحدیث (یہاں تک کہ وہ گناہ سے صاف ہو جاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت میں غرہ اور تحجیل کی باعث ہوگی۔ ملائکہ جن کو بالذات طہارت اور روشنی سے محبت ہے اور نجاست اور ظلمات سے نفرت ہے وہ اس کی وجہ سے نمازی کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے: فیہ رجال یحبون ان یتطھروا و اللہ یحب المطھرین (اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو) اہل قبا کی ظاہری استنجاً بالماء بعد الاستنجاً بالحجارۃ کے متعلق نازل ہوئی الطھور شطر الایمان (پاکی نصف ایمان ہے) ارشاد نبوی ہے اسباغ الوضوء علی المکارہ اور

اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضا باری عزوجل کی سبب ہے بلکہ اخلاق خبیثہ رذیلۃ البخل رذیلۃ الکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی اور آئندہ کو قابل ہم نشینی وہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علیٰ ھذاالقیاس دیگر شروط صلوٰۃ بالخصوص توجہ الی القبلہ کے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنے والی بھی ہیں توجہ باری عزوجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتی ہیں، جس کیلئے ارشاد: اینـما تولوا فثم وجه الله، توجہ الی اللہ وارد ہے، پھر نماز کے اُثمار زاھیہ میں فرمایا گیا ہے: ان الصلوٰة تنهیٰ عن الفحشاء والمنكر (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) ترک فحشاء اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداوندی اور بُعد از رذائل بہیمیت ونفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے۔ نماز میں جس قدر قراءت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عزاسمہ سے ہم کلامی اور تخاطب اور اس کا ذکر موجود ہے، جس سے غفلت کا دور ہونا اور توجہ الی اللہ حاصل ہونا اور ترقی پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر انسان اس تخاطب کو سمجھتا ہوا حضور قلب کے ساتھ خشوع وخضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی، مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں، گل بنفشہ جان کر پیجئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگر چہ کمزور بنسبت سمجھنے کے ہوں من قرأ حرفا من القرآن كانت له عشر حسنات لا اقول الٓمٓ حرف بل الف حرف ولام حرف وميم حرف (جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لاَم ایک حرف اور میم ایک حرف ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے: اذا صلى احدكم فلا يتنخمن قبل وجهه فان الله بينه وبين القبلة وفی رواية فان الرحمة تواجهه (او كما قال عليه الصلوٰة والسلام) (جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ

اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے) اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے: قسمت الصلوٰة بینی وبین عبدی نصفین فاذا قال العبد الحمد للہ رب العٰلمین قال اللہ حمدنی عبدی فاذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی عَلَیَّ عبدی فاذاقال العبدملٰک یوم الدین قال اللہ مجدنی عبدی فاذا قال العبداياک نعبدو اياک نستعين قال اللہ ھذابینی وبین عبدی ولعبدی ماسال الحدیث ۔مسلم (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کردیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے الحمدللہ رب العٰلمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اپنے بندہ نے میری تعریف کی اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندے نے میری اور جب ملک یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کیلئے ہے اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کیلئے ہے) یہ نعمت مکالمہ اور مناجات بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں انسان اپنے لئے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے طلب کرتا ہے، جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام وہدایت سے خالص کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیھم اور اہل ضلال پر ہوا تھا (موسوئین وعیسوئین) اور ایسی کھری وخالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتباء واصطفاء کو عطا کی گئی حسب ارشاد احادیث صحیحہ اس کو عطا کردیا جاتا ہے، اور بندے کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تم کو ایسی ہدایت خالصہ عطا کردی، یہ ہماری کتاب جس کو ذٰلک الکتاب لاریب فیه ھدیً للمتقین الآیة کہا گیا ہے، یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے، ظاہر

ہے کہ صفت کا موصوف کے ساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو، اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو، ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا بے شک کتابیں اتاری گئیں مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا۔ یہ نعمت مومن محمدی کو دی جاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا وہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی طریقہ پر حکم ہو جاتا ہے، جیسے کہ جج اپنے فیصلہ وغیرہ کو سررشتہ دار کو دیتا ہے کہ ہمارے ججمنٹ کو پڑھ کر لوگوں کو سنادو اس وقت سررشتہ دار جج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے آپ اس سے اندازہ کر سکیں گے کہ محمدی مومن کیلئے کس قدر اعلیٰ اور ارفع عروج ہوا، نیابت خداوندی، صفت قدیمہ بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہا تقرب کے موجب ہیں، پھر اس انعام کے بعد عظمت وجلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکریہ عملی اور قولی بجالانا اور پھر شکریہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر ٹیک کر پیشانی اور ناک کو رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے: ان اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا فيه من الدعاء (او کماقال علیه السلام صحاح) (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، سجدہ کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے، لہٰذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن وآداب کو غور سے دیکھئے تو ضعیف البیان مخلوق من الماء المهين بشر کیلئے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مراقبہ دکھائی دیتا ہے کہ جس کو اگر کروبی بنظر غبطہ دیکھیں یا مولی العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور الذين يحملون العرش و من حوله اس کیلئے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ افسوس ہے ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں فويل للمصلين الذين هم عن صلوتهم ساهون (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں) وفقنا الله و ایاکم للصلوٰة الحقيقية۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ میں حقیقی نہ لیا جائے بلکہ مثل زید اسد بطور تشبیہ اور

تمر مر السحاب بطور تمثیل قرار دیا جائے یعنی الصلوۃ للمؤمنین کالمعراج للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا، آپ کو دنو اور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا، آپؐ کو نعمت مکالمہ اور اوحیٰ الیٰ عبدہ مااوحی' سے مشرف کیا گیا، آپ کو نعمت رؤیت سے مالا مال کیا گیا لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ، مازاغ البصر وغیرہ فرمایا۔

مومن محمدی نماز میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے، تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے: فان اللہ بینہ وبین القبلۃ شاہد عدل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جب کہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت از حقائق الٰہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے، خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں اور اسی تجلی کو راز فان اللہ بینہ وبین القبلۃ قرار دیتے ہیں، اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے یوم یکشف عن ساق الآیۃ کی توجیہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی سورۃ قیامۃ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ میدان قیامت میں ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی اور مومن سجدہ میں گر جائے گا۔

بہر حال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا: انا جلیس من ذکرنی انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ وغیرہ روایات، اور فرمایا گیا: واسجد واقترب رؤیت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھئے ان تعبد ربک کانک تراہ، اور جب ظاہر بین کو یہ شبہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض لاتدرکہ الابصار کی رؤیت کس طرح ہو سکتی ہے، اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کیلئے ارشاد کر دیا گیا: فانہ یراک۔

اگر ارکان وآداب وسنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً دو نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں۔ وقت کی قلت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا مگر مختصر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ھذا ما لدیّ ،واللہ اعلم۔ کتابیں موجود نہیں ہیں جن سے کچھ نقل اور استدلال کرسکوں۔ (مکتوبات ص۱۹۰ جلد ا)

من مات ولم یعرف امام زمانہ الخ کی تحقیق

سوال: علامہ شہرستانی ملل میں باطنیہ اسماعیلیہ کا مذہب اس طرح تحریر فرماتے ہیں: ومذہبھم ان من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة ،کیا یہ حدیث ہے اگر ہے تو کہاں کی اور کس درجہ کی ،شبہ یوں ہو رہا ہے کہ اگر یہ حدیث ہوتی تو شہرستانی یہ نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ ان کے مذہب کی بنیاد یہ حدیث ہے۔

الجواب: (ا) شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (مبحث امامۃ ص۱۱۰ مطبع یوسفی) ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب وانما الخلاف فی انہ ھل یجب علی اللہ تعالیٰ او علی الخلق بدلیل سمعی اوعقلی والمذھب انہ یجب علی الخلق سمعا لقولہ علیہ السلام من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة ولان الامة قد جعلوا اھم المھمات بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم نصب الامام حتی قدموہ علی الدفن الخ عبارت مذکورہ بتلاتی ہے کہ یہ عبارت من مات ولم یعرف الخ حدیث مرفوع اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مگر علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی حدیث کی کتاب کی طرف منسوب نہیں کی اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ کس کتاب اور کس سند کی روایت ہے، مقبول ہے یا مردود، موضوع ہے یا قابل اعتبار، صحیح ہے یا حسن؟

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۴ ص۱۲۳: ومن مات ولیس فی عنقہ بیعة ای الامام مات میتة جاھلیة وھو معنی مااشتھر علی الالسنة وذکرہ السعد فی شرح العقائد من حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة الخ اس عبارت میں شارح مشکوٰۃ

روایت مذکورہ کو کسی معتبر کتاب کی طرف نسبت نہیں کرتے فقط مشہور علی الالسنۃ کہتے ہوئے شارح عقائد کی طرف حوالہ کردیتے ہیں۔ شارح عقائد کی عبارت کا حال تو پہلے نمبر سے معلوم ہو چکا کہ نہ روایت کے تخریج کرنے والے مصنف کا پتہ ہے نہ روایت کی کیفیت معلوم ہوئی۔ یہاں شارح مرقات کا یہ فرمانا کہ روایت مشہور علی الالسنہ ہے کسی طرح روایت مذکورہ کے قابل اعتماد ہونے پر دلالت نہیں کرتا، نہ روایت کے تخریج کرنے والے کا پتہ بتاتا ہے۔

(۳) اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث کی مشہورہ اور غیر مشہورہ کتابوں میں کہیں نہیں پایا گیا، صحاح ستہ اور تمام مشہور کتب حدیث میں یہ روایت ان الفاظ سے موجود نہیں ہے البتہ کنز العمال اور مجمع الزوائد میں یہ روایت ایسے الفاظ سے موجود ہے جو کہ معنوی حیثیت سے اس روایت کے قریب کہی جاسکتی ہے، جس کو طبرانی، امام احمد بن حنبلؒ، سعید بن منصورؒ، ابوداؤد طیالسیؒ، ابونعیمؒ وغیرہ نے اپنی اپنی تصانیف میں ذکر فرمایا ہے مگر صاحب مجمع الزاوئد نے ان تمام روایتوں کی تضعیف کردی ہے اور ہر ایک میں جو راوی کمزور ہے ظاہر کردیا ہے (دیکھو مجمع الزوائد صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۵ جلد پنجم)

الغرض کتب معتبرہ حدیث میں اول تو یہ روایت ان الفاظ سے موجود نہیں ہے ثانیاً اگر قریب المعنی الفاظ سے پائی بھی جاتی ہے تو سب کی اسنادیں کمزور ہیں قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۴) شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص ۴۷ میں اس روایت کو اسی لفظ سے شیخ بہاؤالدین آملیؒ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے چہل حدیث (اربعین) کی چھبیسویں حدیث اور خاص وعام کی متفق علیہ حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من مات ولم یعرف امام زمانہ الحدیث کی بحث میں مندرجہ بحث کی الخ۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس روایت کو بایں عبارت متفق علیہ بین العام والخاص حسب قول بہاؤالدین آملیؒ تسلیم کرتے ہیں، مگر اس سے نہ روایت کا ثبوت نکلتا ہے نہ اس کا صحیح اور معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے نہ اس کی سند کا پتہ چلتا ہے نہ اس کے راویوں کا

حال معلوم ہوتا ہے جس اربعین کی روایت کی شرح کرنا ذکر کیا گیا ہے اس کا ہی پتہ نہیں چلتا ہے اس کے راویوں کا حال تو بعد کی بات ہے۔

(۵) اسی فتاویٰ عزیزیہ ج ۲ ص ۷۷ کی مندرجہ ذیل عبارت البتہ شبہ پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے:

حدیث من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة صحیح الاسناد ومقولہ جناب نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ مگر افسوس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سند بالکل ذکر نہ فرمائی اور نہ اس کتاب کا تذکرہ فرمایا جو کہ اس حدیث کی تخریج کرنے والی ہے تا کہ روایت اور اس کی صحت کا پتہ چل جاتا لہٰذا کوئی وجہ اعتماد روایت حسب قاعدہ نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ ان موضوع روایتوں میں سے ہے جن کو اہل اہواء شیعوں اور بدعتیوں نے شہرت دے کر اپنی بدعتوں کو پھیلایا ہے، یہ فرقہ باطنیہ اور اہل تشیع کی بنائی ہوئی کارروائی ہے اور غالباً اس وجہ سے شہرستانی نے اس کیلئے لفظ حدیث اور ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ نہیں ذکر کیا۔

بہر حال اس روایت کی کوئی اصل معلوم نہیں ہوتی، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواب میں حدیث مذکور کے تخریج کرنے والے کا کوئی پتہ نہیں دیا اور نہ اس روایت کی صحت وسقم سے کوئی بحث کی ہے، تعجب ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جیسے محقق اور روایت ودرایت کے ماہر نے کس طرح یہ فرمادیا کہ "صحیح الاسناد است ومقولہ جناب نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم"، ظن غالب یہ ہے کہ یہ بھی اہل اہواء کی کارروائی اور مطبع میں تصرف ہے جیسا کہ شیعوں نے بہت سے مقامات میں کیا ہے دیکھو تحفہ اثنا عشریہ۔

چاہئے تو یہ تھا کہ فرمادیتے کہ یہ روایت شیعوں کی بنائی ہوئی ہے کسی جواب کی ضرورت نہ تھی مگر باوجود اس کے محققین اہل سنت والجماعت نے کوئی دقیقہ اظہار حق اور اقامت حجت علیٰ اہل الباطل میں باقی نہیں رکھا۔ واللہ اعلم ۵ر نومبر ۱۹۵۷ء دیو بند

(مکتوبات ص ۳۸۸ ج ۴)

الخليفة المهدی فی الاحاديث الصحيحة

تالیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتشریح

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمیؒ سابق استاذ دار العلوم دیوبند

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اله وصحبه وسلم.

اما بعد: فيقول احقر طلبة العلوم الدينية ببلدة سيد الانام وخير البرية عليه وعلىٰ اله الف الف صلاة وتحية الراجى عفو ربه الصمد عبده المدعو بحسين احمد غفرله ولوالديه ومشائخه الرء وف الاحد، انه قدجرى ببعض اندية العلم ذكر المهدى الموعود فانكر بعض الفضلاء الكاملين صحة الاحاديث الواردة فيه فاحببت ان اجمع الاحاديث الصحيحة فى هذا الباب واترك الحسان والضعاف رجاء انتفاع الناس وتبليغ ما اتىٰ به النبى عليه الصلاة والسلام وان لايغتر الناس بكلام بعض المصنفين الذين لا المام لهم بعلم الحديث كابن خلدون وغيره فانهم وان كانوا من المعتمدين فى التاريخ وامثاله فلا اعتداد لهم فى علم الحديث وقد كنت اسمع قبل ذٰلک الانكار من

بعض العوام ایضاً لکن لم یحملنی انکارهم علی الجمع و لمارأیت فضلاء الاوان وائمة الزمان یترددون فیه شمرت ذیلی لهٰذا المقصد المنیف لعله یکون ذریعة لازالة الاشتباه عن هذا الدین المنیف وعلی الله التکلان، وحیث ان بعض الاحادیث قد تکفل به امام من ائمة الحدیث اتیت به بغیر تعرض لرجاله ومالم یکن کذٰلک تعرضت لرجاله فمن کان من رجال الصحیحین اکتفیت بذکر ذٰلک ومن لم یکن کذٰلک اتیت بالفاظ التوثیق التی ذکرها ائمة الجرح والتعدیل، ولما کان الحاکم ابوعبدالله النیسابوری رحمه الله تعالٰی یرمی بالتسهیل فی تصحیح الحدیث لم اکتف بتصحیحه فقط بل اعتمدت علٰی تلخیص صحاح المستدرک للذهبی رحمه الله تعالٰی فما جرح فی صحته ترکته وما قبله اتیت به وترکت کثیراً من الاحادیث لعدم الاطلاع علٰی اسانیدها مما ذکره صاحب کنزالعمال وغیره واعتمدت فی تعدیل الرواة وتوثیقهم علٰی تهذیب التهذیب وخلاصة التهذیب هٰذا وعلی الله الاعتماد وهوحسبی ونعم الوکیل ـ

(ترجمہ) حمد وصلوٰۃ کے بعد تمام مخلوق کے سرداراور تمام مخلوق میں سب سے بہتر (ہستی ان پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں) کے شہر (مدینہ طیبہ) کے دینی طلباء میں سب سے حقیر بندہ جو اپنے بے نیاز پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے جسے حسین احمد کہا جاتا ہے خدائے مشفق ومہربان وحدہ لاشریک اس کی اوراس کے والدین کی مغفرت فرمائے عرض رساں ہے کہ بعض مجالس علمیہ میں مہدی موعود کا ذکر آیا تو کچھ ماہرین علم نے مہدی موعود سے متعلق وارد حدیثوں کی صحت سے انکار کیا تو مجھے یہ بات اچھی لگی کہ اس موضوع سے متعلق مروی حسن وضعیف روایتوں سے قطع نظر صحیح حدیثوں کو جمع کردوں تاکہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تبلیغ بھی ہوجائے، نیز ان حدیثوں کی جمع وتدوین سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ بعض ان مصنفین کے کلام سے لوگ دھوکہ نہ کھا جائیں جنہیں علم حدیث سے لگاؤ نہیں ہے جیسے علامہ ابن خلدون وغیرہ حضرات اگرچہ فن تاریخ میں معتمد مستند ہیں لیکن حدیث میں ان کے

قول کا اعتبار نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے بھی بعض عوام سے مہدی موعود کے بارے میں مروی احادیث کا انکار سن رہا تھا لیکن عوام کے انکار سے مجھے ان احادیث کے جمع کرنے کی رغبت نہیں ہوئی تھی، لیکن جب فضلاء وقت اور علماء زمانہ کو میں نے اس بارے میں متردد دیکھا تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس بلند مقصد کیلئے میں تیار ہو گیا تا کہ یہ دین منیف سے شبہات کے دور کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ اور چونکہ کچھ احادیث تو ایسی ہیں جن کی ائمہ حدیث میں سے کسی نہ کسی امام نے ذمہ داری لی ہے اور کچھ ایسی نہیں، لہٰذا اگر مجھے کوئی ایسی حدیث ملی جس کی صحت کی کسی نہ کسی معتبر امام حدیث نے ذمہ داری لی ہے تو میں اسے اس کے رجال سے تعرض کئے بغیر ذکر کروں گا اور جو حدیث ایسی نہ ہوگی تو میں اس کے رجال میں بحث کروں گا، پھر اگر رجال صحیحین کے ہوں گے تو میں صرف ان کے ذکر پر اکتفاء کروں گا اور جو رجال صحیحین کے نہ ہوں گے تو پھر میں ان الفاظ توثیق کو لاؤں گا جن کو ائمۂ جرح وتعدیل نے ذکر کیا ہوگا۔ امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ پر چونکہ تصحیح احادیث میں تساہل کا الزام ہے اس لئے میں نے صرف ان کی تصحیح کو کافی نہیں سمجھا بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی مستدرک پر جو تلخیص ہے اس پر اعتماد کیا ہے اور جس حدیث کی صحت پر امام ذہبی نے جرح کی ہے میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور جن احادیث کو انہوں نے قبول کیا ہے ان کو میں نے بھی ذکر کیا ہے اور میں نے بہت سی احادیث سند معلوم نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دی ہیں جن کو صاحب کنز العمال وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور رواۃ کی تعدیل وتوثیق میں میں نے تہذیب التہذیب اور خلاصۃ التہذیب پر اعتماد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی مجھے کافی ہیں اور بہترین کارساز ہیں۔

(۱) قال الامام الحافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فی جامعہ حدثنا عبید بن اسباط بن محمد القرشی نا ابی نا سفیان الثوری عن عاصم بن بھدلۃ عن زر عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی، وفی الباب عن علی

وابی سعید وام سلمة وابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم هٰذا حدیث حسن صحیح ۔

(ترجمہ) امام حافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع ترمذی میں فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت (آل، اولاد) میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ ہو جائے جس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا (ترمذی ج ۲ ص ۴۶)

(۲) حدثنا عبد الجبار بن العلاء العطار نا سفیان ابن عیینة عن عاصم عن زر عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یلی رجل من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی قال عاصم ونا ابو صالح عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال لولم یبق من الدنیا الایوما لطول الله ذٰلک الیوم حتی یلی هٰذا حدیث حسن صحیح .

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اہل بیت سے ایک شخص خلیفہ ہوگا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسی دن کو دراز کر دیں گے یہاں تک کہ وہ شخص (یعنی مہدی) خلیفہ ہو جائے (ترمذی ج ۲ ص ۴۷)

ان دونوں حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ اس مرد اہل بیت کا قیامت کے آنے سے پہلے خلیفہ ہونا ضروری ہے، اس کی خلافت کے بعد ہی قیامت آئے گی۔

(۳) وقال الامام الحافظ الحجة ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری رحمه الله تعالیٰ حدثنی محمد بن حاتم بن میمون ثنا الولید بن صالح نا عبیدالله بن عمرو انا زید بن ابی انیسة عن عبد الملک العامری عن یوسف بن ماهک قال اخبرنی عبد الله بن صفوان عن ام المؤمنین رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال سیعوذ بهٰذا البیت یعنی الکعبة قوم لیس لهم منعة ولا عدد ولا عدة یبعث الیهم جیش حتی اذا کانوا

ببیداء من الارض خسف بهم قال یوسف واهل الشام یومئذ یسیرون الیٰ مکة فقال عبد الله بن صفوان اَمَ والله ما هوبهذا الجیش وفی روایة اخریٰ عنده عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت عبث رسول الله صلی اللہ علیه وسلم فی منامه فقلنا یارسول الله (صلی الله علیه وسلم) صنعت شیئا فی منامک لم تکن تفعله فقال العجب ان ناساً من امتی یؤمون البیت برجل من قریش قدلجأ بالبیت حتی اذا کانوا بالبیداء خسف بهم فقلنا یارسول الله (صلی اللہ علیه وسلم)ان الطریق قد یجمع الناس قال نعم فیهم المستبصر، والمجبور، وابن السبیل یهلکون مهلکا واحدا ویصدرون مصادرشتی یبعثهم اللہ علیٰ نیاتهم ۔

ترجمہ) حضرت ام المؤمنین (یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ قریب میں مکہ معظمہ کے اندر ایک قوم پناہ گزیں ہوگی جو شوکت وحشمت اور افرادی اور ہتھیاروں کی طاقت سے تہی دست ہوگی اس سے جنگ کیلئے ایک لشکر (ملک شام سے) چلے گا یہاں تک کہ یہ لشکر جب (مکہ ومدینہ کے درمیان) ایک چٹیل میدان میں پہنچے گا تو اسی جگہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت میں یوں مروی ہے کہ ایک مرتبہ نیند کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں (خلاف معمول) حرکت ہوئی تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج نیند میں آپؐ سے ایسا کام ہوا جسے آپؐ نے (اس سے پہلے) کبھی نہیں کیا؟ اس سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجیب بات ہے کہ کعبۃ اللہ میں پناہ گزیں ایک قریشی (یعنی مہدی) سے جنگ کے ارادے سے میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے اور جب مقام بیداء (یعنی مکہ ومدینہ کے درمیان واقع چٹیل بیابان) میں پہنچیں گے تو زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں تو بہت سے راہ گیر بھی ہو سکتے ہیں (جو اتفاقاً راستہ میں ان کے ساتھ ہوں گے تو انہیں کس جرم میں دھنسایا جائے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہاں ان

میں کچھ بارادہ جنگ آنے والے ہوں گے، کچھ مجبور ہوں گے (یعنی زبردستی انہیں ساتھ لے لیا جائے گا) اور کچھ راہ گیر ہوں گے یہ سب کے سب اکٹھے دھنسا دیئے جائیں گے البتہ قیامت میں ان کا حشر ان کی نیتوں کے لحاظ سے ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ نزول عذاب کے وقت مجرمین کے ساتھ رہنے والے بھی عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے، بلکہ عذاب کی ہمہ گیری میں وہ بھی شامل ہوں گے البتہ قیامت کے دن سب کے ساتھ معاملہ ان کی نیت وعمل کے مطابق ہوگا۔ (صحیح مسلم ج۲ص۳۸۸)

(۴) حدثنا زهير بن حرب وعلى بن حجر واللفظ لزهير قالا نا اسماعيل بن ابراهيم عن الجريرى عن ابى نضرة قال كنا عند جابر بن عبدالله رضى الله عنهما فقال يوشك اهل الشام ان لايجىء اليهم دينار ولامدى قلنا من اين ذلك قال من قبل الروم ثم سكت هنية ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون فى اخر امتى خليفة يحثى المال حثياً ولايعده عدا قال قلت لابى نضرة وابى العلاء اتريان انه عمر بن عبد العزيز فقالا لا،

قلت ولايقلقك انك لا تجد فى شىء من هذه الروايات ذكر المهدى ان الاحاديث الصحيحة التى سياتى ذكرها تصرح ان ذلك الرجل العائذ بالبيت انما هو المهدى وكذلك الخليفة الذى يحثى المال حثياً هو المهدى وان الاحاديث يفسر بعضها بعضا كمالايخفى على من له نوع المام بالحديث والله اعلم ـ

(ترجمہ) ابونضرہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں تھے کہ انہوں نے فرمایا قریب ہے وہ وقت جب اہل شام کے پاس نہ دینار لائے جاسکیں گے اور نہ ہی غلہ ہم نے پوچھا یہ بندش کن لوگوں کی جانب سے ہوگی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رومیوں کی طرف سے، پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری آخر امت میں ایک خلیفہ ہوگا (یعنی مہدی) جو مال لپ بھر بھر دے گا اور اسے شمار نہیں

کرے گا۔اس حدیث کے راوی الجریری کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے شیخ) ابونضرہ اور ابوالعلاء سے دریافت کیا، کیا آپ حضرات کی رائے میں حدیث پاک میں مذکور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں ؟ان دونوں حضرات نے فرمایانہیں یہ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ ہوں گے (مسلم ج۲ص۳۹۵)

(تنبیہ) اوپر مذکوران احادیث میں اگرچہ صراحۃً خلیفہ مہدی کاذکرنہیں ہے لیکن دیگر صحیح حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ کعبۃ اللہ میں پناہ لینے والے خلیفہ مہدی ہی ہوں گے جن سے جنگ کیلئے سفیانی کالشکرشام سے چلے گااور جب مقام بیداء میں پہنچے گاتو دھنسادیا جائے گا،اسی طرح صحیح احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ بغیر شمار کئے لپ بھربھر مال عطا کرنے والے خلیفہ مہدی ہی ہیں اس لئے بلاریب ان مذکورہ حدیثوں میں خلیفہ مہدی کی طرف واضح اشارہ ہےاور یہ حدیثیں انہی سے متعلق ہیں۔

(۵) وقال الامام الحافظ الحجة ابو داوٗد سليمان بن الاشعث السجستانی رحمه الله تعالٰی فی سننه حدثنا مسدد ان عمربن عبيدحدثهم ح وحدثنا محمدابن العلاء نا ابوبكر يعنی ا بن عياش ح وحد ثنامسدد نا يحیٰ عن سفيان ح وحد ثنا احمد بن ابراهيم قال نا عبيد الله بن موسیٰ اخبرنا زائدة ح وحد ثنا احمد بن ابراهيم حد ثنی عبيد الله بن موسیٰ عن فطر المعنی كلهم عن عاصم عن زرعن عبد الله رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال لولم يبق من الدنيا الا يوم قال زائدة لطول الله ذٰلک اليوم حتی يبعث رجلاً منی اومن اهل بيتی يو اطیٔ اسمه اسمی واسم ابيه باسم ابی زاد فی حديث فطر يملأ الا رض قسطاً وعدلاً كماملئت ظلماً وجوراً وقال فی حد يث سفيان لا تذ هب اولا تنقضی الدنياحتی يملک العرب رجل من اهل بيتی يو اطی اسمه اسمی قال ابو داوٗد لفظ عمر وابی بكربمعنی سفيان ۔

قلت مدارهذه الرواية علی عاصم بن بهدلة المعروف بابن ابی النجود احد

القراء السبعة اخرج له البخاری ومسلم رحمهما الله تعالٰی مقرونا والاربعة ، وثقه احمد والعجلی ویعقوب بن سفیان وابو زرعة واما زرفهوابن جیش الاسدی الکوفی اخرج له الستة واما عبدالله بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ الصحابی الفقیه المعروف فعلم مما ذکران الحدیث صحیح علی شرطهما قال ابو عبد الله الحاکم فی مستدرکه ما نصه والحدیث المفسر بذٰلک الطریق وطرق حدیث عاصم عن زر عن عبد الله کلها صحیحة ای کل طرقه صحیحة علی ما اصلته فی هذا الکتاب بالاحتجاج باخبار عاصم ابن ابی النجود اذ هو امام من ائمة المسلمین ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی بچے گا تو اللہ اسی دن کو دراز فرمادیں گے تا کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص کو پیدا فرمائیں جس کا نام اور ولدیت میرے نام اور ولدیت کے مطابق ہوگی ، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا (یعنی پوری دنیا میں عدل وانصاف ہی کی حکمرانی ہوگی) جس طرح وہ (اس سے پہلے) ظلم وزیادتی سے بھری ہوگی ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۹)

(۶) حدثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا الفضل بن دکین نا فطر عن القاسم بن ابی بزة عن ابی الطفیل عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لولم یبق من الدهر الایوم لبعث الله رجلاً من اهل بیتی یملأ ها عدلاً کماملئت جوراً.

اقول اما عثمان بن ابی شیبة فهو عثمان بن محمد بن ابی شیبة ابراهیم بن عثمان العبسی ابوالحسن الکوفی الحافظ احد الاعلام اخرج له الشیخان وابوداوٗد والنسائی وابن ماجة قال ابن معین ثقة امین واماالفضل بن دکین فهوعمرو بن حماد بن الزهیر التیمی مولٰی اٰل طلحة ابونعیم الکوفی العلائی الاحول الحافظ العالم قال احمد ثقة یقظان عارف بالحدیث وقال الفسوی اجمع اصحابنا علی ان ابا نعیم کان غایة فی الاتقان اخرج له الستة واما فطر فهوابن خلیفة القرشی المخزومی ابوبکرالخلاط الکوفی

اخرج له البخاری والاربعة وثقه احمد وابن معين والعجلی وابن سعد اما القاسم بن ابی بزة فهو۔۔۔ابو الطفيل فهو عامر بن واثلة الكتانی الليثی احد الصحابة وآخرهم وفاتا على الاطلاق واخرج له الستة والحاصل ان الحديث صحيح على شرط البخاری رحمه الله تعالیٰ

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اگر زمانہ سے ایک ہی دن باقی رہ جائے گا (جب بھی) اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے معمور کردے گا جس طرح وہ (اس سے قبل) ظلم سے بھری ہوگی۔(ایضا)

(۷) حدثنا احمد بن ابراهيم ثنی عبد الله بن جعفر الرقی ثنا ابو المليح الحسن بن عمر عن زياد بن بيان عن علی بن نفيل عن سعيد بن المسيب عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المهدی من عترتی من ولد فاطمة قال عبدالله بن جعفر وسمعت ابا المليح يثنی علیٰ علی بن نفيل ويذكر منه صلاحاً.

اقول اما احمد بن ابراهيم فهو ابو علی احمد بن ابراهيم بن خالد الموصلی نزيل بغداد كتب عنه احمد بن حنبل ويحی بن معين وقال لاباس به وقال صاحب تاريخ الموصل كان ظاهر الصلاح والفضل وذكره ابن خبان فی الثقات وقال ابراهيم بن الجنيد عن ابن معين ثقة صدوق اخرج له ابوداؤد وابن ماجة فی تفسيره واما عبد الله بن جعفر الرقی فهو ابو عبد الرحمٰن عبد الله بن جعفر غيلان الاموی وثقه ابو حاتم اخرج له الستة واما ابو المليح الحسن بن عمر فهو ابن يحیٰ الفزاری ابو المليح الرقی قال احمد ثقة ضابط الحديث صدوق اخرج له البخاری تعليقاً وابوداؤد والنسائی وابن ماجة قال ابوزرعة ثقة وقال ابو حاتم يكتب حديثه وذكره ابن حبان فی الثقات وقال الدارقطنی ثقة وقال عثمان الدارمی عن ابن معين ثقة واما زياد بن بيان فهو الرقی العابد قال البخاری قال عبد الغفار ثنا ابو المليح انه سمع زياد بن بيان وذكر فضله وقال النسائی ليس به بأس

وذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان شیخاصالحاً واماعلی بن نفیل فهوابن نفیل بن زراع النهدی ابومحمد الجزری الحرانی قال عبد الله بن جعفر الرقی سمعت ابا الملیح الرقی ثنی علی بن نفیل ویذکرمنه صلاحاوقال ابوحاتم لاباس به وذکره ابن حبان فی الثقات وذکره العقیلی فی کتابه وقال لایتابع علی حدیثه فی المهدی ولایعرف الا به وفی المهدی حدیث جیاد من غیرهذا الوجه و اما سعید بن المسیب فهوامام مشهور. فالحدیث صحیح لاضعف فیه واماقول العقیلی انه لایتابع علیٰ حدیثه فی المهد ی فلا یضرفی صحة الحدیث اذ لا یشترط فی صحته وجود المتابع وتبین من قول العقیلی ان الاحادیث الصحیحة موجودة فی المهدی ـ(الحدیث)

(ترجمہ) حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا کہ مہدی میری نسل اورفاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد سے ہوگا(ابوداؤد ج۲ص۵۸۸)

(۸) حدثنا سهل بن تمام بن بزیع نا عمرانٰ القطان عن قتادة عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسو ل الله صلی اللهٰعلیه وسلم المهدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف یملأ الارض قسطاً وعدلا کماملئت ظلماً وجوراً و یملک سبع سنین الخ۔

اقول اما سهل بن تمام بن بزیع فهوالطفاوی السعدی ابوعمروالنصری قال ابو زرعة لم یکن بکذاب ربما وهم فی الشیٔ وقال ابوحاتم شیخ وذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطیٔ اخرج له ابوداؤد و اما عمران القطان فهوعمران بن داوٗد العمی ابوالعوام البصری احدالا علام واثنی علیه یحی بن سعید القطان و وثقه عفان بن مسلم وقال احمد ارجوان یکون صالح الحدیث قال فی التقریب صدوق یهم ورمی برای الخوارج وفی تهذیب التهذیب قال عمرو بن علی کان ابن النهدی یحدث عنه وکان

یحیٰ لایحدث عنه وقد ذکره یحیٰ یوما فاحسن الثناء علیه وقال الاجری عن ابی داوٗد هو من اصحاب الحسن وماسمعت علیه الا خیرا وقال ابن عدی هوممن یکتب حدیثه وذکره ابن حبان فی الثقات وقال الصاحبی صدوق وثقه عفان وقال العقیلی من طریق ابن معین کان یری رأی الخوارج ولم یکن داعیة وقال الترمذی قال البخاری صدوق یهم وقال ابن شاهین فی الثقاة کان من اخص الناس بقتادة وقال العجلی بصری ثقة وقال الحاکم صدوق الخ ـ

فهٰذه اقوال الائمة فی تعدیله وقدجرحه قوم بجرح مبهم فقال الدوری عن ابن معین لیس بالقوی وقال مرة لیس بشئ لم یروعنه یحی بن سعید وهذا القول من ابن معین لایضره فان الجرح المبهم لا یترجح علی التعدیل وعدم روایة یحی بن سعید لایدل علیٰ مجروحیته وقد نقل عنه حسن الثناء علیه کما تقدم وقال ابوداوٗد مرة ضعیف افتی فی ایام ابراهیم بن عبد الله بن حسن بفتوی شدیدة فیها سفک الدماء قال وقدم ابوداوٗد ابا هلال الراسی علیه تقدیما شدیدا وقال النسائی ضعیف الخ.

وهٰذا ایضاجرح مبهم لایتقدم علیٰ تعدیله وقد نقلنا عن ابی داوٗد انه قال ماسمعت علیه الاخیراً واما ما قاله ابوالمنهال عن یزید بن زریع کان حروریا کان یری السیف علی اهل القبلة فقد انتقده الحافظ العسقلا نی رحمه الله حیث قال قلت فی قوله حروریا نظرولعله شبهه یهم قد ذکرابویعلی فی مسنده القصة عن ابی المنهال فی ترجمة قتادة عن انس رضی الله عنه ولفظه قال یزید کان ابراهیم یعنی ابن عبد الله بن حسن لما خرج یطلب الخلافة استفتاء عن شئ فافتاه بفتیا قتل بها رجال مع ابراهیم الخ وکان ابراهیم ومحمد خرجا علی المنصور فی طلب الخلا فة لان المنصور کان فی زمن امیة بایع محمداً بالخلا فة فلما زالت دولة بنی امیة و ولی المنصور الخلا فة یطلب محمدا ففر فالح فی طلبه فظهر بالمدینة وبایعه قوم وارسل اخاه ابراهیم الی

البصرة فملكها وبايعه قوم فقدر انهما قتلا وقتل معهما جماعة كثيرة وليس هؤلاء من الحرورية فى شئ الخ كلام الحافظ رحمه الله تعالىٰ، وخلاصة الكلام ان المعدلين فى شان عمران اكثرثناء وهم اقوى واما الجارحون فاقل وجرحهم غيرمعتد به ومن ههنا نرى الحافظ ابن حجررحمه الله تعالىٰ فى تقريبه لم يذهب الىٰ جرحه بل اختار تعديله وتوثيقه حيث قال صدوق يهم وقد صحح الحاكم روايا ته وانما اطنبنا الكلام فيه لان الذهبى رحمه الله تعالىٰ لم يسلم تصحيح الحاكم لروايات وقع فيها ذكرعمران القطان واستند بجرح بعض الائمة فيه حيث قال عمران القطان جرح عليه غير واحد من الائمة مع انه لم يوازن بين جرحه وتعديله حتى يسير الراجح حسب القواعدالاصولية وقد اخرج له البخارى تعليقا والاربعة والله تعالىٰ إعلم.

واما قتادة فهوابن دعامة السدوسى احد الائمة المعروفين اخرج له الستة واما ابونضرة فهوالمنذربن قطعة العبدى العوقى اخرج له البخارى تعليقا ومسلم والاربعة وثقه ابن معين والنسائى وابوزرعة وابن سعد .وحاصل الكلام ان الحديث صحيح لا غبارعليه ۔

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی مجھ سے ہوگا (یعنی میری نسل سے ہوگا) اس کا چہرہ خوب نورانی، چمک دار اور ناک ستواں وبلند ہوگی زمین کوعدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ (مطلب یہ ہے کہ مہدی کی خلافت سے پہلے دنیا میں ظلم وزیادتی کی حکمرانی ہوگی اورعدل وانصاف کا نام ونشان تک نہ ہوگا۔) ایضاً

(۹) حدثنا محمد بن المثنى حدثنا معاذ بن هشام حدثنى ابى عن قتادة عن ابى صالح ابى الخليل عن صاحب له عن ام سلمة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل

من اهل المدينة هاربا الٰى مكة فيأ تيه ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث من الشا م فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة فاذارأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه ثم ينشؤ رجل من قريش اخواله كلب فيبعث اليهم بعثا فيظهرون عليهم وذلك كلب والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب فيقسم المال ويعمل فى الناس بسنة نبيهم صلى الله عليه وسلم ويلقى الاسلام بجرا نه الى الارض فيلبث سبع سنين ثم يتوفى ويصلى عليه المسلمون قال ابو داؤد وقال بعضهم عن هشا م تسع سنين وقال بعضهم سبع سنين ـ

(١٠) ثم قال حد ثنا هارون بن عبد الله انا عبد الصمد عن همام عن قتادة بهٰذا الحديث قال تسع سنين قال ابوداؤد قال غيرمعاذعن هشا م تسع سنين ـ

(١١) حد ثنا ابن المثنىٰ قال نا عمرو بن عاصم قال نا ابوالعوام قال نا قتادة عن ابى الخليل عن عبدالله بن الحارث عن ام سلمة رضى الله عنهاعن النبى صلى الله عليه وسلم بهذا وحديث معاذ اتم الخ ـ

اقول هٰذا الحديث بالطرق الثلاثة فى غاية من القوة والصحة فان محمد بن المثنى هوالعنزى ابوموسىٰ الزقى البصرى الحافظ اخرج له الستة قال محمد بن يحى حجة وا ما معاذ بن هشام فهوالدستوائى البصرى نزيل اليمن اخرج له الستة ، واما ابوه فهو هشام بن ابى عبد الله بن سنبرالدستوائى ابوبكر البصرى اخرج له الستة واما قتادة فهوابن دعامة السدوسى ابو الخطاب البصرى الاكمه احد الائمة الاعلام اخرج له الستة.واماصالح ابوالخليل فهوابن ابى مريم الضبعى ابوالخليل البصرى اخرج له الستة واما صاحبه فهوعبد الله بن الحارث بن نوفل وقدصرح به فى الرواية احدى عشر ونص عليه فى كتب الرجال وهٰذا عبدالله بن الحارث من اولاد الصحابة حنكه النبى صلى الله عليه وسلم اخرج له الستة وثقه ابن معين وغيره فالحديث على شرط الشيخين

والاربعة فی غاية من الجودة والصحة وهكذا الطريقان اللذان بعده. واللہ اعلم ۔

(ترجمہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ایک خلیفہ کی وفات کے وقت (نئے خلیفہ کے انتخاب پر مدینہ کے مسلمانوں میں) اختلاف ہوگا ایک شخص (یعنی مہدی اس خیال سے کہ کہیں لوگ مجھے خلیفہ نہ بنادیں) مدینہ سے مکہ چلے جائیں گے مکہ کے کچھ لوگ (جو انہیں بحیثیت مہدی کے پہچان لیں گے) ان کے پاس آئیں گے اور انہیں (مکان) سے باہر نکال کر حجر اسود ومقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت (خلافت) کرلیں گے (جب ان کی خلافت کی خبر عام ہوگی) تو ملک شام سے ایک لشکران سے جنگ کیلئے روانہ ہوگا (جو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی) مکہ ومدینہ کے درمیان بیداء (چٹیل میدان) میں زمین کے اندر دھنسادیا جائے گا (اس عبرت خیز ہلاکت کے بعد) شام کے ابدال اور عراق کے اولیاء آکر آپ سے بیعت خلافت کریں گے، بعدازاں ایک قریشی النسل شخص (یعنی سفیانی) جس کی ننہال قبیلہ کلب میں ہوگی خلیفہ مہدی اوران کے اعوان وانصار سے جنگ کیلئے ایک لشکر بھیجے گا یہ لوگ اس حملہ آور لشکر پر غالب ہوں گے یہی (جنگ) کلب ہے اور خسارہ ہے اس شخص کے واسطے جو کلب سے حاصل شدہ غنیمت میں شریک نہ ہو (اس فتح وکامرانی کے بعد) خلیفہ مہدی خوب دادودہش کریں گے اور لوگوں کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلائیں گے اور اسلام مکمل طور پر زمین میں مستحکم ہوجائے گا (یعنی دنیا میں پورے طور پر اسلام کا راج وغلبہ ہوگا) بحالت خلافت، مہدی دنیا میں سات سال اور دوسری روایت کے اعتبار سے نو سال رہ کر فوت ہوجائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۹)

ضروری وضاحت

''ابدال'' بدل کی جمع ہے، ابدال اولیاء کرام کی اس جماعت کو کہتے ہیں جن کا بدل اللہ تعالیٰ پیدا کرتا رہتا ہے دنیا اس کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی ایک کی وفات ہوتی اور دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے تبادلہ کے اسی غیر منقطع سلسلہ کی بنا پر انہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ ابدال کے

بارے میں امام سخاویؒ نے ''مقاصد حسنہ'' میں طویل کلام کیا ہے، اسی طرح امام سیوطیؒ نے ''اللآلی المصنوعہ'' میں مبسوط بحث کی ہے علاوہ ازیں ایک مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر لکھا ہے جو ان کے فتاویٰ الحاوی میں شامل ہے۔ ابدال سے متعلق اگر چہ اکثر روایتیں غیر معتبر اور بے اصل ہیں، لیکن بلاشبہ بعض روایتیں صحیح بھی ہیں چنانچہ پیش نظر روایت صحیح ہے اور اس میں بصراحت ابدال کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے اس سلسلہ کی روایتوں کو سرے سے باطل قرار دیا ہے ان کا قول صحت سے بعید ہے۔

(۱۲) قال ابوداوٗد وحدثت عن هارون بن المغيرة قال نا عمربن ابى قيس عن شعيب بن خالد عن ابى اسحاق قال قال على رضى الله عنه ونظر الى ابنه الحسن فقال ان ابنى هٰذا سيد كما سماه النبى صلى الله عليه وسلم وسيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم صلى الله عليه وسلم يشبهه فى الخُلُق ولايشبهه فى الخَلْق ثم ذكر قصة يملأ الارض عدلاً.

اقول اما هارون بن المغيرة فهوالبجلى ابوحمزة الرازى قال جرير لا اعلم فى هٰذه البلدة اصح حديثا منه وقال النسائى كتب عنه يحى بن معين وقال صدوق وقال الاجرى عن ابى داوٗد ليس به بأس هوفى الشيعة وذكرابن حبان فى الثقات وقال ربما اخطأ وقال عبد الله بن احمد بن حنبل عن يحى بن معين شيخ صدوق ثقة وقال السليمانى فيه نظر اخرج له ابوداوٗد والترمذى واما عمروبن ابى قيس فهوالرازى الازرق الكوفى نزل الرى قال عبد الصمد بن عبد العزيز المحرى دخل الرازيون على الثورى فسألوه الحديث فقال اليس عندكم الازرق يعنى عمروبن ابى قيس وقال الاجرى عن ابى داوٗد فى حديثه خطأ وقال فى موضع لابأس به وذكرابن حبان فى الثقات وقال ابن شاهين فى الثقات قال عثمان بن ابى شيبة لابأس به كان يهم فى الحديث قليلاً وقال ابوبكربن البزار فى السنن مستقيم الحديث اخرج له البخارى تعليقا والاربعة واما شعيب بن خالد فهو

البجلی الرازی کان قاضی المجوس والدهاقین وعنبسة بن سعید قاضی المسلمین وقال ابن عیینة حفظ من الزهری ومالک شابا وقال النسائی لیس به بأس وذکره ابن حبان فی الثقات وقال الدوری عن ابن معین لیس به بأس وقال العجلی رازی ثقة اخرج له ابو داؤد واما ابواسحاق والظاهر انه السبیعی المعروف بالعدالة والعلم احدالائمة الاعلام اخرج له الستة وان لم یکن هوفاما ان یکون الشیبانی اوالمدنی وکلاهما من الثقات المعتبرین اخرج لهما الستة واماغیرهؤلاء فلیسوا من هذه الطبقة ولم یخرج ابوداؤد حدیثهم واللّٰہ اعلم والحاصل ان الحدیث صحیح جید اسناده ان ثبت لقاء ابی داؤد بهارون والا فالحدیث معلق یصح الاحتجاج به علی رأی من یری الارسال حجة۔

(ترجمہ) ابواسحاق السبیعی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے برخوردار حضرت حسنؓ کو دیکھتے ہوئے کہا میرا یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سید سے نامزد کیا ہے اس کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا اس کا نام وہی ہوگا جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے (یعنی اس کا نام محمد ہوگا) سیرت واخلاق میں (میرے بیٹے) حسنؓ کے مشابہ ہوگا اور شکل وصورت میں اس کے مشابہ نہ ہوگا اس کے بعد پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ یہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۰)

تنبیہ: "یشبهه فی الخُلُق ولایشبهه فی الخَلْق " کا ترجمہ بعض حضرات نے یہ کیا ہے کہ وہ سیرت واخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے اور شکل وصورت میں مشابہ نہیں ہوں گے اس ترجمہ میں یشبهہ کی ضمیر مفعول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب راجع کیا ہے، لیکن میرے نزدیک یہ ترجمہ درست نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ خلیفہ مہدی شکل وصورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے۔ اس لئے اس حدیث کے پیش نظر مفعول کی ضمیر کا مرجع بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت حسنؓ ہی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۳) وقال الامام الحافظ الحجة ابو عبد الله الحاکم فی مستدرکہ رحمہ اللہ تعالٰی ......باسنادہ الی ام سلمة رضی اللہ عنھا قالت قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُبَایَعُ رجل من امتی بین الرکن والمقام کعدة اھل بدر فیأتیہ عصب العراق وابدال الشام فیأتیھم جیش من الشام حتی اذا کانوا بالبیداء خسف بھم ثم یسیر الیہ رجل من قریش اخوالہ کلب فیھزمھم اللہ قال وکان یقال ان الخائب یومئذ من خاب من غنیمة کلب ۔

(ترجمہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ایک شخص (مہدی) سے رکن (حجراسود) اور مقام ابراہیم کے درمیان اہل بدر کی تعداد کے مثل (یعنی ۳۱۳) افراد بیعت خلافت کریں گے بعدازاں اس خلیفہ کے پاس عراق کے اولیاء اور شام کے ابدال آئیں گے،(بیعت خلافت کی خبر مشہور ہوجانے پر) اس خلیفہ سے جنگ کیلئے ایک لشکر شام سے روانہ ہوگا یہاں تک کہ یہ لشکر جب (مکہ مدینہ کی درمیان) بیداء میں پہنچے گا زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا،اس کے بعد ایک قریشی النسل جس کی ننہال کلب میں ہوگی (مراد سفیانی) چڑھائی کرے گا اللہ تعالٰی اسے بھی شکست دے گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت کہا جائے گا آج کے دن وہ شخص خسارے میں رہا جو کلب کی غنیمت سے محروم رہا۔(مستدرک ج۴ص ۴۳۱)

(۱۴) وباسنادہ عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المحروم من حرم غنیمة کلب ولو عقالا والذی نفسی بیدہ لتباعن نسائھم علی درج دمشق حتی ترد المرأة من کسر یوجد لساقھا قا ل ابوعبد اللہ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محروم وہ شخص ہے جو کلب کی غنیمت سے محروم رہا اگرچہ ایک عقال ہی کیوں نہ ہو اس ذات پاک کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ کلب کی عورتیں (بحیثیت لونڈی کے

) دمشق کے راستے فروخت کی جائیں گی یہاں تک کہ (ان میں سے) ایک عورت پنڈلی ٹوٹی ہونے کی بنا پر واپس کردی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص خلیفہ مہدی کے زیر قیادت سفیانی کے لشکر سے جس میں غالب اکثریت قبیلہ کلب کے سپاہیوں کی ہوگی جنگ نہیں کرے گا اور ان کے مال کو بطور غنیمت حاصل نہیں کر سکے گا خواہ وہ مال مثل عقال کے معمولی قیمت ہی کا کیوں نہ ہو وہ دین ودنیا ہی کے اندر خسارہ میں رہے گا کہ جہاد کے ثواب سے بھی محروم رہا اور مال غنیمت بھی حاصل نہ کر سکا بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مہدی کی کامیابی کی بشارت سنائی کہ ان کا لشکر سفیانی کی فوج پر غالب ہوگا اور ان کی عورتوں کو جو غنیمت میں حاصل ہوں گی فروخت کرے گا۔

(۱۵) وباسناده الی عبيد الله بن القبطية قال دخل الحارث بن ابی ربيعة وعبد الله بن صفوان وانا معهما علی ام سلمة رضی الله عنها فسألاها عن الجيش الذی يخسف به وكان ذلک فی ايام ابن الزبير فقالت سمعت رسو ل الله صلی الله عليه وسلم يقول يعوذ عائذ بالحرم فيبعث اليه بجيش فاذا كانوا ببيداء من الارض خسف بهم فقلت يارسول الله كيف بمن يخرج كارها قال يخسف بهم معهم ولكنه يبعث علی نيته يوم القيٰمة ثم قالت قال رسو ل الله صلی عليه وسلم يعوذ عائذ بالبيت قال ابوعبد الله رحمه الله صحيح علیٰ شرطهما ووافقه الذهبی رحمه الله تعالیٰ۔

(ترجمہ) عبیداللہ ابن القبطیہ بیان کرتے ہیں کہ حارث بن ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے میں بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ تھا، ان دونوں حضرات نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہ سے اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب عبدالملک بن مروان بن الحکم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر چڑھائی کی تھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک پناہ لینے والا حرم

کعبہ میں پناہ گزیں ہوگا تو اس پر ایک لشکر حملہ کیلئے چلے گا اور جب مقام بیداء میں پہنچے گا تو زمین میں دھنسا دیا جائے گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بعض وہ لوگ جو مجبوراً ان کے ہمراہ ہو گئے ہوں گے (آخر وہ کس جرم میں) دھنسائے جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہی دھنسا دیئے جائیں گے البتہ قیامت کے دن ان کی نیت وارادہ کے مطابق ان کا حشر ہوگا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید کے دوبارہ فرمایا پناہ لینے والا پناہ لے گا۔ (مستدرک ج۴ص۴۳۹)

(۱۶) وباسنادہ...... عن النبی انه قال لا تذهب الایام واللیالی حتی یملک رجل من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی فیملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً قال ابوعبد الله صحیح الاسناد ولم یخرجاه ووافقه الذهبی رحمه الله تعالیٰ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دنیا کے) روز وشب ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص خلیفہ ہوگا جس کا نام اور ولدیت میرے نام اور ولدیت کے مطابق ہوگی (یعنی اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا) جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ (مستدرک ج۴ص۴۴۲)

(۱۷) وباسنادہ عن سعید بن سمعان قال سمعت اباهریرة یحدث ابا قتادة رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم قال یبایع رجل بین الرکن والمقام ولن یستحل هذا البیت الا اهله فاذا استحلوه فلا تسئل عن هلکة العرب ثم تجئ الحبشة فتخرب خراباً لا یعمر بعده ابداً وهم الذین یستخرجون کنزه قال ابوعبد الله هذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشیخین ولم یخرجاه ووافقه الذهبی رحمه الله تعالیٰ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص (مہدی) سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان

بیعت (خلافت) کی جائے گی اور بیت اللہ کی حرمت وہیں کے لوگ پامال کریں گے اور جب یہ پامالی ہوگی تو اس وقت اہل عرب کی ہمہ گیری ہلاکت ہوگی بعدازاں حبشی قوم چڑھائی کرے گی اور کعبۃ اللہ کو بالکل ویران کردے گی اس ویرانی کے بعد یہ کبھی آباد نہ ہوگا یہی حبشی اس (مدفون) خزانہ کو نکال کرلے جائیں گے۔ (مستدرک ج۴ص۴۵۲)

(۱۸) وباسناده عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال یوشک اهل العراق لایجیء الیهم درهم ولاقفیز قالوا لم ذٰلک یا ابا عبد الله قال من قبل العجم یمنعون ذٰلک ثم سکت هنیة ثم قال یوشک اهل الشام لایجیء الیهم دینار ولامدی قالوا لم ذٰلک قال من قبل الروم یمنعون ذٰلک ثم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یکون فی امتی خلیفة یحثی المال حثیا لایعده عدا ثم قال والذی نفسی بیده لیعودن الامر کمابدا لیعودن کل ایمان الی المدینة کمابدأ بها حتی یکون کل ایمان بالمدینة ثم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایخرج رجل من المدینة رغبة عنها الا ابدل لهاخیراً منه ولیسمعن ناس برخص اسعار و ریف فیتبعونه والمدینة خیرلهم لوکانوا یعلمون قال ابوعبد الله هذاحدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه بهذه السیاقة ووافقه الذهبی رحمه الله تعالٰی.

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ وقت قریب ہے جب کہ عراق والوں کے پاس روپے اور غلے آنے پر پابندی لگادی جائے گی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا یہ پابندی کن لوگوں کی جانب سے ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا عجمیوں کی جانب سے، پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا وہ وقت قریب ہے جبکہ اہل شام پر بھی پابندی عائد کردی جائے گی پوچھا گیا یہ رکاوٹ کس کی جانب سے ہوگی؟ فرمایا اہل روم کی جانب سے، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں ایک خلیفہ ہوگا (یعنی خلیفہ مہدی) جو لوگوں کو (اموال) لپ بھر بھر دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ نیز آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے یقیناً (اسلام) اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹے گا یقیناً سارا ایمان مدینہ کی طرف لوٹے گا جس طرح ابتدا مدینہ سے ہوئی تھی حتی کہ ایمان صرف مدینہ میں ہوگا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ سے جب بھی کوئی اس سے بے رغبتی کی بنا پر نکل جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو وہاں آباد کرے گا کچھ لوگ سنیں گے کہ (فلاں جگہ) ارزانی اور باغ وزراعت کی فراوانی ہے تو (مدینہ کو چھوڑ کر) وہاں چلے جائیں گے حالانکہ ان کے واسطے مدینہ ہی بہتر تھا کاش کہ وہ لوگ اس بات کو جانتے۔ (مستدرک ج۴ص۴۵۶)

(۱۹) وباسناده عن ثوبان رضی الله عنه...... يقتتل عند كنزكم ثلاثة كلهم ابن خليفة ثم لايصير الى واحد منهم ثم تطلع الرأيات السود من قبل المشرق فيقاتلونكم قتالاً لم يقاتله قوم ثم ذكر شيأ فقال اذا رأيتموه فبايعوه ولوحبوا على الثلج فانه خليفة الله المهدى قال ابوعبد الله هذا الحديث صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبى رحمه الله تعالىٰ.

(ترجمہ) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے خزانہ کے پاس تین شخص جنگ کریں گے یہ تینوں خلیفہ کے لڑکے ہوں گے پھر بھی یہ خزانہ ان میں سے کسی کی طرف منتقل نہ ہوگا اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے اور وہ تم سے اس شدت کے ساتھ جنگ کریں گے کہ اس سے پہلے کسی قوم نے اس قدر شدید جنگ نہ کی ہوگی (راوی حدیث یعنی حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں) کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات بیان فرمائی (جس کو یہ سمجھ نہ سکے) ابن ماجہ کی روایت میں اس جملہ کی تصریح بایں الفاظ ہے:

ثم يجئ خليفة الله المهدى یعنی پھر اللہ کے خلیفہ مہدی کا ظہور ہوگا۔

پھر فرمایا کہ تم لوگ انہیں دیکھنا تو ان سے بیعت کر لینا اگرچہ اس بیعت کے لئے برف پر گھسٹ کر آنا پڑے بلاشبہ وہ اللہ کے خلیفہ ہوں گے۔ (مستدرک ج۴ص۴۶۳)

ضروری وضاحت

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ص ۸۱ پر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث مذکور میں خزانہ سے مراد اگر وہ خزانہ ہے جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے "یوشک الفرات ان یحسر عن کنز من الذھب" قریب ہے کہ دریائے فرات (خشک ہوکر) سونے کا خزانہ ظاہر کردے گا تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعات ظہور مہدی کے وقت رونما ہوں گے۔

(۲۰) وباسناده عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يخرج رجل يقال له السفيانی فی عمق دمشق وعامة من يتبعه من كلب فيقتل حتی يبقر بطون النساء ويقتل الصبيان فتجتمع لهم قيس فيقتلها حتی لايمنع ذنب تلعة ويخرج رجل من اهل بيتی فی الحرم فيبلغ السفيانی فيبعث اليه جندا من جنده يهزمهم فيسير اليه السفيانی بمن معه حتی اذا صار ببيداء من الارض خسف بهم فلاينجو منهم الا المخبر عنهم قال ابو عبد الله هذا حديث صحيح الاسناد علٰی شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبی رحمه الله تعالٰی .

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دمشق کے اطراف سے سفیانی نامی ایک شخص خروج کرے گا جس کے عام پیروکار کلب کے لوگ ہوں گے یہ جنگ کرے گا یہاں تک کہ عورتوں کے پیٹ چاک کرے گا اور بچوں تک کو قتل کرے گا اس کے مقابلہ کیلئے قبیلہ قیس کے لوگ مجتمع ہوں گے سفیانی ان سے بھی جنگ کرے گا اور اس کثرت سے لوگوں کو قتل کرے گا کہ مقتولین سے کوئی وادی خالی نہ بچے گی (اسی دوران) میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کا ظہور حرم میں ہوگا (مراد خلیفہ مہدی ہیں) سفیانی کو اس کی اطلاع پہنچے گی تو اپنا ایک لشکر ان سے جنگ کیلئے بھیجے گا اس کا لشکر شکست کھا جائے گا تو خود اپنے ہمراہیوں کو لے کر چلے گا یہاں تک کہ جب مقام بیداء (یعنی مکہ ومدینہ کے

درمیان ایک چٹیل میدان) میں پہنچے گا تو ان سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بجز ایک مخبر کے کوئی نہ بچے گا (مستدرک ج۴ ص۵۲۰)

(۲۱) وباسناده عن ابی الطفیل عن محمد بن الحنفیة قال کنا عند علی رضی الله تعالٰی عنه فسأله رجل عن مهدی فقال علی رضی الله عنه هیهات ثم عقد بیده سبعا فقال ذاک یخرج فی آخر الزمان اذا قال الرجل الله الله قتل فیجمع الله تعالٰی له قوما قزع کقزع السحاب یؤلف الله قلوبهم لایستوحشون الٰی احد ولایفرحون باحد یدخل فیهم علٰی عدة اصحاب بدرلم یسبقهم الاولون ولایدرکهم الآخرون وعلی عدد اصحاب طالوت الذین جاوزوا معه النهر قال ابن الحنفیة اتریده قلت نعم قال انه یخرج من بین هٰذین الخشبتین قلت لاجرم والله لادیمهما حتی اموت فمات بها یعنی بمکة حرسها الله تعالٰی قال ابو عبد الله الحاکم هذاحدیث صحیح علٰی شرط الشیخین ووافقه الذهبی رحمه الله تعالٰی

(ترجمہ) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن الحنفیہ نے کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان سے مہدی کے بارے میں پوچھا؟ تو حضرت نے بر بنائے لطف فرمایا دور ہو، پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مہدی کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا (اور بے دینی کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ) اللہ کے نام لینے والے کو قتل کر دیا جائے گا (ظہور مہدی کے وقت) اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو ان کے پاس اکٹھا کر دے گا، جس طرح بادل کے متفرق ٹکڑوں کو مجتمع کر دیتا ہے اور ان میں یگانگت والفت پیدا کر دے گا، یہ نہ تو کسی سے متوحش ہوں گے اور نہ کسی کو دیکھ کر خوش ہوں گے (مطلب یہ ہے کہ ان کا باہمی ربط وضبط سب کے ساتھ یکساں ہوگا) خلیفہ مہدی کے پاس اکٹھا ہونے والوں کی تعداد اصحاب بدر (غزوہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ) کی تعداد کے مطابق (یعنی ۳۱۳) ہوگی۔ اس جماعت کو ایسی (خاص وجزوی) فضیلت حاصل ہوگی جو ان سے پہلے والوں کو حاصل ہوئی ہے نہ بعد والوں کو حاصل ہوگی، نیز اس جماعت کی تعداد اصحاب طالوت کی

تعداد کے برابر ہوگی جنہوں نے طالوت کے ہمراہ نہر (اردن) کو عبور کیا تھا، حضرت ابوالطفیل کہتے ہیں کہ محمد بن الحنفیہ نے مجھ سے پوچھا کیا تم اس جماعت میں شریک ہونے کا ارادہ اور خواہش رکھتے ہو، میں نے کہا ہاں تو انہوں نے (کعبہ شریف کے) دوستونوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ خلیفہ مہدی کا ظہور انہیں کے درمیان ہوگا اس پر ابوالطفیل نے فرمایا بخدا میں ان سے تاحیات جدا نہ ہوں گا (راوی حدیث کہتے ہیں) چنانچہ حضرت ابوالطفیل کی وفات مکہ معظمہ ہی میں ہوئی (مستدرک ج۴ ص۵۵۴)

(۲۲) **وباسناده عن ابی سعيد الخدری رضی الله تعالٰی عنه مرفوعا لاتقوم الساعة حتى تملأ الارض ظلما وجورا وعدوانا ثم يخرج من اهل بيتی من يملأ ها قسطا وعدلا قال ابوعبد الله رحمه الله تعالٰی صحيح علٰی شرطهما ووافقه الذهبی رحمه الله تعالٰی .**

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین ظلم وجور اور سرکشی سے بھر جائے گی بعد ازاں میرے اہل بیت سے ایک شخص (مہدی) پیدا ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا (مطلب یہ ہے کہ خلیفہ مہدی کے ظہور سے پہلے قیامت نہیں آئے گی) (مستدرک ج۴ ص۵۵۷)

(۲۳) **وباسناده عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه مرفوعا المهدی منا اهل البيت اشم الانف اقنى اجلى يملأ الارض قسطا وعدلا كماملئت جوراً وظلماً يعيش هكذا وبسط يساره واصبعين من يمينه المسبحة والابهام وعقد ثلاثة قال ابوعبد الله الحاكم صحيح علٰی شرط مسلم وقال الذهبی رحمه الله تعالٰی وفيه عمران (القطان) ضعيف ولم يخرج له مسلم .**

قلت فتقدم ان القول الراجح فيه انه ليس بضعيف ومادحوه اكثرون وجارحوه قليلون مع كون جرحهم غير مسلم ومبهما واخرج له البخاری تعليقا والله اعلم .

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میری نسل سے ہوگا اس کی ناک ستواں و بلند اور پیشانی روشن اور نورانی ہوگی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح (اس سے پہلے) وہ ظلم وزیادتی سے بھرگئی ہوگی اور انگلیوں پر شمار کر کے بتایا کہ (وہ خلافت کے بعد) سات سال تک زندہ رہے گا (مستدرک ج۴ص۵۵۷)

(۲۴) وعنده عن ابی المليح الرقی ثنا زیاد بن بیان عن علی بن نفیل عن سعید بن المسیب عن ام سلمة رضی الله عنها قالت ذكر رسو ل الله صلى الله عليه وسلم المهدی وهومن ولد فاطمة .

سکت علیه ابوعبد الله الحاكم رحمه الله تعالیٰ مع تخريجه فی المستدرک وكذلک سكت عليه الذهبی رحمه الله تعالیٰ مع تخريجه فی تلخيص المستدرک وقد مر منافی بیان رجال السند تفصيلاً فی روايات ابی داوٗد رحمه الله تعالیٰ ان الرواية صحيحة والله اعلم .

(ترجمہ) حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا تذکرہ فرمایا (اور اس میں فرمایا کہ) وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوگا (ایضاً)

(۲۵) وباسناده عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه مرفوعاً يخرج فی آخر امتی المهدی يسقيه الله الغيث ويخرج الارض نباتها ويعطی المال صحاحاً وتكثر الماشية وتعظم الامة يعيش سبعاً اوثمانيا يعنی حججاً وقال ابوعبد الله هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبی رحمه الله تعالیٰ .

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری آخر امت میں مہدی پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر خوب بارش برسائے گا اور زمین اپنی پیداوار باہر نکال دے گی اور وہ لوگوں کو مال یکساں طور پر دے گا اس کے زمانہ

(خلافت) میں مویشیوں کی کثرت اورامت میں عظمت ہوگی (وہ خلافت کے بعد) سات سال یا آٹھ سال زندہ رہے گا (مستدرک ج۴ص ۵۵۸)

(۲۶) وباسناده عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه ان رسو ل الله صلى ا لله عليه وسلم قال تملأ الارض جوراً وظلماً فيخرج رجل من عترتى فيملك سبعاً اوتسعاً فيملأ الارض عدلا وقسطاً كما ملئت جورا وظلماً قال ابوعبد الله هذا حديث صحيح علىٰ شرط مسلم ولم يخرجاه واخرجه الذهبى رحمه الله فى تلخيصه ثم سكت عليه .

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخری زمانہ میں) زمین جوروظلم سے بھرجائے گی تو میری اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا اور سات سال یا نو سال خلافت کرے گا (اوراپنے زمانہ خلافت میں) زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا جس طرح اس سے پہلے وہ جوروظلم سے بھرگئی ہوگی ۔(ایضاً)

(۲۷) قال الامام الحافظ ابوالعباس العلامةنورالدين الهيثمى رحمه الله تعالىٰ فى مجمع الزاوئدعن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال قال ......ابشركم بالمهدى يبعث فى امتى على اختلاف من الناس وزلازل فيملأ الارض قسطاً وعدلاً كما ملئت جوراً وظلماً يرضى عنه ساكن السماء وساكن الارض يقسم المال صحاحا قال له رجل ماصحاحا؟ قال بالسوية بين الناس ويملأ الله قلوب امة محمدصلى الله عليه وسلم غنى ويسعهم عدله حتى يأمرمنادياً فينادى فيقول من له فى المال حاجة ؟ فمايقوم من الناس الارجل واحد فيقول انا فيقول ائت السدان يعنى الخازن فقل له ان المهدى يأ مرك ان تعطينى مالا فيقوله احث حتى اذا جعله فى حجره وانتزره ندم فيقول كنت اجشع امة محمد صلى الله عليه وسلم نفسا اوعجزعنى ما وسعهم قال فيرده فلا يقبل منه فيقال له انا لانأخذ شيئا اعطيناه فيكون كذلك سبع سنين اوثمان سنين اوتسع سنين ثم لاخيرفى العيش بعده اوقال ثم لاخيرفى الحياة بعده .

قلت رواه الترمذی وغیره باختصار کثیر ورواه احمد باسانید وابویعلی باختصار کثیر ورجالهما ثقات .

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو میری امت میں اختلاف واضطراب کے زمانہ میں بھیجا جائے گا تو وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ (اس سے پہلے) ظلم وجور سے بھری ہوگی زمین اور آسمان والے اس سے خوش ہوں گے وہ لوگوں کو مال یکساں طور پر دے گا (یعنی اپنے دادودہش میں وہ کسی کا امتیاز نہیں برتے گا) اللہ تعالیٰ اس کے دور خلافت میں میری امت کے دلوں کو استغناء وبے نیازی سے بھر دے گا (اور بغیر امتیاز وترجیح کے) اس کا انصاف سب کو عام ہوگا وہ اپنے منادی کو حکم دے گا کہ عام اعلان کردے کہ جسے مال کی حاجت ہو (وہ مہدی کے پاس آجائے اس اعلان پر) مسلمانوں کی جماعت میں سے بجز ایک شخص کے کوئی بھی نہیں کھڑا ہوگا مہدی اس سے کہے گا کہ خازن کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مہدی نے مجھے مال دینے کا تمہیں حکم دیا ہے (یہ شخص خازن کے پاس پہنچے گا) تو خازن اس سے کہے گا اپنے دامن میں بھر لے چنانچہ وہ (حسب خواہش) دامن میں بھر لے گا اور خزانے سے باہر لائے گا تو اسے (اپنے اس عمل پر) ندامت ہوگی اور (اپنے دل میں کہے گا کیا) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے بڑھ کر لالچی اور حریص میں ہی ہوں یا یوں کہے گا میرے ہی لئے وہ چیز ناکافی ہے جو دوسروں کے واسطے کافی وافی ہے (اس ندامت پر) وہ مال واپس کرنا چاہے گا مگر اس سے یہ مال قبول نہیں کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ہم دے دینے کے بعد واپس نہیں لیتے مہدی عدل وانصاف اور دادودہش کے ساتھ سات، آٹھ یا نو سال زندہ رہے گا اس کی وفات کے بعد زندگی میں کوئی خوبی نہیں ہوگی۔

(۲۸) وعن ام سلمة رضی اللہ عنها قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يقول يكون اختلا ف عند موت خليفة فيخرج رجل من بنی هاشم فيأتی مكة

فیستخرجه الناس من بیتة وهو کاره فیبایعوه بین الرکن والمقام فیجهز الیه جیش من الشام حتی اذا کانوا بالبیداء خسف بهم فیأتیه عصائب العراق وابدال الشام وینشؤ رجل بالشام واخواله من کلب فیجهز الیه جیش فیهزمهم الله فتکون الدائرة علیهم فذلک یوم کلب الخائب من خاب من غنیمة کلب فیفتح الکنوز ویقسم الاموال ویلقی الاسلام بجرانه الی الارض فیعیشون بذلک سبع سنین اوقال تسع رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح .

(ترجمہ) حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا (یعنی اس کی جگہ دوسرے خلیفہ کے انتخاب پر یہ صورت حال دیکھ کر) خاندان بنی ہاشم کا ایک شخص (اس خیال سے کہیں لوگ میرے اوپر بار خلافت نہ ڈال دیں) مدینہ سے مکہ چلا جائے گا کچھ لوگ (پہچان کر کہ یہی مہدی ہیں) اسے گھر سے نکال باہر لائیں گے اور حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان زبردستی اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلیں گے (اس کی بیعت خلافت کی خبر سن کر) ایک لشکر مقابلہ کیلئے شام سے اس کی سمت روانہ ہوگا یہاں تک کہ جب مقام بیداء (مکہ ومدینہ کے درمیان میدان) میں پہنچے گا تو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اس کے بعد اس کے پاس عراق کے اولیاء اور شام کے ابدال حاضر ہوں گے اور ایک شخص شام سے (سفیانی) نکلے گا جس کی ننہال قبیلہ کلب میں ہوگی اور اپنا لشکر خلیفہ مہدی کے مقابلے کیلئے روانہ کرے گا اللہ تعالیٰ سفیانی کے لشکر کو شکست دیدے گا یہی کلب کی جنگ ہے وہ شخص خسارہ میں رہے گا جو کلب کی غنیمت سے محروم رہا پھر خلیفہ مہدی خزانوں کو کھول دیں گے اور خوب داد و دہش کریں گے اور اسلام پورے طور پر دنیا میں تمام ہو جائے گا لوگ اسی (عیش وراحت) کے ساتھ سات یا نو سال رہیں گے (یعنی جب تک خلیفہ مہدی حیات رہیں گے لوگوں میں فارغ البالی اور چین .سکون رہے گا) (مجمع الزوائد ص ۳۱۵ ج ۷)

(۲۹) وعن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال ذکر رسول الله صلی الله علیه وسلم

المهدی فقال ان قصر فسبع والا فثمان والا فتسع ولیملأن الارض عدلاً و قسطاً کما ملئت جوراً وظلماً رواه البزار ورجاله ثقات وفی بعضهم بعض ضعف .

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اگر ان کی مدت خلافت کم ہوئی تو سات برس ہوگی ورنہ آٹھ یا نو سال ہوگی وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح سے اس سے پہلے ظلم وجور سے بھری ہوگی (مجمع الزوائد ص۳۱۶ ج ۷)

(۳۰) وعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال یکون فی امتی خلیفة یحثو المال فی الناس حثیا لایعده عدا ثم قال والذی نفسی بیده لیعودن رواه البزار ورجاله رجال الصحیح.

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو لوگوں کو مال لپ بھر بھر کر تقسیم کرے گا شمار نہیں کرے گا (یعنی سخاوت اور دریا دلی کی بناء پر بغیر گنے کثرت سے لوگوں میں عطایا تقسیم کرے گا) اور قسم ہے اس ذات پاک کی جس کی قدرت میں میری جان ہے البتہ ضرور لوٹے گا (یعنی امر اسلام مضمحل ہو جانے کے بعد ان کے زمانہ میں پھر سے فروغ حاصل کرلے گا (مجمع الزوائد ج ۷ ص۳۱۶)

(۳۱) وعن ابی هریرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال یکون فی امتی المهدی ان قصر فسبع والا فثمان والا فتسع تنعم امتی فیها نعمة لم ینعموا مثلها یرسل السماء علیهم مدرارا ولایدخر الارض شیأ من النبات والمال کدوس یقوم الرجل یقول یامهدی اعطنی فیقول خذه،رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات .

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک شخص مہدی ہوگا (اس کی مدت خلافت) اگر کم ہوئی تو سات سال ہوگی ورنہ آٹھ یا نو سال ہوگی میری امت اس کے زمانہ میں اس قدر خوش حال ہوگی کہ اتنی

خوش حالی اسے کبھی نہ ملی ہوگی آسمان سے (حسب ضرورت) موسلا دھار بارش ہوگی اور زمین اپنی تمام پیداوار کو اُ گا دے گی ایک شخص کھڑا ہوا مال کا سوال کرے گا تو مہدی کہیں گے (اپنی حسب خواہش خزانہ میں جا کر) خود لے لو۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۱۷)

(۳۲) قال الامام الحافظ الحجة ابوبكر بن ابی شيبة رحمه الله تعالىٰ حد ثنا الفضل بن دكين وابو داؤد عن ياسين العجلی عن ابراهيم بن محمد بن الحنفية عن ابيه علی رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال قال رسو ل الله صلی الله عليه وسلم المهدی مناا هل البيت يصلحه الله تعالىٰ فی ليلة .

(۳۳) حدثنا وكيع عن ياسين عن ابراهيم بن محمد عن ابيه عن علی رضی الله عنه مثله ولم يرفعه .

اقول ان الفضل بن دكين وابا داؤد اعنی الحضرمی الكوفی و وكيعا من الائمة المعروفين اخرج لهم الستة الا اباداؤد الحضرمی فلم يخرج الامسلم رحمه الله تعالىٰ والاربعة واما ياسين فهوابن شيبان ويقال ابن سنان الكوفی قال الدوری عن ابی معين صالح وقال ابوزرعة لابأس به وقال البخاری فيه نظر ولا اعلم حديثا غيرهذا وقال يحی بن يمان رأيت سفيان الثوری يسأل ياسين عن هذا الحديث قال ابن عدی وهومعروف به ووقع فی سنن ابن ماجة عن ياسين غيرمنسوب فظنه بعض حفاظ المتاخرين ياسين بن معاذ الزيات فضعف الحديث به فلم يصنع شيأ الخ من تهذيب التهذيب.

واماابراهيم بن محمد بن الحنفية فذكره ابن حبان رحمه الله تعالىٰ فی الثقات وقال العجلی ثقة اخرج له الترمذی وابن ماجة والنسائی فی مسند علی رضی الله عنه الخ والحاصل ان الرواية رجالها ثقات وتبين من كلام الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالىٰ ان تضعيف من ضعف الحديث انما كان ناشيا بظنه الفاسدو لاجل هذا صرح فی التقريب ايضاً، نعم لو كان المراد ياسين الزيات لكانت الرواية ضعيفة وقد نص ابن ابی

شیبة علی انه العجلی فالحدیث لاغبار علیه ،والله اعلم .

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مرفوعا،موقوفاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میرے اہل بیت سے ہوگا۔اللہ تعالیٰ اسے ایک ہی رات میں صالح بنادے گا(یعنی اپنی توفیق وہدایت سے ایک ہی شب میں ولایت کے اس بلند مقام پر پہنچادے گا جہاں وہ پہلے نہیں تھے(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۵ص۱۹۷)

(۳۴) حدثنا الفضل بن دکین ثنا فطرعن زرعن عبد الله رضی الله عنه قال قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم لاتذهب الدنیاحتی یبعث الله رجلاً من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی الخ .

اقول رجال هذا السند کلهم رجال الصحاح الستة غیرفطرفانه لم یروعنه مسلم رحمه الله تعالٰی واماالبخاری والاربعة فقداخرجوا له وثقه احمد وابن معین والعجلی وابن سعد ومن الناس من یستضعفه .

(ترجمہ) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص (مرادمہدی ہیں) بھیجے گا جس کا نام میرے نام کے اوراس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے مطابق ہوگا (یعنی اس کا نام بھی محمد بن عبداللہ ہوگا(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۵ص۱۹۷)

(۳۵) حدثنا الفضل بن دکین ثنا فطرعن القاسم بن ابی بزة عن ابی الطفیل عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی اللهعلیه وسلم قال لولم یبق من الدهرالا یوم لبعث الله رجلا من اهل بیتی یملأ هاعدلا کما ملئت جوراً .

اقول رجال هذا السند کلهم رجال الصحاح الستة غیرفطرفانه من رواة البخاری والاربعة خلامسلم کمامر.

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ (اسی کو طویل اور دراز کردے گا اور) میرے اہل بیت میں سے ایک شخص (مہدی) کو پیدا کرے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم سے بھری ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۹۸)

(۳۶) حدثنا عبد الله بن نمير ثنا موسى الجهنى ثنى عمر بن قيس الماصر ثنى مجاهد ثنى فلان رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ان المهدى لايخرج حتى يقتل النفس الزكية فاذا قتلت النفس الزكية غضب عليهم من فى السماء ومن فى الارض فاتى الناس المهدى فزفوه كماتزف العروس الى زوجها ليلة عرسها وهويملأ الارض قسطا وعدلاً ويخرج الارض نباتها وتمطر السماء مطرها وتنعم امتى فى ولايته نعمة لم تنعمهاقط .

اقول اما عبد الله بن نمير فهو الهمدانى الخارنى الكوفى اخرج له الستة واما موسى الجهنى فهوموسى بن عبد الله اوابن عبد الرحمٰن الجهنى الكوفى وثقه احمد وابن معين والنسائى قال ابوحاتم لابأس به ثقة صالح اخرج له مسلم والترمذى والنسائى وابن ماجة .

واماعمر بن قيس الماصر فهو الكوفى وثقه ابن معين وابوحاتم وابوداوٗد رحمهم الله تعالٰى اخرج له ابوداوٗد والبخارى فى الادب المفرد ذكره ابن حبان فى الثقات وذكره ابن شاهين فى الثقات قال قال احمد بن صالح يعنى المصرى عمربن قيس ثقة واما مجاهد فهوامام مشهوراخرج له الائمة الستة وغيرهم فالحاصل ان الرواية صحيحة ورجالها كلهم موثقون. والله اعلم .

(ترجمہ) امام مجاہد (مشہور تابعی) ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "نفس زکیہ" کے قتل کے بعد ہی خلیفہ مہدی کا ظہور ہوگا جس وقت نفس زکیہ قتل

کردیئے جائیں گے تو زمین وآسمان والے ان قاتلین پر غضبناک ہوں گے بعدازاں لوگ مہدی کے پاس آئیں گے اورانہیں دلہن کی طرح آراستہ وپیراستہ کریں گے اور (وہ مہدی) میری زمین کوعدل وانصاف سے بھردیں گے (ان کے زمانہ خلافت میں) زمین اپنی پیداوار کواُ گادے گی اورآسمان خوب برسے گا اوران کے دورخلافت میں امت اس قدرخوش حال ہوگی کہ ایسی خوشحالی اسے کبھی نہ ملی ہوگی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ص ۱۹۸)

ضروری تنبیہ

ایک شخص زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے خلیفہ منصورعباسی کے خلاف ۱۴۵ھ میں خروج کیا تھا اورشہید ہوئے تھے حدیث بالا میں مشہور ''نفس زکیہ'' سے مراد یہ شخص نہیں ہیں بلکہ یہ ایک دوسرے بزرگ ہیں جوآخرزمانہ میں ہوں گے اوران کی شہادت کے فوراً بعد مہدی کاظہور ہوگا، شیخ محمد بن عبدالرسول الزرنجی نے اپنی مشہورتالیف ''الاشاعة لاشراط الساعة'' میں یہ بات بصراحت تحریر کی ہے۔

(۳۷) حدثنا یزیدبن هارون نا ابن ابی ذئب عن سعید بن سمعان قال سمعت اباهریرة یخبر ابا قتادة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یبایع للرجل بین الرکن والمقام ولن یستحل البیت الا اهله فاذا استحلوه فلا تسئل عن هلکة العرب ثم تأتی الحبشة فیخربون خرابا لا یعمربعده ابدا وهم الذین یستخرجون کنزه .

اقول اما یزید بن هارون فهوالسلمی ابوخالد بن الواسطی احد الاعلام الحفاظ المشاهیر روی عنه الستة قال احمد کان حافظاً متقنا وقال ابوحاتم امام لایسئل عن مثله واما ابن ابی ذئب فهومحمد بن عبد الرحمٰن بن المغیرة بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری من ائمة المدنی احد الاعلام اخرج له الستة قال احمد یشبه بابن المسیب وهواصلح واورع واقوم بالحق من مالک واما سعید بن سمان فهوالانصاری الزرقی اخرج له ابوداؤد والترمذی والنسائی والبخاری فی جزء القراءة وقال النسائی ثقة

وذكره ابن حبان في الثقات وقال البرقاني عن الدارقطني ثقة وقال الحاكم تابعي معروف وقال الازدي ضعيف الخ .

(ترجمہ) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص (یعنی مہدی) سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کی جائے گی اور کعبہ کی حرمت وعظمت اس کے اہل ہی پامال کریں گے اور جب اس کی حرمت پامال کردی جائے گی تو پھر عرب کی تباہی کا حال مت پوچھو (یعنی ان پر اس قدر تباہی آئے گی جو بیان سے باہر ہے) پھر حبشی چڑھائی کردیں گے اور مکہ معظمہ کو بالکل ویران کردیں گے اور یہی کعبہ کے (مدفون) خزانہ کو نکالیں گے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۹۹)

تشریح: مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک اہل حبشہ تم سے جنگ نہ کریں تم بھی ان سے نہ لڑو کیونکہ خانہ کعبہ کا خزانہ دو چھوٹی پنڈلیوں والا نکالے گا اس مضمون کی دیگر حدیثیں بھی موجود ہیں حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی قدس سرہ اپنے رسالہ "قیامت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ جب سارے ایماندار جہاں سے اٹھ جائیں گے تو حبشیوں کی چڑھائی ہوگی اور ان کی سلطنت ساری روئے زمین پر پھیل جائے گی وہ کعبہ کو ڈھا ڈالیں گے اور حج موقوف ہو جائے گا۔

(ترجمہ قیامت نامہ ص ۲۲ از مولانا محمد ابراہیم داناپوریؒ)

افادات سلوک وتصوف

تصوف اور بیعت کی حقیقت

تقریر مدراس: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

پیش لفظ: از مولانا محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند

حامداً ومصلیاً: مادہ پرست دنیا کی منڈی میں ہر جنس موجود ہے ہر ایک سامان کی فراوانی ہے حیرت انگیز مصنوعات سے بازار پٹے پڑے ہیں زیبائش وآرائش اور عیش وعشرت کے حسین اور نازک سامانوں سے شاندار دوکانیں سجی ہوئی ہیں لیکن محروم القسمت انسان کو جس چیز کی تلاش ہے افسوس وہ اس پوری منڈی میں مفقود ہے، اطمینان وسکون کی خوش گوار زندگی افسوس نہ کسی بازار میں ہے نہ کسی کوٹھی میں نہ کسی ہوٹل میں، شیخ سعدیؒ نے سات سو برس پہلے کے زمانہ میں کہا تھا ؎

آنانکہ غنی ترند محتاج ترند...... زمانہ کی ترقی نے اس میں یہ ترمیم کردی ؎ آنانکہ غنی ترند پریشان ترند

دنیا کے سب سے زیادہ دولت منداور طاقتور ملک کے سابق صدر روز ویلٹ کی پریشانی یہاں تک بڑھی کہ ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور وہ بیٹھے بیٹھے رخصت ہوگئے اور برطانیۂ عظمیٰ کے وزیر اعظم ایڈن کو کس قدر پشیمانی ہوئی ہوگی جب ان کو اس وزارت عظمیٰ سے استعفاء دینا پڑا جو سالہا سال کی محنت کے بعد ترقی کرتے کرتے حاصل ہوئی تھی، آج جبکہ اطمینان اور سکون قلب کی یہ جنس گرانمایہ نہ کسی سرمایہ دار کی تجوری میں ہے نہ کسی صاحب اقتدار کے ایوان حکومت میں، تو کیا عنقاء کی طرح ایک ''طاہر موہوم'' ہے جس کا نام بہت مشہور ہے مگر حقیقت یکسر مفقود؟ بیشک مادہ پرست دنیا کا جواب یہی ہوگا لیکن قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو بشارت دیتا ہے کہ اطمینان وسکون قلب کا وہ ''کوہ نور'' جس

کے حاصل کرنے سے پوری دنیااور اس کے تمام جدید ذرائع آج تک عاجز ودرماندہ ہیں اس کے خزانے اس کے دامن میں موجود ہیں تم بھی ان خزانوں سے اپنے دل ودماغ کی جیبیں بھر سکتے ہو شرط صرف یہ ہے کہ ایمان صحیح کے ساتھ عمل صالح ہو اور عمل صالح کی رگوں میں ذکر اللہ کی روح کارفرما ہو: الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان ہو جاتا ہے) الذین امنوا وعملوا الصلحات طوبیٰ لھم وحسن ماٰب (سورۃ رعد) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کیلئے خوشگواری ہے اور نیک انجام) کس قدر آسان نسخہ ہے مگر افسوس اور حیرت وتعجب ہے کہ خود قرآن پاک کے ماننے والے اس نسخہ سے بے خبر ہیں وہ دنیا کے ہر بازار میں بھٹکتے پھر رہے ہیں مگر ان دوکانوں کا رخ نہیں کرتے جن کا بازار اللہ عزوجل نے سجایا ہے۔ بدنصیبی کی انتہا ہوگئی کہ بہت سے وہ مدعی جو اسلام کے نام پر جماعت قائم کرنے کیلئے سرگرداں ہیں اپنے تجویز کردہ نسخے تو دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں اور وہ قیمتی اور خاندانی نسخے جن کو صدہا سال کے تجربوں نے اکسیر ثابت کردیا ہے جن کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں نا آشنا آشنا اور بیشمار مردہ دل ابدی اور لازوال زندگی حاصل کرچکے ہیں سراسر ان کے وجود ہی سے انکار کررہے ہیں، سلوک وتصوف کے وہ طریقے جو قرآن حکیم کی اس بشارت کی عملی تصدیق کرتے ہیں ان کی نظر میں مشکوک ہیں اور وہ سلسلۂ بیعت جو عمل صالح میں ذکر اللہ کی روح پیدا کرتا ہے ان کے نزدیک ناجائز اور بدعت مخترعہ ہے۔

دورحاضر کے مرشد کامل اور شیخ طریقت جو نہ صرف نمونہ اسلاف بلکہ مسلک اسلاف کے سب سے بڑے حامی اور بلند پایہ محافظ تھے یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز۔ ان صفحات میں آپ کی ایک تقریر پیش کی جارہی ہے، آپ نے اس تقریر میں احسان، تصوف، بیعت اور مشاغل طریقت کے متعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سبق آموز بحث فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق بخشے کہ ہم اس سے سبق حاصل کرکے حیات طیبہ اور اطمینان قلب کی دولت لازوال سے ہمکنار ہوں...... آمین۔

محمد میاں عفی عنہ ۵؍رجب ۱۳۷۶ھ فروری ۱۹۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف عین شریعت ہے

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں کچھ بیعت اور سلوک وطریقت کے متعلق عرض کروں۔

آج کل کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم نہیں دی ہے اور جو لوگ تصوف وطریقت کے ذمہ دار ہیں ان کے افعال واطوار، حرکات وسکنات شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ بیعت نام ہے اس کا کہ شریعت کی کسی بات کیلئے عہد لیا جائے کہ وہ اس امر کو اللہ کے حکم سے انجام دیں گے یا کسی خاص دینی مسئلہ کا، کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت فرمانا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع میں ایسا کیا ہے چنانچہ حدیبیہ کی لڑائی کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور موت آجائے تو اس کو اختیار کریں گے اور اسلام کی سربلندی کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ فتح میں فرماتا ہے: **لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا** (اللہ تعالیٰ مسلمانوں

سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو فتح قریب عطا فرمائی)

اسی طرح سورۃ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے بیعت لینے کے متعلق ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: **یٰایھا النبی اذا جاء ک المؤمنات یبایعنک علیٰ ان لایشر کن باللہ شیأ ولایسرقن ولایزنین ولایقتلن اولادھن الایۃ** (اے نبی جب عورتیں تمہارے پاس آئیں اور عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی)

زمانۂ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچوں کو مرد، عورت، ماں، باپ فقر وفاقہ کی وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے، فرمایا گیا ہے: **لا تقتلوا اولا دکم خشیۃ املاق** (فاقہ کے خوف سے اپنے بچوں کو مت مار ڈالو) اسی طرح اور برائیوں میں لوگ مبتلا تھے عہد لیا گیا کہ ان سب سے علیحدہ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں گے۔

ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ ان عورتوں سے بیعت لیجئے اور ان کیلئے استغفار کیجئے پس معلوم ہوا کہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بارہ اصحاب کرام میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں شریک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کا داعی اور مبلغ نقیب بنا کر بھیجا تھا اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ جنگ بدر میں شریک تھے جن کی مغفرت کا دنیا ہی میں اعلان ہو چکا تھا یہی حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے صحابہ کی ایک جماعت آپ کے گرد حاضر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بایعونی علیٰ ان لا تشر کوا باللہ شیأ ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم

ولا تأتوا ببهتان تفترونه بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفیٰ منکم فاجره علی اللہ ومن اصاب من ذٰلک شیأ فعوقب فی الدنیا فهو کفارة له ومن اصاب من ذٰلک شیئا ثم ستره اللہ فهو الی اللہ ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبایعناه علیٰ ذٰلک (بخاری شریف کتاب الایمان) (مجھ سے بیعت کرو اس پر کہ اللہ کا کسی کو شریک نہیں گردانو گے سرقہ اور زنا کا ارتکاب نہ کرو گے اور اپنی اولاد (لڑکیوں کو) قتل نہ کرو گے اور بہتان نہ باندھو گے اور کسی بھی اچھے کام میں نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو گے پس جو شخص اس عہد کو پورا کرے اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی جرم کا مرتکب ہو جائے پس اگر دنیا میں اس کو اس کی سزا مل گئی تو وہ کفارہ ہو سکتی ہے اور اگر دنیا میں اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر لی تو پھر اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے معاف کرے اور اگر چاہے سزا دے (راوی کہتے ہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد ختم کر چکے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی۔ناشر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں سے مختلف چیزوں پر بیعت لی ہے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی اس پر کہ ہم ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے اور حفاظت کریں گے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے بچیں گے،اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے پوچھا گیا کہ حدیبیہ میں کس چیز پر بیعت کی تھی تو کہا موت پر یعنی اس پر کہ مر جائیں گے لیکن بھاگیں گے نہیں،کبھی بعض خاص باتوں پر بیعت کی کبھی پوری شریعت پر،کسی سے اس پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی چیز مانگیں گے نہیں اس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں کسی کا کوڑا گر جاتا تھا اگر چہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو خود ہی اتر کر اٹھاتے تھے یعنی کسی کو اٹھانے کیلئے نہیں کہتے تھے کہ کہیں یہ بھی سوال نہ ہو۔مختلف جگہوں میں مختلف طریقہ سے قرآن اور حدیث میں ذکر آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی کبھی کچھ چیزوں کیلئے کبھی پوری شریعت کیلئے۔

بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے قرآن وحدیث میں بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن سے بیعت کا ثبوت ملتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے بیعت اس بات پر ہوتی ہے کہ شریعت کے حکموں کی تعمیل کریں گے اللہ کا ذکر کریں گے اور شریعت پر چلیں گے اسی کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے، بیعت کے طریقے ہر زمانے میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے اس سلسلہ میں عہد لئے ہیں۔

بیعت کون لے سکتا ہے؟

بیعت کا ہر شخص کو حق نہیں بیعت لینے کا حق اسی کو ہے جو فسق وفجور سے بچتا رہا ہو اور کسی پیر کے پاس رہا ہو اور کسی پیر کے پاس رہ کر کتاب وسنت کی روشنی میں تزکیۂ قلب حاصل کر چکا ہو اور اپنے مرشد سے نسبت باطن حاصل کی ہو ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ پر زمانۂ سابق میں بیعت کی جاتی تھی، تمام صحابہ کرامؓ میں یہ اوصاف پائے جاتے تھے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خصوصاً یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسن بصریؒ اور ان کے خلفاءؒ میں سے۔ جو بیعت لیتے ہیں ان کو پیر کہتے ہیں، پیر کے معنی بڈھا کے ہیں اور عربی میں اسے شیخ کہتے ہیں، چونکہ عموماً وہ شخص جو زیادہ دنوں تک اللہ اور رسول کی اطاعت میں وقت گزارتا ہے اور تجربہ حاصل کرتا ہے اور پھر اشاعت وتبلیغ کا کام کرتا ہے بوڑھا ہوتا ہے اسی لئے اس کو پیر کہا جاتا ہے، پیر کسی شخص کا نام نہیں ہے کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ جو شریعت کا پابند اور عرصۂ دراز تک ریاضت کئے ہوئے ہو وہ اللہ کی کثرت سے اطاعت کرتا ہو اور دنیا کا حریص نہ ہو اس قدر عبادت کی ہو کہ اس سے نسبت پیدا ہوگئی ہو وہی پیر ہوتا ہے مگر عرصہ دراز گزرنے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں اسی طرح طریقت کے اندر بھی کھرے کھوٹے پیدا ہوگئے جو شخص شریعت پر نہ چلتا ہو اور نہ سنت کا تابعدار ہو وہ شخص بیعت لینے کا مستحق نہیں ہے، حکم ہوا ہے:

یٰا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو) پیر وہ ہوتا ہے جو ہر طرح سچا ہو جس کے اندر فریب نہ ہو،

پیر اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو سچا ہو اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون (اے ایمان والوتقوی اختیار کرو اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے) ایمان کا درجہ اول ہے اور ثانوی درجہ تقوی کا ہے اور تیسرا درجہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کا ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ سے مراد مرشد تلاش کرنا ہے، چوتھا حکم ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو، سب سے پہلا جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرو۔

تصوف کا حدیث سے ثبوت

طریقت وتصوف نئی چیز نہیں ہے بلکہ پرانی ہی عرصہ سے چلی آتی ہے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا اس کے کپڑے نہایت سفید تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا ہم نے تعجب کیا وہ باہر سے آئے ہوئے معلوم نہیں ہوتے تھے کیونکہ ایسے آدمی کے جو سفر کر کے آیا ہو کپڑے بہت میلے اور گندے ہوتے ہیں، اس نے سوال کیا ماالایمان ؟ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ وتؤمن بالبعث بعد الموت والقدر خیرہ وشرہ الخ (او کماقال) ایمان یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور قیامت پر اور اچھی اور بری تقدیر پر، اس کے بعد سوال کیا اسلام کیا چیز ہے؟ فرمایا: ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً (یعنی تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ ایک ہے محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور روزہ رکھو، زکوٰۃ دو اور استطاعت ہو تو حج کرو) اس کے بعد سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے؟ فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ

گویا تم اسے دیکھتے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھتے ہو تو وہ تم کو بہر حال دیکھ رہا ہے۔

احسان کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہ کیا گیا ہے: ان رحمة اللّٰہ قریب من المحسنین دوسری جگہ آیت یہ ہے: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان ، اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں۔ آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فھو یراک کہ احسان نام ہے اس چیز کا کہ خدا کی عبادت مکمل خضوع وخشوع کے ساتھ انجام دو اور اس طرح عبادت کرو جس سے ظاہر ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو جیسے غلام آقا کو دیکھتا ہے تو نہایت توجہ سے کام کرتا ہے کوتاہی نہیں کرتا، ہر عبادت کی تکمیل اس طرح کرو جیسے تم اپنے آقا و مالک کے دیکھنے کے وقت کرتے ہو۔ اور اگر تم کہو ہم تو اللہ کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، غلام کام کی تکمیل اس واسطے کرتا ہے کہ آقا اس کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے، اسی احسان کے حاصل کرنے پر تمام تر تصوف کا مدار ہے۔

آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضور کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہوتے ہی احسان حاصل ہو جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اتنی قوی تھی کہ جو حاضر ہوتا تھا اس کے قلب پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ تمام چیزوں کو بھول جاتا تھا اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

حضرت حنظلہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی روز حاضر نہ ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اپنے آدمیوں کو یاد کرتے تھے، جب وہ ایک دو وقت نہیں آئے تو فرمایا حنظلہ کیوں نہیں آئے ، لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میں ابھی پوچھ کر آتا ہوں اور خبر لاتا ہوں چنانچہ وہ ان کے گھر گئے گھر والوں سے پوچھا کہ حنظلہ کہاں گئے بیوی نے کہا کہ گھر میں سر جھکائے گوشہ میں بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں اندر جا کر دیکھوں، اندر گئے دیکھا بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں، پوچھا کیوں نہیں آئے حضرت حنظلہؓ نے کہا میں منافق ہو گیا ہوں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیسے؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو دنیا کی ساری باتیں فراموش ہو جاتی ہیں اور خدا سے تعلق رہتا ہے اور جب گھر آتا ہوں بال بچوں میں لگ جاتا ہوں تو یہ حالت نہیں رہتی ، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میری بھی یہی حالت ہے اور پھر یہ بھی بیٹھ کر رونے لگے اور پھر فرمایا کہ ہماری تمام مشکلات کو حل کرنے والے وہی آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے پاس چلو رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے یہ بات ان کی سمجھ میں آئی ، چنانچہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ایسی ایسی حالت ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ہر وقت ایسے ہی رہو جیسے میرے سامنے رہتے ہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگیں مگر یہ حالت وقتاً فوقتاً ہی ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب اور صحابہؓ کے پاک اور صاف دل گویا آئینہ تھے جب بھی آفتاب نبوت کے سامنے پہنچتے تھے اور حالت ہو جاتی تھی اور جب الگ ہوتے اس میں فرق آجاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تزکیۂ نفس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار کام سپرد کئے گئے تھے جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے:

یتلوا علیهم ایٰته و یزکیهم ویعلمهم الکتاب و الحکمة ۔

(۱) قرآن کریم کی آیتیں سناتے تھے (اس کا قرآن پاک میں چار پانچ جگہ ذکر ہے)

(۲) اللہ تعالیٰ کا کلام سکھاتے تھے۔

(۳) حکمت کی باتیں بتلاتے تھے۔

(۴) اور چوتھا کام یہ کہ دلوں کے میل کچیل دور کرتے تھے اور ان کو پاک وصاف کرتے تھے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت سے اہل ایمان کے دلوں کے میل کچیل دور ہو جاتے تھے غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی برائی دور ہو جاتی تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر یہ تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے تو ہر چیز روشن معلوم ہوتی تھی جب تک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہے سب چیزیں روشن معلوم ہوتی رہیں، وفات کے بعد جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مٹی ڈالی تو وہ روشنی جاتی رہی اور کہتے ہیں کہ ابھی ہم نے ہاتھوں سے مٹی نہیں جھاڑی تھی کہ خود ہمیں اپنے دل اوپرے معلوم ہونے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کے آفتاب تھے، صحابہ کرامؓ نے ان سے روشنی حاصل کی اسی بناء پر اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص اسلام کے ساتھ چند منٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رہا ہو وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے متقی اور ولی سے بھی افضل واعلیٰ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ طاقتور تھی، دل ودماغ روشن کرنے والی، اس لئے ریاضت کی زیادہ حاجت نہ ہوتی تھی، ضرورت اس بات کی تھی کہ اخلاص کے ساتھ مجلس میں حاضری ہو جائے۔

مگر جیسا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپ کی جدائی کے بعد وہ روشنی نہیں رہی اسی طرح صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے جتنا زمانہ دور ہوتا گیا روحانی اور قلبی صفائی میں کمی ہوتی گئی، جس طرح صاف برتن کے صاف کرنے سے میل جلد دور ہو جاتا ہے، عہد صحابہ کے صاف قلوب کو صاف کرنے کیلئے کسی خاص ریاضت کی ضرورت نہیں تھی، مگر جیسے جیسے میل بڑھتا اور جمتا گیا ریاضت کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی۔

احسان اور صفائی قلب

احسان کوئی نئی چیز نہیں دل کی ہی صفائی حاصل کرنے کا نام احسان ہے اور یہی تصوف کا مقصد ہے، تصوف کا مقصد کوئی نئی چیز نہیں ہے، حدیث جبرئیل میں جو چیز مذکور ہے وہی چیز ہے مگر زمانہ کے بُعد کی وجہ سے طبیعتوں میں میل زیادہ ہو گیا جس کی وجہ سے مانجنے کی ضرورت زیادہ ہو گئی۔ -

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو اصول تصوف میں ذکر کئے گئے ہیں یعنی بارہ تسبیحیں، ذکر جہری، پاس انفاس، مراقبہ وغیرہ اس کا بھی حدیث میں ذکر نہیں ہے، ان کا یہ اعتراض غلط

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاد کیلئے تلوار، تیر وکمان نیزہ وغیرہ کا تذکرہ آتا ہے اور بندوق، مشین گن، گولہ بارود اور ہوائی جہاز کا کوئی تذکرہ نہیں آتا ہے، آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کی ضرورت پڑے تو آپ کہیں گے کہ جنگ تلوار سے کرنی چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ فقط تلوار و نیزہ، تیر وکمان سے کرتے تھے، ہرگز آپ ایسا نہیں کر سکتے اور اگر آج ایسا کریں گے تو دشمن آپ کو دور ہی سے فنا کر دیں گے، مشین گن اور توپوں وغیرہ سے اگر دشمن حملہ کرے تو ہم کو بھی وہی چیز اختیار کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا ہے: اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ الخ جو تم سے قوۃ ہو سکے دشمن کے مقابلہ کے واسطے تیار کرو، مقصود جہاد سے اعلاء کلمۃ اللہ ہے جس چیز سے بھی ہو اور جس چیز کی ضرورت پڑے اس کو استعمال کرو جس سے دشمن کو شکست دے سکو اس کو مہیا کرو اور مقابلہ کرو۔

اسی طرح جس زمانہ میں آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو اس زمانہ میں تھوڑی ریاضت کی ضرورت پڑتی تھی اور اسی سے کام ہو جاتا تھا اور جتنے دن زیادہ گزرتے گئے ریاضتوں کی ضرورت زیادہ ہوتی گئی اسی وجہ سے چلہ، بارہ تسبیح، ذکر جہری اور پاس انفاس وغیرہ قلب کی صفائی کیلئے متعین کئے گئے۔

آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن شریف میں زیر، زبر نہیں تھے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور خلافت میں کتابی شکل میں جمع کرایا، حضرت عثمانؓ نے ترتیب دیا، مگر زیر وزبر تب بھی نہیں لگائے گئے، صحابہ کرامؓ کی زبان عربی تھی وہ بغیر زیر وزبر کے پڑھتے تھے جیسے کہ ہم اردو زبان والے اردو کے صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جاتے ہیں، آج کوئی بنگالی، برمی یا انڈونیشیا والے سے کہا جائے کہ اردو کی صحیح عبارت پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکتا جس طرح ہم زیر وزبر کے نہ ہوتے ہوئے صحیح پڑھتے ہیں اسی طرح حضرت عثمانؓ کا قرآن جس میں نہ زیر نہ زبر نہ نقطہ کچھ بھی نہیں تھا صحابہ کرامؓ صحیح پڑھتے تھے مگر تھوڑے ہی زمانہ بعد اس کی ضرورت محسوس ہوئی، عجمیوں کے خلط ملط کی وجہ سے لوگ زیر وزبر کے محتاج ہو گئے پس یہ اعتراض کہ

قرآن میں زیروزبر نہیں لگانے چاہئیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پائے گئے تو کیا یہ اعتراض کوئی وزن رکھتا ہے؟ بیشک اس زمانہ میں لوگ بغیر زیروزبر کے تلاوت کر لیتے تھے مگر آج مکہ اور مدینہ والے جن کی زبان عربی ہے وہ بھی بغیر زیروزبر ونقطہ کے نہیں پڑھ سکتے، جس طرح ہم محتاج ہیں صرف ونحو کے اسی طرح عرب والے بھی محتاج ہیں اور وہ بھی بغیر زیروزبر اور نقطہ کے نہیں پڑھ سکتے ہیں تو زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احوال بدلتے رہتے ہیں لیکن وہ احوال جو مقصود کو بدلنے والے نہ ہوں ان کو سنت ہی کہا جائے گا، مثلاً کسی شخص نے روٹی پکانے والے کو متعین کیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لکڑی، چولہا، توا، سب چیزیں مہیا کریں، لکڑی نہ ملے کوئلہ نہ ملے تو اوپلہ کو بھی استعمال کیا جائے گا غرض جس چیز پر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کو طلب کیا جائے گا۔ مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احسان حاصل کرنے کیلئے ریاضت کی ضرورت نہیں تھی مگر آج ہمارے مرشدوں نے بتلایا کہ اس طرح سے ذکر کرو اگر کوئی کہے کہ یہ بدعت ہے تو سراسر غلطی ہے۔

ذکر اللہ کی تاکید

خدا نے کئی جگہ ذکر کی تاکید فرمائی ہے ارشاد ہے: فاذکروا اللہ قیاما وقعوداً الخ کھڑے اور بیٹھنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسی طرح لفظ اللہ، سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ ضرب کے ساتھ ہو یا بلا ضرب ارشاد خداوندی کے تحت میں سب داخل ہے۔ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے: یا یھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا الخ۔ تیسرا ارشاد ہے: فاذکرونی اذکرکم۔ اگر تم مجھ کو یاد کرو گے میں تم کو یاد کروں گا، کوئی قید نہیں کہ کس طرح سے ذکر کیا جائے مطلقاً ذکر کا حکم ہے ہمارے بڑے تجربہ کار لوگوں نے کہا ہے کہ ذکر سری سانس کے ساتھ اور ذکر خفی روح کے ساتھ کرو۔

بہر حال ذکر کوئی بدعت نہیں ہے جیسے حکم دیا تھا جہاد کرنے کا کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کیلئے جہاد کرو چاہے تیر سے چاہے تلوار سے چاہے توپ یا مشین گنوں سے جس طرح تم

انجام دے سکواور دشمن کو شکست دے سکو، جیسے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے تو زیروزبر لگانا اور عکس قرآن چھاپنا سب اسی کے حکم میں ہے، تم کو حج کا حکم دیا گیا ہے تو پہلے اونٹوں پر سفر کرتے تھے تو اس کی ضرورت ہوتی تھی اور آج جہازوں اور لاریوں پر سفر کرنا پڑتا ہے اگر کوئی بیوقوف کہے کہ یہ بدعت ہے میں تو ہندوستان سے اونٹ پر سفر کروں گا تو کیا آپ کر سکتے ہیں، اسی طرح سے جدہ پہنچنے کے بعد لاریوں سے سفر ہوتا ہے، تو مقصود بیت اللہ کی حاضری ہے جس طرح سے ہو اس کو انجام دیا جائے مقصد میں کوئی فرق نہیں آیا زمانہ کی ضرورت کی حیثیت سے فرق پڑ گیا۔

تو میرے بزرگو! آج یہ کہنا کہ تصوف اور سلوک میں جو باتیں ہیں بدعت ہیں یہ غلط ہے، وہ مامور بہ ہیں ان پر عمل کرنا ہوگا کیونکہ اصل مقصد تصوف میں احسان ہے اس کے حاصل کرنے کے جو طریقے خلاف شریعت نہیں ہیں وہ سب ضروری ہیں البتہ اگر کوئی شخص کہے کہ مجھ کو خدا تک پہنچنے کیلئے قوال، ڈھول اور گانے والے کی ضرورت ہے تو یہ خلاف شریعت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے تو جن چیزوں سے ممانعت کی گئی وہ سنت میں داخل نہیں ہیں۔

بیعت کی ضرورت واہمیت

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے یہ شبہ غلط ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا وہ اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں بیعت کے فائدے بتلاتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس کی قبولیت کی وجہ سے خدا کی رحمت اس کی کفالت کرتی ہے اور اس کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک طریقہ سے اس کی عصمت کی حفاظت کی جاتی ہے اگر اس کا مرشد بھی عزت والا ہے تو اس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تیرا فلاں مرید فلاں خرابی میں مبتلا ہو رہا ہے اس کو نکالا جائے تو مرشد اس کو مناسب تدبیر سے اس خرابی سے نکالتا ہے کبھی خود خداوند کریم

ہی اس مرید کو خرابی سے بچاتا ہے کبھی فرشتہ کو حکم دیا جاتا ہے یا اور کسی ذریعہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے مثلاً مرشد کی صورت میں آ کر فرشتہ اسے بچاتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ زلیخا کے ساتھ مشہور ہے کہ اس نے سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے وصال چاہا اور ان پر جبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں، اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے ہیں میں ظالم نہیں ہوسکتا ہوں اس نے بہت مجبور کیا، پھسلایا اور پیچھا کیا اور قریب تھا کہ برائی میں مبتلا ہو جائیں چنانچہ فرمایا: ولقد همت به وهم بها لولا ان را برهان ربه الخ تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مقرر کیا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں آئے وہ سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دبائے ہوئے تھے اور اشارے سے کہہ رہے تھے کہ خبردار اس میں مبتلا نہ ہونا حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا۔

حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کی طرف سے کسی روحانی ذریعہ سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بیعت کے بہت زیادہ فوائد ہیں قرآن شریف میں ہے:

کونوا مع الصادقین آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی پارٹی میں داخل ہوتا ہے تو اس پارٹی کے تمام بڑوں سے اس کے تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ بڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں تو آخرت والے جو خدا کے سچے بندے ہیں تو ان میں یہ بات کیونکر نہ ہوگی ان میں تعلقات کی بات بہت اونچی ہوتی ہے اگر تم اللہ کے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ تو جماعت کے تمام بڑوں سے خواہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں سب سے تعلق ہو جاتا ہے اور وہ لوگ دعا کرتے ہیں، اپنی ہمت سے خبر گیری کرتے ہیں۔

شریعت وطریقت

میرے بھائیو! نہ بیعت بدعت ہے نہ طریقت بدعت ہے اور نہ طریقت شریعت سے

جدا ہے طریقت شریعت کی خادم اوراس کی تکمیل کرنے والی ہے بڑے بڑے لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، ان بزرگوں نے وہ طریقے جاری کیے جن سے اللہ کی رضا اوراس کی خوشنودی حاصل ہوان طریقوں سے مقصود قربت اور آخرت کا حاصل کرنا ہے۔

مگر جیسے ہر جماعت میں کھرے کھوٹے ہوتے ہیں اس طرح سے اس جماعت میں ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے خرابی پیدا ہورہی ہے، دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنے والے ہر جماعت میں اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں ایک دو کی برائی کی وجہ سے پورے دین میں کوئی برائی نہیں ہوئی ہے، ہاں بیعت ہونے کے وقت مرشد کا انتخاب سوچ سمجھ کر کھرا کھوٹا دیکھ کر کرنا چاہئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

بسا اوقات شیطان آدم کے بھیس میں آجائے گا۔ تم کو سوچنا چاہئے، سمجھنا چاہئے کہ جب تمہارا کچہری میں مقدمہ ہوتا ہے تو ہر وکیل کو وکیل نہیں بناتے اور جب کبھی تم بیمار ہوتے ہو تو ہر ڈاکٹر کو معالج نہیں بناتے اور نہ ہر حکیم کے پاس جاتے ہو بلکہ سوچتے ہو کہ اچھے سے اچھا وکیل اور اچھے سے اچھا ڈاکٹر حاصل کریں جب دنیا میں یہ معاملہ ہوتا ہے تو اللہ کی رضا اور آخرت کے واسطے جو ملا اس کے ہاتھ پر کیسے بیعت کرنا چاہئے، اچھا ہو یا برا، نمازی ہو یا نہ ہو، عورتوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بے پردگی کے ساتھ بیعت کرتا ہو، ہر ایک بیعت کیلئے کیسے ہوسکتا ہے۔

عورتوں سے بیعت لینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کرتے تھے اور اگر مجمع بڑا ہوتا تو کپڑا پکڑا کر بیعت لیتے تھے مگر عورتوں کی بیعت کبھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں لی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بخاری میں یہ روایت کئی جگہ ہے کہ: واللہ ما مست ید رسول اللہ

یـد الـنـسـاء اذا بایعھن خدا کی قسم حضورؐ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوا، بیعت کے وقت پردہ کر کے باہر سے بیعت کرتے تھے، زبان سے یا کپڑے سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر متقی، پرہیزگار اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی اجنبی عورت کو سامنے نہ کرتے تھے اور نہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر بیعت کرتے تھے مگر آج یہ گمراہ شیطان کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آؤ تم پردہ اٹھاؤ، ہم تم کو محشر میں کیسے پہچانیں گے جب تک تمہارا چہرہ نہ دیکھیں گے، تم تو ہماری بیٹیاں ہو، تم تو پوتیاں نواسیاں ہو، یہ تمام شیطانی کارروائیاں ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے آقا تھے، سب عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ازواجـه امهاتهم جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں کل مؤمنین کی مائیں تھیں تو ہم آپ کی اولاد کے درجے میں ہوئے، مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بے پردہ سامنے نہیں آتے، ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملاتے لیکن آج ایسے غلط کار لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو پردہ مٹواتے ہیں، بدن دبواتے ہیں اور تنہائی میں جمع ہوتے ہیں، یہ سب ناجائز اور حرام ہے جو یہ کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے، پیر نہیں ہے بلکہ گمراہ شیطان ہے اس سے بچنا چاہئے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق او کما قال، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کسی مخلوق کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سریہ کا سردار بنایا اور حکم دیا کہ اس کی تابعداری کرو سب راستے میں جا رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر ایک شخص نے سردار سے کچھ مذاق کیا اس پر ان کو غصہ آ گیا، انہوں نے حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، پھر حکم دیا کہ ان میں آگ لگاؤ، پھر کہا اس میں کود دو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ تم میری تابعداری کرنا، بعض لوگوں نے کہا ہاں حضورؐ نے حکم دیا ہے اور انہوں نے کودنے کا ارادہ کیا اور بعض لوگوں نے کہا ہم نے آگ ہی سے بچنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی ہے ہم اپنے آپ کو آگ

کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ کودنے سے جھجکے اور دوسروں کو بھی منع کیا، اس سلسلہ میں اختلاف ہوتا رہا تا آنکہ آگ بجھ گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سردار کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا، جب واپس ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس معاملہ کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خفا ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ڈانٹا، سردار کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جنہوں نے کودنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ خلاف شریعت کسی کی تابعداری جائز نہیں، اگر کوئی مرشد کہے بت کو سجدہ کرو تو ہرگز اس کی تابعداری نہیں کرنی چاہئے مرشد کو ایسی بات نہیں کرنی چاہئے اگر وہ کرتا ہے تو پیر نہیں شیطان ہے بعض بیوقوف کہتے ہیں ۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اور اس کے غلط معنی بیان کرتے ہیں، اگر مرشد شریعت کے خلاف کرتا ہے تو اس کی تابعداری ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔

بہرحال بیعت کرنا امر شرعی ہے اور سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور خدا کی خوشنودی ہی کا نام ہے، جو کچھ کمال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی ہوئی باتوں پر چلنا، اسی میں نجات ہے، اسی میں کمال اطاعت ہے۔

محبت اور اطاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین او کما قال تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے اس کے نزدیک محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے تمام خاندان، تمام دنیا سے بڑھی ہوئی ہونی ضروری ہے، آج ہم اپنی بیوقوفیوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی تو کرتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے نفرت کرتے

ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی صورت بناتے ہیں اوران کے فیشن کو اپنا فیشن سمجھتے ہیں داڑھیاں کترواتے ہیں، انگریزی بال رکھتے ہیں اوراس جیسے کام کرتے ہیں یہ انتہائی غلطی ہے اوراس کی وجہ سے خدا کا غضب ہوتا ہے اور خدا کی رحمت دور ہوتی ہے۔

اے میرے بھائیو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ کہہ دو کہ اگر خدا کی خوشنودی اور رضا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو، ان سے محبت رکھو رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے: قصوا الشوارب واعفوا اللحی وخالفوا الیھود مشرکین کی صورت وسیرت کے خلاف داڑھیاں بڑھاؤ مونچھیں کترواؤ، آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ خدا کے دشمنوں کی صورتیں اختیار کئے ہوئے ہیں اس سے بچنا چاہئے کہ کہیں خدا کا غضب نازل نہ ہوجائے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت اختیار کرنا چاہئے اور ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا چاہئے اس کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے۔

فضیلت ذکر اللہ

میرے بھائیو! اس عزیز عمر کو جو ملی ہوئی ہے غنیمت سمجھئے اور ہر وقت خدا کا ذکر کرتے رہئے جہاں تک ممکن ہو سکے غافل نہ ہونا چاہئے یہ وقت بڑی نعمت ہے اور قلب کی صفائی کرنی چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لکل شئ صقالۃ وصقالۃ القلب ذکر اللہ ہر چیز کے مانجنے اور چمکانے کی چیزیں ہوتی ہیں جن سے ان کو مانجا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے قلب کی صفائی اور اس کو مانجنے کیلئے اللہ کا ذکر ہے، پھر فرمایا: مامن عمل انجیٰ من ذکر اللہ کوئی چیز خدا کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں ہے جس قدر خدا کا ذکر بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب سے بچنے کی بہترین صورت اللہ کا ذکر ہے۔

ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرمارہے تھے کہ قلوب کی اصلاح کرنا چاہئے اور یہ کہ یہ ذکر اللہ ہی سے ہوسکتی ہے، ایک صاحب نے اس مجلس میں دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ سے بھی

زیادہ افضل ہے ایک شخص اللہ کی راہ میں سر کٹواتا ہے وہ افضل ہے یا خدا کا ذکر کرنے والا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور سر سے پیر تک لہولہان اور قتل ہو گیا وہ شخص بھی اس قدر خدا کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے والا نہیں جس قدر خدا کا ذکر کرنے والا کیونکہ اگر جہاد کرنے والا ذکر اللہ نہیں کرتا تو وہ مقبول نہیں، جہاد میں بھی خدا کا حکم ہے: یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون (جب تمہاری مڈبھیڑ دشمن سے ہو تو تم جم جاؤ اور خدا کا ذکر کرو) پس خدا کی یاد جہاد کی جڑ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا گیا تھا: اقم الصلٰوة لذکری (نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو) بڑا مقصود اللہ کا ذکر ہے اس کی بڑی وقعت وفضیلت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مثل الذی یذکر اللہ والذی لایذکر کمثل الحی والمیت ذکر کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ، ذکر کرنے والا زندہ ہے اور نہ کرنے والا مردہ، خواہ تم زندہ سمجھو۔ ذکر اللہ کی بڑی وقعت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کی ہے جو لمحہ بھی ذکر اللہ میں گذرتا ہے بڑا قیمتی ہے چاہے وہ زبان سے ہو یا دل سے یا روح سے ہو یا سانس سے ہو کسی قسم سے بھی ہو اللہ کا ذکر باعث نزول رحمت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأخیر منهم وان تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعا الحدیث . (جب میرا بندہ ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں، توجہ رکھتا ہوں، جو شخص مجھے اپنے دل میں تنہائی میں یاد کرتا ہے میں اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اسے اچھے مجمع میں یاد کرتا ہوں اور جو میری قربت چاہتا ہے تو میں اس سے قریب ہوتا ہوں، جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک گز بڑھتا ہوں) اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ذکر کرنے والوں پر بہت زیادہ ہوتی

ہیں ، بھائیو عمر کا جو حصہ ملا ہے غنیمت ہے یہاں سے کوچ کرنے کے بعد جتنا بھی ذکر کرو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

میرے بھائیو! اس فرصت کو غنیمت سمجھو اور خدا کا ذکر ہر وقت کرتے رہا کرو، دن رات اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کسی وقت غافل نہ رہو، ذکر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور نماز کے اوقات متعین ہیں بعض وقتوں میں نماز سے روکا گیا ہے جیسے طلوع وغروب اور استواء کا وقت، اسی طرح بلاوضو نماز نہیں پڑھی جاسکتی مگر خدا کے ذکر کیلئے کوئی وقت معین نہیں ہے اور نہ کسی حالت میں روکا گیا ہے، وضو کے ساتھ ہو یا بلاوضو ہر حالت میں خدا کا ذکر کرنا جائز ہے اگر غسل واجب ہو تو ذکر اس وقت بھی ممنوع نہیں، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، صحابہ کرامؓ تجارت بھی کرتے تھے اور زراعت بھی مگر کبھی خدا کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے تھے لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (وہ تجارت بھی کرتے ہیں خرید وفروخت بھی کرتے ہیں مگر یہ چیزیں ان کو خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی ہیں) یہی چیز ہم کو بھی کرنا چاہئے ہر کام انجام دیجئے مگر ذکر ہوتا رہے یہاں تک کہ عادت پڑ جائے اگر عادت پڑ گئی تو جاگتے ،سوتے بیماری کی حالت میں اور بے ہوشی کی حالت میں بھی ذکر ہوتا رہے گا۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سب سے زیادہ نفع دینے والی چیز بتلایئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر اللہ کی عادت ڈالو تا کہ مرتے وقت بھی خدا کا ذکر تمہاری زبان پر جاری رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من كان اخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة وہ شخص ضرور جنت میں داخل ہوگا جس کا آخری کلام لا اله الا الله ہوگا۔اس کی کوشش کیجئے اور دعا کیجئے کہ خدا ہم تمام حاضرین کا خاتمہ ایمان پر کرے اور ہم کو محشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور مہربانی نصیب فرمائے۔

اے ہمارے پالنے والے خدا دین ودنیا کی حاجت پوری کر اور اپنا سچا تابعدار بنا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين (ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

ذکر اللہ کی اہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک لـه ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه واٰله وسلم صلوٰة دائمة ابداً كلما ذكره الذاكرون وكلما غفل عن ذكره الغافلون .

مذکورہ بالا خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت محترم نے سورۃ زمر کی اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

يايها الذين اٰمنوا اذكروا الله ذكرا كثيراً وسبحوه بكرةً واصيلاً.

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام ؒ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا منشاً یہ ہے کہ بے تعداد ذکر ہو شب و روز کی قید نہیں، صبح و شام کی قید نہیں، طہارت غیر طہارت کی قید نہیں، کپڑے پھٹے ہوئے ہونے نہ ہونے کی کوئی قید نہیں مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر لحظہ اور ہر ایک حالت میں اللہ کے ذکر میں لگے رہو۔

دوسری آیت میں ہے: فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلىٰ جنوبكم.

(اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے) یعنی جو بھی حالت ہو ہر حال میں اللہ، اللہ کرو، پہلی آیت میں ذکر کے ساتھ تسبیح کا بھی ذکر ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شریعت میں جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج،

زکوٰۃ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے مثلاً نماز کے متعلق ارشاد خداوندی ہے: اقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل. (نماز قائم کرو دن کے دونوں طرف اور رات کے کچھ حصہ میں)

فرض روزوں کیلئے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ معین ہے، زکوٰۃ سال بھر میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے، ایسے ہی حج سال بھر میں بلکہ عمر میں ایک دفعہ اس کی ادائیگی مطلوب ہے لیکن ذکر اللہ کیلئے کوئی حد نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بندہ بے شمار و بے تعداد ذکر چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر حال میں جاری رکھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث سے سمجھ میں آتا ہے، حدیث یہ ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رکھتے تھے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ سمجھنے لگیں ذکر کی نہایت ہی مرغوبیت مقصود ہے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ زیادہ سے زیادہ میری یاد کرے۔

ذاکرین کا مرتبہ مجاہدین سے بڑا ہے

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون شخص زیادہ مرتبہ والا ہے اللہ کے نزدیک فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات. یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

اس سے شبہ ہوا کہ جہاد کرنے والے لوگوں کا مرتبہ بڑا ہونا چاہئے کیونکہ سب سے بڑی قربانی ان کی ہے انہوں نے ذاکرین سے کہیں زیادہ اپنی جان کھپائی ہے اور مال قربان کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدین سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے ولو خضبت ابدانھم ونھبت اموالھم (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی مجاہدین جن کے بدن خون

سے رنگے ہوئے ہوں اوران کے اموال لوٹ لئے گئے ہوں ان سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے۔
بھائیو! غورکرو ذکر کرنے کے متعلق کیا شاندار ارشاد فرمایا ہے۔
آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا انبئکم بخیر اعمالکم لدی ربکم وارفعھا درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتقتلونھم و یقتلونکم ذکر اللہ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

دیکھو میں تمہیں ایسا عمل بتارہا ہوں جو تمہارے رب کے یہاں سب سے بہتر ہے جس سے تمہارے درجے بلند ہوتے ہیں اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے تم ان کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کرڈالیں وہ عمل کیا ہے اللہ کا ذکر (جامع) مختصر یہ کہ ذکر اللہ کو سب سے افضل قرار دیا اس کو تمام قربانیوں پر ترجیح دی۔

ذکر اللہ کی قدر و قیمت

بھائیو! آج ہم اس کی قدر نہیں جانتے قیامت میں اس کی قدر معلوم ہوگی مختلف عنوانوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کی ترغیب دلاتے ہیں۔ قرآن پاک میں قیامت کا ایک نام **یوم الحسرۃ** ہے **کما قال اللہ تعالٰی: وانذرھم یوم الحسرۃ**، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ روز قیامت کافر و منافق کیلئے **یوم الحسرۃ** ہے کہ کفر ونفاق کی وجہ سے حسرت کریں گے لیکن مؤمنین کیلئے **یوم الحسرۃ** کیوں ہوگا جن مؤمنین نے قرآن وحدیث کے مطابق اپنے عمل کو سنوارا ہے وہ کیوں افسوس کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بیشک مطیع اور فرمانبردار لوگ بھی افسوس کریں گے کیونکہ جب اللہ تعالٰی اپنے یاد کرنے پر اور ہر ہر مرتبہ کے ذکر پر اتنا بڑا اجر دے گا تب ہر ایک افسوس کرے گا کہ میں نے سو ہی مرتبہ کیوں ذکر کیا، میں نے ہزار ہی مرتبہ پر کیوں کفایت کی،

لاکھ مرتبہ یا کروڑ مرتبہ پر ہی کیوں قناعت کی، اور کیوں نہیں کیا۔

غرضیکہ ہر مطیع اور فرمانبردار بھی افسوس کرے گا اور ذکر کرتا تو اور غیر معمولی اجر پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ذکر کیلئے کوئی حد، کوئی غایت، کوئی نہایت نہیں۔

ہر آن کو غافل از وے یک زمان است　　ہماں دم کافر ست امانہان ہست

مبادا غافلی پیوستہ باشد　　دراسلام بروے بستہ باشد

یہ حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے اشعار ہیں ان کے یہاں تھوڑی دیر کی غفلت بھی کفر ہے۔

ذکر اللہ کیلئے کوئی شرط نہیں

میرے بھائیو! چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے زیادہ سے زیادہ ذکر کرو، قرآن پاک میں ارشاد ہے: الذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات اس میں کوئی قید نہیں، نجات پانے والوں میں اعلیٰ درجہ ذکر کرنے والوں کا ہے۔

بھائیو! بے وضو نمازی پر عتاب ہوگا جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھنے والے پر کفر کا فتویٰ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لایقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طھور مگر ذکر کیلئے وضو شرط نہیں، وضو ہو یا نہ ہو، غسل جنابت کیا ہو یا نہ کیا ہو، ذکر کرو۔ نماز کیلئے شرط ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرو، اگر پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو کفر کا فتویٰ ہے لیکن ذکر ہر جہت میں کر سکتے ہو، مادرزاد ننگے ہوں نماز نہیں ہو سکتی سر سے پیر تک عورتوں کو اور ناف سے گھٹنے تک مردوں کو چھپانا ضروری ہے لیکن کیا ذکر کیلئے یہ شرط ہے ننگے ہو یا کپڑے پہنے ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت مطلوب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ دیکھئے کس قدر ذکر اللہ کی تاکید ہے؟ کس قدر اس کا مطالبہ ہے؟۔

تلاوت قرآن کریم

قرآن شریف میں ہے: واقم الصلٰوۃ ان الصلٰوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر جس کتاب کی تم پر وحی اتاری جارہی ہے اس کی تلاوت کرواور نماز قائم کرو بیشک نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی بات ہے۔

اس آیت میں تین عبادتوں کا ذکر ہے۔ تلاوت کلام اللہ شریف کا یہ درجہ ہے کہ ارشاد ہوا ہے کہ ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے ولا اقول الٓمّ حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ حرف سے مثلاً پورا الٓمّ مراد نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے اس پر دس نیکیاں، لام ایک حرف ہے اس پر دس نیکیاں، میم ایک حرف ہے اس پر دس نیکیاں، اور الٓمّ پر تیس نیکیاں، اب پڑھتے جائیں اور نیکیاں گنتے جائیں مگر ہم اپنی بیوقوفی سے قرآن شریف کی تلاوت کی قدر نہیں کرتے۔

اور بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ بے سمجھے قرآن شریف پڑھنے سے کیا فائدہ، حالانکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھنے نہ سمجھنے کی کوئی قید نہیں لگائی اور لطف یہ ہے کہ مثال میں الٓمّ پیش فرمایا ہے جس کے معنی کسی کو بھی نہیں معلوم، پس اگر آپ ترجمہ جانتے ہیں تو نور علی نور اور ترجمہ نہیں جانتے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر حرف پر دس نیکیاں۔

پس میرے بھائیو اس کی پابندی کرلو کہ روزانہ صبح کو ایک پارہ پڑھ لیا کرو، پھر دیکھو آپ کو کس قدر اللہ تعالیٰ کا انعام حاصل ہوگا، افسوس صبح اٹھتے ہی سگریٹ پیتے ہیں پڑھنے میں لگ جاتے ہیں چائے نوشی میں لگ جاتے ہیں صبح صبح ایک پارہ پڑھ لیجئے اس ایک پارہ میں کئی ہزار حرف آتے ہیں تو ہر روز کتنے خزانے آپ کے ہاتھ لگ جائیں گے۔

نماز کا حکم اور اس کی تاثیر

بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں دوسرا حکم یہ فرمایا ہے: واقم الصلٰوۃ لم یقل صل

بل قال اقم الصلوٰۃ یعنی اس آیت میں نماز پڑھو نہیں فرمایا بلکہ نماز قائم کرو فرمایا، بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اسے قائم نہیں کرتے، ترتیل کے ساتھ معانی کا لحاظ کر کے پڑھو، اس کا سوچنا کہ شہنشاہ عالم کے سامنے کھڑا ہوں جو میرے دل ودماغ کے خیالات کو جانتا ہے ہر ہر حرکت کو جانتا ہے اسی شہنشاہ اسی رحمٰن ورحیم اسی جبار وقہار کے سامنے کھڑا ہوں، ہر رکوع کو، سجدے کو، قیام کو، تعوذ کو ترتیب اور اطمینان کے ساتھ ادا کرو، پس اگر تمام شرطوں، تمام احکام اور جملہ آداب کی پابندی کرتے ہوئے نماز ادا کی تب تو قائم کرنا ہوا لیکن اگر رکوع سجدہ اور جلسہ میں کون واطمینان نہیں ہوا تو نماز تو ہو جائے گی مگر اقامت نماز نہیں ہوگی۔

دیکھو ایک معمولی افسر سامنے آتا ہے تو ہم کیسے سکون واطمینان سے اس سے باتیں کرتے ہیں لیکن اس شہنشاہ جو عالم الغیب ہے جس کے علم سے ایک ذرہ غائب نہیں اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں بھاگ دوڑ کرتے ہوئے چہرہ کعبہ کی طرف دل بیوی بچوں میں یہ بھاگ دوڑ کی نماز ہے اسے اقامت نماز نہیں کہتے، جیسا کہ ہر دوا الگ تاثیر رکھتی ہے کونین سے ملیریا اور گل بنفشہ سے زکام رفع ہوتا ہے غرض ہر دوا میں اللہ تعالیٰ نے الگ تاثیر رکھی ہے پانی سے پیاس، کھانے سے بھوک جاتی ہے اسی طرح نماز بھی دوا ہے ہمارے روحانی امراض کی، چنانچہ ارشاد ہے: ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر بے حیائی کی باتیں، منکر باتیں، نہایت بری باتیں نماز ان چیزوں سے روکتی ہے، نماز میں نہایت قوی تاثیر ہے جس طرح ظاہری دوائیں جسمانی امراض کو روکتی ہیں اسی طرح فحشاء اور منکر کو نماز روکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا ایک خوبصورت عورت پردے کے ساتھ نماز میں جایا کرتی تھی ایک نوجوان اس پر عاشق ہو گیا عورت نکاح شدہ تھی اس نوجوان نے بے باکی سے کہلوایا میں ملنا چاہتا ہوں عورت جواب دیتی ہے میں ملنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیچھے چالیس روز تک نماز پڑھ لو روپیہ پیسہ کی ضرورت نہیں ہے، نوجوان نے سمجھا بڑی آسان بات ہے وہ نوجوان حضرت عمرؓ کے آنے سے پہلے مسجد میں چلا

جا تا تھا آٹھ دس روز بعد اس عورت کے مکان سے گزرا، دس بارہ روز کے بعد اس میں کمی آ گئی بیس پچیس روز کے بعد بالکل کمی ہوگئی چالیس روز کے بعد عورت پیغام بھیجتی ہے مرد کہتا ہے دل چھوٹ گیا اب اللہ تعالیٰ کا عاشق بن گیا ہوں۔

عورت نے خاوند سے تذکرہ کیا خاوند نے سیدنا فاروقؓ سے کہا: فقال سیدنا عمر بن الخطاب صدق الله ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

ذکر اللہ کی عظمت

تیسری بات ہے: ولذكر الله اكبر بڑی مقدس عبادت ہے ذکر الٰہی، جس کو اکبر فرمایا گیا ہے یعنی بہت بڑی۔ فرماتے ہیں: ولذكر الله اكبر لام تاکید کا لایا گیا ہے اور لفظ اكبر لایا گیا ہے مفضل علیہ محذوف ہے، غور کرو ذکر اللہ کی کس قدر بڑائی ہے یعنی تلاوت سے اور نماز سے بھی بڑی عبادت ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

بھائیو اور بزرگو! فرضوں کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جس قدر ممکن ہو چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ذکر اللہ کو جاری رکھو، حدیث شریف میں ہے:

انا جليس من ذكرني میں اس کا ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرے، غور کیجئے ایک تھانیدار کے پاس جانے والے کی، ایک کلکٹر کے پاس جانے والے کی آپ تعظیم کرتے ہیں، تو غور کیجئے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ہم مجلس فرماتے ہیں کتنا بڑا درجہ ہے اس شخص کا۔

میرے بھائیو!

جو اولیاء گزرے ہیں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ پرانے کپڑوں میں رہتے تھے، کھانے پینے کے ذخیرے ان کے پاس نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگانے کی وجہ سے، اثر یہ تھا کہ جو زبان سے کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا تھا۔ یہ ذکر اللہ کا اثر تھا، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہزاروں

نہیں کروڑوں ان سے مستفید ہوئے ،ہم شب وروز غفلت کے ساتھ رہتے ہیں، بیوی بچے کی فکر میں مبتلا ہیں۔

قرآن پاک کہتا ہے: یٰایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکر اللہ، بیوی بچے کی خبر گیری کرو لیکن ذکر اللہ سے غفلت نہ ہو۔

یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھلادی مسلمان اس زمانہ میں کھیتی باڑی، تجارت میں، ذکر اللہ سے غفلت نہ کرتے تھے: یخافون یوما تتقلب فیه القلوب والابصار ان کی شان فرمائی گئی ہے، یعنی دنیا کے کاروبار کے باوجود زبان پر ذکر جاری، دل میں اللہ کی یاد اور قیامت کے محاسبہ کا خوف۔اس کے برعکس ہمارے زمانے کے پیر صاحب ہیں کہ مسجدوں میں مریدوں سے نذرانے وصول کرنے بیٹھ گئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے نہ تھے کھیتی کرتے تھے کھجوروں کے باغ درست کرتے تھے، جملہ اکابرین صحابہ محنت کی زندگی گزارتے تھے لیکن اللہ سے غفلت نہ کرتے تھے۔

میرے بھائیو!

ہمارا فرض ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ اختیار کریں ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں، اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں، دل میں اسی کی یاد ہو اور زبان پر اسی کا نام، سب کام ہوں مگر سب کاموں سے مقدم یہ کام ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو توفیق بخشے ،وہی زندگی مبارک زندگی ہے جو اس کی یاد سے بابرکت ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم محمد واله واصحابه اجمعین .

(ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

ذکر وشکر

تقریر: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ
جمع کردہ: مولانا سید رشید الدین حمیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی:

میرے بھائیو اور بزرگو! مجھے آپ حضرات کے سامنے چار باتیں عرض کرنی ہیں ان میں سے ہر ایک بات اس قدر تفصیل رکھتی ہے کہ جس کے بیان کیلئے بہت وقت چاہئے، میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تفصیل سے عرض نہیں کرسکتا ضعف نہ ہوتا تو میں ہر رات میں کچھ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا جیسا کہ سلہٹ میں عرض کرتا تھا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

پہلی بات میں آپ حضرات کی توجہ خدا کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمیشہ تمام مخلوقات کی طرف متوجہ رہتی ہیں مگر خصوصی طور پر انسان کی طرف بڑے پیانہ پر متوجہ ہیں، ہر ایک انسان کو خدا کو یاد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا بہت ضروری ہے، خدا نے تمام مخلوقات کو جاندار ہوں یا بے جان، مادی ہوں یا غیر مادی، آسمانی ہوں یا ارضی سب کو پیدا کیا اور وجود کی نعمت عطا فرمائی، ان سب پر فضیلت انسان کو دی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، انسان کی فضیلت اور بڑائی کو چار قسموں کے بعد ذکر کیا گیا، انسان کی پیدائش تمام مخلوقات میں سب سے اچھی پیدائش ہے یہ اللہ کا بڑے درجہ کا انعام ہے، اللہ کی مخلوقات میں فرشتے، جنات

فلکیات، ارضیات سب ہیں مگر سب سے اچھی مخلوق انسان کو قرار دیا اور اس کو اپنا خلیفہ بنایا حالانکہ سب سے زیادہ تقویٰ فرشتوں میں تھا اور وہ خواہش بھی رکھتے تھے کہ ان کو جانشین بنایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ شرف صرف انسان کو عطا فرمایا اور اعلان فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفة تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ مٹی سے بننے والا انسان جس کے اندر شر اور خیر دونوں داخل ہیں اس کو جانشینی کا رتبہ کیوں عطا کیا جاتا ہے اور یہ شبہ کیا کہ اس کو کیوں خلافت کے عہدے سے سرفراز کیا گیا جو آپس میں شر وفساد مچاتا اور اپنے بھائیوں کو غارت کرتا ہے حالانکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہماری اصل نور سے ہے، مگر ان کے اس شبہ کا جواب جھڑک کر دیا گیا اور فرمایا گیا انی اعلم ما لا تعلمون اور حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کا علم عطا کیا گیا پھر امتحان کا مقابلہ کرایا گیا اور پاس کیا گیا، فرشتے فیل ہو گئے جب حضرت آدم علیہ السلام کا پاس ہونا اور فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہو گیا تو پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور فوقیت ظاہر ہو گئی تو جس نے آپ کی بڑائی اور فوقیت کا انکار کیا اس کو وہاں سے نکلوا دیا گیا اور مردودِ بارگاہ کیا گیا اور ہم لوگوں کو اسی خلیفہ کی اولاد میں ہونا عطا فرمایا گیا جس کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا یہ کوئی معمولی انعام نہیں اس میں ہم سب شریک ہیں خدا نے ہم سب کو اس سے نوازا، اگر وہ ہم کو کیڑا مکوڑا بنا دیتا، کتا بلی بنا دیتا، گدھا بنا دیتا تو کیا ہمارا اس پر کچھ زور تھا، مگر اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور اشرف المخلوقات بنایا اور جو تمام مخلوقات میں سجدہ کا مستحق تھا اور رب العلمین کی جانشینی کا مرتبہ رکھنے والا تھا ہم کو اس کی اولاد میں بنایا یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے اور اس نے ہم کو احسن تقویم والا انعام دیا، یہ تو عمومی انعام ہے اور خصوصی انعام کو ہم شمار نہیں کر سکتے، دیکھئے ماں کے پیٹ میں ہم کو ساری چیزیں عطا کیں آنکھ دی، ناک، کان دیئے، ہاتھ پیر دیئے، دل دماغ دیئے، سر سے پیر تک ساری چیزیں عطا کیں اگر وہ چاہتا تو ہم کو اندھا پیدا کرتا، لولا لنگڑا پیدا کرتا، اپاہج بنا دیتا، مگر اللہ نے ہم کو ان تمام نعمتوں سے نوازا اور صحیح وتندرست پیدا کیا اور ایک ایک عضو میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کہ اگر ان

کو کوئی گننا چاہے تو گن نہیں سکتا۔

شکر نعمت واجب ہے

یہ مگر انسان اس قدر نمک حرام ہے کہ اس کی دی ہوئی تمام چیزوں سے کام لیتا ہے مگر کسی وقت بھی پھوٹے منہ سے اس کا نام نہیں لیتا، اس کا احسان نہیں مانتا، اس کا شکر ادا نہیں کرتا اسی طرح اور بہت سے احسانات ہیں سب سے بڑی چیز ہم کو ایمان واسلام کی نعمت عطا فرمائی کروڑوں انسان دنیا میں ایسے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں مگر ہم اس کا بالکل خیال نہیں کرتے پہلی ہر امت میں ایمان تھا اور وہ لوگ خواہش بھی کرتے تھے کہ کاش ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا گیا ہوتا مگر خدا نے ہم پر یہ فضل کیا کہ اپنے تمام پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ان شاء اللہ دنیا میں بھی سرخروئی ہوگی اور آخرت میں بھی، مگر ہم اس کے شکریہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اس کی نعمتوں کو یاد نہیں کرتے جس قدر ممکن ہو اس کا احسان مانیے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجئے واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم (الآیۃ) یہ اعلان کیا گیا کہ ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا رہوں گا، بڑی غفلت کی بات ہے کہ ہم اس کو اور اس کے احسانات کو بھولے ہوئے ہیں ہمارا اس کو ہمیشہ یاد کرنا اور احسان ماننا اور اس کا شکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے اسی وجہ سے بعضے بزرگوں نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ روزانہ کسی وقت بہتر ہے کہ عشاء کے بعد انسان پہلے اللہ کے دیئے ہوئے تمام انعامات کو یاد کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے یہ دیا یہ دیا پھر اپنے تمام گناہوں کو یاد کرے اور اس پر اظہار شرمندگی کرے اور معافی مانگے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے تو میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں تو جب یہ حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کا ہے تو ہمارے اور تمہارے دلوں کا کیا حال ہوگا ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے کتنا زنگ لگتا ہوگا۔

یٰایھا الناس اذکروا نعمۃ اللہ علیکم (الآیۃ) اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو، ہم سب قرآن پڑھتے ہیں مگر اس کا حق ادا نہیں کرتے یہ ہماری انتہا درجہ کی نالائقی اور غفلت ہے ہم سب کو چاہئے کہ جو کچھ پڑھا اور لکھا ہے اس پر عمل بھی ہو اور ہم میں جتنے لوگ ہیں خواہ ان میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر سب اس کا شکر ادا کریں کیونکہ ہمارے اندر جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کا ہے اپنا کچھ نہیں تو پھر جب سب کچھ اسی کا ہے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت مت کیجئے، آپ جتنا اس کو یاد کریں گے اتنا ہی وہ اپنی نعمتیں زیادہ کرے گا سب سے پہلی بات یہ بہت ہی مختصر طریقہ پر ہے اگر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو کئی ہفتے چاہئیں۔

ذکر اللہ کا مرتبہ

دوسری بات کہ یہ اللہ کا ذکر تمام عبادتوں کی جان اور مغز ہے، یہ بہت ہی عظیم الشان عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خیر اعمال فرمایا ہے اللہ کے نزدیک سب عملوں میں صاف اور عمدہ عمل اللہ کا ذکر ہے سب سے بڑا مرتبہ اللہ کے ذکر کا ہے خدا کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے بھی بڑا مرتبہ اللہ کے ذکر کا ہے یہ بہت قوی روایت ہے کہ ذکر اللہ سب سے بڑے مرتبہ کو پہنچانے والا ہے نماز کے اندر بڑائی خدا کے ذکر کی وجہ سے آئی ہے قرآن میں فرمایا گیا ہے: اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر سب سے بڑا اللہ کے ذکر کو فرمایا گیا۔ تو بھائی اللہ کا ذکر بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے خواہ جسم سے ہو، روح سے ہو، قلب سے ہو، سانس سے ہو، خفی ہو، جلی ہو، کسی بھی صورت سے ہو، اللہ کا ذکر بڑائی رکھتا ہے۔ ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں سب سے مختصر عبادت بتلایئے کیونکہ اسلام میں عبادات بہت ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو یہاں تک کہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاؤ زبان کو اللہ کے ذکر

سے ہمیشہ تازہ رکھو، تاکہ مرنے کے وقت زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔

تو میرے بھائیو! ذکر کسی بھی طریقہ سے ہو اللہ کو پیارا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے میں اس کو فرشتوں کے مجمع میں یاد کرتا ہوں اور جب تک ہونٹ اس کی یاد میں ہلتے رہتے ہیں اللہ اس کا ہم نشین رہتا ہے، تو بھائی اللہ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے جس طرح ہوسکے آواز سے ہو یا بغیر آواز کے ہو، دن کو ہو یا رات کو ہو، سورج کے نکلنے کے وقت ہو یا ڈوبنے کے وقت ہو، جس وقت بھی ہو اللہ کو بہت پسند ہے اور اس میں اتنی آسانی کردی گئی ہے کہ اس کیلئے وضو بھی شرط نہیں وضو ہو تب بھی ذکر کرتے رہو اور اگر غسل کی حاجت ہو تو بھی ذکر کرسکتے ہیں دن میں رات میں جب بھی آپ کو موقع ملے اور فرصت ہو کھڑے ہوں بیٹھے ہوں سو رہے ہوں جاگ رہے ہوں کوئی سا بھی وقت ہو اس کے ذکر سے غافل مت ہو فرمایا گیا: الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم (الآیۃ) اور فرمایا: یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا ذکر کی کوئی حد نہیں نماز کا وقت مقرر ہے حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے زکوٰۃ کی بھی حد مقرر ہے مگر ذکر کی کوئی حد نہیں۔

ذاکر مجاہد سے افضل ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے نزدیک کس کا مرتبہ زیادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اللہ کے نزدیک جو مرد اور عورت کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں وہ اونچے مرتبے والے ہوں گے اور فرمایا کہ کوئی چیز اتنا عذاب سے نجات دلانے والی نہیں جتنا کہ اللہ کا ذکر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جہاد عذاب آخرت سے نجات دلانے میں بہتر ہے یا اللہ کا ذکر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر اللہ جس قدر عذاب سے نجات دلانے کیلئے کافی ہے اتنا جہاد بھی نہیں، جو شخص جہاد کرتے کرتے زخموں سے بھر جائے یا لڑتے لڑتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو بھی اللہ

کاذکر کرنے والا اس سے افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کاذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے۔

تو میرے بھائیو! اگر ذکر سے غفلت ہو تو پھر وہ موت ہے اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ بھی ہے اندلس کو جب عیسائیوں نے فتح کیا اور اس پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے وہاں بہت سی قبریں دیکھیں جن پر کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا ایک سال اور کسی کے بارے میں تین مہینہ تو یہ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہیں تو یہ اتنی بڑی بڑی قبریں اور لکھا ہے یہ، تو انہوں نے اس کے بارے میں وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو یہ معلوم ہوا کہ تمام عمر انہوں نے لہو ولعب میں گزاری اور اخیر میں تین مہینے اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں گزارے تو ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو بڑی قبر والا اللہ کے ذکر سے غافل تھا اخیر میں ایک سال ذکر کیا اس واسطے بتلایا گیا کہ وہ ایک سال زندہ رہا۔

تو میرے بھائیو! مردہ کو کوئی گھر میں رکھنا گوارا نہیں کرتا اور زندہ خواہ کتنا ہی لاغر اور کمزور کیوں نہ ہو گیا ہو گھر سے نکالا نہیں جاتا زندگی اسی کا نام ہے جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے پھر اللہ کے سامنے حاضر ہونا اور اس کو منہ دکھانا ہے آپ اس زندگی کو حقیقی زندگی عطا کیجئے یہ بہت بڑی نعمت اور انتہائی ضروری چیز ہے۔ میں اس وقت تفصیل سے ذکر نہیں کر سکتا مختصر طریقہ پر توجہ دلاتا ہوں پہلی چیز جو میں نے کہی خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کو انسان اشرف المخلوقات بنایا اور اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا دوسری چیز اللہ کا ذکر ہے اس کا ذکر ہمیشہ کیجئے یہ بہت ضروری چیز ہے۔

اخذ بیعت کی اجازت

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی ہیں جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور انہوں نے اللہ کے ذکر میں ترقی کی اور اب اس لائق ہو گئے ہیں کہ ان کو اجازت دے دی جائے تاکہ وہ اور بھائیوں کو بھی اللہ کا نام بتلائیں اسی کو اجازت کہا جاتا ہے حضرت حاجی

امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور حضرت تھانویؒ جب ذکر میں مداومت اور تغیر پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اس کو فوراً اجازت دے دیتے تھے مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ اتنے اجازت نہ دیتے تھے یہاں تک کہ ذات مقدسہ کا مشاہدہ کرنے اور یاد رکھنے کا ملکہ پیدا نہ ہو جائے کہ وہ بغیر ارادہ کے اللہ کا حضور رکھنے لگے اور ان تعبد ربک کانک تراہ الحدیث کا درجہ حاصل ہو جائے جب تک ایسی صورت نہ ہوا جازت نہ دیتے تھے۔ بہر حال آپ بھائیوں میں سے چند اس کے اہل ہو گئے ہیں کہ اب ان کو اجازت دے دی جائے اگر کسی کو اجازت مل جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اسے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ تم سلوک کے اونچے درجہ میں پہنچ گئے ہو اور اب تم کو ذکر وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں بلکہ تم کو ایک پختہ سڑک پر پہنچا دیا گیا ہے یہ ایک شاہراہ ہے اس کے اوپر جب تک چلتے رہو گے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا رہے گا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اب ہم کو ذکر کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر غرور ہونا چاہئے اور نہ ناامید ہونا چاہئے، اس موقع پر حضرت نے فارسی کا یہ مشہور قطعہ ارشاد فرمایا ؎

ایمن مشو تو سن مردان مرد را در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ زندان بادہ خوار ناگہ بہ یک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اس کے بعد ارشاد ہوا جن بھائیوں نے اس طرح کامیابی حاصل کی ہے ان کو اجازت دی جاتی ہے ان کو ہمیشہ ذکر پر مداومت اور ذات مقدسہ کا مراقبہ کرتے رہنا چاہئے غافل ہونا درست نہیں۔

ذکر اللہ کے درجات

ذکر کے بہت سے درجات ہیں اور ذات مقدسہ کے مراقبہ میں بہت سے درجات ہیں اور ذکر کے دوسرے معنی سلوک کے ہیں اس کے دو درجے ہیں وصول اور قبول، وصول کے معنی ذات مقدسہ کا مشاہدہ حاصل ہونا ہے اور قبول کے معنی اللہ کے یہاں قبول ہو جانا تو وصول صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں کبھی غیر مسلم بھی اس کو حاصل کر لیتے ہیں جیسے کوئی چور کمند لگا کر بادشاہ کے محل میں پہنچ جائے یا کوئی مجرم بادشاہ کے حضور میں لایا جائے، ایک مرتبہ

ایک جوگی جو کہ پہاڑوں میں رہتا تھا حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے پندرہ پندرہ کوس کی چیزیں نظر آتی ہیں مگر مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بغیر مسلمان ہوئے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا تو میں آپ کے پاس مسلمان ہونے کیلئے آیا ہوں حضرت نے اس کو مسلمان کرلیا تو یہ چیز مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ؎

فراق ووصل چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیرازیں تمنائے

دوسرا درجہ صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے وصول کے ساتھ ساتھ قبول کے درجہ کو بھی حاصل کرنا چاہئے متقدمین صوفیا اخلاقی درستگی کو مقدم رکھتے تھے اس لئے بہت دیر لگتی تھی اور بسا اوقات اسی میں عمریں ختم ہوجاتی تھیں وہ حضرات بالکل اخیر میں ذات مقدسہ کا مشاہدہ کراتے تھے اور جب تک ذکر میں اور دوسری چیزوں میں پختگی نہ آجائے اجازت نہ دیتے تھے اور اب متاخرین صوفیا نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ وصول کرادیا جاتا ہے اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ بداخلاقیاں دور کرو اور مغرور نہ بنو وغیرہ وغیرہ، وصول کے بعد اس کے حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ تو میرے بھائیو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن برائیوں کے دور کرنے کی تلقین فرمائی ہے ان کو دور کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی صورت اختیار کرو معاملات میں، عبادات میں اور ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ میں نے بہت مختصر طریقہ پر عرض کیا ہے آپ حضرات ہمیشہ سنت اور اہل سنت والجماعت کی اطاعت کریں اور اللہ پاک کی پکڑ سے ہر آن ڈرتے رہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جو حضرات اجازت کے قابل ہوگئے ہیں ان کی فہرست تیار کرلی گئی ہے وہ آپ کو سناتا ہوں وہ یوپی بہار آسام مدراس گجرات اور پاکستان کے بیالیس افراد ہیں۔

نوٹ: حضرت کے ۱۶۷ خلفاء کی مکمل فہرست الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوچکی ہے۔ (ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

ذکراللہ کی تاثیر

ذکر کا یہ اثر نہایت امید افزا ہے کہ بے اختیار جاری ہونے لگا، غیر مناسب مواقع پر خود بخود جاری ہونا اطمینان بخش ہے، امام مالکؒ کے نزدیک تو ذکر پائخانہ اور پیشاب وغیرہ کرتے ہوئے بھی جائز اور مستحسن ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر ذکر غیر لسانی خواہ سانس سے ہو یا قلب سے، روح سے ہو یا سر سے یا خفی واخفی سے اس میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں، نماز میں خود بخود ہونے لگے تو مت روکئے، بہر حال اس کو جاری ہونا چاہئے، یہاں تک کہ سوتے وقت بھی جاری ہو جائے اگر چہ سونے والے کو اس کا علم نہ ہو، مگر پاس کے جاگنے والے کو سانس کی کیفیت سے ذکر محسوس ہونے لگے، گریہ کا غلبہ ہونا نسبت چشتیہ کا ظہور ہے، اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی فرمائے آمین۔

جو لمحہ اور سانس ذکر کے ساتھ گذرتا ہے وہی حقیقت میں زندگی کا لمحہ ہے باقی تو محل گفتگو ہے: الدنیا ملعونة وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ (او کماقال) اگر اسباق اور مجالس میں ہو تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ دوہرہ ـ

جب پیت بھئی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس وننگ   پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پا است

(مکتوبات ص۳۱۹ ج۱)

بیعت سنت ہے

اس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب القول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل سے نقل کرتا ہوں۔ ص ۱۳ میں ہے:

بیعت (مرید ہونا) سنت ہے واجب نہیں اس واسطے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اس کے سبب سے حق تعالیٰ کی نزدیکی چاہی اور کسی دلیل شرعی نے تارک بیعت کے گنہگار ہونے پر دلالت نہ کی اور ائمہ دین نے تارک بیعت پر انکار نہ کیا تو یہ عدم انکار گویا اجماع ہو گیا اس پر کہ وہ واجب نہیں۔

سنت اللہ (طریقہ خداوندی مخلوقات اور انسانوں میں) یوں ہی جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں ان کا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہوتا ہے اور افعال واقوال قائمقام امور قلبیہ کے ہوا کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام اور قیامت کی تصدیق امر مخفی ہے تو اقرار ایمان بجائے تصدیق قلبی قائم کیا گیا اور جس طرح بائع اور مشتری (بیچنے والے اور خریدنے والے) کی رضامندی قیمت اور مبیع کے دینے میں امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو ایجاب اور قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا۔ اسی طرح توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

(مکتوبات ص ۱۵۱ ج ۴)

مرشد کی صفات

مرشد میں چند امور شرط ہیں:

اول: علم قرآن اور حدیث کا، میری یہ مراد نہیں کہ پلے سرے (اعلیٰ درجہ) کا مرتبہ مشروط ہے بلکہ قرآن میں اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیر مدارک یا جلالین کو یا ان کے سوا مانند تفسیر وسیط یا وجیز واحدی کی محفوظ کر چکا ہو اور کسی عالم سے اس کو تحقیق کر لیا ہو اور اس کے معانی اور ترجمہ لغات مشکلہ کو اور شان نزول اور اعراب قرآنی اور قصص اور جو اس کے قریب ہے اس کو جان چکا ہو اور حدیث کا علم اتنا کافی ہے کہ ضبط اور تحقیق کر چکا ہو مانند کتاب مصابیح یا مشارق کے اور اس کے معانی دریافت کر چکا ہو اور اس کی شرح غریب یعنی لغات مشکلہ کا ترجمہ اور اعراب مشکل (یعنی وہ دشوار لفظ جو باعتبار ترکیب نحوی کے سخت ہو) اور تاویل معضل (وہ کلام جس کے معنی

مشتبہ ہوں اور کسی ایک معنی کی تعیین نہ ہو سکے یا دوسری حدیث اس کے مخالف ہو) کی بناء پر رائے فقہاء دین کی معلوم کر چکا ہو۔اور بیعت لینے والا مرشد مکلف نہیں ہے علم قرآن میں اختلاف قراءت کے یاد رکھنے کا اور نہ علم حدیث میں اسانید کے تجسس کا، اور اسی طرح بیعت لینے والا علم اصول فقہ اور اصول حدیث اور جزئیات فقہ اور فتاووں کے یاد رکھنے کا مکلف نہیں ہے (ہاں وہ جزئیات فقہیہ جو کثیر الوجود اور کثیر الحاجات ہیں ان کا حفظ مشروط ہے) مرشد کے عالم ہونے کی شرط ہم نے اس لئے کی ہے کہ بیعت سے غرض مرید کو مشروعات کا امر کرنا اور خلاف شرع سے روکنا اور تسکین باطنی کی طرف رہنمائی کرنا اور بری خصلتوں کو دور کرنا اور صفات حمیدہ کا حاصل کرنا پھر مرید میں ان کو عمل میں لانا ہے، سو جو شخص ان امور کا عالم اور واقف نہ ہو اس سے یہ کیونکر متصور ہوگا۔

حضرت مترجم مولانا خرم علی صاحب مرحوم فرماتے ہیں! سبحان اللہ کیا معاملہ برعکس ہو گیا ہے فقراء جہال کو اس وقت میں یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ علم درویشی کو مضر ہے اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور ہے، حالانکہ صوفیان قدیم کی کتابوں اور ملفوظات مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین ،تصنیف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں صاف تصریح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی ۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح وشام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

دوسری شرط: مرشد میں یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اڑ نہ جاتا ہو (یعنی اس میں عدالت اور تقویٰ پایا جاتا ہو)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیعت مشروع ہوئی ہے صفائی باطن کیلئے اور انسان پیدا کیا گیا ہے اپنی بنی نوع کے افعال کی اقتداء پر، چونکہ صفائی باطن میں فقط

قول بغیر عمل کے کفایت نہیں کرتا سو جو مرشد عمل خیر سے متصف نہ ہو فقط زبانی تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ شخص بیعت کی حکمت کو درہم برہم کرنے والا ہے۔

تیسری شرط: مرشد میں یہ ہے کہ دنیا کا تارک ہو اور آخرت کا راغب اور طاعات مؤکدہ اوراذ کار منقولہ کا جو کہ صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں محافظ ہو اور ہمیشہ دل کا تعلق اللہ پاک سے رکھتا ہو اور یادداشت کی مشق کامل اس کو حاصل ہو۔

چوتھی شرط: مرشد میں یہ ہے کہ امر مشروع کا حکم کرتا ہو اور خلاف شرع سے روکتا ہو اور اپنی رائے میں مستقل ہو نہ کہ مرد ہر جائی، ہر دم خیالی جس کی نہ رائے ہو نہ امر، اور مروت والا اور عقل کامل رکھتا ہو تا کہ اس کی بتائی ہوئی اور روکی ہوئی باتوں پر اعتماد کیا جائے۔

پانچویں شرط: مرشد میں یہ ہے کہ وہ کامل مرشدوں میں رہا ہو، اور یہ یعنی کاملین کی صحبت اس لئے مشروط ہوئی ہے کہ عادت الٰہی یوں جاری ہوئی ہے کہ انسان کو فلاح حاصل نہیں ہوتی اور مراد نہیں ملتی جب تک کہ مفلحین اور مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے کہ انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے یہی حالت دوسرے پیشوں کی ہے یعنی آہنگری بدون صحبت آہنگر اور نجاری بدوں صحبت نجار کے نہیں آتی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت کا یہ بھید ہے کہ انسان ایسے طریقہ پر مخلوق ہوا ہے کہ وہ اپنے کمالات کو بغیر اپنے ابنائے جنس کی مشارکت اور معاونت کے حاصل نہیں کر سکتا بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ ان میں کمالات پیدائشی ہیں اور کسبی کمالات بہت کم ہیں چنانچہ تیرنا حیوانات میں پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بدوں سیکھے نہیں آتا۔

یہ چند باتیں اختصار کر کے میں نے آپ کے سامنے شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل سے پیش کی ہیں اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو آپ خود اس کو ملاحظہ فرمالیں۔

(مکتوبات ص ۴۵ ج ۴)

مشاغل صوفیا کا حکم

حبس دم سے متعلق یہ ارشاد کہ ''جوگیوں سے لیا گیا ہے''...... محل غور وفکر ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ کیوں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ریاضات اور طرق ذکر وسلوک اور ان کی قیود وغیرہ اہل تصوف نے اپنے زمانہ میں اپنے اجتہاد اور تجربہ سے استخراج کی ہیں انہی میں سے یہ بھی ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے ہمعصر اس فن کے مجتہد اعظم ہیں انہوں نے یا ان کے شاگردوں اور احباب نے مثل دیگر اشیاء ان کا بھی استخراج کیا ہو، اور جس طرح ایک شاعر کا قول دوسرے کے قول کے مطابق پڑ جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ہوا ہو، علاوہ ازیں جبکہ نفوس انسانیہ ایک ہی ہیں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو ان نفوس کی اصلاح کا طریقہ اگر متحد ہو جائے بالخصوص جبکہ فرمایا گیا ہے کہ: کان الناس امة واحدة تو یہ امر بھی شرعی طور سے متحد ہو گیا ہو، بالاخص اس تقریر پر جو کہ حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہ العزیز ہندوؤں کے دین وملت کے متعلق اپنے مکتوبات میں فرما رہے ہیں تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے، مگر آپ غور فرمائیں گے تو صوفیا کے حبس دم اور جوگیوں کے حبس دم میں بہت فرق ہے، اور صوفیا نے دفع وساوس وخطرات کیلئے ان میں تھوڑی سی تعداد حسب تجربہ مقرر کر کے ذریعۂ توجہ الی الذات اور انہماک فی المراقبہ قرار دیا ہے، جوگی اس میں بہت زیادہ غلو کرتے ہوئے مقصود بالذات قرار دیتے ہیں۔

محترم المقام! اوامر شرعیہ کے اقسام متعدد ہیں، بعضے تو ایسے ہیں جن میں قیود اور خصوصی احوال متصورات اصلیہ میں سے ہیں، ان میں اطلاق اور تغیر درست نہیں، جس طرح نماز ہے اور بعض ایسے ہیں جن میں قیود اور کیفیات ملحوظ ہی نہیں ہیں جیسے جہاد ہے اس میں اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہے خواہ بالسیف ہو یا بالسنان والرماح، خواہ ہوائی جہازوں اور توپ اور بندوقوں سے ہو،

آج اگر جہاد کیلئے حسب ضرورت وقت آلات جدیدہ مہیا کئے جائیں، ان کو بدعت اور منہی عنہ قرار دینا سخت غلطی ہوگی جیسا کہ نماز کو بلا رکوع و بلا سجود یا بکیفیات غیر منقولہ قرار دینا غلطی ہوگی۔

ذکر اور سلوک از قسم ثانی ہیں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کسی قید اور خصوصیت کے اس میں طالب نہیں ہیں، اس لئے مشائخ سلوک نے جو اقسام ذکر وفکر کتب سلوک میں ذکر فرمائے ہیں ان میں سے کسی کو ناجائز یا بدعت قرار دینا اسی طرح غلط ہوگا جس طرح جہاد بالآلات الجدیدہ کو ناجائز قرار دینا غلطی ہے۔

محترما! آپ کا یہ ارشاد کہ ''میں تو اس کو صریح غلط سمجھتا ہوں اور پورا یقین ہے کہ جو تصوف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ مکمل اور کسی کا محتاج نہیں ہے الخ'' یہ بھی قابل غور ہے قراءۃ قرآن زمانۂ نبوت میں نحو وصرف، معانی و بیان، تجوید وفن قراءت کی محتاج نہیں تھی، مگر کیا آج ہم یا اہل عرب ومصر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ اہل زبان تھے ان کیلئے اس کی ضرورت نہ تھی، مگر آج ہم عجمی ہوئے یا اہل حجاز وعرب اختلاط بالعجم کی وجہ سے اس کے محتاج ہوگئے اور اس کی ضرورت قرن ثانی ہی میں محسوس ہوگئی تو یہی حال طبائع بشریہ کا بھی ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اس کا شاہد عدل ہے، زمانۂ سعادت میں وہ قوت امانت نازلہ کی تھی جو کہ اس کی تدریجی کمی اور ارتفاع کی وجہ سے بعد کے زمانوں میں نہیں رہی ان الامانة نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال (الحدیث) نیز ظہورِ شمس نبوت کی وجہ سے جو ظلمتیں طبائع بشریہ سے اس زمانہ میں زائل ہوئیں مابعد کے زمانہ میں ان کا زوال ویسا نہیں ہے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا مجالس نبویہ میں احوال مشاہدہ کے ساتھ موصوف ہو جانا اور اپنے اہل وعیال کے اختلاط میں اس کا نہ پانا اس کی گواہی دیتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہوگئی تھی حتی کہ درودیوار: وما نفضنا ایدینا عن التراب الا وقد انکرنا قلوبنا اس کا روشن مشعل ہے ، بہر حال جس قدر بھی زمانہ دور ہوتا جاتا ہے اوساخ اور ادناس طبائع بشریہ پر مسلط ہوتے چلے

جاتے ہیں، ظلمتیں اور کدورتیں بڑھتی جاتی ہیں، اس لئے ان کے دور کرنے کیلئے وہ اعمال ہرگز کافی نہ ہوں گے جو کہ اس زمانہ میں کافی تھے اس لئے آپ کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بجا اور صحیح ہے، وہ حقائق اور مکشوفات وغیرہ کیلئے ہے ان میں اگر کسی صاحب کشف والہام کو کوئی چیز خلاف اخبار نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو تو مردود ہے اور یہ حبس دم وغیرہ طرق معالجۂ امراض روحانیہ کی بات ہے یہ وسائل وذرائع ہیں حقائق نہیں ہیں دونوں میں بون بعید ہے میں نے ریل میں مختصر طور سے یہ لکھا ہے اگر شکوک کا ازالہ ہو جائے فبھا ورنہ اطلاع دیجئے جو کچھ سمجھ میں آئیگا پھر عرض کروں گا (مکتوبات ص ۴۲۷ ج ۱)

صوفیا کے مشاغل بدعت نہیں

آپ فرماتے ہیں کہ ''بسا اوقات بہت سے شغل اور اذکار سے صوفیہ پر بدعت کا گمان ہونے لگتا ہے، کیونکہ صاحب شریعت نے تزکیہ واصلاح نفوس کیلئے جو مفید نسخہ تجویز کیا تھا اس کے اجزا کے تناسب میں ردوبدل کرنا اور بعض چیزوں کی مقادیر کو صاحب شریعت کی تجویز کردہ مقداروں سے بڑھا کر بعض دوسرے اجزا کی مقداروں کو اسی نسبت سے گھٹا دینا من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد کے تحت نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں''۔

محترما! اگر کوئی چیز کسی نے ایسی کہی ہے یا لکھی ہے جو صراحۃ خلاف شریعت ہے وہ تو یقیناً مردود ہے ہی مگر جو چیز اباحت واستحباب کے ماتحت داخل ہے اس کا فرمانا مقادیر کی یا اغراض وغیرہ کی کمی بیشی ایسی ہی ہے جیسے قرآن میں اعراب لگانا، اس کو طبع کرنا، اس کی جلد باندھنا، اس کی تدریس وتعلیم اور مکاتیب اور ان کے لوازم کو عمل میں لانا، جس کو حکماء امت نے ضروریات زمانہ اور مقتضیات واستعدادات اقوام کے مطابق فرائض یا واجبات کے عمل کرنے کیلئے موقوف علیہ یا ضروری سمجھ کر وضع فرمایا ہے، قاعدہ: ما یتوقف علیه المامور به فهو مامور کا قاعدہ سب کو ماننا ضروری ہے، کیا اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کیلئے آپ توپ، مشین گن اور اسلحہ جدید کو بدعت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفوس زمانہ سعادت میں جس قدر استعداد رکھتے تھے اس کے مطابق اور

ماحول کے اثرات کے ماتحت خیر القرون میں عدد وقیود اور کیفیات درکار تھیں مگر بعد میں واجبات ذکر اور تقرب الی اللہ کیلئے حکماء ارواح کو ازمنہ متاخرہ میں اعداد وقیود ضروری معلوم ہوئیں ان کو بدعت فرمانا اور علم ظاہر وجہاد کے اسلحہ کیلئے مشروع ومسنون ہونے کا حکم دینا کیا ظلم نہیں قرار دیا جائے گا...... ہاں اگر کسی مامور بہ میں اعداد اور اوضاع اگر مقصود بالذات ہوں جیسے اعداد رکعت صلوٰۃ مفروضہ اور اوضاع وہیئات قیام وقعود ورکوع وغیرہ تو ان میں کمی زیادتی، تغیر وتبدل یقیناً ناجائز اور حرام ہوں گے، ظہر کو پانچ رکعت یا زیادہ اسی طرح ممنوع ہوگا جس طرح تین رکعت یا اس سے کم مگر اشغال واذکار میں اس کا وجود نہیں بلکہ اگر تتبع فرمائیں گے تو ان میں کماً وکیفاً اطلاق اور ازدیاد ہی کا پتہ چلتا ہے :یایھا الذین اٰمنوا اذکر اللہ ذکراً کثیراً الآیۃ اگر کمیت کے اطلاق پر دلالت کرتا ہے فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلٰی جنوبکم الآیۃ یہ کیفیت کے اطلاق کو بتاتی ہے وعلٰی ھذا القیاس۔ آیات واحادیث اس بارہ میں اگر تلاش کی جائیں تو مندرجہ بالا مضمون کا عظیم الشان ذخیرہ ہاتھ آئیگا، بہرحال یہ اشکال بالکل بے موقع ہے، امراض باطنیہ کے تفاوت کی بنا پر علاج اور ادویہ میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے، زمانہائے مشہود لہا بالخیر پر اس زمانہ کو جو کہ مشہود لہا بالشر ہے مساوی قیاس کرنا غلطی ہوگی (مکتوبات ص ۴۱۸ ج ۱)

تصور ذات بحت کا حکم

تصور ذات پر اور اس کے مراقبہ پر جناب کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تصور ذات بحت ایسا غیر ممکن ہے تو پھر صفات کا اثبات اور توحید کا اعتقاد اور تصدیق سب باطل ہو جائیں گے کیونکہ حکم بغیر تصور محکوم علیہ اور محکوم بہ ناممکن ہے اور جب حکم بالصفات کیلئے تصور محکوم بہ فی الجملہ سواء کان بالکنہ او بکنھہ او بالوجہ کافی سمجھا جاتا ہے تو یہی تصور ذات بحت میں کیوں نہ کافی ہوگا، اس کو یہ فرمانا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یا بعض متاخرین کا استخراج ہے اس سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لفظ اللہ جبکہ اسم ذات ہے اور اس کے ذکر کا حکم آیات واحادیث میں موجود ہے، اور جبکہ ذکر حقیقت قلبی اور روحانی امر ہے جس کو ہم اپنی زبان میں ''یاد کرنے'' سے تعبیر

کرتے ہیں تو ان احکام کا مقتضیٰ اعلیٰ تو تصور ذات ہی ہوگا، اسم کا زبان سے کہنا نہ تو یاد اور ذکر حقیقۃً ہے اور نہ مدلول لفظ اللہ یعنی مسمّٰی کا ذکر ہے۔ ذرا غور فرمایئے اسم کو زبان سے یا قلب اور سر وخفی وغیرہ سے کہنا یہ تو مجازاً ہے، مسمّٰی اور اسم میں تفاوت عظیم ہے اگرچہ لا عین ولا غیر کا مسلک قوی ہے (مکتوبات ۲۴۷ ج ۲)

توجہ الی اللہ تعالیٰ کا حکم

آپ ذات مقدسہ کی طرف رجوع کرنے میں اشکال ذکر فرماتے ہیں، بناء علیہ عرض یہ ہے کہ ہر عامی مسلمان اور ہر خصوصیت رکھنے والا مسلمان سمجھتا اور یقین کرتا ہے کہ تمام عالَم اور اہل عالَم کا پیدا کرنے والا کوئی ہے، جس کو ہم لفظ اللہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ فقط ایک ہے جو شرکت اور نقصانات وعیوب سے پاک اور منزہ ہے اور تمام کمالات سے متصف، جو اپنی تمام مصیبتوں کے دور کرنے کا خواستگار ہوتا ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا، نعمت، بشری زندگی، اور اس کے تمام لوازم کو عطا کرنے والا ہے، وہ سب سے بالاتر ہے، سب سے مستغنی ہے، سب سے پہلے اور سب کے بعد اور سب کے ساتھ اپنی صفات کمالیہ اور اپنی تمام تنزیہات کے باوجود موجود ہے، اور وہ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے، سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا دست نگر نہیں، اسی کی ذات مقدسہ کی طرف قلب میں توجہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

صراط مستقیم صفحہ ۱۰۴ میں ہے:

سوم کہ مراد در ینجا است کہ وجود اوراگانہ غیر تمام اشیاء ہر جا تصور کندنہ آن چیز ہا نفی کند ونہ عین حق داند شانش این کہ ہر شخص می داند کہ معنی از اں بلفظ ہست در فارسی وہے در ہندی تعبیر می کند ہر جا موجود است وعین ہیچ چیز نیست بلکہ غیر ہر چیز است باوجود یکہ ہیچ چیز خالی ازاں نیست۔

صفحہ ۱۰۸ میں ہے: (در بیان یادداشت)

وحقیقتش التفات دائمی است بسوئے ذات بے چون بے چگون در ہماں اوقات

درنشست وبرخاست وعروض مکاسب ومصائب واوقات خوردن واشامیدن بحیثیتیکہ ہیچ امر مانع التفات نہ گردد وبمثابہ آنکہ ہرگاہ محبت چیزے باہتمام کارے دردل شخصے راسخ گردد پس درعین اشتغال بحوائج ضروریہ واعمال معاشیہ دلش کما ینبغی بسوئے ہماں امر متوجہ می ماند چنانچہ بر ہر صاحب وجدان پوشیدہ نیست پس یادحق تبارک وتعالیٰ را باید کہ تمثیل مذکورہ را از وجدان خود دریافت نمودہ یادداشت حق را ممتنعات عقلیہ یا عادیہ نشمارند بلکہ آں را اہل وآسان پنداشتہ کمرہمت برتحصیل او چست بندد۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذات مقدسہ جناب باری عزاسمہ کی تمام حوادثات سے پاک اورمنزہ ہے، نہ وہاں رنگ وروپ ہے، اورنہ نوررونار، نہ آوازوراگ ہے، یہ سب مخلوقات اورحوادث ہیں اس ذات بے چون وبے چگون کوتمام صفات کمالیہ کے ساتھ دل میں جلوہ گرسمجھئے اوراسی کی طرف متوجہ ہوجیئے اوراس کی توجہ کودائمی بنایئے۔

ہست رب الناس راباجان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

والذین ھم علیٰ صلوٰتھم دائمون کی حالت پیدا کیجئے اورملکۂ یادداشت حاصل کیجئے۔ ۵/محرم الحرام ۱۳۷۲ھ (مکتوبات ج۲ص۳۳۹)

بارگاہ نبوت سے استفادہ کا حکم

بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوءادب کیوں ہوگا، بارگاہ میں حاضر ہوکر بعدادائے صیغ صلوٰۃ وسلام، مذکورہ درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے، اس کے علاوہ استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الٰہیہ میں مشغول رہیں، جو کچھ فیوض پہنچنے والے ہیں وہ پہنچیں گے، اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں ہے، حاضری روضۂ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز، سننے والی، جاننے والی، غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے، جولوگ مقصر آداب وسنن ہوں ان کی تحقیر وتوہین کی طرف خیال نہ کیا جائے

اورنہ امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کی طرف بلاضرورت شدیدہ توجہ کی جائے ،فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلاضرورت حاضری سے گریز کیا جائے ،اوقات کو درود شریف ،ذکر،مراقبہ، قراءت قرآن،نوافل سے معمور رکھا جائے (مکتوبات ص۱۲۳ ج۱)

تصور شیخ کا حکم

تصور شیخ اگر عبادت میں موجود ہے تو مراد وہ تصور ہے جس کو شیخ نے تعلیم دیا ہے یعنی تصور لفظ اللہ کا جو کہ ذہن اور قلب میں لکھا گیا ہے وہ تصور مرادنہیں ہے جس کو شغل برزخ کہتے ہیں ۔شغل برزخ کواگر چہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے سداً للذریعہ منع فرمایا ہے مگر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اس کو منع نہیں فرماتے تھے ان سے بعض حضرات نے اس کے جواز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا (جسمانی اعضا اور رنگ وغیرہ) کے بابت دریافت کرتا رہتا تھا کہ اتعلق بہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے۔

نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ،حضرت ابراہیم (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے برزخ اور تمثال کو ذکر فرمانا متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے اس کے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں ،مگر سب کے اندران کے برزخ کو ذہن میں لانا اور اس کو محفوظ رکھنا ضرور پایا جاتا ہے، بہرحال اس کا جواز پایا جاتا ہے اور استدلال حضرت شہید رحمہ اللہ کا ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون سے تکلف سے اس پر استدلال لایا جاتا ہے، برزخ شیخ دفع خطرات اور احادیث نفس کے منع کرنے میں بہت تاثیر رکھتا ہے، مگر چونکہ غلط کاری کا اندیشہ اس

میں بہت ہے اس لئے احتیاط کی جاتی ہے جو کہ ضروری ہے (مکتوبات ص ۴۲۸ ج ۱)

تصور شیخ امر محدث اور شرک نہیں

تصور کسی صورت کو ذہن میں جمانے اور حاصل کرنے کو لغت میں کہتے ہیں، خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی، خواہ معمولی شخص کی ہو یا غیر معمولی شخص کی، کسی بزرگ کی اور ولی کی ہو یا اپنے مرشد اور باپ ماں کی، خواہ اس صورت سے کسی کو نفع کی امید ہو یا نہ ہو۔

مگر عرف میں تصور شیخ کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جمانے کا نام ہے، بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جمانے اور حاصل کرنے کو تصور شیخ کہتے ہیں ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور تمثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثال اور سراپا کو اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے بار بار پوچھ کر کے اپنے ذہن میں جمایا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل وصورت ولباس وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے۔

تصور شیخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

(۱) حدثنا سفیان بن وکیع ثنا جمیع بن عمیر بن عبد الرحمٰن العجلی املاء علینا من کتابه قال حدثنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی هالة زوج خدیجة یکنی ابا عبد الله عن ابن لابی هالة عن الحسن بن علی قال سألت خالی هند بن ابی هالة وکان وصافاً عن حلیة رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا اشتهی ان یصف لی شیأ اتعلق به فقال الحدیث (شمائل ترمذی ص ۲)

(۲) عن جابربن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما ان رسول الله صلی الله علیه سلم قال عرض علی الانبیاء فاذا موسٰی علیه السلام ضرب من الرجال کانه من رجال شنوة ورأیت عیسٰی بن مریم علیه السلام فاذا اقرب من رأیت به شبها عروة بن مسعود ورأیت ابراهیم علیه السلام فاذا اقرب من رأیت به شبها صاحبکم یعنی نفسه الکریمة ورأیت جبرئیل علیه السلام فاذا اقرب من رأیت به شبها دحیة (شمائل ترمذی ص۲)

(۳) عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال رأیت لیلة اسری بی موسٰی رجلا آدم طوالا جعدا کانه من رجال شنوة ورأیت عیسٰی رجلا مربوعا مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الرأس ورأیت مالکاً خازن النار والدجال فی آیات اراهن الله ایاه فلا تکن فی مریة من لقائه (خ باب ذکر الملائکة)

(۴) عن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتانی اللیلة آتیان فاتیا علی رجل طویل لا اکاد اری رأسه طولا وانه ابراهیمؑ.

(۵) عن ابن عباس رضی الله عنهما ذکروا الدجال بین عینیه مکتوب کافر اوک،ف،ر، قال لم اسمعه ولکنه قال اما ابراهیم فانظروا الی صاحبکم واما موسٰی فجعد آدم علٰی جمل احمر مخطوم بخلبة کانی انظر الیه انحدر فی الوادی اه (باب فی قول الله واتخذ الله ابراهیم خلیلا)

(۶) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری بی لقیت موسٰی قال فنعته فاذا رجل حسبة قال مضطرب رجل الرأس کانه من رجال شنوة قال ولقیت عیسٰی فنعته النبی صلی الله علیه وسلم فقال ربعة احمر کانما خرج من دیماس یعنی الحمام (خ باب واذکر فی الکتاب مریم)

(۷) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیت عیسٰی وموسٰی وابراهیم فاما عیسٰی فاحمر جود عریض الصدر واما موسٰی فادم جسیم سبط کانه من رجال الزط (خ ایضاً)

(۸) قال عبد الله ذكر النبي صلى الله عليه وسلم يوما بين ظهري الناس المسيح الدجال فقال ان الله ليس باعور الا ان المسيح الدجال اعور العين اليمنى كان عينيه عنبة طافية واراني الليلة عند الكعبة في المنام فاذا رجل آدم كاحسن ما يرى من آدم الرجال تضرب لمته بين منكبيه رجل الشعر يقطر رأسه ماءً واضعا يديه على منكبي رجلين وهو يطوف بالبيت فقلت من هذا فقالوا هذا المسيح بن المريم (الحديث خ)

اس قسم کی روایتیں صحاح میں بکثرت ہیں جن سے نہ صرف تصور شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شارع علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی انہیں منافع کی وجہ سے زمانۂ سابق میں اہل فراست اور مقدس حضرات نے تصور شیخ کو معمول بہ قرار دیا اور مقصد سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

تصور شیخ علماء امت میں

قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز اپنے خلیفۂ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں:

واگر فراغ باشد بعد نماز صبح یا مغرب یا عشاء علیحدہ درحجرہ وغیرہ بہ نشینند ودل را از جمیع خیالات خالی کردہ متوجہ بایں جانب شوند وتصور کنند کہ گویا پیش شیخ خودنشستہ ام وفیضان الٰہی از سینہ او بسینہ ام می آید بایں حیثیت اگر دل بچسپد ذوق وشوق دست دہد فبہا والا ذکر نفی واثبات بجہر متوسط مشغول باشند یک دو ساعت کم وزیادہ شغل دارند (مرقومات امدادیہ ص ۲۵۰)

نیز ایک دوسرے والا نامہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

واگر بعد نماز صبح ویا مغرب فرصت باشد لحہ دو لحہ مراقب باشند وچناں خیال کنند کہ گویا پیش مرشد خود نشستہ ام واز قلب مرشد بہ قلب من چیزے می آید وان شاء اللہ تعالیٰ ایں جانب ہم

خیال بآں طرف خواہد کرد اگر فضل الٰہی شامل حال است فائدہ خواہد شد خاطر جمع دارند (ص ۲۵۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہؒ القول الجمیل ص ۵۴ میں ارشاد فرماتے ہیں:

قالوا والركن الاعظم ربط القلب بالشيخ على وصف المحبة والتعظيم وملاحظة صورته قلت ان لله مظاهر كثيرة فما من عابد غبيا كان او ذكيا الا وقد ظهر بحذائه صار معبودا له في مرتبته ولهذا السر نزل الشرع باستقبال القبلة والاستواء على العرش وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى احدكم فلا يبصق قبل وجهه فان الله تعالى بينه وبين قبلته وسأل رسول الله جارية سوداء من انا فاشارت باصبعها تعني الله ارسلك فقال هي مؤمنة فلا عليك ان لا تتوجه الا الى الله ولا تربط قلبك الا به ولو بالتوجه الى العرش وتصور نور الذي وضعه عليه وهو ازهر اللون كمثل لون القمر او بالتوجه الى القبلة كما اشار اليه النبي صلى الله عليه وسلم فيكون كالمراقبة بهذا الحديث

(ترجمہ) مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم دل کا لگانا اور گانٹھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کا ملاحظہ کرنا۔ میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیر ہیں سو نہیں کوئی عابد غبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا معبود ہو گیا ہے بحسب مرتبہ اس کے اور اسی کے بھید کے سبب سے روبقبلہ ہونا اور استواء علی العرش کا شرع میں نازل ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کالی لونڈی سے پوچھا میں کون ہوں تو اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا مراد اس کی یہ ہے کہ خدا نے تجھ کو بھیجا ہے پس فرمایا آپ نے کہ یہ ایماندار ہے تو اے سالک تجھ پر کچھ مضائقہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اس سے اگرچہ ہو عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی کے نور کا تصور کر کے

جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا مراقبہ ہوگا، واللہ اعلم۔ مصنفؒ نے حاشیہ پر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کی عالم مثال میں تجلی ہے ہر شخص اپنی استعداد کے موافق اس کو ادراک کرتا ہے (القول الجمیل ص ۵۶،۵۷)

مترجم کہتا ہے تجلی اور عالم مثال کی حقیقت کتب صوفیہ میں مفصل مذکور ہے یہ رسالہ مختصر اس کی تفصیل کے لائق نہیں۔

حضرت مولانا نعیم اللہ نقشبندیؒ

حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب نقشبندی بہرائچی اپنی مشہور کتاب ''معمولات مظہریہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں، اس کتاب میں حضرت مرزا جان جاناں مظہر صاحب شہید نقشبندی دہلوی قدس سرہ کے احوال اور تعلیمات مذکور ہیں:

حضرت محترمی مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز در رسالہ ''سررشتہ دوست'' می فرمایند، سوم طریقہ ذکر رابطہ بہ پیرے کہ مقام مشاہدہ رسیدہ باشد و تجلیات ذاتیہ محقق گشتہ دیدار وے بمقتضائے ھم الذین اذا رأوا ذکر اللہ فائدۂ ذکر دہد و صحبت وے بموجب ہم جلساء اللہ نتیجہ صحبت مذکور دہد پس چوں دولت دیدار و صحبت چنیں عزیزے دست دہد واثر آن را بخودی نماید چندانکہ تواند نگاہ دارد واگر دراں معنی فتور واقع شود باز بصحبت وے مراجعت نماید تا ببرکت وے ایں معنی پر تو انداز دو ہم چنیں مرۃ بعد اخری تا آں زماں کہ آں کیفیت ملکہ وے گردد واگر چنانچہ آں عزیز غائب باشد صورت وے در خیال گرفتہ بجمیع قوائے ظاہری و باطنی متوجہ قلب صنوبری گردد و ہر خاطرے کہ در آید نفی کند تا کیفیت غیبت و بیخودی روئے نماید و بتکرار ایں معاملہ ملکہ گردد و ہیچ طریق ازیں اقرب نیست بسیار باشد کہ مرید را قابلیت آں باشد کہ پیر از روئے تصرف در اول صحبت وے را بمرتبہ مشاہدہ رساند چوں دریافت صحبت چنیں عزیزے دریں روزگار اعز من الکبریت الاحمر است، می باید کہ بیکے ازاں دو طریقہ کہ پیشتر مذکور شد

یعنی طریق مراقبہ وطریق نفی اثبات اشتغال دارد واز بیان ایں طریق ثلاثہ معلوم شد کہ توجہ بقلب صنوبری کہ درعرف ایں طائفہ آنراوقوف قلبی خوانند در جمیع اوقات ضروری است وحضرت خواجہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز از لوازم می شمردہ انداہ، لیکن معمول خانقاہ شمسیہ چنیں بود کہ در صورت غیبت آں عزیز صورت مثالیہ اش رادر محاذی خود تصور نمودہ منتظر آں کیفیت معہودہ کہ در حضور وے حاصل می باشد چوں آں کیفیت کہ در حضور وے است بعد اودست دہد خود دراد راں بدوزد ہر گاہ دراں فترت واقع شود ہمچناں بعمل آرد تا آں کیفیت ملکہ گردد وملکہ اوشود، واللہ اعلم (ص ۵۷)

یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری اور مثمر نتائج تو یہ چلا آتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملائی اختیار کیں جو کہ ضرر دینے والی اور صراط مستقیم سے دور کرنے والی ہیں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

چنانچہ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز فتاویٰ رشیدیہ میں مختلف مقامات پر تحریر فرماتے ہیں: فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۲

سوال: تصور کرنا پیر کا یا استاد کا یا مرشد وغیرہ کا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا اگر اسی حد پر ہے کہ جس حد پر بزرگوں نے تجویز کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں گو ترک اس کا بھی اولیٰ ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدوں اس کے کام نہ چل سکے اور جو اس حد سے بڑھ جاوے ناجائز ہے۔

سوال: تصور شیخ جو صوفیا چشت کا معمول ہے اور اقوال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے مؤید ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اس کو حرام اور کفر، شرک بتاتے ہیں، آپ کے نزدیک نفس تصور شیخ جائز ہے یا حرام اور کفر وشرک ہے۔

جواب: نفس تصور جائز ہے اگر کوئی امر ممنوع اس کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ تمام اشیاء کا آدمی

خیال وتصور کرتا ہے مگر جیسا اس کے ساتھ تعظیم اس شکل کا کرنا اور متصرف باطن مرید میں جاننا مفہوم ہوا تو موجب شرک کا ہوگیا۔ لہٰذا اقدماء اس کی تجویز کرتے تھے کہ اس میں خلط معصیت کا نہ تھا اور متأخرین نے اس کو حرام کہا تو یہ حکم کا اختلاف بسبب اختلاف اہل زمانہ کے ہوا ہے (ص۵)

سوال: تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے اور یہ جاننا کہ جب ہم ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہوجاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتے ہیں ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسا تصور درست نہیں اس میں اندیشہ شرک کا ہے (ص۸۸)

سوال: تصور شیخ وشغل برزخ جو برائے جمعیت خاطر دافع خطرات مشائخ زمانہ کرتے ہیں اور اس کو رکن طریقت وواجبات سے جانتے ہیں کہ بدوں اس کے حصول فیوض وبرکات محال ہیں لہٰذا ایسی صورت میں یہ شغل کرنا کیسا ہے اور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کسی صحابی وتابعین وائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے یا نہیں کیونکہ جب ایسا ضروری ہوا تو صحابہؓ کس طرح اس فعل سے محروم رہے ہوں گے اور جو زمانہ خیر القرون میں اس کا وجود نہ تھا تو پھر کس طرح ایسا ضروری مذکور سوال ہوسکتا ہے گو عقیدہ شرک تک نہ پہنچا ہو؟

جواب: اس شغل میں متأخرین صوفیا نے غلو کیا ہے اور شرک تک نوبت پہنچی لہٰذا متأخرین علماء نے اس کو منع فرمایا اور اب علماء متأخرین کے قول پر عمل چاہئے (ص۱۲۵)

اس شغل کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ صحابہ میں اس شغل کا کچھ اثر تھا ان فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس تصور شیخ میں شرعاً ممانعت نہیں ہے بلکہ جو چیزیں اس میں ناجائز داخل کی گئی ہیں وہ ممنوع ہیں انہیں کے اقتران کی وجہ سے اس میں قباحت آتی ہے لہٰذا مطلقاً تصور شیخ کو حرام یا شرک قرار دینا غلط فہمی اور غلط گوئی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں:

وقت یاد خداوند جل وعلیٰ اگر شیخ را رابطہ خود تصور کند چہ باک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پس از لا الہ الا اللہ ہمیں جانب مشیر است وایں بداں ماند کہ کسے را با کسے کارے افتد کہ نظر عنایت یادداشتہ باشد وبار کار خود برانداختہ پس چنانکہ مرد حاجتمند را بہ تقاضائے ضرورت وقت تدبیر جانفشانیہائے خود یا دمحتاج الیہ ضروری است وبوجہ مداخلت آں ذکر نیاز باو لازم وتوسل باو واجب ہمچناں طالبان خدا رایاد خداوند متعال ضروری است ونیاز بہ رہبران دین راہ لابدی ووقت عرض نیاز اقرار بعدم استحقاق ونفی لیاقت خود لازم۔ وبدیں وجہ توسل آں مقرباں واجب بالجملہ ایں چنیں تصور شعبہ از اعتقاد شفاعت است یا پرتو اعتقاد رسالت وہمیں است کہ ایں تصور را اکابر طریقت رابطہ وسیلہ نام نہادہ اند آرے اگر تصور مستقل است واز مفہوم ربط وتوسل عاری آں را مسقط اشارہ ماندہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون تصور باید فرمود گوفیما بین افراد ایں قسم تصور باعتبار اعتقاد استقلال فرق باشد بالجملہ بخیال مقتضائے باخدا ایش نتواں گفت واز یاد خدا دل محو یاد پیر را خبر نباشد شائبہ از تماثیل مشار الیہا دارد گو صاحب تصور پیر را حسب اعتقاد اسلام بندہ محتاج اعتقاد کردہ باشد چہ یاد اصلی از حقوق خداوند یست چنانچہ بر ماہران قرآن وحدیث مخفی نخواہد بود وچوں ذکر بیاد دگراں داد ازیں وجہ دل خود را از یاد خداوندی پرداخت وباز ازیں کار خود را بنظر استحسان دید لاجرم رہ کساں رفت کہ خود را وقف کردہ اند وچوں ایں صورت تصور حاصل شیخ اول است آنانکہ علی الاطلاق منع کردہ اند باہمیں قسم را معمول بہ یافتند یا رخنہ بندی شریعت وطریقت مدنظر داشتند وہرچہ کردند بجا کردند اما حقیقت حال ایں است کہ ایں پراگندہ حال بعرض رسانید، واللہ اعلم (فیوض قاسمیہ ص ۳۰)

مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہردم ساتھ رہتے ہیں اور ہردم آگاہ رہتے ہیں یہ خدا ہی کی شان ہے گاہ وبیگاہ بطور خرق بعض اکابر سے ایسے معاملات ظاہر ہوتے ہیں اس سے جاہلوں کو یہ دھوکا پڑا ہے۔ تصور میں صورت کا خیال امر فضول ہے جیسے کہ کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے ایسا ہی تصور شیخ ہے مگر تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ اوپر سے کچھ فیض آتا ہے (فیوض قاسمیہ ص ۴۸ دربارہ تصور شیخ)

صراط مستقیم کی عبارت

مذکورہ بالا تصریحات سے صراط مستقیم کی مندرجہ ذیل عبارت کی بھی حقیقت معلوم ہوجائیگی:

فائدہ: از جملہ اشغال مبتدعہ شغل برزخ است کہ درمتاخرین اکثر طرق اشتہار یافتہ بلکہ کلام بعض اکابرہم براں مشتمل گردیدہ ملتصویر شغل مذکور این است کہ برائے دفع خطرات وجمعیۃ ہمت صورت شیخ راکماینبغی بہ تعین وتشخص درخیال خاطر میکنند وخود باادب وتعظیم تمام بہمگی ہمت خود متوجہ بآں صورت می شوند کہ گویاآداب وتعظیم بسیار روبروئے شیخ نشستہ اندودل بالکل بآں سو متوجہ سازندوحال ایں شغل از احوال تصویر معلوم می تواں کرد چہ ساختن صورت گناہ کبیرہ عظیمہ است ونگاہ کردن دراں خصوصاً بہ تعظیم وتوقیر البتہ حرام وقول حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ قوم خودرافرمودند ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون باطلاق خود دلالت دارد برآں کہ عکوف پیش تماثیل ممنوع است ومعنی عکوف لزوم حضور است بایستادہ بتعظیم وادب ومحبت، وشک نیست کہ ہرکہ باصورت ظاہری ایں عمل کندالبتہ آثم وگنہگار است وتفاوت درعمل آں آثم وگنہگاروشغل ایں طالب راہ حق ہمیں دوراست کہ دراول تصویر رنگیں برقرطاس یامثل وے خواہد بودودرثانی تصویر تمام صورت بلون وجلدواشعاروخط وخال درصحیفہ خیال خواہد بود۔ ہرچہ بظاہر صورت پرستی نیست لیکن درباطن صاف صورت پرستی است صورت قرطاسی آں قدر دقائق تصویر راحکایت نمی کند کہ صورت خیالی میکند باوجودیکہ ہردو بے جان اند پس درمعنی تصوری صورت خیالی ازصورت قرطاسی چہ فرق ہردو نہ می توانند شد مگر بایں کہ درصورت اول درانتظام ظاہر شرع تخلل راہ می یابدودرصورت ثانی انتظام ظاہری راآسیبی نمی رسد لیکن قبح کہ بہ نسبت تاثیرش درنفس فاعل ایں کاراست درصورت دوم ازیدازصورت اولی است پس بایں وجہ می باید کہ حرام باشدوقطع نظرازیں معنی رواج شغل برزخ ناقصاں رابصورت اول می رساندوتصاویر ظاہری ساختہ آں حرکات تعظیمیہ کہ پیش اہل صوری کنندروبروئے آں تصاویر معمل می آرند صاف بصورت صنم پرستاں می شوندودرمنجر شدن شغل برزخ بایں عمل کہ صریح حرام

است شبہ نیست پس ایں ہم باید کہ حرام بود در شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنا بر پیش بندی صورت پرستی تصویر سازی مطلقاً ممنوع شدہ و در شرائع دیگر بنا بر بعضے اغراض صحیحہ مثل دریافت حال شکل وشمائل مردہ یا زندہ غائب درست بود پس وقتیکہ شارع ایں قدر احتیاط را پیش گرفتہ شغل برزخ را حرام وقبح پندارند وہر کہ بر سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی آ گاہی دارد خواہد دانست کہ اگر استفتائے ایں امر دراں زمانہ متبرکہ می شد البتہ ازاں منع می فرمودند وتحریم آں ظاہر می شد (صراط مستقیم ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹)

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادت میں جس قدر اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور چونکہ تصور شیخ کی تاثیر اس امر میں انتہائی درجہ پر مفید ہے فان الشیخ فی قومه کالنبی فی امته اس لئے تجربہ اور نصوص نے اکابر امت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا، امت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد سے ظاہر ہے مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں محظورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں، مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر وناظر اعتقاد کرنا یا اس کے تصور اور توجہ الی الشیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائیں یا شیخ کو مثل کعبہ ہر نماز میں قبلہ اور متوجہ الیہ بنا لینا، یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشوں اور احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے اس لئے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرماویں اور ذریعۂ شرک وکفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ بہر حال یہ امر مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور وفکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہئے، واللہ اعلم۔

۲۸ نومبر ۱۹۵۷ء (مکتوبات ص ۲۳۶ ج ۴)

بڑی عمر میں عقد نکاح خلاف طریقت نہیں

مولانا عبدالقدیر صاحب خلیفہ مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم کے عقد نکاح پر سنا جاتا ہے کہ لوگوں میں خلجانات اور اعتراضات واختلافات ہیں اور بعض احباب اس امر کو مولانا کے تقدس اور ارشاد وطریقت کے منافی سمجھتے ہیں، اس لئے میں احباب کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ عقد نکاح حسب تصریحات فقہاء ضروریات بشریہ سے ہے، جس سے انسان کسی عمر میں نہ مستغنی ہو سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی مرتبہ باطنی یا ظاہری مانع ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں جبکہ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی متعدد اولاد بڑی بڑی عمر والی موجود تھی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی، جو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی چھوٹی تھیں ان سے نکاح کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بخوشی اس کو منظور فرمایا، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوا ام کلثومؓ دوشیزہ اور بہت چھوٹی عمر والی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت سے سلسلہ قرابت حاصل کیا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آخری ایام تک رہیں، اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد میں باوجود ضعیف العمری اور اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ، شیخ مشائخ طریقت اور قطب وقت ہونے کے ایک دوشیزہ لڑکی سے شادی کی، جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ بچی اور اس کی ماں بعد شہادت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ باقی رہیں۔ اس قسم کی مثالیں اسلاف کرام میں بکثرت موجود ہیں، یہ اعتراضات بیوقوفی کے ہیں، لوگوں کو ایسی فضولیات سے بچنا چاہئے اور اپنی عاقبت خراب نہ کرنی چاہئے، مجھے اس سے سخت صدمہ ہوا کہ بیوقوفوں نے اس کو بحث کا اکھاڑہ بنا رکھا ہے، امیدوار ہوں کہ احباب اس سے پرہیز فرمائیں (مکتوبات ص ۱۸۳ ج ۲)

نفس وشیطان کو مغلوب کرنے کا طریقہ

نفس اور شیطان انسان کے ساتھ ایسے دشمن لگے ہوئے ہیں جو کہ ہر امر خیر اور ہر عبادت الٰہی

سے روکتے رہتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان اعدیٰ عدوک نفسک التی بین جنبیک الحدیث (سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: وما ابریٔ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الآیۃ (سورۃ یوسف)

قرآن شریف میں ہے: یا بنی آدم لایفتننکم الشیطان الآیۃ (اے آدم علیہ السلام کے بیٹو خبردار ہو کہیں تم کو شیطان فتنوں میں مبتلا نہ کردے جیسے کہ اس نے تمہارے دونوں ماں باپ کو جنت سے ننگا کروا کر نکلوا دیا وہ اور اس کا خاندان تم کو ایسی جگہ اور اس طرح سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے الخ) ان دونوں دشمنوں کے ہوتے ہوئے یقیناً ہر عبادت اور ہر مفید عمل اور بات میں خلل پڑے گا اور بدمزگی پیدا ہوگی، ہاں ان دونوں کے پسندیدہ کاموں میں مزہ بھی آئے گا اور خوشی بھی ہوگی، اس کے برخلاف عقل اور فرشتے کار خیر اور مفید امور کی طرف انسان کو کھینچنے والے ہیں، قرآن مجید میں ہے: ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ الآیۃ (یعنی اللہ اتارتا ہے فرشتوں کو روحوں کی معیت میں جس بندہ پر چاہتا ہے کہ اس کو ڈراؤ، میرے سوا کوئی مستحق معبودیت نہیں ہے پس مجھ سے ڈرو، الخ) عقل انسان میں مثل نور آفتاب معنوی روشنی پیدا کرنے والی طاقت ہے جس سے بھلائی اور برائی کی تمیز ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے انسان اپنے نفع اور نقصان پر مطلع ہو جاتا ہے اور اپنی عملی طاقتوں کو بروئے کار لا کر نفع حاصل کرتا ہے، اس لئے جب تک آپ کا نفس آپ پر غالب ہے اس وقت تک شیطان کا تسلط ہے۔

ہر عبادت میں خواہ نماز ہو یا تلاوت قرآن ہو یا اور کوئی عبادت ہو لذت کا نہ ہونا، طبیعت کا گھبرانا وغیرہ لازمی امور ہوں گے اور اسی طرح معاصی کی طرف رغبت ہونی اور اس میں لذت آنی بھی ضروری ہوگی اب اس چیز پر قابو پانے کیلئے مختلف جدوجہد کی ضرورت ہے۔

اول: کثرت ذکر خواہ قرآن حکیم پڑھنا ہو یا اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے ہر وقت جاری رکھنا وغیرہ۔ فرمایا جاتا ہے: ومن یعش عن ذکر الرحمٰن الآیۃ (جو شخص رحمٰن کے ذکر اور اس کی

یاد سے غافل ہوا ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیں گے وہ اس کے ساتھ جڑا رہے گا) غرضیکہ ذکر کی کثرت سے شیطان کا تسلط کم ہو جاتا ہے جس طرح گھر والوں کے جاگتے رہنے اور سپاہیوں کی گشت سے چوروں کا خطرہ کم ہو جاتا ہے، اگر انسان بار بار قلب کی طرف توجہ کرتا رہے یا غفلت کو دور کرنے والی تعلیم وتعلم میں مصروف رہے تو شیطانی تسلط کمزور پڑ جاتا ہے۔

دوم: امور عبادت کو خلاف نفس عادت بنالینا۔ انسان پیدا ایسے ڈھنگ پر کیا گیا ہے کہ جس پر اس کو عادی کیا جائے آہستہ آہستہ اسی کا خوگر ہو جاتا ہے، خواہ ابتداء میں اس کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑی ہو، جس طرح تمباکو کھانے، حقہ پینے، افیون کھانے، چرس اور شراب پینے وغیرہ کا انسان عادی ہو جاتا ہے حالانکہ ایسی اشیاء کے استعمال کرنے میں اس کو ابتداء میں سخت تکلیف ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ اس قدر اس کی طلب اور خواہش ہو جاتی ہے کہ کھانے اور پینے پر انسان اس قدر حریص نہیں ہوتا اور نہ اس کے نہ ملنے میں اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنا کہ ان اشیاء پر حریص ہوتا ہے اور ان کے نہ ملنے میں تکلیف پاتا ہے، یہی حالت امور عبادت اور تقربات خداوندی اور مرغوبات روحانیہ کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اول قسم کے امور میں شیاطین کی اعانت ہوتی ہے مگر قسم ثانی میں ان کی طرف سے رکاوٹ ہوتی ہے اور فرشتوں کی طرف سے ضرور امداد ہوتی ہے اس لئے امور عبادت میں اگر تھوڑے دنوں جدوجہد کی جائے اور نفس کے خلاف سعی پیہم جاری رکھی جائے تو تھوڑے عرصہ میں ان امور کی بھی عادت ہو جائے گی اور بغیر ان کے انجام دینے کے چین نہ پڑے گا، ذرا محنت اور دل لگانا اور مداومت ضروری ہے۔

سوم: عبادات سے مقصود تلذذ نہیں ہے اگر ان میں لذت ہوتی تو تکلیف ہی اٹھ جاتی کیونکہ تکلیف کے معنی الزام ما فیہ کلفۃ یعنی ایسی چیز لازم کردی جائے جس میں انسان کو تکلیف اور مشقت ہو۔ کھانا، پینا، سونا، پاخانہ کرنا، پیشاب کرنا، سانس لینا وغیرہ امور طبعیہ تکلیفات میں سے نہیں ہیں مکلف اور غیر مکلف سب میں پائے جاتے ہیں، نفس کو ان کے ادا کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی بلکہ مزہ آتا ہے اس لئے امور تکلیفیہ میں مزہ کا ڈھونڈنا، غیر طبعی امور کا تلاش

کرنا ہے اور جمع بین الضدین ہے۔اصلی غرض رضاء خداوندی ہے ان امور کو انجام دینے ہی سے وہ حاصل ہوتی ہے اور روح میں پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہوتی ہے اس لئے اس پر مداومت کرنی اشد ضروری ہے اس کی فکر نہ ہونی چاہئے کہ مزہ آتا ہے یا نہیں ؎

صبر کن حافظ زسختی روز وشب عاقبت روزے بیابی کام را

چہارم: ہمیشہ عبادت میں یہ خیال باندھنا چاہئے کہ میں اس احکم الحاکمین شہنشاہ علی الاطلاق سمیع وبصیر، عالم بمافی الصدور، شہید علی کل شئی، محیط بکل شئی کے سامنے حاضر اور کھڑا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں تمام زمین وآسمان اور تمام مخلوقات ہیں وہ ہی ہر نفع ونقصان کا مالک ہے، وہ میری معروضات اور احوال کا سننے اور جاننے والا ہے اور اس کے احسان وانعام سے میرا اور میرے ہر ہر عضو اور ہر ہر فعل کا وجود اور کمال ہے اور تمام نعمتیں نطفہ کی حالت سے لے کر آج تک اسی کی دی ہوئی ہیں وہی میرا اور میرے ماں باپ، دادوں اور تمام اسلاف کا پالنے والا اور پیدا کرنے والا ہے، اگر چہ میں اس کو دیکھ نہیں رہا ہوں مگر وہ مجھ کو ہر حال میں دیکھتا ہے تو ان شاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں مزہ اور خوف وخشیت پیدا ہو جائے گا، یہ خیال باندھنا کسی غیر واقعی چیز کا نہیں بلکہ واقعی چیز کا خیال اور دھیان ہے جو کہ ہماری غفلتوں کی وجہ سے غیر واقعی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے اس کی مشق بڑھایئے ان شاء اللہ کامیابی ہوگی (مکتوبات ص ۲۶ ج ۴)

لذیذ کھانا اور اچھا لباس استعمال کرنا

انسان کی طبعی بات ہے کہ لذیذ کھانا، خوبصورت کپڑا، اچھا معلوم ہو اور جو چیز ایسی نہ ہو اس سے نفرت ہو، خصوصاً جبکہ نفس امارہ غالب ہو، مگر دو چیزوں کا خیال رکھنا اس میں اصلاح پیدا کرتا ہے:

اول: یہ کہ حسب آیات: **یوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبا تکم فی حیا تکم الدنیا** یعنی کافروں کو کہا جائے گا جبکہ وہ دوزخ پر پیش کئے جائیں گے تم نے دنیاوی زندگی میں تمام لذتیں اٹھالیں اور ان سے نفع یاب ہو چکے اب تمہارے لئے ہمارے یہاں کچھ

حصہ ان لذائذ میں سے باقی نہیں رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب کوئی لذیذ چیز پیش کی جاتی تھی تو اس کو ہٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں نے استعمال کیا تو مجھ کو خوف ہے کہ کہیں قیامت میں مجھ سے یہ نہ فرمایا جائے کہ تم نے دنیا میں اپنی لذتیں پوری کر لیں اور اب تمہارے لئے یہاں کچھ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: واما من خاف مقام ربه الآية جو شخص ڈرا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور کھڑے ہونے سے اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا اس کیلئے جنت ٹھکانہ ہوگا۔

ان دونوں آیتوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے دھیان رکھنے کی ضرورت ہے اور لذائذ کے انہماک سے بالخصوص جبکہ ان میں کسی طرح ممانعت ہو بچنا چاہئے ہاں اگر بغیر شدت حرص جائز طریقہ پر حاصل ہو جائیں تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوم: آج ہندوستان میں ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں آدمی مسلسل کئی کئی روز فاقوں سے بسر کرتے ہیں۔ مسٹر پیٹر مین ۱۹۳۰ء میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں مسلسل فاقہ کرنے والوں کی تعداد چار کروڑ سے لے کر سات کروڑ انسانوں کی ہے۔ مسٹر اے اے برسل ۱۹۴۲ء میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں ۲۵ کروڑ سے زائد ایسے آدمیوں کی تعداد ہے جن کو پیدائش کے وقت سے مرنے کے وقت تک کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتا اور ہزاروں آدمی تدریجی فاقہ کشی اور بھوک سے مرتے رہتے ہیں۔

یہ واقعات تو آٹھ دس برس پہلے کے ہیں مگر آج جو حال اس گرانی اور قحط سے ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے کہ کس قدر آدمی بھوک کی وجہ سے بنگال، آسام، اڑیسہ وغیرہ میں مر گئے، یوپی میں بھی اس گرانی اور قلت اجناس وخوراک کی وجہ سے ہمارے ہی بھائی بند کن تکالیف میں مبتلا ہیں، یہ بھی خدا ہی کے بندے اور ہمارے ہی بھائی انسان ہیں کہ ان کو بدمزہ موٹے قسم کا اناج نصیب نہیں ہوتا ہے کہ وہ اسی سے پیٹ کی آگ بجھائیں۔ اس کو خیال میں رکھنا چاہئے اور جو کچھ موٹا جھوٹا کھانا کپڑا وغیرہ مل جائے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت سمجھ کر اس کا شکر ادا کرنا چاہئے

اوراس کی کوئی توہین وتذلیل اورانکاریت عمل میں نہ لانی چاہئے کیونکہ یہ امراللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، شکریہ ادا کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کرنصیب فرمائے: لئن شکرتم لازیدنکم اگرتم شکرگذاری کروگے تو میں ضرورتم پرنعمتوں میں زیادتی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑانا چاہئے کہ اے پروردگار تونے ہم کواس رزق میں اپنے کروڑوں بندوں سے اونچا بنایا ہے اورایسی نعمت عطا فرمائی ہے جوکہ اپنے کروڑوں کونہیں دی، میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اس کو عاجزی کی صورت میں اس طرح تناول کیجئے جس طرح غلام اپنے آقا کی دی ہوئی چیز کو نہایت ادب اورشکریہ سے لیتا ہے اورتناول کرتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی اگرپسند آیا کھالیا ورنہ چھوڑ دیا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوزانو بیٹھ کرکھایا کرتے تھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں اورفرماتے تھے: اکل کما یا کل العبد جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے کھایا کرتا ہے میں اسی طرح کھاتا ہوں۔

بدنظری کا علاج

کوئی کیسی بھی حسین اورخوب صورت ہستی ہو، منی جیسی ناپاک اوربدبودار چیز سے پیدا ہوئی ہے: الم نخلقکم من ماء مھین کیا ہم نے تم کوذلیل اورنجس پانی سے نہیں بنایا، حیض کے خون سے اس کا جسم بنایا گیا ہے ہروقت اس کے پیٹ میں نجاست موجود ہے، ہمیشہ پیشاب پاخانہ جیسی نجس اوربدبودار چیز اس سے نکلتی رہتی ہے، آنکھ سے چیپڑ، کان سے میل، ناک سے رینٹھ، منہ سے لعاب، دن رات نکلتا ہے، اس کوغور کیجئے اورخوبصورت انسان کی حقیقت کوسمجھئے، مرنے کے ساتھ ہی جسم پھولتا ہے، سڑتا ہے، پیپ پڑتی ہے، کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں، اس حقیقت کے ساتھ خودکواوردوسرے انسان کوغور کیجئے تونفس کی یہ شرارتیں محض حباب اورخیال خام معلوم ہونگی،

جو چمن میں گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبل زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

جب کوئی حسین صورت نظر پڑجائے تو معاً یہ تصور کیجئے کہ یہ ناپاک منی اورناپاک خون

حیض سے بنائی ہوئی مورت ہے اور بدن میں سیروں نجاست اس میں بھری ہوئی ہے، صبح وشام پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کی صورت میں نکلتی ہے اور مرنے کے بعد اس کی نہایت نفرت انگیز صورت ہونے والی ہے، اس واقعی بات میں ذرا غور اور دھیان برابر رکھئے ان شاء اللہ بے چینی وغیرہ جاتی رہے گی (مکتوبات ص۲۹ ج۴)

جواہر پارے

سوال: آپ فرماتے ہیں وہ کیا خاص عمل ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔

جواب: ذکر خداوندی، حدیث قدسی میں آیا ہے: انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ دوسری حدیث میں ہے: انا جلیس من ذکرنی اس بارہ میں اس معنی کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

سوال: آپ فرماتے ہیں کہ کس طرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے، دعا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: تضرع اور زاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر صرف کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے، اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔

سوال: وہ کیا عمل ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں کمی کر دیتا ہے؟

جواب: کفران نعمت۔

سوال: آپ فرماتے ہیں وہ کیا عمل ہیں جن سے مال و دولت زیادہ کر دیجاتی ہے؟

جواب: شکر گذاری اور تقویٰ۔

سوال: آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں بے عزت، ذلیل خوار، کنگال بنا دیتا ہے؟

جواب: تکبر وانانیت اور کمزوروں کو ستانا۔

سوال: آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے عزت، وقار بخش دیتا ہے؟

جواب: حقیقی تواضع وانکساری اور کمزوروں کی خبر گیری وہمدردی جو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہو۔

واللہ اعلم۔ ۲رمحرم ۱۳۷۰ھ (مکتوبات ص۱۹۱ ج۲)

پسندیدہ اورناپسندیدہ اخلاق واعمال

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد: قال اللہ سبحانہ وتعالٰی: تلک الدار الأخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین.

دنیاوآخرت کےاحوال میں فرق

محترم بھائیواور بزرگو! ہرملک کےاور ہرجگہ کے آرام وراحت کے ذریعے مختلف ہوتے ہیں، بعض ملکوں میں کوئی چیزآرام دینے والی ہے دوسری جگہ وہی چیز تکلیف دینے والی ہے، اگرکوئی شخص انگلستان میں یالندن میں ہواس کے واسطےگرم کپڑے، گرم سامان آرام دینے والا ہوگا، لیکن اگرگرم ملکوں میں، حبش میں ہو، سوڈان میں ہویاہمارے یہاں بمبئی وغیرہ میں ہو، اس کوانہی کپڑوں کی وجہ سے اس زمانہ میں نہایت ہی سخت تکلیف ہوگی، باریک کپڑا ہونا چاہئے اس سے آرام ہوگا۔اس طرح سے نظام کے متعلق اوردوسرے سامان کے متعلق ہرملک کی عادت ایک نہیں ہے، ایک چیزکسی ملک میں آرام کاباعث ہے دوسرے وطن میں تکلیف کا باعث ہوتی ہے، جس جگہ پرسخت گرمی پڑرہی ہے وہاں برف اورٹھنڈے شربت وغیرہ سے آرام پہنچتاہے، اگرشملہ میں یانینی تال میں جاؤدوسری جگہ جاؤ، اگرٹھنڈی چیزیں شربت، برف اورایسی چیزیں پیش کی جائیں تووہاں تکلیف ہوجائے گی لوگوں کواس سے آرام نہیں ہوگا،اسی

طرح حال ان دونوں جگہ کا ہے، یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے۔ ہمارے سامنے دو جگہ ہیں ایک دنیا اور ایک آخرت، دنیا یہ عالم ہے جس کے اندر ہم اور آپ موجود ہیں، اور آخرت وہ عالم ہے جو کہ ہماری موت کے بعد آنے والا ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، قیامت کے دن تک جو عالم ہے اس کو برزخ اور آخرت کہا جاتا ہے اور اس کے بعد کو بھی آخرت حشر نشر وغیرہ کا زمانہ ......مگر ہر جگہ کے آرام وراحت اور تکلیف اور اذیت کا سامان علیحدہ علیحدہ ہے۔ تو دنیا کے اندر اس شخص کو آرام ہے کہ جس کے پاس سونا چاندی بہت ہے، روپیہ پیسہ بہت ہے، جس کے پاس قوت زیادہ ہے، فوجیں زیادہ ہیں، مددکرنے والے بہت ہیں، جس کے پاس زمین زیادہ ہے، جس کے پاس کھانے پینے کا سامان زیادہ ہے، اناج بہت ہے وہ شخص نہایت آرام کے ساتھ ہے۔ جو شخص سب سے زیادہ مکار، سب سے زیادہ ظالم ہے، سب کو اپنے دباؤ میں رکھتا ہے، سب کو ڈراتا ہے وہ نہایت آرام سے رہتا ہے، مگر کیا آخرت کے عالم کیلئے جو آگے آنے والا ہے اس کا بھی یہی حال ہے؟......اللہ تعالیٰ اس بات کو اس آیت شریفہ میں تمام لوگوں کو بتلاتا ہے فرماتا ہے: تلک الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً فی الارض جسے آپ اور ہم آخرت سے تعبیر کرتے ہیں۔

آخرت کا معنی ہے دوسرا وہ عالم جو کہ موت کے بعد پیش آنے والا ہے اور سب کو پیش آنے والا ہے، کوئی شخص دنیا میں موجود ہو موت سے بچ نہیں سکتا: کل نفس ذائقة الموت قرآن شریف میں آیا ہے، ہر نفس، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، موت سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا، دنیا ہمیشگی کے واسطے بنائی نہیں گئی، یہاں کوئی آدمی جاندار ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے، یہ دنیا فنا ہونے والی ہے، کسی کیلئے فنا دو چار گھنٹوں میں آتا ہے، کسی کیلئے مہینوں میں، کسی کیلئے فنا سالوں میں آتا ہے، کسی کیلئے فنا قرنوں میں آئے گا غرضیکہ سب کیلئے فنا ہے ۔

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالة زائل

اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب فنا ہونے والا ہے۔ یہ دنیا خود ہمیشہ رہنے والی

نہیں ،اور جتنے جاندار ہیں انسان ہوں یا غیر انسان ہوں سب کو موت آنے والی ہے، قرآن نے ایک جگہ نہیں متعدد جگہ متنبہ کیا ہے کہ: کل نفس ذا ئقة الموت ہر انسان کیلئے، ہر جان کیلئے موت ہے، تو اس دنیا کے اندر حالت دوسری ہے، آخرت کے اندر حالت دوسری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ دوسرا گھر جس کو آخرت کہتے ہیں وہ ہم ان لوگوں کیلئے کریں گے جن لوگوں کو اس گھر میں راحت اور آرام ہوگا۔

تکبر اور فساد کی مذمت

اس گھر میں ہمیشگی ان کو نصیب ہوگی جو کہ دنیا کے اندر بڑائی اور اونچائی نہیں چاہتے، ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اونچا ثابت کریں، تکبر کرنے والوں کی آخرت میں کوئی جگہ نہیں ہے، وہ لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں، بڑائی اپنی پسند کرتے ہیں تا کہ سب کے اوپر ہو جائیں، فرماتے ہیں کہ ان کیلئے آخرت میں ہم کوئی جگہ نہیں دیں گے: تلک الدار الأخرة نجعلها للذین لایریدون علواً فی الارض ہم آخرت کی بھلائی، آخرت کی بادشاہت، آخرت کا آرام، آخرت کا کمال ان لوگوں کیلئے کریں گے جو دنیا میں فساد نہیں کرتے تھے: نجعلها للذین لایریدون علواً فی الارض ولا فساداً۔

یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسندیدہ ہیں بہت زیادہ ناراضی ہیں، ایک تکبر، بڑائی اور دوسری چیز فساد کرنا، لوگوں کو مارنا، تکلیف دینا، ان کی راحت وغیرہ کو فنا کرنا، لوگوں کو لڑوانا، یہ دو چیزیں فساد اور تکبر اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہیں۔

اللہ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں

اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کو حق ہے کہ وہ تکبر کرے، بلندی اور اونچائی اپنی ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں، اور اس کے سوا جو بھی ہیں سب کے سب محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے: یا یها الناس انتم الفقراء الی الله والله هو

الغنی الحمید فرمایا گیا ہے کہ اے آدمیو تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ سب سے بے پرواہ ہے، سب سے غنی اور نہایت اچھی صفات والا، کمال والا ہے۔ تو خدا ہی کو تکبر جچتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بڑائی کا حق نہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: الکبریاء ردائی فمن نازعنی فی ردائی کببتہ فی النار تکبر اور بڑائی میری چادر ہے، جیسے آدمی چادر اوڑھتا ہے اور اس میں تمام بدن کو ڈھکتا ہے خداوند کریم کی صفت تکبر کی، بڑائی، بلندی کی خاص اللہ کیلئے ہے، وہ خود بخود موجود ہے، اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، اس نے سب کو پیدا کیا، سب کے اندر ہر قسم کے کمالات جو ہیں اس نے اپنی طرف سے عطا فرمائے، کسی میں کوئی کمال اپنا نہیں ہے سب کے سب محتاج ہیں، اس واسطے کہا گیا: یایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ اللہ تعالیٰ کے تم سب کے سب محتاج ہو اور وہ سب سے بے پرواہ ہے۔

اب جو شخص اپنی بڑائی دکھلاتا ہے، تکبر کرتا ہے، لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، اپنے آپ کو سب سے اونچا سمجھتا ہے تو وہ خدائی دعویدار بنتا ہے، خدا کی چادر، خدا کی صفت اپنے لئے کھینچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص تکبر اور بڑائی کو اپنے لئے ثابت کرے گا وہ مجھ سے جھگڑا کرتا ہے، میری چادر کھینچتا ہے، میری چادر اپنے اوپر ڈالتا ہے، جو شخص ایسا کرے گا میں اس کو دوزخ میں اوندھا کر کے سر کے بل ڈال دوں گا: الکبریاء ردائی فمن نازعنی فی ردائی کبّبتہ فی جھنم۔

میرے بھائیو! تکبر اور بڑائی، تعلّی نہایت ہی اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نہایت ناخوش ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص میں سوائے اپنی ذات کے پایا جائے۔

تکبر کی حقیقت اور اس کا انجام

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تکبر کی بڑی برائی بیان فرماتے ہیں ہم لوگ اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ ہر شخص یہ

چاہتا ہے کہ میرا لباس اچھا ہو، میرا بدن اچھا ہو، میری چال اچھی ہو، تو کیا ہم سب کے سب خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے؟ تو فرمایا نہیں، تکبر یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رنگ اچھا بناؤ، اپنے کپڑے کو اچھا بناؤ، اپنے مکان کو اچھا بناؤ، تکبر یہ نہیں ہے، تکبر یہ ہے کہ: **غمط الناس وبطر الحق** کہ حق بات کو نہ ماننا، حق بات سے انکار، اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا، ذلیل دیکھنا، ذلیل کرنا، کوئی آدمی جس کو آپ اپنے سے ذلیل سمجھتے ہیں، اس کی حقارت کرتے ہیں، اس کی رسوائی کرتے ہیں، مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں، اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے، اپنے برابر چلنے نہیں دیتے آج بھی بعض جگہوں میں زمینداروں کو، مالداروں کو عادت ہوتی ہے کہ غریب آ گیا تو اس کو ایک ہی چارپائی پر بیٹھنے نہیں دیتے وہ کھڑا رہتا ہے...... تو حق کو نہ ماننا اور لوگوں کو ذلیل دیکھنا، ذلیل کرنا یہ تکبر کی بات ہے، اگر تم اچھا پہنتے ہو، اچھا کھاتے ہو، اچھا پیتے ہو تو یہ تکبر نہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یحشر المتکبرون یوم القیامة کامثال الذر** جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں، اپنے بڑائی کے زعم میں رہتے ہیں، دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں، حق بات کہی جائے وہ مانتے نہیں تو قیامت کے دن وہ سب سے چھوٹی چیونٹی جسے ذر کہتے ہیں ایسے ذلیل کر کے اٹھائے جائیں گے، چیونٹیاں بہت ہی قسم کی ہوتی ہیں ذر وہ چیونٹی ہے جو سب سے چھوٹی ہے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے تو جو متکبر لوگ تھے، اپنی بڑائی کے زعم میں دوسرے کی حقارت کرتے تھے وہ قبروں سے سب سے چھوٹی چیونٹی کی صورت میں اٹھائے جائیں گے، نہایت ذلیل ہوں گے۔

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہے جنت اس کے اوپر حرام کر دی ہے: **حرم اللہ الجنة علی من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر**، ذرہ برابر جس شخص کے اندر تکبر ہے اللہ تعالیٰ نے جنت اس پر حرام کر دی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑائی ناپسند ہے اور تواضع، فروتنی، اپنے آپ کو نیچا کرنا،

اپنے آپ کو نیچا سمجھنا، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت پسندیدہ ہے۔

اولیاء اللہ کی شان

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے: **وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً** رحمٰن کے بندے خدا کی رحمت کے مستحق ہونے والے بندے وہ ہیں جو زمین پر سر جھکا کر چلتے ہیں۔

متکبر لوگ اپنا سر اونچا کرتے ہیں، چلتے ہیں تو گردن اٹھا کر چلتے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے، رحمٰن کے بندے نہیں ہیں، رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو کہ سر نیچا کر کے چلیں: **یمشون علی الارض ھونا**، **ھون** کہتے ہیں نیچا کرنے، سر جھکا کر چلنے کو۔ **واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً** اور اگر نادان لوگ ان سے الجھتے ہیں، کوئی گالی دیتا ہے، مارتا ہے تو جواب پتھر کا پتھر سے طمانچے کا طمانچے سے لکڑی کا لکڑی سے نہیں دیتے بلکہ اس نے گالی دی یہ کہتے ہیں کہ **السلام علیکم** خدا تم کو سلامت رکھے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مظہر بناتا ہے: **وعباد الرحمٰن** یہ رحمٰن کے بندے ہیں۔ تو بھائی اللہ تعالیٰ تکبر، بڑائی اور اونچائی کو پسند نہیں کرتا۔

حقیقت تواضع اور اس کا نتیجہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من تواضع للہ رفعہ اللہ** اکڑنا، اپنی بڑائی کو ظاہر کرنا انتہائی بے عقلی ہے، اور جو دوسروں کیلئے فروتنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تواضع کے اندر ہماری بے عزتی ہے، اپنے آپ کو اونچا رہنا چاہئے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو نیچا کرے گا، دنیا کے لالچ کی وجہ سے نہیں فقط اس وجہ سے اپنے آپ کو نیچا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے اونچا ہے، وہ کسی کا متکبر بننا نہیں چاہتا، اس وجہ سے اپنے آپ کو نیچا کرے گا، تو جو شخص ایسا کرتا ہے دنیا میں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بے عزتی ہو جائے گی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں کہ جوشخص اپنی بڑائی کرتا ہے اللہ نے اپنے اوپر لازم کردیا ہے کہ اسے ذلیل کردے، فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سر اٹھایا تو: حق علی اللہ ان یضعه (او کما قال علیه الصلوٰة والسلام) اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا کہ متکبر کو ذلیل کرے گا۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی بڑی تیز رو سب اونٹوں کو عاجز کر جاتی، ایک بدوی آیا وہ ایک اونٹ کے بچے پر سوار تھا اور اس نے آکر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی غالباً عضباء جس کا نام تھا وہ سب سے آگے نکل جاتی ہے تو میں اپنے اونٹ سے اس کی چال دیکھوں گا، چنانچہ بدوی کا اونٹ مقدم ہوا تو صحابہ کرامؓ کو رنج ہوا اس کا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے رنج کو ظاہر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جو شخص اپنی بڑائی، اپنی اونچائی کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کردیا کہ اس کو ذلیل کرے۔

تو بہر حال میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے، سب کا پیدا کرنے والا ہے، سب کو کمال دینے والا ہے، سب کو ہر قسم کی راحت وآرام دینے والا ہے، وہ سب سے بڑا ہے، وہ خود متکبر ہے، اس کے ناموں میں متکبر بھی ہے، وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ کوئی آدمی تکبر کرے، آدمی ہو، یا کوئی مخلوق ہو، تکبر نہایت زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے، تکبر کسی وجہ سے بھی ہو مبغوض ہے۔

میرے بھائیو! ہم اس کے اندر بہت زیادہ مبتلا ہیں، ہم غریبوں کو، کمزوروں کو، بچاروں کو، یتیموں کو اور دوسرے لوگوں کو اپنے برابر نہیں بلکہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ذلیل سمجھتے ہیں، اپنی بڑائی کا خیال کرتے رہتے ہیں چاہے بڑائی مال کی وجہ سے ہو، یا قوت کی وجہ سے کہ نوجوانی کا زمانہ ہے تم قوی ہو، یا نسب کی وجہ سے ہو کہ تم بڑی نسل کے ہو تمہارے باپ دادا بڑے لوگ تھے، یا علم کی وجہ سے ہو کہ کچھ پڑھنا لکھنا جانتے ہو، یا کسی تجارت کی وجہ سے بڑائی ہو، کسی بھی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا اس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اور نہایت ذلت کا معاملہ اس سے کرنے کا اعلان کرتا ہے: تلک الدار الآخرة

نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض یہ آخرت کی بھلائیاں، راحتیں ان لوگوں کو پہنچائیں گے جو زمین میں اپنی برتری اور اونچائی کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ ارادہ کرنے سے بھی منع کیا، یہ نہیں کہ اونچائی کر بیٹھے بلکہ اگر ارادہ بھی کرتا ہے بلندی کا کہ میں بڑا ہوں، اونچائی کی کوشش کرتا ہے تو وہ تو ہے ہی اللہ کی نظر میں مبغوض، آخرت کی تمام بھلائیاں ان لوگوں کیلئے ہیں جو اپنے آپ کو نیچا دکھلائیں، سب کے ساتھ تواضع، فروتنی سے پیش آئیں اور خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور بڑائی اپنی صفت سمجھتا ہے اور حقیقۃً اس کی صفت ہے، وہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اپنی بڑائی کے اندر اس کا شریک بنے یا دعویٰ بڑائی کا کرے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعلان کیا خبر دار کوئی شخص اس دنیا کے اندر تعلّی، تکبر، لوگوں کو ذلیل کرنا، اپنے آپ کو اونچا دکھانا عمل میں نہ لائے اگر کوئی کرے گا تو ہم آخرت میں اس کو نہایت ذلیل کریں گے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کریں گے۔

اسی طرح دوسری چیز جو اللہ تعالیٰ کو نہایت مبغوض ہے وہ لوگوں میں فساد کرانا ہے، لوگوں میں لڑائی کروانا، مال کو، عزت کو، راحت کو اٹھانا۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کو چین ہی جب آتا ہے کہ جب لوگوں میں فساد کرا دیا، لڑوا دیا، گالی گلوچ کرایا، کسی کا نقصان کیا۔

والدین کے حقوق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑا گناہ کفر کرنا ہے، خدا کا کسی کو شریک بنانا ہے اور عقوق والدین۔ والدین کی نافرمانی بھی گناہ ہے، کبائر میں سے ہے۔ والدین کا اللہ تعالیٰ نے بڑا حق ذکر کیا ہے، اپنے حق کے بعد اپنے رسول کے حق کا ذکر کرنے کے بعد ماں باپ کا حق ذکر فرمایا ہے اور بہت تاکید کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ نہیں کئی جگہ قرآن میں واضح فرمایا ہے، ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا اور ان کی ہر قسم کی رضا جوئی کرنے کا حکم فرمایا ہے: اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما۔

نہایت بدنصیب تین شخص

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص نہایت زیادہ بدنصیب ہیں ایک وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے ایک کو پایا اور ان کی دعاؤں کو نہ پایا ان کی فرمانبرداری اسے جنت میں نہ لے جا سکی وہ نہایت زیادہ بدنصیب ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنا ان کی تابعداری کرنا خداوند کریم کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے۔

ماہ رمضان کی ناقدری کرنا

دوسرا شخص وہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ رمضان کا مہینہ نہایت برکت کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہایت زیادہ ہوتی ہے، اب رات دن اللہ تعالیٰ بیشمار لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے جتنے تمام رمضان میں آزاد کئے تھے، رمضان کے دن میں روزے رکھنا، رات کو جاگنا، قرآن کا پڑھنا، تراویح کا پڑھنا، خدا کی عبادت کرنا، یہ باعث ہے جنت کے حاصل کرنے کا۔ تو جو لوگ رمضان میں عبادت کرتے ہیں، اللہ کے حکم پر چلتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، راتوں کو تہجد، تراویح ادا کرتے ہیں وہ اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ جنت کے دروازے کھول دو اور دوزخ کے دروازے کو بند کر دو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے، اعلان کیا جاتا ہے: یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر اوخیر چاہنے والے آگے بڑھ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کر، اور برائی کرنے والوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم رک جاؤ۔

بہت سے خدا کے بندے ہر رات کو رمضان میں آزاد کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ رمضان کے اندر بڑی وسعت کے ساتھ کھول دیا جاتا ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمیں یاد ہے کہ امیروں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے، خوشی کا دن آتا ہے، یا تعلیم کی ابتدا ہوتی ہے تو خزانے کھول دیتا ہے اور تقسیم کیا جاتا ہے، غریبوں کو، بیواؤں کو، یتیموں کو سب کو دیا جاتا

ہے، دنیا کے بادشاہوں ،نوابوں کے ہاں ،راجاؤں کے ہاں خوشی کے دن اس طرح خزانے کھولے جائیں تو اللہ کے ہاں رمضان کے ایام میں خصوصاً اخیر عشرہ میں شب قدر ایسا خزانہ کھل جاتا ہے جس کی حدونہایت نہیں ، بندے کے اوپر اس کی رحمت وشفقت اترتی ہے مگر وہی شخص اس کا مستحق ہوگا جو دربار میں اللہ تعالیٰ کے حاضر ہوتا ہے ۔اگر دنیا کے اندر نوابوں ، بادشاہوں کے خزانے تقسیم ہونے لگیں تو جو مانگنے کے واسطے، لینے کے واسطے جائے گا اس کو ملے گا، جو گھر میں بیٹھا ہو تو اس کی پرواہ نہیں کرتے ، بادشاہ کے دروازے پر جو حاضر نہیں ہوتا اس کو کچھ نہیں ملتا، یہی حال اس شخص کا ہے جو خدا کی عبادت کے اندر کوتاہی کرتا ہے،رمضان کا مہینہ ہے پان کھاتے ہوئے، چائے پیتے ہوئے ،ہوٹلوں کے اندر جا کر روزہ کھاتے ہیں ، خدا کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں،ان لوگوں کو رحمت کا استحقاق نہیں ۔اس واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اور پھر جنت میں داخل نہ ہو وہ شخص انتہائی درجے کا بدنصیب ہے۔

درود شریف کی اہمیت وفضیلت

تیسرا وہ شخص کہ جس کے سامنے جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا،اسم گرامی آپ کا ذکر کیا گیا مگر اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میرا نام سنو مجھ پر درود بھیجا کرو، یہ آپ کا حکم نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں: البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا وہ نہایت درجہ کا بخیل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یہ حکم نازل کیا گیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جس شخص نے تم پر ایک دفعہ درود بھیجا میں دس رحمتیں اس پر اتاروں گا۔تو اگر کسی شخص کے سامنے آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا گیا اور اس نے درود نہ پڑھا تو فرماتے ہیں کہ وہ انتہائی درجے کا بدنصیب ہے۔

احترام والدین اور اطاعت کی تاکید

تو بھائیو! تذکرہ تو اس کا ہو رہا ہے کہ والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی ہے، یہ چیز ہمارے زمانے میں بہت کم ہو گئی، ہمارے نوجوانوں میں، مردوں میں، عورتوں میں یہ وبا زیادہ عام ہوتی جارہی ہے کہ ماں باپ کا حکم نہیں مانتے، ان کی خدمت نہیں کرتے، ان کی اطاعت نہیں کرتے، ان کو خوش نہیں کرتے برابر ستاتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں، جواب دیتے ہیں، طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں، تو جناب باری سبحانہ وتعالیٰ بڑی سخت تاکید کرتا ہے کہ: امنا یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف اگر دونوں ماں باپ یا ایک ان میں سے بوڑھے ہو جائیں تمہیں نافرمانی سے نکالنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ایسی صورت میں "اف" کا کلمہ بھی ان کے سامنے مت کہو۔"اف" کا کلمہ عربی کلمہ ہے جب آدمی کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے، اکتا جاتا ہے تو کہتا ہے"اف"۔ تو ماں باپ کے حکم کا جواب دینا، ان کی تحقیر کرنا تو در کنار اگر وہ کسی بات کو کہیں تو اپنے شانوں کو بھی اونچا مت کرو، اپنے گھبرانے کو بھی مت ظاہر کرو: ولا تقل لھما اف ولا تنھر ھما کبھی ماں باپ کو نہ ٹوکنا، ان کی بات کا سختی سے جواب نہ دینا: وقل لھما قولا کریما ان کے ساتھ نہایت عزت اور شرافت کے ساتھ نرمی کیا کرو۔

تو بھائی! یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا اس لئے کہ جس مقصد کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اس سے دور ہو جاؤں گا درمیان میں اس کا تذکرہ آیا۔

میں نے یہ تین چیزیں آپ کے سامنے عرض کیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے ایک وہ شخص جس نے اپنے دونوں ماں باپ کو یا ایک کو زندہ پایا اور ان کی خدمت گزاری نہ کی، ان کی دعاؤں، ان کی شفقتوں کی وجہ سے یہ جنت میں نہ گیا، کہ ماں باپ کی دعا اولاد کے واسطے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس طرح نفع دیتی ہے ہر قسم کی مصیبتوں کے دور کرنے کے واسطے، ہر قسم کی ترقی کے واسطے، جیسے درختوں کے سوکھے پودوں کیلئے پانی باعث زندگی ہے، اسی طرح ماں باپ کی

دعائیں اولاد کے واسطے بہت زیادہ مفید ہیں۔اولاد اپنے ناز اور غرور میں ماں باپ کو پوچھتی نہیں اور نافرمانی کرتی ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے بہت منع کرتے ہیں، ایک جگہ نہیں بہت جگہ زیادہ تاکید کرتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہوان کی خدمت کروان کوخوش رکھو۔

والدین اوراولاد کی خدمت میں فرق

ایک شخص نے آکرآقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ میراباپ نہایت بوڑھااور کمزور ہے میں اس کا کھانا، پینا، پاخانہ کرنا، غرض ہر قسم کی خدمت انجام دے رہاہوں، کیامیں ماں باپ کے حق سے سبکدوش ہوسکوں گا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کامیرے اوپر حق ہے میں جب ان کی خدمت کررہاہوں تو میں اس سے سبکدوش ہوسکوں گا؟ توآقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایانہیں، وہ تیری خدمت تیرے بچپن کے زمانے میں اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پیناہر قسم کی کرتے تھےاور کرتے ہوئے ہرایک دعا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے بچے کی عمر زیادہ ہواس کی عمر کو بڑھا، اور تو خدمت کرتا ہے، ماں باپ کوکھلاتا ہے، پلاتا ہے، اٹھاتا ہے، مگر تیری نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ جلدی سے کردے، اللہ تعالیٰ خیریت اور سلامتی کے ساتھ میرے ماں باپ کواٹھالے، تو تیری خدمت میں اور ماں باپ کی خدمت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، توان کی موت چاہتاہے وہ تیری حیات چاہتے ہیں۔ تو میرے بھائیو! جس قدر بھی ماں باپ کی قدر کرسکو(توکمی مت کرو)ان کی خوشنودی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا حق

تیسری چیز میں نے عرض کیا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر اللہ تعالیٰ کے بعد کسی کا احسان اتنانہیں ہے جتنا کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہم تمام مسلمانوں پر ہے، اگر وقت ہوتا تو میں اس کی تفصیل کرتا۔بہرحال آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام خداوندکریم کی سب سے بڑی نعمت ہیں ہرامت کواس کانبی اللہ کی رحمت دیاگیاہے مگرہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بڑی نعمت

کہ ہم اس کا شکریہ ادا کرتے کرتے سالہا سال اس میں خرچ کریں نہیں ادا کر سکتے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور شفاعت کبریٰ

میں ایک بات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسان کی، اور چیزیں تو وقت وقت پر بتائی جاتی ہیں، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہر ایک پیغمبر کو ایک دعا کا اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ جس کے اندر اسے استعمال کرنے کا اختیار ہے (قیامت کے دن ہر نبی کے پاس لوگ جا کر التجاء کریں گے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب شروع فرمایا جائے مگر ہر نبی معذرت کریں گے اور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اتنے غصے میں ہے کہ کبھی اتنا غصہ نہیں ہوا، آج ہماری ہمت نہیں پڑتی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں، حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے سب کنی کاٹ دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نہیں کر سکتے۔

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جائیں گے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور فرماویں گے: انــا لهــا انــا لهــا اور سفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ شفاعت کبریٰ قبول فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نعمت عظمیٰ ہے

تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عظیم الشان نعمت خداوندی ہیں کہ کوئی نعمت اس نعمت کے برابر نہیں، تو ہمارا فرض ہے کہ وہ پیغمبر جس کے ذریعہ ہم کو اسلام، ہم کو ایمان، ہم کو دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہوئی اس کا جب بھی نام سنیں تو تعظیم کے ساتھ ان کیلئے درود پڑھیں، ان کیلئے دعا کریں صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ شخص نہایت بدبخت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا اور درود شریف نہ پڑھا، اسی طرح رمضان کے مہینے کا حال ہے۔

فساد اور جھگڑے کی مذمت

تو بھائی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے عقوق والدین کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ: افساد ذات البین هی الحالقة لا اقول انها تحلق الشعر بل انها تحلق الدین (او کما قال علیه السلام) فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان جھگڑا کرنا مونڈ دیتا ہے سر کو نہیں بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے، دین سے بے دین کر دیتا ہے۔

لوگوں کے درمیان میں بعض لوگوں کو اس میں چین پڑتا ہے کہ آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو بے چین ہو جائیں کہ لڑائی کرا دیں، اِدھر گئے اُدھر گئے جھوٹی سچی باتیں لگاتے ہیں، اور اس وجہ سے دونوں میں لڑائی کرا دیتے ہیں اس واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو چغل خوری کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا: لایدخل الجنة نمام وفی روایة اخری قتات۔ لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس جو شخص دو آدمیوں میں لڑائی ہو اور جا کر جھوٹ سے ان کے درمیان صلح کرا دے، جھوٹ بول کر ہر ایک کے پاس جا کر کہا کہ دیکھو وہ تمہاری تعریف کرتا تھا اور پشیمانی ظاہر کرتا تھا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ادھر اس سے بھی کہا اور دوسرے سے بھی کہا، جو غصہ جو صدمہ تھا وہ نکل گیا، ایسے جھوٹ بولنے کی وجہ سے صلح ہوگئی، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو وہ شخص اللہ کے ہاں جھوٹا نہیں ہے: لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس.

برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز پسند ہے کہ لوگ مل جل کر رہیں، لڑائی جھگڑا نہ کریں، لڑائی جھگڑا نہایت مبغوض ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک، محبت اور پریم سے رہنا اور میل جول سے رہنا ایک دوسرے کی تعدی کو معاف کرنا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں کسی نے گالی دی اس کو معاف کرو: واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما جاہل آدمی کچھ برا بھلا کہے تو سلام کر کے چلے جاؤ، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی عادت تھی۔ اور قرآن نے کہا کہ: ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع

بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم برائی کا بدلہ برائی سے مت دو بھلائی سے دو، کسی نے برا کہا اس نے مجھے گالی دی تو میں بھی گالی دوں، اس نے مجھے گالی دی تو میں دس گالیاں دوں، ایک چپت مارے تو میں دس چپت ماروں، وہ ایک دفعہ مارے تو میں اس کو قتل کر دوں تم یہ سمجھتے ہو، مگر یہ بالکل غلط ہے قرآن فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں: ادفع بالتی ھی احسن لوگوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے اس کا جواب بھلائی سے دو، اگر تم بھلائی سے جواب دو گے، وہ پتھر مارے گا تم پھول برساؤ گے، وہ گالی دے گا تم تعریف کرو گے، وہ تم کو نقصان پہنچائے گا تم اسے برائی کا بدلہ بھلائی سے دو گے، تو دشمن تمہارا سچا دوست ہو جائے گا۔ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی عادت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔

سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے وہ مجھ کو جانتے نہیں۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے آ کر شکایت کی کہ ہمارے دشمن کافروں نے اس طرح ہم کو ستایا ہے بددعا کیجئے کہ وہ ہلاک ہو جائیں، تو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں بددعا کیلئے نہیں بھیجا گیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ان لوگوں کیلئے تو قوموں کی قومیں، قبیلوں کے قبیلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے مسلمان ہوئے۔

تو بھائی میں بہت دور چلا گیا، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ ہیں ایک تکبر اور ایک فساد۔

فرمایا: تلک الدار الاخرۃ الآیۃ وہ آخرت کا عالم ان لوگوں کیلئے کرتے ہیں جو نہ تکبر اور تعلّی چاہتے ہیں نہ لوگوں کے اندر فساد کرانا چاہتے ہیں، جو ایسا نہیں کرتے اور خدا سے ڈرتے رہتے ہیں، خدا کے غضب سے بچنا چاہتے ہیں، خدا کی پکڑ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ان کیلئے آخرت کی بھلائیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لامتناہی احسانات

میرے بھائیو! ان بری خصلتوں کو چھوڑ واور اللہ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو انسان بنایا وہ چاہتا تو گدھا، کتا، بلی، چوہا بنا دیتا مگر اس نے ہمارے اور تمہارے روح پر فضل کیا ہم کو انسان بنایا جو کہ اشرف المخلوقات ہے، تمام مخلوقات میں سب سے بلند رہنے والی مخلوق انسان ہے، یہ خدا کا کتنا بہت بڑا احسان ہے، اور پھر ایسا انسان بنایا کہ ماں باپ کے پیٹ میں اس نے آنکھیں دیں، کان دیا، زبان دی، ہاتھ دیا، دل دیا، دماغ دیا، سر سے پیر تک جتنے جوڑ بند ہیں اس نے وہ سب کے سب ماں کے پیٹ میں دیئے، ہم نے مانگا بھی نہیں تھا نہ ہم میں مانگنے کی طاقت تھی خدا نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو پیدا کیا، وہ چاہتا تو اندھا پیدا کرتا، لولا پیدا کرتا، لنگڑا پیدا کرتا، گونگا بہرا پیدا کرتا، دیوانہ پیدا کرتا مگر اس نے ہم کو سب چیزیں دیں کتنا بڑا احسان ہے، ذرا سوچو تو ایک ذرا سا فرق آنکھوں میں پڑ جاتا ہے، ہاتھ میں پڑ جاتا ہے تو کیسی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔انسان کو تو چاہئے کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کرے، اور ہر نعمت اتنی ہے کہ کروڑوں روپیہ جب خرچ کیا جائے تو نہیں حاصل ہو سکتی، جیسی آنکھ اللہ تعالیٰ نے دی ہے تمام دنیا کے ڈاکٹروں، حکیموں، فلسفیوں کو جمع کر لو نہ کوئی ویسی آنکھ بنا سکتا ہے، نہ کان بنا سکتا ہے، نہ زبان، نہ ہاتھ پیر دے سکتا ہے۔تم ڈاکٹر صاحب، حکیم صاحب سے ذرا علاج کے بدلہ میں دن رات اس کا راگ گاتے ہو، ان کی تعظیم کرتے ہو، اور خدا نے کتنی نعمتیں دیں سر سے پیر تک دیکھ لو اور کس وقت دیں، ماں کے پیٹ میں، ماں کی گود میں دی ہیں، لڑکپن میں دی ہیں، جوانی میں دی ہیں، آج بڑھاپے میں دے رہا ہے، ذرا غور کرو کس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر برس رہی ہیں اور دیکھو کہ ہم کتنے بڑے نمک حرام ہیں، وہ اگر ہاتھ نہ دیتا تو ہم کیا کھانا کھا سکتے، اگر زبان نہ دیتا تو کچھ بول سکتے، اگر تمہارے معدہ میں صحت نہ دیتا تو کیا تم کچھ کھانا ہضم کر سکتے؟ ہر وقت میں ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار برس رہی ہیں: وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اگر تم

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننے کیلئے بیٹھو نہیں گن سکتے، کس قدر نمک حرامی کی بات ہے کہ ہم دن رات کے چوبیس گھنٹے کے اندر کبھی اللہ تعالیٰ کو بھول کر کے یاد نہیں کرتے، عبادت کرنا تو درکنار زبان سے کہنا کہ اللہ تیرا شکر ہے، اس کی آنکھیں دی ہوئی ہیں، زبان موجود ہے، نہ فالج ہے نہ لقوہ ہے، زبان صحیح وسالم ہے مگر ان کی زبان سے نہیں نکلتا کہ: الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور اللہ تیرا شکر ہے کہ تم نے موت کے بعد مجھے زندہ کردیا، سونا اور مرنا دونوں برابر ہیں، تم سورہے تھے تو تم کو کچھ خبر نہیں تھی، تمہارے پاس سانپ آتا ہے، بچھو آتا ہے، شیر آتا ہے تم نہیں جانتے جبکہ سوئے رہتے ہو تو مردہ کی طرح تھے، خداوند کریم اس کے بعد تم کو اٹھاتا ہے تو تم کو شکر ادا کرنا چاہئے۔

داڑھی منڈانا خلاف سنت ہے

مگر ہماری بیوقوفی کہ بجائے شکر کے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا کفران کرتے ہیں، اٹھتے ہی جاکر داڑھی منڈاتے ہیں، استرا لگا کر داڑھی منڈانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں: خالفوا المشرکین واعفوا اللحی وقصوا الشوارب اے مسلمانوں مشرکین کی صورت مت بناؤ داڑھیاں بڑھاؤ مونچھوں کو کتاؤ، اور فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، مگر تم صبح ہی صبح داڑھی منڈاتے ہو، نماز کا فکر نہیں، روزے کا فکر نہیں، کبھی کسی سکھ کو داڑھی منڈاتے نہیں دیکھا ہوگا کافر ہے مگر اپنے گرو کا اتنا تابعدار ہے، اور ہم مسلمان ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے نفرت کرتے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ ہر بات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتے۔

مدار نجات فقط اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے

نجات فقط اس میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو، قرآن کہتا ہے: قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے

کہہ دو کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا، پالا ہے، تم کو رزق دیا ہے اگر اس سے محبت ہے تو فقط ایک ہی طریقہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلو، قدم بقدم چلو، جس طرح سے وہ کہیں ویسا کرو، ویسی صورت اور سیرت بناؤ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نہایت محبوب بندے ہیں، اپنے معشوق کی، اپنے محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے، تم اگر اس کی صورت بناؤ گے، اس کی سیرت بناؤ گے، تو یحببکم اللہ خدا تمہارا عاشق ہو جائے گا۔ بھائی کوشش کرو، غفلت کو چھوڑو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلو، ان کے حکم پر چلو۔

ذکر اللہ کی فضیلت

اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ بنو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر کی وجہ سے انسان کے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں، خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو تاکہ ہمارا خاتمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ہو: من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کا نام لیتے ہوئے ہماری دنیا سے رخصتی ہو، اور جو ایسا کریگا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ما من شیٔ انجی من عذاب اللہ ذکر اللہ (یا) مثل ذکر اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے ایسی نجات دینے والی نہیں جس طرح کہ اللہ کا ذکر نجات دینے والا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نوٹ: اس کے بعد کسی نے اعلان کیا کہ حضرت کے ہاتھ میں درد ہے اس لئے مصافحہ کے دوران گڑبڑ نہ کریں بلکہ آہستگی اور ترتیب سے مصافحہ کرو۔

دوسرا یہ کہ کل صبح ۷ بجکر ۲ منٹ پر حضرت قبلہ کی واپسی ہے اس لئے اسٹیشن پر ملاقات کی کوشش کریں، تو حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا:

مصافحہ کی ایک غلط رسم کی اصلاح

مصافحہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا ملاقات کے وقت، جب ایک دوسرے سے کسی مدت کے بعد ملاقات کرے تو اسی وقت مصافحہ بھی کرے، ہمارے ہاں غلط طریقہ یہ رائج ہوا ہے کہ جب وعظ ہو تو وعظ ہونے کے بعد واعظ سے مصافحہ بھی ضروری ہے، تو واعظ کے ساتھ مصافحہ کرنا اور اسے ضروری سمجھنا یہ سنت نہیں ہے۔

بہت سے لوگ جو ساتھ رہتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں یہ غلطی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وعظ کے بعد، نماز کے بعد، کسی خطبے کے بعد مصافحہ کو مسنون قرار نہیں دیا، اور مصافحہ کرنا کس قدر مشکل چیز ہے، تکالیف کا باعث ہے، ہاں ایک شخص دور سے آیا تو اور بات ہے۔ اس واسطے مصافحے کی جدوجہد کرنا غیر مناسب ہے۔

غائبانہ دعا کی اہمیت

اب آپ حضرات کو یہ کہا گیا کہ میں کل کو یہاں سے روانہ ہوں گا تو لوگ پہنچیں، یہ بھی غلط چیز ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام بھائی میرے واسطے دعا کریں، میں آپ کے واسطے دعا کروں اور دور کی دعا نزدیک سے زیادہ مقبول ہے، کسی کے سامنے اس کے واسطے دعا کرنا اس قدر مقبولیت کا باعث نہیں کہ آپ کا بھائی آپ کے سامنے نہیں ہے اور آپ دعا کریں کہ اللہ اس کو سلامتی عطا فرمائے، اس کے مقاصد پورے کردے، اس کی فلاں حاجت کو پورا کردے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دعا اللہ کے ہاں بہت مقبول ہوتی ہے۔ بہر حال میرے بھائیو! کوئی صاحب اس کا قصد نہ فرماوے اسٹیشن پر تشریف لانے کا، میں آپ بھائیوں کا ایک معمولی درجے کا خادم ہوں بحیثیت خدمت میں نے دو چار جملے آپ کے سامنے عرض کیے۔

ذکر اللہ کی تاکید

آخری چیز یہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ بنو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے،

جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو۔ اللہ کا ذکر تمام تکالیف کو، دنیا آخرت کی تکالیف کو دور کرنے والا ہے۔ میرے بھائیو! کوشش کرو جس قدر ممکن ہو، ہماری زبان عادی ہو جائے اللہ کا ذکر کرنے کی، ہر وقت اللہ کا نام ہماری زبان سے نکلتا رہے، مرنا اور اس دنیا سے جانا ہے۔

دعاء خاتمہ

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنا رحم کرے یا ارحم الراحمین، یا ارحم الراحمین، اے پروردگار اپنے فضل وکرم سے ہم تمام حاضرین کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا تابعدار بنادے، اے پروردگار اپنے فضل وکرم سے ہم تمام حاضرین کو دنیا اور آخرت کی تکالیف سے اور مصیبتوں سے بچا، ہمارے ملک میں امن وامان کو پھیلا دے، بیماریوں کو دور کردے، غریبوں کی غربت کو دور کردے، اے پروردگار ہم تمام حاضرین کی مرادوں کو پورا فرما، ہم تمام حاضرین کی مصیبتوں کو دور فرما، ہمارا خاتمہ ایمان پر کردے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ہمیں نصیب فرما، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم تمام حاضرین کو مالا مال کر، اور اے پروردگار اپنے فضل وکرم سے ہم تمام مسلمانوں کو جنت میں داخل کردے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ، واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين ، برحمتك يا ارحم الراحمين ، وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين .

(ماخوذ از خطبات اکابر)

افادات فقہیہ وتحقیقات علمیہ

مسئلہ وجود باری تعالیٰ

آپ کے دوست کے سوالات کے متعلق جوابات عرض کرنے سے پہلے دو تین باتیں بطور تمہید پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

تمہید اول

سلسلۂ اوصاف میں دو قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں، بعض وہ ہیں جو کہ اپنے موصوف میں عارضی ہیں اور بعض وہ ہیں جو کہ ذاتی اور اصلی ہیں، عارضی وہ ہیں کہ جو کبھی موصوف میں پائے جاتے ہیں اور کبھی جدا ہو جاتے ہیں، عالم میں روشنی کبھی پائی جاتی ہے جیسے دن میں اور کبھی جدا ہو جاتی ہے جیسے رات میں یہی حال چیزوں کی گرمی، سردی وغیرہ کا ہے، کبھی کوئی لوہا، پتھر، برتن وغیرہ سرد ہوتا ہے، کبھی گرم ہو جاتا ہے۔ ذاتی وہ اوصاف ہیں جو کہ کبھی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتے جیسے آفتاب کی روشنی اور آگ کی گرمی۔

فلسفہ کا مشہور و مسلم مسئلہ ہے کہ عرضی اوصاف ہمیشہ ذاتی اوصاف والے سے آتے ہیں،

عالم میں روشنی آفتاب سے آتی ہے، لوہے پتھر، برتن وغیرہ میں گرمی آگ سے آتی ہے، ذاتی اوصاف کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنے موصوف کے خانہ زاد اور اصلی ہوتے ہیں، ان کے حاصل ہونے میں کسی دوسرے موصوف کا محتاج نہیں ہوتا، یہ سلسلہ اوصاف کا موصوف ذاتی پر ختم ہوتا ہے، اس بناء پر جیسے روشنی کا سوال آفتاب پر اور گرمی کا سوال آگ پر ختم ہو جاتا ہے تمام اوصاف کا سوال بالذات پر ختم ہو جاتا ہے، ہر چیز مکانی ہے مکان کی محتاج ہے مگر مکان کیلئے مکان کی ضرورت نہیں وہ مکانیت کے ساتھ موصوف بالذات ہے، اسی طرح ہر چیز زمانی اور زمانہ کی محتاج ہے، مگر زمانہ کسی دوسرے زمانہ کا محتاج نہیں ہے، زمانیت اس کی اصلی اور ذاتی ہے، خلاصہ یہ کہ جتنے اوصاف عارضہ ہیں وہ اس موصوف سے حاصل ہوتے ہیں جس کا یہ وصف اصلی اور ذاتی ہوتا ہے۔

اسی قاعدہ کلیہ اور عقلیہ پر وصف وجود بھی ہے، دنیا کی ہر چیز کو ہم دیکھتے بھی ہیں کہ وصف وجود اس میں عارضی ہے، کبھی پایا جاتا ہے، کبھی جدا ہو جاتا ہے، عالم کی عام چیزوں میں وصف وجود کا آنا جانا تو ہم ہمیشہ خود مشاہدہ کرتے ہیں، ہاں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے وجود کے جانے کا ہم نے اپنی کم عمری کی وجہ سے مشاہدہ نہیں کیا، جیسے زمین، سورج، ستارہ وغیرہ مگر عقل اور فلسفہ گواہی دیتے ہیں کہ ان چیزوں میں بھی وجود عارضی ہے، ذاتی نہیں کیونکہ یہ چیزیں عارضی اوصاف سے خالی نہیں رہتیں، اور فلسفہ میں یہ بات دلائل سے تسلیم کر لی گئی ہے کہ جو چیز اوصاف حادثہ اور پیش آنے والے اوصاف سے خالی نہ ہو وہ خود بھی حادث ہوگی وجود ان کا عارضی ہوگا۔

بہر حال وجود جو کہ تمام چیزوں کا اور تمام عالم کا عارضی ہے حسب قاعدہ سابقہ کسی ایسے موصوف سے آیا ہوگا اور یقیناً آیا ہوگا جس کا وجود ذاتی اصلی ہو، خواہ بلا واسطہ آیا ہو یا بالواسطہ، میز اور کرسی کا وجود بڑھئی سے آیا ہو اور بڑھئی کا وجود اسی ذاتی وجود والے سے ممکن ہے اس سلسلہ میں عارضی موصوفوں کے بہت سے افراد ہوں یعنی بڑھئی کا وجود اس کے باپ سے اور اس کے

باپ کا وجود اس کے دادا سے آیا ہو، مگر تمام موصوفین بالعرض کا وجود ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں ختم ہو کر موصوف ذاتی پر پہنچ جائے ہم اس موصوف ذاتی کو جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہے کسی دوسرے سے حاصل کیا ہوا نہیں خدا کہتے ہیں اس کا وجود ذاتی اور اصلی ہے تمام کائنات کو موجود کرنے والا اور وجود عطا کرنے والا ہے، اور جب وجود اس کا اصلی ہے تو اوصاف کمال یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، سننا (سمع) دیکھنا (بصر) کلام وغیرہ جو کہ وجود ہی کے مختلف شعبے اور شاخیں ہیں اصلی اور ذاتی ہوں گے وہ تمام کمالات کا مالک ہوگا، ایسی مقدس ذات تمام عالموں کی پیدا کرنے والی، اور پالنے والی، اور مارنے والی، اور جلانے والی ہوگی اس کے احاطۂ قدرت اور علم سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی، کیونکہ بنانے والا اور پالنے والا اپنی بنائی اور پالی ہوئی چیز کا یقیناً جاننے والا ہوگا، کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کا وجود اسی کا عطا کیا ہوا ہے۔

دوسری تمہید

مجبور اس کو کہتے ہیں جس کو بلا قدرت اور بے اختیار والے نے کیا ہو اور کوئی شخص کسی کام کو اپنے اختیار وارادہ سے کرتا ہے اس کے کرنے کے وقت میں اس کا ارادہ اور اختیار موجود ہے اور وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ میں چاہوں تو اس کو کروں اور چاہوں تو چھوڑ دوں وہ مجبور نہیں ہے، رعشہ والا شخص اپنے ہاتھ کے ہلانے میں مجبور ہے، مگر ہم جبکہ صحیح اور تندرست ہیں اپنے ہاتھ کے ہلانے میں مجبور نہیں ہیں ہم اپنے اندر کرنے اور چھوڑنے دونوں کی طاقت پاتے ہیں، ہم کو اگر کوئی ادھر پھینک دے یا چھت پر سے گرا دے تو نیچے آنے میں مجبور ہیں، ہم اپنے اندر رکنے کی طاقت نہیں پاتے ہیں ہمارا نیچے آنا بغیر ہمارے اختیار کے ہوگا اس میں ہم مجبور شمار کئے جائیں گے مگر اوپر چڑھنا اور سیڑھیوں پر قدم رکھنا یقیناً بلا مجبوری ہوگا، اپنے ارادہ اور اختیار سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کام فاعل کے ارادہ واختیار سے ہو وہ مجبوریت کا نہیں ہے خواہ چوری ہو یا ڈاکہ یا کوئی اور دوسرا کام اور جس کام میں ہمارا اختیار وارادہ موجود نہ ہو وہ مجبوریت ہے، اس پر گرفت اور ملامت نہیں ہو سکتی۔ اب غور فرمائیے کہ آیا علم خداوندی کی وجہ سے انسان کا ارادہ اور

اختیار چھن جاتا ہے اور وہ اپنے کاروبار میں رعشہ والے اور اوپر سے نیچے گرنے والے کی طرح بے اختیار اور بے قدرت ہو جاتا ہے یا نہیں، بلکہ وہ اپنے اندر پورا اختیار رکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مجھ کو قدرت ہے خواہ چراؤں یا نہ چراؤں تو پھر اس کو مجبور و معذور کس طرح کہا جا سکتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ خداوند کریم کا علم صحیح ہے اور تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کے علم سے نکل نہیں سکتی اور نہ خلاف ہو سکتی ہے، مگر یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر نجومی، جوتشی، کاہن، رمال یا اعلیٰ کشف والہام والا ولی آنے والی باتوں کو جانتا ہے، اور جیسی پیشین گوئی وہ کرتا ہے ویسا ہی دنیا میں ہوتا ہے تو کیا اس کی پیشین گوئی کی وجہ سے اس کے علم کی وجہ سے جو کسی چوری یا ڈاکہ یا ظلم وغیرہ کے متعلق ہوئی ہے، چور یا ڈاکو یا ظالم مجبور ہو جائے گا، اور اس کے قدرت اور ارادہ میں ذرہ بھر کمی ہوگی، ٹائم ٹیبل میں گاڑیوں کے وقت مقرر ہیں ہم اس کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ فلاں گاڑی فلاں وقت اتنے منٹ پر علی گڑھ پہنچ جائے گی، تو کیا اس کی وجہ سے انجن ڈرائیور مجبور ہو جائے گا، اور اس کی قدرت مسلوب ہو جائے گی، نہیں نہیں، اگرچہ اس مثال میں کمی ہے مگر علم کی حقیقت سمجھنے میں مؤید ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے علم کی وجہ سے لوگ مجبور نہیں ہوتے ہیں ان کا اختیار اور ان کی قدرت پوری طرح باقی رہتی ہے اسی کی بنا پر لوگوں سے مؤاخذہ ہوتا ہے کہ تم کو ہم نے حکم کیا تھا چوری مت کرو تم نے اپنے ارادہ اور اختیار سے چوری کیوں کی، نیز خدا کے علم کا نہ تو چور کو چوری سے پہلے علم تھا اور نہ کسی نافرمان کو بلکہ اس کو چوری اور نافرمانی کے بعد یہ علم ہوگا، تو جبکہ اس نے چوری اور گناہ کا ارادہ اور عمل اپنے ارادہ اور قدرت سے کیا ہے اس پر مؤاخذہ کرنا بالکل صحیح ہوگا۔

میرے محترم! علم کی حقیقت ذہنی اور قلبی روشنی سے کسی چیز کو جان لینا ہے، جیسے کہ ابصار کی حقیقت ان آنکھوں کی روشنی سے کسی چیز کو دیکھ لینا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم نہایت قوی ہے اس لئے وہ تمام اشیاء کو حقیقی طور پر جانتا ہے، اور اس میں غلطی نہیں ہو سکتی جیسے قوی بصارت والا چیزوں کو کما حقہ دیکھ لیتا ہے اس میں غلطی نہیں ہوتی، علم کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ کرنے والوں کے

ارادہ اوراختیارکوچھین لے،توچورنے جس طرح چوری کی اس طرح سے خدانے اپنے قوی علم سے اس کو جان لیا کہ چورنے اپنے ارادہ اوراختیاروقدرت سے چوری کی اس لئے اس پر گرفت کرنا صحیح اور ضروری ہے۔ہاں اگر علم کی حقیقت یہ ہوتی کہ شخص معلوم کو بالکل بے جان اور بے اختیاراور بےقدرت کردے،تب آپ کے دوست کا شبہ وارد ہوسکتا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا امورکوغور سے ملاحظہ فرمائیں گےتو آپ کے شبہات کاازالہ ہوجائے گا(مکتوبات ص۲۶۰ج۲)

علم باری تعالیٰ

سوال: کیاازل سے اب تک اللہ جوکرتا آیا ہےوہ اللہ اب جانتا ہے؟

جواب: بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کووہ کرتا آیا ہے،ازل سے ابد تک کی تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں۔

سوال: اب سے کل ابدمیں اللہ خود جوکرے گاوہ اللہ اب جانتا ہے؟

جواب: بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہےاور ہمیشہ رہے گااور جوکچھ وہ ابد تک کریگااس سب کو اب بھی جانتا ہےاور پہلے بھی جانتا تھااور آئندہ بھی جانتا رہے گا۔

سوال: کیااللہ ازل سے اب تک کاسب کچھ جانتا ہے؟

جواب: ہاں ازل سے اب تک کاسب کچھ جانتا ہے۔

سوال: کیااب سے کل ابدمیں جوکچھ ہوگاوہ اللہ اب جانتا ہے؟

جواب: بیشک اللہ ہمیشہ سے ہےاور ہمیشہ رہے گا،اور ہمیشہ کاسب کچھ جانتا ہے۔

۴رمحرم ۱۳۷۰ھ (مکتوبات ص۱۹۱ج۲)

تاثیر اسماءذات باری تعالیٰ

جناب باری عزاسمہ ہماری عقل وادراک سے نہایت ہی زیادہ بلنداور بالا ہے:

لیس کمثلہ شیٔ ۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم وز ہر چہ گفتہ اند شنیدہ ایم وخواندہ ایم

مگر تقریب وتفہیم کیلئے مندرجہ ذیل مثال پیش کرتا ہوں:

ہر انسان میں ایک مرتبہ ذات کا ہے اس درجہ میں وہ سب سے بے پرواہ اور غیر متعلق ہے، دوسرا درجہ صفات کا ہے جو کہ تمام تعلقات خارجہ کا سبب ہے، اس کا وصف کرم اس کو داد ودہش پر آمادہ کرتا ہے، اسی پر وہ غریبوں اور فقراء، ارباب حاجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وصف اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان کی حاجتمندیوں پر بے چین ہو جائے اور اپنے مال وزر کو ان تک پہنچانے میں دریغ نہ کرے، وصف شجاعت، قتل وقتال، قہر وغلبہ پر مجبور کرتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس تمام اوصاف یہی معاملہ رکھتے ہیں۔ تیسرا مرتبہ جوارح کا ہے جن کے وسیلہ سے وہ مقتضیات صفات کو خارج میں انجام دیتا ہے، کریم شخص میں داد ودہش کی نوبت آتی اور ظہور پذیر ہوتی ہے، شجاع میں قتل وقتال وقہر وغلبہ کی عالم خارج میں صورت بنتی ہے، اگر یہ جوارح نہ ہوتے تو مقتضیات صفات کے ظہور کی صورت نہ بنتی، اسی طرح بلا تشبیہ تام ذات باری عز اسمہ تمام خلائق سے مستغنی اور غیر متعلق ہے اس کی صفات کاملہ جو کہ لا غیر اور لا عین ہیں، واسطہ بین القدیم والحادث ہیں وہی تعلقات پیدا کرنے والی ہیں۔ اس کے بعد مرتبہ اسماء کا ہے یہ اسماء عالیہ اپنے اپنے اقتضاءات کے موافق تمام عالم میں تصرف کرتے ہیں جیسے کہ انسان کے جوارح اپنی اپنی قابلیت کے موافق تصرف کرتے ہیں، اسم رزّاق مخلوقات کو رزق پہنچاتا ہے جیسے کہ انسان کا ہاتھ داد ودہش کا کام انجام دیتا ہے، اسم خلّاق ماہیات معلومہ بالعلم الازلی کو نعمت وجود بخشتا ہے اور اسی طرح تمام اسماء مقدسہ کے تصرفات ہیں۔

اسماء باری عز اسمہ ہمارے اسماء کی طرح تاثیر وقوت سے خالی نہیں ہیں، **لا عین ولا غیر** از ذات مقدسہ ہیں ان میں وہ قدرت جو کہ صفات ذاتیہ میں سے ہے ظہور پذیر ہے جس سے ان کے تصرفات عالم میں جاری ہیں جیسا کہ ہمارے جوارح ہماری صفات کے مظاہر ہیں اسماء باری تعالیٰ کا تعلق ہر انسان کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہے کسی شخص کا مربی اسم علیم ہے کسی کا مربی اسم قدیر ہے، کسی کا دوسرا اسم ہے، اہل اللہ کا ارشاد ہے: **طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس**

الخلائق اس کا راز بھی یہی ہے، جو اسم کسی کا مربی ہے اس اسم کے ذکر اور تصور دائم سے اس کو جلد ترقی ہوسکتی ہے مگر اس کا تمیز کرنا ماہرین کو بھی مشکل ہے، اس لئے اسم جامع لفظ اللہ سالک کو تعلیم دیا جاتا ہے، سالک کی ترقی اس کے مربی اسم تک ہوسکتی ہے، واللہ اعلم (مکتوبات ج ۲ ص ۱۷)

قبل از غرغرہ ایمان وکفر معتبر ہے

آپ کا تفرقہ درباره کفر وایمان خاتمہ...... سمجھ میں نہیں آیا۔

محترما! جب تک انسان کے ہوش وحواس ہیں اور ملائکہ اور روحانین کا مشاہدہ نہیں ہوتا ایمان بھی معتبر ہے اور کفر بھی اور جب عالم غیب مبدل بالشہادت ہوگیا، جس کو غرغرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی حضر احدھم الموت اور کبھی بلغت القلوب الحناجر سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس وقت کا نہ ایمان مفید ہے اور نہ کلمات کفر یہ مضر ہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے تفرقہ کہاں سے کیا، یہ مسئلہ عنداللہ کے متعلق ہے، البتہ عندالناس اس وجہ سے تفرقہ ہوگا کہ وہ حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر غیب ومشاہدہ میں فرق نہیں کرتے اور خاتمہ کو محض ظاہر پر معلق رکھتے ہیں۔ ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ (مکتوبات ج ۲ ص ۲۵۲)

الایمان بین الخوف والرجاء کا مفہوم

مسئلہ مذکورہ میں کچھ غلطی ہے، خواہ آپ کی یادداشت یا استاد کے بیان میں متحقق ہوئی ہو۔ ایمان کو ہمیشہ بین الخوف والرجاء ہونا چاہئے وادعوہ خوفا وطمعا نص قرآنی ہے اور اس معنی پر مختلف آیت صریح موجود ہیں مگر حالت زندگی میں غلبہ خوف کا ہونا چاہئے، اور قرب موت میں غلبہ رجاء کا ہونا چاہئے: لقولہ علیہ السلام فی الحدیث القدسی انا عند ظن عبدی بی. وقال سبحانہ تعالٰی: افامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا بیاتاً وھم نائمون اوامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا ضحی وھم یلعبون افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون. وقال: ولا تیئسوا من روح اللہ الخ (مکتوبات ص ۲۸۵ ج ۲)

ایمان اور کفر کا معیار

کفراور شرک اور ظلم اور عصیان سب ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں درجے بہت مختلف ہیں

ـب) سب سے بڑا مرتبہ کفر میں کفر جحود ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ زہ کا انکار کرنا، رسالت کا انکار کرنا وغیرہ اور دل اور زبان سے ان کا نہ ماننا۔ اسی شرک میں ب سے بڑا درجہ شرک صریح کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی ذات، صفات، افعال، دت میں شریک کرنا، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ کسی ایسے فعل یا قول کا ارتکاب کیا جائے کہ موہم شرک وکفر ہو مگر دل میں یقین کامل اور ایمان صریح موجود ہے۔

ب) فقہاء کرام بسا اوقات کسی عمل یا قول پر تکفیر کا حکم دیتے ہیں مگر خود ان کی تصریح ہے کہ اگر کسی امر میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض اس کو موجب قرار دیتے ہیں اور بعض نہیں قرار دیتے تو تکفیر کا فتویٰ نہ دینا چاہئے۔ اہل عقائد اور متکلمین نے اس باب میں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے قول یا فعل میں سو (۱۰۰) احتمالات ہوں، ننانوے احتمالات کفر کے ہیں اور ایک احتمال ایمان کا ہے تو تکفیر نہ کرنا چاہئے یعنی اگر کسی نے کوئی ایسا کلام کہا اور ایسا کام کیا جس سے کفر بھی سمجھا جاتا ہے اور اس کے وجوہ بہت سے ہوتے ہیں مگر ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے کفر نہ سمجھا جاتا ہو تو اگر چہ کفر کی وجہیں بہت زیادہ حتیٰ کہ ننانوے فی صدی کی ہوں مگر اس کے کلام اور فعل کو اس وجہ پر حمل کرنا چاہئے جو کہ ایمان کی ہے اور تکفیر نہ کرنا چاہئے حتیٰ کہ بعض محققین نے یہاں تک فرمایا کہ ننانوے کا لفظ حد بندی کیلئے نہیں ہے اگر کسی کے کلام یا فعل میں ایک ہزار وجہیں ہوں اور نوسو ننانوے معانی اور احتمالات اس میں کفر کے ہیں اور صرف ایک درجہ ایمان کا ہے، تب بھی اس کی تکفیر نہ کرنی چاہئے، اس بات میں بہت زیادہ احتیاط کو کام میں لانا چاہئے، دیکھئے اسلام لوگوں کو کفر سے نکالنے کیلئے آیا ہے لوگوں کو کافر بنانے کیلئے نہیں آیا لوگوں نے اس میں بہت زیادہ بے احتیاطی سے کام لے رکھا ہے، نیز اگر کسی سے ایسی چیز سرزد ہوئی اور اس نے اس سے انکا۔

کیا یا ایسی تاویل کی جو کہ اسلامی عقائد پر دال ہے تو فوراً قبول کرنی چاہئے اس میں ردوقدح نہ کرنی چاہئے اور اس انکار اور تاویل کو اس کے ارتداد سے توبہ شمار کرنی چاہئے۔

(ج) کسی کلام یا فعل کا، کلام کفر یا فعل کفر ہونا دوسری چیز ہے اور اس شخص کا کافر ہونا دوسری چیز ہے، بسا اوقات انسان سے ناواقفی یا مجبوری یا اور کسی وجہ سے کلمہ کفر کا، یا فعل کفر کا سرزد ہو جاتا ہے مگر اس کے دل میں حقیقت ایمان موجود ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی (جو کہ ان کے بڑے بھائی اور حقیقی پیغمبر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے نبی بنائے گئے تھے) داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچا، اس سے بڑھ کر نبی کی اہانت کیا ہو سکتی ہے مگر انہوں نے اس کو معمولی گناہ بھی نہیں قرار دیا، ہر دو کی عصمت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات کو زمین پر دے پٹکا (جو کہ خود لے کر طور سے آئے تھے اور چالیس (۴۰) دن کے روزے اور اعتکاف کے بعد دی گئی تھی) والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ (سورۃ اعراف) یابنؤم لا تاخذ بلحیتی ولا براسی الآیۃ.

حضرت ہارون علیہ السلام نے (جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کا سردار اور اپنا خلیفہ بنا کر یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کی اصلاح کرنا اور اہل فساد کی تابعداری نہ کرنا) وقال موسیٰ لاخیہ ہارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین (سورۃ اعراف) مگر ان کے سامنے قوم نے شرک اور بچھڑا پرستی کی، حضرت ہارون علیہ السلام نے صرف معمولی طور پر ان کو منع کیا یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن الآیۃ (سورۃ طٰہٰ) اور لڑنے مارنے مرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تاکہ شرک کا مادہ اکھڑ جاتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، کم از کم گوسالہ کو توڑ ڈالتے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر سرزنش فرمائی اور فرمایا: یا ہارون ما منعک اذ رأیتھم ضلوا ان لا تتبعن الآیۃ (سورۃ طٰہٰ) تو جواب میں فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ تم مجھ پر الزام قائم کرو گے کہ تم نے بنی اسرئیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرا انتظار نہ کیا: انی خشیت ان تقول فرقت (الآیۃ سورۃ طٰہٰ)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ افعال اور اقوال ......نہایت شدید درجہ کے ہیں مگر چونکہ ان کا صدور محض اللہ تعالیٰ کی انتہائی محبت اور معرفت اور غیرت کے جذبہ میں ہوا تھا اس لئے جانب ایمان ہی معتبر اور کوئی خوف اور محاسبہ نہیں ہوا۔ اکراہ سے کلمۂ کفر کہنے کیلئے خود قرآن میں ارشاد ہے: الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالا یمان (الآیۃ سورۃ نحل) مولانا فرماتے ہیں ؎

آنچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہما کو کافروں نے مجبور کیا اور انہوں نے کلمات کفر یہ کہہ دیئے باوجودیکہ ان کا قلب ایمان سے بھرا ہوا تھا اس لئے ان کے کمال میں فرق نہیں ہوا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ باوجود کمال اور پختگی ایمان کے نادانستگی یا خطا، یا نسیان یا جبر واکراہ وغیرہ کی بناء پر مسلمان سے کفر کے کلمات اور افعال سرزد ہوسکتے ہیں اس لئے احتیاط بہت زیادہ ضروری ہے بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ کفر کی حکومت اور الحاد وزندقہ کا چاروں طرف غلبہ ہے اور بددینی اور شرکیہ قوتیں لوگوں کو مرتد بنا رہی ہیں، کوئی سرزنش اور سزا دینے کی قوت مسلمانوں کے پاس نہیں ہے، لوگ خود مختار ہو رہے ہیں، کوئی خوف اور دھڑک ان کے سامنے نہیں ہے، جو چاہیں بک دیتے ہیں اور جو چاہیں کر بیٹھتے ہیں، ایسے وقتوں میں مسلمانوں کو سنبھالنا ازبس ضروری ہے ان پر تشدد کرنے میں خوف ہے کہ وہ ضد اور ہٹ میں آکر کہیں اور زیادہ بگڑ نہ جائیں اور خود بھی برباد ہوں اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی اس ضد کی وجہ سے برباد نہ کردیں اس لئے اشد ضرورت ہے کہ لطائف الحیل اور نرم زبانی اور نرم افعال کے ساتھ ان کو متنبہ کیا جائے اور ان کو اعمال کفر وشرک سے روکا جائے۔ ہاں اگر کوئی ایسی طاقت ہو جس کے ذریعہ سے ان کو راہ راست پر لایا جاسکے جیسے پنچایت کر کے تمام قوم کی طرف سے بائیکاٹ کرانا اور اس پر یقین یا حسن ظن غالب ہو کہ راہ راست پر آجائیں گے تو ضرور عمل کیا جائے۔

کفر صریح سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے

ایسے لوگ اگر ایسے افعال یا اقوال عمل میں لاتے ہیں جو کہ کفر جحو داور صریح شرک ہیں اس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہے تو یقیناً کافر ہو گئے اور ان کا نکاح ٹوٹ گیا ان سے توبہ کرانی چاہئے اور نکاح کی تجدید کرانی چاہئے اور اس کے بعد اگر وہ توبہ نہ کریں اور اپنے کفر پر اصرار کریں، سمجھانے بجھانے پر بھی نہ سمجھیں تو میاں بیوی کا علاقہ صحیح نہیں ہے عورت کو جدا کر دینا چاہئے اور اگر نہ مانیں اور عورت اگر اسلام پر قائم رہی تو اولاد حلالی نہ ہوگی، اور اگر وہ بھی خاوند کی طرح سے کفر پر قائم ہو جائے تو کافروں کی اولاد کی طرح ہوگی، اور اگر یہ شرک صریح نہیں ہے نہ کفر جحو د ہے یا مختلف فیہ ہے یا کوئی تاویل قوی یا ضعیف کلام میں پائی جاتی ہے تو یہ شخص فاسق یقینی ہے توبہ کرانی چاہئے نکاح نہ ٹوٹے گا اور تجدید عقد کی ضرورت نہ ہوگی، (مکتوبات ص۸۲ ج۴)

مسئلہ تقدیر

(الف) جس طرح ایک انجینئر کیلئے ضروری ہے کہ مکان کی تعمیر سے پہلے اپنے ذہن میں سوچ لے کہ اس قطعۂ زمین میں اس کے مناسب جملہ ضروریات تعمیر کس مناسبت سے تعمیر ہوں گی اور عمدہ سے عمدہ تعمیر کس طرح تیار کی جائے گی، اور پھر اس کا نقشہ کاغذ پر تیار کرے اس کے بعد تعمیر شروع کرے اگر اس طرح تعمیر نہیں ہوتی تو عموماً ناقص اور خراب رہتی ہے، اس لئے تمام تعمیرات حکومت میں یہی طریقہ جاری کیا جاتا ہے، اسی طرح خالق زمین وزماں نے اپنے علم ازلی میں مستقبل کیلئے ایک علمی نقشہ تیار فرمایا اور پھر اس کا نقشہ تحریری مرتب کیا جس کو لوح محفوظ میں پوری طرح مندرج کر دیا، جس طرح انجینئروں کا نقشہ مکمل وہی شمار ہوتا ہے جو کہ عمارت کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو حاوی ہو، اسی طرح خداوندی ہر دو نقشہ میں کوئی چیز چھوڑی نہیں گئی ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، جیسے کہ انجینئر کے نقشہ کے مطابق ہی تعمیر تیار ہوتی ہے اور معماروں کی جدوجہد یہی ہوتی ہے کہ جو نقشہ ان کو دیا گیا ہے اسی کے مطابق تعمیر

کریں اگر کوئی عمارت خلاف نقشہ تیار کریں گے تو بادشاہ کے مورد عتاب ہوں گے اور کارگذاری پر حرف آئے گا اسی طرح کارکنان تکوین وایجاد فرشتے تمام امور میں اس نقشہ ہی کی تکمیل کرتے رہتے ہیں جو ان کو دیا گیا ہے اور جس میں سے بعض نقشے ان کو شب برات میں یا شب قدر میں دیئے جاتے ہیں فیھا یفرق کل امر حکیم (سورۃ دخان) اور بعضے نقشے دوسرے اوقات میں دیئے جاتے ہیں فرق اتنا ہے کہ دنیاوی معمار اور کارکن خلاف حکم بھی موقعہ پا کر کر بیٹھتے ہیں اور خدا کے کارکن اور فرشتے اور روحیں ذرہ برابر بھی خلاف نہیں کر سکتے: لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون ۔ تقدیر اور قضاء اسی علم الٰہی قدیم اور ارادہ وحکم الٰہی کا نام ہے جو کہ ازل سے اس تمام عالم کے متعلق مکمل ہو چکا ہے، اس تمام کارخانہ کو عالم تکوین وایجاد کہا جاتا ہے۔

(ب) اس کارخانۂ تکوین میں بھانت بھانت قسم کی چیزیں بنائی گئیں، جن میں سے ہر ایک کو مختلف کمالات اور اوصاف دیئے گئے، آفتاب، ماہتاب، ستاروں کو روشنی دی گئی مگر آفتاب کو سب سے زیادہ روشنی اور گرمی عطا کی گئی ماہتاب کو اس سے کم روشنی دی گئی اور اس کے ساتھ رطوبت کا مرکز بنا دیا گیا، اسی طرح دوسرے ستاروں میں خاص خاص باتیں رکھی گئیں، اسی طرح ہوا، پانی، آگ، مٹی (عنصریات) پہلے آسمان اور دوسرے اور تیسرے آسمان، اسی طرح جملہ افلاک کو خاص خاص کام اور اوصاف دیئے گئے، اسی طرح معدنیات، جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ میں خالق نے خاص خاص باتیں رکھیں جن کو وہ حسب حکم انجام دے رہے ہیں، ان اشیاء میں اللہ تعالیٰ نے علم اور ارادہ کی صفت نہیں رکھی، ان میں جو صفات اور کمالات رکھے ہیں وہ حسب الحکم انجام دینے پر لاعلم اور مجبور ومقہور ہیں، آگ کو جلانا روشن کرنا، پانی کو بجھانا ٹھنڈک پہنچانا وغیرہ ضروری ہے، اگرچہ وہ خالق اور مدبر جس وقت چاہے ان اوصاف کو چھین سکتا ہے، آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا نہیں سکی، پانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غرق نہیں کر سکا کیونکہ ان سے ان اشخاص کے متعلق یہ اوصاف خالق نے چھین لئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات دنیویہ میں سے انسان اور جن کو علم اور ارادہ بھی دیا ہے جو کہ دیگر مخلوقات کو نہیں دیا گیا،

فرشتوں اور ارواح کو اگر چہ علم وارادہ دیا گیا مگر وہ ارادہ بالکل تابع اور مقہور ارادہ الٰہی کے اس طرح کر دیا گیا جیسا کہ بڑی مشین کے تابع اس کے پرزے ہوتے ہیں، یا وہ چھوٹی مشین ہوتی ہے جو کہ بڑی مشین سے چلتی ہے اس لئے ان کے تمام افعال وحرکات وسکنات خداوندی حرکات وسکنات اور خداوندی اعمال ہوں گے، ان پر وہ کسی عذاب وثواب اور مدح وذم کے مستحق نہیں ہیں۔ البتہ انسان اور جنات کو ایسا علم اور ارادہ دیا گیا ہے جس میں وہ اپنے آپ کو مستقل سمجھتے اور دیکھتے ہیں، کسی کام اختیاری میں انسان اپنے آپ کو مجبور نہیں پاتا اور جس میں مجبور پاتا ہے جیسے رعشہ والے ہاتھ یا سر کی حرکت یا جسم انسانی کا اوپر سے نیچے گرنا، ایسی حرکات میں وہ نہ مستحق ثواب ومدح ہے اور نہ مستحق عتاب وذم ہے۔ انسان جتنے اختیاری اعمال کرتا ہے سب کو جان بوجھ کر ان کے نفع اور نقصان کو سمجھ کر اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔ عادت الٰہی اور قانون خداوندی مقرر ہے کہ جب کوئی انسان یا جن کسی کام میں اپنا پکا ارادہ لگاتا ہے تو وہ اس کو موجود کر دیتا ہے اور پیدا کر دیتا ہے، انسان اپنے اس علم اور ارادہ کی وجہ سے ہی مستحق ثواب ومدح اور عتاب وذم ہوتا ہے، انسان اپنے اس ارادہ اور علم میں اپنے آپ کو مجبور ومقہور نہیں پاتا ہے بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ کام کرتے وقت چاہتا تو کرتا اور نہ چاہتا تو نہ کرتا بخلاف رعشہ والے کے کہ وہ اپنی حرکت اور اپنے آپ کو اس حرکت میں مجبور پاتا ہے حالانکہ دنیا میں جس سے بھی جو کوئی حرکت اور سکون ہوتا ہے سب علم الٰہی میں اور تقدیر ازلی میں پہلے سے معین ہو چکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ علم الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا مگر علم الٰہی اور تقدیر اختیارات والی مخلوق کا اختیار وارادہ سلب نہیں کرتے اور نہ چھینتے ہیں۔

(ج) خداوند کریم نے اس دنیا میں اسباب کو قائم فرمایا ہے جن کے پردہ میں قدرت الٰہی اپنا کام کرتی ہے آگ جلانے اور بجھانے کے اسباب میں سے ہے، اولاد کی پیدائش کیلئے نکاح اور ہم بستری اسباب میں سے ہے، خداوند کریم ہی اولاد کو پیدا کرنیوالا ہے مگر انہیں اسباب سے پیدا کرتا ہے، کھیتی کرنا، نوکری کرنا، تجارت کرنا، صنعت ودستکاری وغیرہ رزق کے اسباب ہیں،

خداوند کریم انہیں اسباب کے ذریعہ رزق دیتا ہے، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، روٹی توڑ کر کھانا وغیرہ شبع اور پیٹ بھرنے کے اسباب وذرائع ہیں، انہیں کے ذریعہ سے خداوند کریم بندوں کو رزق دیتا اوران کا پیٹ بھرتا اور بھوک کو دور کرتا ہے، غرضیکہ دنیا کے تمام کارخانے انہیں اسباب کے پردوں میں انجام پاتے ہیں حالانکہ سب اس کی تقدیر اور علم کے موافق ہی چلتے ہیں، انسان کو شرعی حیثیت سے اور عقلی اعتبار سے لازم کیا جاتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ان اسباب کو اپنے ارادہ سے عمل میں لائے تاکہ مسببات کا حصول ہو اور یہیؔ وجہ ہے کہ ہر انسان ضروری سمجھتا ہے کہ وہ روٹی پکائے، روٹی توڑے، منہ میں لقمے ڈالے، منہ سے چبائے تب اس کی بھوک دور ہوگی، اگر کوئی ایسا نہ کرے اور یہ کہہ کر ہاتھ پاؤں ہلانا چھوڑ دے کہ اگر میری قسمت میں پیٹ بھرنا لکھا ہوگا تو میرا پیٹ بھر جائے گا یہ حرکات کیوں کروں تو تمام دنیا اس کو ملامت کرے گی اور یہی کہا جائے گا کہ تو صاحب علم وارادہ ہے تجھ کو لازم ہے کہ اپنے ارادہ اور علم سے پیٹ بھرنے کے اسباب وذرائع کو عمل میں لا، تجھ کو کیا معلوم کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ تجھ کو تقدیر کے معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت نہیں کی گئی، تجھ کو تو یہی حکم ہے کہ ان اسباب وذرائع کو عمل میں لا، کھیتی کر، تجارت کر، نوکری کر وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ تقدیر اور علم الٰہی کا کسی کو علم نہیں ہے ہاں کام ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں کیا تھا۔

ان مقدمات کے بعد آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ان میں سے جو چیزیں انسانوں اور جنات کے اختیارات سے ہوتی ہیں ان میں انسان اور جنات پہلے سے واقف نہیں ہوتے کہ ہماری تقدیر میں کیا ہے، اپنے علم اور ارادہ سے وہ کام کرتے ہیں اور اسی پر ان کی تعریف اور مذمت کا مدار ہے اور آخرت میں ثواب وعتاب اسی پر مبنی ہے اور اسی کی تکلیف شرع میں ہر ذی اختیار کو دی گئی ہے اور تمام کاروبار میں انسان اسی کو ضروری جانتا ہے۔ وہ گھر بناتا ہے، کھیتی کرتا ہے، اناج جمع کرتا ہے، آٹا پیستا ہے، روٹی پکاتا ہے، لقمے توڑتا ہے وغیرہ وغیرہ اور کسی بات میں تقدیر کو پیش نہیں کرتا، پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ جب آخرت کا کام یا اور کوئی

دوسرا بڑا کام سامنے آجاتا ہے تو تقدیر پر الزام رکھ کر ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہتے ہیں، اسلام کی یہ تعلیم نہیں، اسلام جدوجہد کرنا اور اسباب وذرائع کو عمل میں لانا ضروری بتاتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اعملوا فکل میسر لما خلق له عمل کرو تم میں سے جو جس چیز کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہی چیز اس کیلئے آسان کردی جائے گی، قرآن فرماتا ہے: والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا جولوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے ہم ان کو اپنی راہیں دکھلائیں گے اور ان پر چلائیں گے۔ قرآن ہر ہر جگہ عمل کرنے اور بدعملی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، سعی کرنے کو لازم کرتا ہوا بتلاتا ہے کہ تم کو اپنی اپنی سعی ہی کا نتیجہ ملے گا لیس للانسان الا ما سعی یہ بزدلی اور کم ہمتی اور نامردی کی بات ہے کہ انسان میدان عمل میں کودنے اور جدوجہد کرنے سے جان چرائے اور تقدیر الٰہی کو بہانہ بنائے۔

بے شک جو کچھ علم الٰہی اور اس کی تقدیر میں مقرر ہو چکا ہے وہی ہوگا مگر اس کی وجہ سے نہ انسان مجبور ہوا ہے اور نہ اس کو خداوند کریم اور شرع اور عقل سے ہدایت ہے کہ وہ تقدیر پر اعتماد اور بھروسہ کرکے میدان عمل سے بھاگے اور سعی سے جان چرائے، بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ مردانہ وار ہر عمل کے میدان میں کودے اور پوری جدوجہد کو انجام دے مگر وہ عمل ایسا ہی ہو جس کی اجازت شرع نے دی ہو یا اس کا مطالبہ کیا گیا ہو، جس طرح ایک اعلیٰ درجہ کا نجومی یا رمال جو چیزیں ہونے والی ہیں اپنے کمال علمی سے جان جاتا ہے اور اس کے خلاف نہیں ہوتا، حالانکہ اس کے کمال کی بنا پر انسان اپنے اعمال میں مجبور نہیں ہوتا، اسی طرح علم الٰہی کے کمال کی وجہ سے تمام چیزیں تقدیر کے دفتر میں اور لوح محفوظ میں محرر ہیں وہ ہوں گی اور ہوتی ہیں، مگر انسان مجبور نہیں ہوتا اور نہ اس کی صفات ارادہ، علم، قدرت میں کوئی فرق آتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ نجومی اور رمال کتنا ہی بڑا ماہر کیوں نہ ہو اس کا علم ناقص ہے، بسا اوقات اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی نہیں ہوتی، اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسان عمل اہل جنت کے کرتے کرتے جنت کے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک گز کا فاصلہ رہ

جاتا ہے پھر وہی انسان اپنے ارادہ واختیار سے بلا مجبوری کے کوئی عمل ایسا کرگذرتا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے دوزخی بن جاتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ مجبور کر کے دوزخی بنادیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ تقدیر اور قضاء وقدر کے خلاف نہ ہوگا مگر یہ اس وجہ سے نہیں کہ انسان کی قدرت جاتی رہی اس کا علم وارادہ سلب ہوگیا وہ مجبور ہوگیا، یا اس پر اسباب ظاہر یہ ماموربھا یا منھی عنھا سے روگردانی جائز ہوگئی نہیں نہیں، بلکہ شرعاً اور عقلاً اور عادۃً وہ اسباب کے اختیار کرنے کا محکوم ہے اس کو اجازت نہیں کہ اس دنیا اور عالم اسباب میں بالکل کنارہ کش ہوکر اسباب کو خیرباد کہہ دے، اعرابی پوچھتا ہے کہ اونٹ کو باندھ کر توکل برخدا کروں یا اونٹ کھول کر تو آنحضرت علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اعقل وتوکل باندھ اور توکل کر۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ سنادیا گیا اور قوی طریقہ پر ارشاد کیا گیا: ھو الذی ارسل رسوله الآیة اور فرمایا گیا: ولقد سبقت کلمتنا الآیة ایسی متعدد آیتیں جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتحمند اور غالب ہونا اور دشمنوں کا مقہور ہونا، دین اسلام کا پھیل جانا یقینی معلوم ہوتا ہے، مگر کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب سے کنارہ کشی فرمائی اور تقدیر اور وعدہ ہائے الٰہیہ پر اعتماد کر کے گوشہ نشینی اور چلہ کشی اختیار کی، نہیں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ بڑھاپے اور سنگلاخ زمین اور پرخار ریگستان، گرم ملک ہونے کے کبھی بدر کے میدان میں ہیں، کبھی احد کے، کبھی مدینہ کے گرد خندق کھودرہے ہیں تو کبھی مکہ پر چڑھائی کررہے ہیں، کبھی حنین میں ہیں تو کبھی خیبر میں، بدن پر دو دو زرہیں ہیں، تلوار میان میں لٹک رہی ہے، نیزہ ہاتھ میں ہے، کبھی اونٹنی پر ہیں، کبھی خچر پر، کبھی گدھے پر، کبھی پیدل، اس بڑھاپے میں حجرہ شریفہ میں بیٹھ کر ذکر ومراقبہ اور تعلیم وتلقین فرماتے تو بظاہر بہت بہتر ہوتا، آپ اور میرے جیسے کم ہمتوں کیلئے بڑی اچھی راہ نکل آتی، مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین جمیعاً ہیں اور کارخانہ تکوین وایجاد اور قضاوقدر کے سب سے بڑے عالم اور ماننے اور منوانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین رکھنے والے ہیں، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی زندگی نہایت پرآشوب وبے چینی اور تکالیف برداشت کرنے کی زندگی ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کو بار بار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پرآشوب حالت ہی کی تابعداری کا حکم دیتا ہے: ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب الآیۃ ان آیتوں پر اوران کے معانی پر غور فرمائیے۔

میرے محترم! تقدیر کا مسئلہ حق ہے اوراس پر ایمان لانا ضروری ہے مگراس کی تعلیم اس لئے نہیں ہے کہ کارخانہ ہائے عالم اسباب کو معطل کر دیا جائے اور انسان امور دنیا اورآخرت کے اندر ہاتھ پیر کٹا کر بیٹھ جائے، بلکہ اس کی تعلیم اس لئے ہے کہ اگر انسان کو اپنی جدوجہد میں ناکامی ہو، کوئی مصیبت آجائے، تکلیف دینے والی یا بہت خوش کرنے والی باتیں سامنے آئیں، بیٹا مرجائے، بیٹی مرجائے وغیرہ تو کم ہمت اور مایوس، غموں کے دریاؤں یا خوشی کے سمندروں میں ڈوب کر معطل وبیکار نہ ہوجائے بلکہ ان سب کے ہوتے ہوئے سعی پیہم جاری رکھے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ پیش آیا مقدر ہی تھا اور میری پیدائش سے پہلے سے مقرر ہو چکا تھا، اس لئے غمگین نہ ہونا چاہئے اور حسب ارشاد نقل وعقل اسباب کو عمل میں لانا چاہئے، ہمت نہ ہارنا چاہئے، یکے بعد دیگرے کوشش کرنے سے ممکن ہے کہ میں کامیاب ہوجاؤں۔ یہی طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا ہے اوراس پر عمل کرنے کی تاکید قرآن مجید کرتا ہے، دیکھو آیت: مااصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الآیۃ (سورۃ حدید) نیز یہ مقصود ہے کہ امراض متعدیہ وغیرہ میں انسان بیماروں کی خدمت اور خبر گیری سے گریز نہ کرے اگر کسی جگہ موجود ہے اور وہاں امراض وبائیہ طاعون وغیرہ ظاہر ہوں تو وہاں سے نہ بھاگے اور توکل بر تقدیر کرے۔ بیوقوفوں نے مسئلہ تقدیر کو اپنی راحت وآرام کا وسیلہ بنالیا اور مخالفین اسلام کو حرف گیری کا موقع دیا، قرن اول کے مسلمانوں کی جدوجہد ہر قسم کے امور میں اس قسم کی غلطیوں کو اکھاڑ پھینکنے والی ہے۔

جواب ہائے اجمالیہ

(الف) بے شک انسانوں کے اعمال پر کامیابی ہوتی ہے۔ عالم اسباب میں اسباب پر

مسببات متفرع ہوتے ہیں مگر تقدیر الٰہی میں وہ سب متعین اور مقرر ہے کہ فلاں سبب سے فلاں چیز واقع ہوگی اور ویسا ہی ہوتا ہے۔

(ب) جو شخص از خود عملی تدبیر نہ کرے گا اس پر حسب شرع مواخذہ ہوگا اور لوگوں میں بھی ملامت کا مستحق ہوگا۔

(ج) تقدیر دو ہیں ایک مبرم اور دوسری معلق، مبرم میں تغیر نہیں ہوتا معلق میں ہوتا ہے۔ بسا اوقات کارکنان تکوین وایجاد کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص اگر اپنے رشتہ داروں کی خدمت گذاری کرے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی اور اگر نہ کرے گا تو چالیس (۴۰) سال ہوگی، پھر اس کی عمر چالیس کردی جاتی ہے اس لئے کہ اس نے صلہ رحمی نہیں کی، کارکنان تکوین پر بھی شرط ظاہر نہیں ہوتی مگر علم الٰہی میں شرط تھی نیچے کے عملہ والے اس کو مبرم سمجھتے ہیں، مگر وہ حقیقت میں معلق تھی اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ نوشتۂ تقدیر بدل دیا گیا ہے حالانکہ اس میں تبدیلی نہیں ہوئی نیچے والوں کو اطلاع ناقص تھی۔

(د) مشکوٰۃ وغیرہ میں جو احادیث کا مضمون ہے صحیح ہے، مگر وہ علم کی صداقت اور حقانیت کا بیان ہے بندہ کی مجبوریت کا بیان نہیں ہے بندہ اپنے اس فعل کو اپنے اختیار وارادہ سے ہی کرتا ہے جیسے کہ کسی نجومی کو اپنے علم اور زائچہ سے معلوم ہوا کہ فلاں شخص فلاں وقت شراب پیئے گا اور ویسا ہی واقع ہوتا ہے اس میں اس شخص کو ملامت اور حد شرب خمر (شراب پینے کی سزا) سے براءت حاصل نہیں ہوسکتی، انسان کا عمل بیکار نہیں ہے اسی کی تاثیر سے نتائج ہونگے، علم الٰہی اور تقدیر کو ان نتائج میں دخل نہیں ہے وہ تو مثل آئینہ واقعات کے مطابق ہوتا ہے یعنی جیسے آئینہ میں وہی صورت منطبع ہوتی ہے جو باہر موجود ہے آئینہ کو صورت کی خوبی یا بدنمائی میں کوئی دخل نہیں اسی طرح علم الٰہی واقع کے مطابق ہوتا ہے اس میں جبر کا مادہ نہیں ہے بیشک دخول جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور ناراضی پر مبنی ہے مگر رضا اور خوشنودی کے اسباب اعمال اور طاعات ہیں اور ناراضی کے اسباب ان کے خلاف امور (نافرمانی اور معصیت) ہیں (مکتوبات ص۶۴ ج۴)

مسئلہ جبر واختیار

سوال: اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اپنے اختیار کے مشابہ ایک گونہ اختیار عطا فرمایا ہے لیکن بندہ کے افعال اور مشیت عبد تابع مشیت رب ہے جیسا کہ نص صریح سے واضح ہے: وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ اس سے مسئلہ جبر کا ثبوت اور بندہ کے افعال پر ترتب ثواب وعقاب عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے (از حاشیہ)

جواب: جس طرح تمام اعضاء وجوارح عطاء خداوندی ہیں اسی طرح ارادہ ومشیت بھی ہے، جس بناء پر اس کو صاحب الاعضاء والجوارح کہا جاتا ہے اس کو بے زبان، بے عقل، بے ہاتھ، پیر وغیرہ نہیں کہا جاتا، اسی طرح اس کو بے ارادہ اور بلا مشیت کہنا غلط ہوگا، مجبور وہ شخص ہوگا جو کہ بلا ارادہ ہے، اور وہی افعال جبری افعال کہے جاسکتے ہیں جن میں دخل ارادہ کا نہیں ہوتا، جیسے مرتعش کی حرکت اور اس پتھر کی حرکت جس کو پھینکنے والے نے پھینکا ہے اور جس طرح جسم انسان جبکہ بلا ارادہ فوق سے اسفل کو آتا ہے، یہ حرکت البتہ جبری اور بلا اختیار ہے، خود انسان اپنی حرکت رعشہ اور حرکت جسمانی میں (فوق سے تحت کو) کسی قسم کا ارادہ نہیں محسوس کرتا بلکہ خود کو مجبور محض پاتا ہے، بخلاف افعال اختیاریہ کے کہ وہ ان میں اپنے ارادہ اور اختیار کو صدور افعال تک محسوس کرتا رہتا ہے، اور یقین کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں اس حرکت کو روک دوں، اس لئے ان افعال اختیاریہ میں مجبوریت کا ادعا محسوس ومشاہدہ کے خلاف ہے، ثواب وعتاب انہی افعال اختیاریہ میں ہے جن میں انسان کا یہی احساس ہے کہ میرے اختیار وارادہ سے پائے جا رہے ہیں، افعال کو تحقق سے پہلے جب چاہوں روک دوں، یہ اختیار جبری جس کو ہر فعل جبری کا منشا اور مصدر محسوس کیا جاتا ہے کسب کہا جاتا ہے، جس کو ماتریدیہ اور دیگر متکلمین اثر قدرت حادثہ کہتے ہیں، بہرحال تخلل ارادہ واختیار ہوتے ہوئے جبر کہنا خلاف مشاہدہ ہے۔

جناب کا ارشاد کہ "بندہ کی مشیت تابع مشیت رب ہے" خود اس کا اقرار ہے کہ مشیت عبد موجود ہے پھر اس کو منعدم قرار دینا اور جبر سے تعبیر کرنا کیونکر نہ غلط ہوگا اور جب اختیار جبری موجود ومسلم ہے تو ثواب وعقاب یقیناً عدل ہوگا۔ (مکتوبات ص۲۹۲ ج۲)

بعثت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مدنیؒ کی آخری تقریر

یہ تقریر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶ر جولائی ۱۹۵۷ء کو بعد نماز جمعہ بمقام ارکونم ضلع شمالی آرکاٹ (مدراس) میں ایک تبلیغی اجتماع میں فرمائی، تأثر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع رو رہا تھا۔ یہ بھی حسرتناک اتفاق ہے کہ یہ حضرت رحمہ اللہ کا سب سے آخری سفر تھا اور تقریر بھی آخری تھی، اس سفر ہی میں وہ مرض لاحق ہوا جس میں واپسی پر حضرت موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کئی ماہ گھرے رہے اور آخرکار اسی سلسلۂ علالت میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (مرتب)

احسانات خداوندی

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى امابعد فقد قال الله تعالىٰ:
لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين (آل عمران:۱۶۴)

محترم بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے احسانات تمام مخلوقات پر خصوصاً انسانوں پر نہایت زیادہ ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حقیقۃً ہم تمام انسانوں کو اپنی نعمتوں سے ڈھانک لیا ہے ارشاد باری ہے: الم تروا ان الله سخر لكم ما في السمٰوٰت وما في الارض واسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة (لقمان:۲۰)

اللہ تعالیٰ نے تمام عالم انسانیت کو چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی نعمتوں سے ڈھانک رکھا ہے

اپنی تمام مخلوقات میں خداتعالیٰ نے سب سے زیادہ شرافت اور بڑائی انسان کو عطا کی ہے، پروردگار نے اپنے فضل وکرم سے ہماری نجات کے واسطے ہر قسم کی بھلائی کا عالم ارواح میں، ماں کے پیٹ میں، طفولیت کے عالم میں سامان کیا ہے اسے کوئی حاجت نہیں کہ ہم کو نجات ملے وربک الغنی ذو الرحمة (الانعام:۱۳۳)

شفقت خداوندی

اس کی شفقت ہے کہ آخرت کیلئے بھی ہر قسم کی بھلائی کا سامان کیا، اس نے اپنا فضل فرمایا ہے کہ ہم کو پیدا کیا، انسان بنایا اور تمام اعضاء مکمل کردیئے، عقل دی، ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ سب اعضاء دیئے، یہ کافی ہے اس کو حجت قائم کرنے کے واسطے، لیکن پروردگار نے اپنی شفقت سے دوسری چیز بھی مقرر کی، اس نے ہر زمانے میں اپنے مقرب بندوں کو ہماری اصلاح کیلئے بھیجا جنہوں نے ہماری اصلاح کیلئے اپنی جان کی بازی لگا کر کوشش کی اور ہماری بھلائی کی فکر کی اور ہر ظلم وستم کو برداشت کیا، ابتداء سے یہ سلسلہ جاری ہے تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنتے آئے ہیں، ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے سردار ہیں جن کیلئے عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا: واذ اخذ الله میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه (آل عمران:۸۱) انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو جمع کر کے ان سے عہد لیا گیا کہ اگر تمہارے زمانے میں وہ پیغمبر آجائے تم اس پر ایمان لانا اور مدد کرنا۔

وہ پیغمبر جو سب انبیاء علیہم السلام کے علوم کو جمع کرنے والا نبی آخر الزمان ہے ہم کو عطا فرمایا، پھر انبیاء علیہم السلام سے پوچھا: ءاَقررتم واخذتم علی ذلکم اصری کیا تم نے اقرار کیا قالوا اقررنا کہا ہم نے اقرار کیا (آل عمران:۸۱)

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایسا پیغمبر عطا فرمایا، اور ہماری بدقسمتی ہے کہ ان کے طریقہ پر عمل کرنے میں کوتاہی کریں، اللہ کا محبوب اور سب سے اونچا پیغمبر بغیر مانگے ہم کو عنایت فرمایا

حالانکہ پہلی امتوں نے مانگا تھا اور ان کو نصیب نہیں کیا، شفقت والا، رحمت والا، کمال والا، علم والا اور زہد وتقویٰ والا پیغمبر ہم کو عطا فرمایا، یہ اس کا احسان ہے، ہماری نالائقی ہے کہ ایسے پیغمبر کو پانے کے بعد بھی ہم اس کی اطاعت نہ کریں۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم یعنی بے شک اللہ پاک نے مؤمنوں پر احسان فرمایا ہے کہ ان ہی میں سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا، ہمارا ہادی اگر کوئی فرشتہ یا جن ہوتا تو اس کو ہم پر ایسی شفقت نہ ہوتی۔

بہرحال آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اصلاح کیلئے بھیجے گئے، اللہ نے ہمیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا اور اس کیلئے جن چیزوں کی ضرورت تھی قوت علمی وعملی سب دے دی، شدت رحمت کی وجہ سے اس نے اسی پر اکتفاء نہ کیا کہ عقل اور سمجھ دے دی اور اسی پر عمل کا مطالبہ نہ کیا جیسا کہ آپ اپنے فرزند کو سرمایہ دے کر تجارت کرنے کو کہتے ہیں کہ اگر نقصان کیا تو سزا ملے گی، اگر ایسا اللہ بھی فرماتا تو کوئی اعتراض کی بات نہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی شفقت ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کو بھی روانہ کیا:

رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل (النساء:١٦٥)

بعثت رسل علیہم السلام کی حکمت

پیغمبروں کو اس لئے بھیجا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں دنیا میں راستہ دکھانے والا نہیں آیا تھا، راستہ دکھانے والے اخیر زمانے میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رحمت مجسم ہیں بھیجا، وہ ۲۳ برس منصب نبوت پر فائز رہے، ۴۰ برس کی عمر میں تاج رسالت پہنایا گیا، ۶۳ برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے اس عرصہ میں آپ کو کتنی تکلیفیں دی گئیں اور کتنا ستایا گیا؟

آج وہ بھی تکلیف دے رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کررہے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستا نہیں رہے ہیں؟ بیٹا اگر خلاف کرے تو صدمہ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہفتہ میں دو مرتبہ اعمال پیش ہوتے ہیں،

باپ کو اولاد سے محبت ہوتی ہے، نبی کو اپنی امت سے باپ سے زیادہ محبت وشفقت ہوتی ہے، جب آپ کے سامنے پیش کیا جائے کہ آپ کا فلاں امتی غیروں کا متبع ہے، داڑھی منڈواتا ہے تو آپ کو صدمہ نہ ہوگا؟

ایک بار ایران کا سفیر بادشاہ دہلی کے پاس آیا مرزا بیدل کا صوفیانہ کلام پڑھ کر لوگ اس کو قطب سمجھتے تھے بادشاہ کے دربار میں سفیر ایران آیا تو مرزا کا تعارف بھی کرایا گیا داڑھی خشخشی تھی پوچھا: ''آغا ریش می تراشی'' مرزا نے کہا ''ریش می تراشم ولیکن دل کسے رانمی خراشم'' سفیر نے جواب دیا ''بلے دل رسول صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی'' مرزا صاحب کمال تھے غلطی معلوم ہوئی تو سر نیچا کر لیا، گھر گئے اور تین دن تک شرمندگی سے باہر نہ آئے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعمال جب پیش ہوں کہ فلاں امتی یورپین فیشن کرتا ہے، کرزن فیشن کرتا ہے، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مقدس کو صدمہ نہ ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکالیف اٹھانا

لقد اوذیت فی اللہ ما اوذی احد مثلی ولقد اخففت فی اللہ ما اخیف احد مثلی (حدیث)

میں اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ کوئی اس قدر نہیں ستایا گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اس قدر ڈرایا گیا کہ کسی کو اس قدر نہ ڈرایا گیا۔ غرض ہر طرح سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں اٹھائیں اور آج سنت کی خلاف ورزی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے ہیں۔

منیب صحابیؓ بنی سلیم کے کہتے ہیں کہ (ایام جاہلیت میں) میں حج کو گیا تھا عرفات کے میدان میں دیکھا کہ ایک جوان سرخ عبا پہنے ہوئے یہ کہتا جا رہا ہے: **یاایھا الناس وحدوا اللہ تفلحو، یاایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحو** اے لوگو ایک اللہ کو مانو فلاح پاؤ گے، اے لوگو! **لا الہ الا اللہ** کہہ لو، کامیاب ہو جاؤ گے، ایک شخص اس کے پیچھے پتھر مارتا ہے اور کہتا جاتا ہے: **یاایھا الناس لا تسمعوا انہ کذاب** اے لوگو اس کی بات نہ سنو یہ بڑا جھوٹا ہے (**نعوذ باللہ**) میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا وہ شخص قریش کا ایک نوجوان ہے جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے، پتھر

مارنے والا اس کا چچا ابولہب ہے، ایسے متعدد واقعات پیش آئے۔

۲۳ برس تک آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دین کی دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کے مظالم سہتے رہے، بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید آتی رہی: واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (نحل: ۱۲۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن (حم السجدہ: ۳۴) صبر کرو اور تحمل کرو اور غمگین نہ ہو، تنگدل نہ ہو، بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہوتیں، پتھر کا جواب پتھر سے اور گالی کا جواب گالی سے مت دو، بلکہ پتھر کا جواب پھولوں سے دو، گالی کا جواب تعریفوں سے دو، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الفرقان: ۶۳) جب جاہلوں سے مقابلہ ہو جائے تو سلام کہہ کر چلے جاؤ۔

ہجرت مدینہ منورہ

مکہ کی تیرہ سالہ زندگی ایسی ہی گذری کفار ظلم کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کرتے رہے، اس کے بعد مدینہ ہجرت فرمائی، ہر چیز قربان کی، اپنی راحت اور گھر بار چھوڑا، مدینہ پہنچ کر بھی آپ کو کفار نے چین لینے نہ دیا، اعلان کیا گیا کہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر لائے اس کو ہر ایک کیلئے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، دشمنوں نے ہر جگہ ڈھونڈ نا شروع کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محافظ خدا تھا اس نے اپنے لطف وکرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا کر مدینہ پہنچا دیا۔

مدینہ والوں کو مکہ سے زوردار خط بھیجا گیا کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دو ورنہ جنگ ہوگی، تمہارے مردوں کو قتل کر دیں گے، عورتوں کو باندی اور بیٹوں کو غلام بنا کر تمہارے باغوں کو اجاڑ دیں گے، یہ سن کر بڑے بڑے بوڑھوں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، مدینہ کے بڈھے تجربہ کار کہتے تھے کہ ہم قریش سے لڑ نہیں سکتے، قریش سَب سے زیادہ قوت والے پیرزادے اور

سارے عرب ان کے طرفدار ہیں، نوجوانوں نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور ہر قبیلہ کے نوجوان حمایت کیلئے تیار تھے، بوڑھے مقابلہ سے ڈرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (کفار مکہ) کے حوالے کرنے پر آمادہ تھے قریب تھا کہ آپس میں تلوار چل جاتی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سمجھایا یہاں تک کہ سکون ہوگیا قریش کو جواب دیا گیا کہ جو چاہو کرلو، ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے قاتل تھے یا کسی کی جائیداد چھین لی تھی؟ ابتداء سے وہ سب کے ساتھ احسان کرنے والے، سچ بولنے والے، امانت رکھنے والے اور سب کی خدمت کرنے والے تھے، آپ صرف یہ فرماتے تھے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، پتھروں کو نہ پوجو، اس کے سوا اور کوئی بات نہ تھی۔

اس جواب پر سب کے سب چراغ پا ہوگئے کانفرنس کی گئی اور طے کیا گیا کہ مدینہ پر چڑھائی کریں گے، خوب چندہ کیا گیا، ایک ہزار اونٹ سامان خرید کرلانے کیلئے شام بھیجے گئے۔

غرض آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم صرف توحید کی تبلیغ کرتے رہے، کسی کا مال نہیں چھینا، کسی کی عزت پر حملہ نہیں کیا، لا الہ الا اللہ کی دعوت دی، ۲۳ سال تک ہر طرح سمجھایا، اصلاح کی، آخر حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں اونٹ پر بیٹھ کر ایک عظیم الشان خطبہ دیا جو بہت طویل تھا، گویا ۲۳ برس کی تعلیم کا نتیجہ پیش کردیا، پھر تین مرتبہ فرمایا: الا ھل بلغت کیا میں نے اللہ کے احکام پہنچادیئے؟ سب نے یک زبان ہوکر تین مرتبہ کہا: قد بلغتنا ونصحتنا بے شک آپ نے اللہ کے احکام کی تبلیغ کی، اس پر تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم اشھد اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے تبلیغ کردی۔

دعوت وتبلیغ

بھائیو! آپ کی یہ مجلس تبلیغ کی ہے یہ تبلیغ اصل میں وظیفہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم

کا ہے وہ کام جو تم کررہے ہو معمولی نہیں تم کو کیسی خدمت سپرد کی ہے حقیقت میں کام لینے والا اللہ ہے اگر وہ نہ چاہتے تو تم کیا کرتے؟ وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ رب العلمین (التکویر:۲۹)

ارشاد ہے: یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صدقین (الحجرات:۱۷)

خدا کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں اس چیز کو ڈالا ہے، اسی ہندوستان میں ہمارے باپ دادا اور بہت سے لوگ گذر گئے جو آپس میں لڑتے رہے اور دنیا کے پیچھے پڑے رہے لیکن ان کو تبلیغ کا کبھی خیال نہیں آیا، خدا تعالیٰ نے ہمارے زمانے کے علماء اور اہل خیر کو اس کی توفیق دی، تم بہت سے بندگان خدا کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر رہے ہو، جو کلمہ اور نماز نہیں جانتے تھے کیا وہ مستحق دوزخ نہ تھے تم ان کو سمجھا کر اللہ کے راستے پر چلاتے ہو، تو کیا دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہیں کر رہے؟

اللہ جس کو چاہتا ہے بچاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گراتا ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

خدا کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں اس کی توفیق دی، یہ بات ضروری ہے کہ بہت سے لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے، تم کیا ہو؟ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی اور آپ کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا؟ تم گھبراؤ نہیں، پریشان نہ ہو، اگر بیوقوف اور جاہل برا بھلا کہیں، طعنہ دیں تو سن لو، یہ سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور سنت ہے انبیاء سابقین علیہم السلام کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقد اوذیت فی اللہ الخ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی اور کوئی بھی سیدھا نہ ہوا تو اس کے باوجود تمہارا بڑا درجہ ہے اور تمہیں پورا اجر ملے گا، تم اطمینان رکھو تمہارا کام اللہ کے دربار میں مقبول ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر فتح کرنے کیلئے بھیجتے

ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جاتے ہی قتال شروع کردوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں جا کر ٹھہرو اور لوگوں کو لاالٰہ الااللہ کی طرف بلاؤ اگر نہ مانیں تو دوسرا معاملہ کرنا اس لئے کہ: لان یھدی اللہ بک رجلاً خیر لک من الدنیا وما فیھا. ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ ہدایت کردے تو وہ تمہارے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، دوسری روایت ہے کہ تم کو جوان اونٹوں کے ملنے سے بھی بہتر ہے۔

بھائیو! تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہے اللہ پاک تمہاری جدو جہد سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور تم سے اسلام کی خدمت لے، تم ہرگز تنگدل مت ہو، تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اٹھانی پڑیں۔ کیا تم کو خبر ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے کیوں نکلے؟ وہ عراق میں پہنچے، شام، ایران، افغانستان، سندھ یوپی، بہار اور جنوب میں دکن تک پہنچے، یہاں تک کیوں پہنچے؟ انکا مقصد کیا تھا؟ کیا ملک فتح کرنا تھا؟ کیا دولت لوٹنی تھی؟ ہرگز نہیں! ان کا اصل مقصد صرف لا الٰــہ الا اللہ کی دعوت دینا تھا، دنیا کو سچے دین پر لانا تھا، اللہ کے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانا تھا اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا تھا، بعد والوں نے بیوقوفی کی کہ دنیا کے پیچھے پڑ گئے، تاریخ گواہ ہے کہ ہند میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چار پانچ لاکھ تھی مگر تقسیم ہند کے وقت دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان تھے۔

ہمارے اسلاف بزرگوں نے اور اولیاء کرام نے تبلیغ دین کیلئے بہت ہی کوششیں کیں، ایک انگریز سمتھ لکھتا ہے کہ: حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر نوے لاکھ ہندو مسلمان ہوئے، ان کے پاس کیا تھا؟ کوئی فوج تھی؟ فقط اللہ کی معرفت کا خزانہ تھا۔ ہر جگہ اللہ کے سچے بندے گذرے ہیں جنہوں نے دین کی تبلیغ کی، میں نے تاریخ ترکی میں دیکھا کہ ترک قوم کے تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے، اللہ کا کرنم کہ تبلیغ کی کوشش وہ پھل لائی کہ ایک زمانے میں بعض حکام کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو مسلمان

ہونے سے روکیں۔ ۱۰۰ھ میں خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں خراسان کے حاکم کو یہ خطرہ ہوا کہ جزیہ بند ہونے سے خزانہ خالی ہو جائے گا اس لئے اعلان کرنا پڑا کہ کسی کا اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جائے گا جب تک وہ بوڑھا نہ ہو، یہ تکلیف دہ بات تھی اس حکم کے جاری ہونے سے اسلام کی ترقی رک گئی، اب خلیفہ کو اطلاع ملی کہ والی خراسان نے اسلام پر پابندی لگادی ہے تو آپ نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کر دیا اور فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آئے تھے کہ اس پر اسلام کو موقوف رکھا جائے؟

میرے بھائیو! ہمارے اسلاف کی کوششوں سے، اہل اللہ، علماء کرام اور عام مسلمانوں کی کوششوں سے دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان ہو گئے، اگر غلط کاری نہ ہوتی تو یقیناً ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمان ہو جاتا۔

میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی، یہ مبارک کام ہے، اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں اللہ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں کی بھی، اللہ آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے۔

بھائیو! تنگ دل نہ ہوں، اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں، سب کو اللہ کی رضا اور خوشنودی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلاؤ، خود بھی عمل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بناؤ، سیرت اختیار کرو۔

میں نے آپ بزرگوں کی بہت سی سمع خراشی کی اب میں آپ حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوا آپ سے جدا ہوتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ میری معروضات پر غور وفکر فرمائیں گے اور عملی کارروائیوں میں پرزور حصہ لیں گے، خدا آپ کی اور ہماری مدد فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین (ماخوذ از چراغ محمد ص ۴۴۵)

فلسفہ معراج سائنس کی روشنی میں

سچے مذہب کی تعلیم اور اس کے اثرات

سچے مذہب کی تعلیم چونکہ ایسے مقدمات پر مبنی ہوتی ہے جن میں کسی قسم کی کمزوری نہیں ہوتی اور نہ ان میں وہم وخیال کے تصرفات بیجا کو راہ ہوتی ہے: لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ اس کے آگے پیچھے سے کسی قسم کی باطل چیز نہیں آسکتی۔ وہ ایک ایسے کامل العقل، راست باز، ہمدرد خلائق، حکیم کے ذریعہ سے کی جاتی ہے جس نے اپنے کمالات کو آفتاب سے زیادہ تر روشن ثابت کردیا ہو، یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے سمجھدار، عمدہ روحانی قابلیت والے اشخاص اس کی روشنی اور ہدایت کے اسی طرح گرویدہ ہوجاتے ہیں جس طرح صحیح اور تندرست معدہ عمدہ غذا کا فریفتہ ہوتا ہو، اس کو اچھی طرح ہضم کرلیتا ہے مگر جس طرح بیمار اور ماؤف معدہ غذا صالح سے نہ صرف نفرت ہی کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کو ایسی غذا سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے اسی طرح ایسی صاف اور تیز روشنی سے ان لوگوں کو جن کا روحانی معدہ خراب اور مریض ہے نفرت ہوتی ہے اور وہ بجائے ہدایت کے گمراہی کے گڑھوں میں گرجاتے ہیں۔

اگر آیت: یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٓئک ھم الخاسرون (خداوند کریم بہت سے لوگوں کو اس قرآن کی روشنی سے گمراہ کرتا ہے

اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے سوائے ان فاسقوں کے (جن کے روحانی اعضاء برباد ہو گئے ہیں) کسی کو گمراہ نہیں کرتا یہ فاسق لوگ خدا کے عہدوں کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم خدا نے دیا تھا ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہی لوگ ٹوٹے میں پڑنے والے ہیں) امر ثانی پر دلالت کرتی ہے، تو آیت: ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب (یہ قرآن زوردار ہدایت کرنے والا ان لوگوں کیلئے ہے جن کے روحانی اعضاء صحیح وسالم ہیں ان میں خدا سے ڈرنے اور ان کے مخالف امور سے پرہیز کرنے کا مادہ موجود ہے وہ غیب کی آنکھوں سے اوجھل ہونے والی باتوں پر دلائل باہرہ کی بنا پر یقین لاتے ہیں الخ) وغیرہ امر اول کیلئے شاہد ہے۔

ہاں آفتاب اپنی بے نہایت نورانیت اور تابش کی وجہ سے ایک عالم کیلئے رحمت کاملہ ہے مگر شپر چمگادڑ، جنات، شیاطین وغیرہ کیلئے باعث عذاب بھی ہے۔ شیرینی تندرست آدمی کیلئے نہایت مرغوب ہے مگر صفراوی بیمار کیلئے بے حد آزار رساں، جس طرح احول (بھینگے) کو ایک چیز دو دو دکھائی دیتی ہیں اور اس مرض میں وہ اپنے آپ کو حقانی سمجھتا ہے اسی طرح روحانی امراض والے بہت سے ان یقینی اور قطعی باتوں کو نہ صرف اشتباہ کی نظر سے دیکھتے ہیں جن کو ایک سچا ریفارمر، اعلیٰ درجہ کا ذکی اور عقلمند پیغمبر لے کر آیا ہے بلکہ اس پر نہایت زور شور سے انکار کرتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں، آوازے کستے ہیں، اس کو مجنون دیوانہ بتاتے ہیں، حالانکہ خود بیماریوں اور کم عقلیوں میں مبتلا ہیں اگر وہ اپنی بیماری کو پہچان جاتے تو یہ خرابی ان میں رونما نہ ہوتی، ہر پیغمبر کے زمانہ میں یہ حالت پیش آئی اور جناب سید المرسلین علیہ السلام کے زمانۂ نبوت میں بھی یہی واقعہ درپیش آیا۔

واقعہ معراج اور اس کے منکرین

معراج جسمانی کا وہ مشہور ومعروف واقعہ جس سے نہ صرف احادیث صحیحہ کے دفاتر بھرے ہوئے ہیں بلکہ سورۃ اسراء اور سورۃ نجم کی آیتیں بھی کفایت سے زیادہ اس پر روشنی ڈال رہی ہیں،

ہر زمانہ میں کم عقلوں اور روحانی بیماروں کیلئے موجب حسرت ویاس ہوتا رہا، خود زمانۂ نبوت میں بہت سے لوگوں کی گمراہی اور ضلالت اس کے باعث ظاہر ہوئی اور ارتداد کے گڑھے میں گر کر بہتوں کو اپنا دین وایمان گنوانا پڑا، ان کو ایسی تیز اور قوی حرکت اپنے جیسے جسم سے ادراک عقل، اور سمجھ سے بالا معلوم ہوئی اور مستحیل الوقوع خیال کرنے لگے، ہر چند بعد از امتحان جس میں بیت المقدس کی عمارت اور راستہ کی تفصیلات آنے اور جانے والے قافلوں کی کیفیت کا سوال تھا بہت سے لوگوں کو سچائی کا یقین ہو گیا (کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتحان میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کر لی تھی اور آپ کی خبریں واقعی ثابت ہوئی تھیں) مگر تاہم ایک جماعت اپنے گمراہانہ اصرار پر جمی ہی رہی۔ جس طرح قرن اولیٰ اسلامیہ میں جبکہ یونانی فلسفہ عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا تو اس کے کمزور اور غیر قطعی اصولوں نے ایک تو کریلا کڑوا اور نیم چڑھا کا کام دیا، اس بطلیموسی فلسفہ کی بنا پر وہ شبہ جسمانی سریع الحرکتی کا تو تھا ہی آسمانوں کے دروازوں اور اس سے تجاوز کر کے صعود وغیرہ کے بھی کمزور شبہات پیش آئے۔

ان کو آسمانوں میں خرق والتیام کا ہونا، ہر دو آسمان میں فاصلہ عظیمہ کا متحقق ہونا وغیرہ وغیرہ امور باعث پریشانی ہوئے، اس زمانے میں بھی بہت سے لوگ ڈگمگا گئے۔ اگر ایک جماعت نے اپنے تدین کا ثبوت انکار معراج جسمانی اور اثبات معراج روحانی سے دیا تھا، تو دوسری جماعت نے بالکل صاف انکار کر دیا یا طرح طرح کی تاویلیں کیں، ملاحدہ بھی مختلف وجوہ سے آوازنے کسنے لگے۔

سائنس سے اصول مذہب میں تبدیلی

اس زمانہ میں یورپ میں بھی جبکہ فیثاغوری سائنس کا دور دورہ ہوا اور آلات جدیدہ اور اختراعات ریاضیہ نے اپنا پرزور مظاہرہ کیا تو مشرقی عقول مغرب کے سفسطہ کے سامنے اس طرح سربسجود ہو گئیں کہ جو کچھ بھی کسی مغربی یورپین نے کہہ دیا بغیر تحقیق مقدمات وتدقیق دلائل آمنا اور سلمنا کہنے لگے، اسکولوں اور کالجوں وغیرہ میں یہ فلسفہ داخل کیا گیا اور صاف ہونے والے

سینوں اور روحانی قلوب میں اس کا نشو ونما اس طرح سے ظہور پذیر ہوا کہ جو جو اصول اور مقدمات اس فلسفہ جدیدہ کے ان کو وہاں پلائے گئے تھے نہایت مضبوطی اور آسانی کے ساتھ ان کے قوائے فکریہ اور ارواح میں بچ گئے، وہی قطعی نتائج اور یقینی اصول دکھائی دینے لگے جن کا انکار یا ترمیم سب سے بڑا جرم معلوم ہونے لگا۔ مذہبی اصول وقواعد خواہ کیسے ہی قوی اور یقینی کیوں نہ ہوں ان سائنسی اصولوں کے مقابلہ میں کمزور ہی نہیں بلکہ ہیچ بھی معلوم ہونے لگے، ان مذہبی اصولوں کے دلائل، ان کے مقدمات، ان کے وسائل وغیرہ کو اپنی سادہ لوحی اور یورپ کی تقلید وسائنس جدید کی بے وجہ تصدیق کی بنا پر ان لوگوں نے نہ صرف غیر قابل التفات قرار دیا بلکہ ان کو لچر اور پوچ خیال کرتے ہوئے پس پشت ڈال دیا، یا تو مذہب سے بالکل بیگانہ بن گئے اور یا ان مذہبی اصولوں اور مسلمات امور کی کانٹ چھانٹ تنسیخ تبدیل اس طرح پر کردی کہ سائنس جدید کا تصادم بالکل جاتا رہے۔ انہوں نے سائنس کے اصول کو اپنی مساعی کا نقطۂ نظر اور امام بنایا اور مذہبی قطعی اصولوں کو موم کی ناک، اور بزعم خود مذہب کے بہت بڑے حامی اور مددگار بن گئے، اپنی تقریروں اور تحریروں میں جس طرح اصول مذہبی کو پوری طرح تسلیم کرنے والوں پر تبرابازی کا بازار گرم کرتے ہوئے ان کی تجہیل اور تصفیہ کی، اسی طرح خراج تحسین وصول کرنے کی غرض سے اپنی مساعی کو جمیلہ اور اپنی کوششوں کو دقیقہ بھی دکھلایا۔

واقعہ معراج کا انکار

چنانچہ کسی نے کوشش کی کہ روایت معراج میں خلاف واقعہ انقطاع اور ضعف ثابت کرے، کسی نے سعی کی کہ ان میں اضطراب کا پھندا ڈال کر صحت اور اعتبار کے میدان سے دور پھینک دے، کسی نے قلم اٹھایا تو معراج جسمانی کی روایتوں پر نام نہاد اعتراضوں کی بوچھاڑ کر کے روحانی معراج کا ڈنکا بجایا، کسی نے اس کو بیداری اور یقظہ کے مقام سے نکال کر خواب اور رؤیا کا خوش کن جنگل دکھایا۔ روایت کے فن میں جب داخل ہوئے تو مسلمات فن روایت کے نہایت مضبوط قلعوں کو نہ صرف مسمار کر بیٹھے بلکہ اس پر اس قدر زور وشور کی گرزباری اور گولہ اندازی کی

کہ اس کے اجزاء ریت بن کر اڑ گئے حالانکہ فن تواریخ میں جب ان کے قدم اٹھے تو اس میں لاکھوں قسم کی ایسی کمزوریوں کے موجود ہوتے ہوئے جن کا فن حدیث کی ضعیف سے ضعیف روایت میں عشر عشیر بھی موجود نہیں ہے ان تاریخی واقعات کو قطعی اور یقینی شمار کرنے لگے فن روایت میں جب انہوں نے جادہ پیمائی شروع کی تو سائنس اور فلسفہ کے ان مسلمات اصولوں کے سامنے جن کا ماننا محض تقلید یا شخصی خیال یا کمزور استخراج کی بنا پر ہے قوی سے قوی اصول مذہبی کی توہین کرنے لگے۔

جدید سائنس کی عدم تکمیل

وہ سائنس جدید جس کی تکمیل کا دروازہ باقرار ارباب فن ابھی تک بند نہیں ہوا اور نہ اس کے آلات علم ابھی تک پایۂ انتہاء کو پہنچے ہیں جس میں روزانہ نئی نئی زیادتیاں اور تنسیخ وتبدیلی ہوتی رہتی ہے اس کے قواعد کو برہانی اٹل سمجھنے لگے، خود دیکھ رہے ہیں کہ عرصہ دراز تک علماء سائنس روحانیت کا انکار کرتے رہے مگر پھر واقعات وشواہد نے ایسا مجبور کیا کہ نہ صرف وجود جنات وملائکہ کے مقر ہوئے بلکہ امریکہ کے مشہور مشہور سائنسدان ہمزاد کے وجود کے بھی مقر ہو گئے اور اس کیلئے دلائل حسیہ اور غیر حسیہ کو قائم کرنے لگے۔ ایک عرصہ تک آفتاب کو غیر متحرک مانا جاتا تھا مگر پھر اکتشافات نے مجبور کیا کہ نہ صرف اس کیلئے حرکت وضعی (دوری) کا اقرار کیا جائے بلکہ حرکت اپنی بھی اپنے محور پر تسلیم کی جائے، جس طرح روحانیت اور فلکیات میں بے شمار تحقیقات روزانہ ہوتی رہتی ہیں اور سائنس ان کی بنا پر اپنی سابقہ غلطی تسلیم کرتے ہوئے پرانے قواعد اور مسلمات میں تغیر وتبدل کرتی رہتی ہے یہی حالت جمادات، نباتات وغیرہ میں بھی جاری ہے، آج جمادات میں نہ صرف زوجیت کا اقرار ہے بلکہ ان میں تعشق ونفرت، رنج وراحت، دل اور روح وغیرہ وغیرہ حالتیں بھی مانی اور ثابت کی جاتی ہیں علم طبقات الارض میں، اور علیٰ ہذا القیاس احجار وجواہر وغیرہ میں، روزانہ جو جو اکتشافات جدیدہ واقع ہو رہے ہیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تعجب کی بات نہیں کہ ایک ایسے فن کو جو کہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا اپنا

امام بنایا جائے اور باوجود ضعف دلائل فن سائنس جدید مذہب کے قطعی اصولوں میں اعتراضات کوجگہ دی جائے ،تبدیلی وغیرہ ظاہر کی جائے اورروایات وغیرہ میں باوجود صحت وقطعیت اشتباہات پیدا کئے جائیں۔

سرعت حرکت اور واقعہ معراج

جوفتنہ سرعت حرکت کا زمانہ نبوت میں پیدا ہوا تھا اور قرون سابقہ میں اس پر استزادہ کی نوبت آئی تھی وہی فتنہ مع زیادت متعددہ آج بھی پیش آ رہا ہے۔آج یہ بھی سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آسمانوں کا وجود نہیں ،ہوا دو تین میل کے بعد ایسی نہیں کہ کوئی حیوان اس میں زندہ رہ سکے وغیرہ وغیرہ ،بڑی چیز اس مقام میں جس نے ہر زمانہ کے لوگوں کو حیرت میں ڈالا وہ حرکت کی سرعت کا انتہائی درجہ ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زدن میں بیت المقدس (یروشلم) پہنچایا پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی درمیانی مسافت کو قطع کرا کے غیر محدود مقام تک سیر کرائی اور پھر تھوڑی سی مدت میں واپس بھی پہنچا دیا ،رات کا حصہ بھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ یہ سب کارروائی اختتام کو پہنچ گئی ۔یہ چیز اگر چہ جہلاء عرب کیلئے ایک درجہ میں موجب انکار ہوسکتی تھی، مگر قرون اولیٰ اسلامیہ کے فلسفیوں کیلئے نہایت تعجب خیز ہے اور اس زمانہ کے سائنس دان روشن خیالوں کیلئے اس سے بھی زیادہ باعث تعجب ہے۔ہم اس مقام پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں ،عرب کے احوال پر اولاً اور قرون اولیٰ اسلامیہ کے مسلمات پر ثانیاً اور اپنے زمانہ کے سائنس دان حضرات کے اصولوں پر ثالثاً تھوڑی سی بحث کریں گے۔

اہل عرب کے احوال

عرب کے باشندے کہانت کو تسلیم کرتے تھے جس کا حصول جنات سے ہوتا تھا ،جنات کی تیز اور تند حرکت کے ماننے میں ان کو پس وپیش بھی نہیں ہوتی تھی ،اسی طرح ملائکہ اور فرشتوں کی تیز اور قوی حرکت کا ان کو اقرار تھا ،اور یہی وجہ تھی کہ باوجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی مخالفت اور تکذیب کے انہوں نے کبھی اس مقدمہ کا انکار نہیں کیا کہ بہت جلد بارگاہ

خداوندی سے فرشتہ وحی لے آتا ہے، یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ کسی فرشتہ میں یہ قوت نہیں کہ چشم زدن میں آسمانوں کے اوپر سے کوئی چیز لا سکے اور نہ فرشتوں کے وجود کا ان کو انکار تھا اس لئے ان کو سوچنا چاہئے تھا کہ جبکہ جنات، فرشتوں، وغیرہ میں اس قدر قوت ہے کہ آنا فانا میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں تو اگر روح نبوی میں اس قدر قوت ہو کہ آنا فانا میں اس جسم کو لے کر آسمانوں اوران کے اوپر تک پہنچ جائے یا جسم نبوی نے روح قویہ کی مجاورت کی وجہ سے روحانی خفت ایسی پیدا کرلی ہو کہ آنا فانا میں روح کے ساتھ اڑتا چلا جائے یا کسی قوی فرشتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اور جسمانی برداشت کی اور آپ کو اپنی قوت سے ایک منٹ میں کہیں سے کہیں اٹھا کر پہنچادیا تو کیا استبعاد ہے، اور کیوں یہ امر محال شمار کیا جائے؟۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی گئی تو فرمانے لگے کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارشاد فرمایا ہے تو ضرور وہ سچے ہیں لوگوں نے جب اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرمانے لگے کہ ہم تو روزانہ اس سے بھی زیادہ تر تیز اور زیادہ تر دور کی خبریں سنتے رہتے ہیں اوران کی تصدیق میں تامل نہیں کرتے یعنی عرش بریں کے اوپر سے صبح وشام وحی دم کی دم میں آتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سچا جان کر اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں پھر اس معراج میں کونسا اچنبھا ہے اس جواب نے استہزاء کرنے والوں اور معترضین کے منہ میں پتھر بھر دیئے اور اپنا سا منہ لے کر واپس ہو گئے۔ جن لوگوں کے حصہ میں سعادت ابدی لکھی ہوئی تھی اوران کو عقل وتدبر کا روشن مادہ ملا تھا وہ سمجھ کر بوجھ کر ایمان اور اسلام پر قائم رہے اور جن کی سرشت گمراہی اور کم عقلی کی تھی وہ محال سمجھ کر باوجود وضوح دلائل وظہور معجزات متعددہ ارتداد اور کفر کی تاریکیوں میں ہمیشہ کیلئے گر کر برباد ہو گئے۔

قدیم سائنس کے مسلمات اور معراج

بطلیموسی فلسفہ کے دلدادوں اور یونانی سائنس کے فریفتوں نے اس جسم انسانی صغیر کی اس قدر سریع حرکت کو مستحیل اور مستبعد خیال کیا مگر خود اپنے مسلمات سے غافل رہے، جرم آفتاب

جو کہ بقول صاحب تذکرہ زمین سے (۱۶۶) درجہ اور بقول طوسی وکاشی ((۳۲۶) درجہ بڑا ہے (یعنی اس قدر ضخامت اور بڑائی رکھتا ہے کہ زمین جیسے ایک سو چھیاسٹھ سے زائد اجسام اس سے بن سکتے ہیں اور دوسرے فلاسفہ کے نزدیک زمین جیسے تین سو چھبیس اجسام اس میں سما سکتے ہیں) وہ اپنی وضعی (اپنی جگہ چکر کھانے والی) حرکت میں ایک سیکنڈ سے کم میں اپنے محیط کا آدھا حصہ طے کر لیتا ہے یعنی اس کے وہ اجزاء محیط جو کہ قطر کے ایک کنارہ پر تھے ایک سیکنڈ سے کم میں دوسرے کنارہ پر آجاتے ہیں، غرضیکہ آفتاب کے محیطی اجزاء خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے بقول صاحب تذکرہ ایک سیکنڈ سے کم میں بیس لاکھ پچھتر ہزار میل سے زیادہ مسافت طے کرتے ہیں اور بقول طوسی وکاشی چالیس لاکھ پچھتر ہزار میل سے زیادہ ہر جزو طے کرتا ہے (کیونکہ زمین کا محیط پچیس ہزار میل قرار دیا گیا ہے آفتاب کی ضخامت مذکورۃ الصدر کو ہر دو اقوال پر جبکہ لحاظ کرتے ہوئے نصف محیط کو حرکت وضعی مذکورہ کا موضع حرکت قرار دیا جائے تو یہی مقدار نکلے گی) ایک سیکنڈ سے کم میں اس قدر مسافت کا قطع کرنا ایک ایسی سریع اور تیز حرکت ہے جس کی وجہ سے معراج جسمانی کی حرکت نہایت واضح طور پر قرین عقل معلوم ہوتی ہے اور ان مسلمات سائنس قدیم کا تسلیم کرنے والا کسی طرح بھی وقوع معراج میں شبہ نہیں کر سکتا، پھر جبکہ جسم انسانی جیسے چھوٹے جرم کی حرکت خیال کی جائے تو اس سے ہزاروں گنا تیز حرکت کا ثبوت ملتا ہے جس پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

معراجی حرکت سائنس کی روشنی میں

چونکہ سائنس قدیم آفتاب کے علاوہ حرکت وضعی حرکت قسری غیر قسری دونوں قسم کی تسلیم کرتی ہے اور قسم اول یعنی قسری کا دورہ ۲۴ گھنٹہ میں اور قسم دوم یعنی غیر قسری (طبعی) کا دورہ سال بھر میں تمام ہے اس لئے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراجی حرکت کو آفتاب کی قسم اول (قسری) والی حرکت پر قیاس کرتے ہیں تو استحالہ تو درکنار تعجب اور استبعاد بھی رفو چکر ہو جاتا ہے۔ علم مساحت اور ریاضی میں تسلیم کیا گیا ہے کہ قطر کرہ مساحت میں محیط کی ایک تہائی

سے کچھ کم ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت قطر پر تھی محیط پر نہ تھی اور چونکہ ابتدائی حرکت مرکز عالم کے بعد سے تھی اور چونکہ زمین کی سطح ظاہری پر سے ابتداء واقع ہوئی یعنی مرکز عالم سے حسب تصریحات سائنس قدیم تین ہزار آٹھ سو ساڑھے سترہ میل اوپر سے واقع ہوئی، اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت معراجی کی مسافت چھٹے حصہ سے بھی کم ہوئی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اگر آفتاب کی مسافت جسم کے برابر ہوتا تو حسب قانون حرکت شمس یہ جملہ مسافت فقط تین گھنٹے میں قطع ہوسکتی تھی جس میں آمد و رفت میں چھ گھنٹے خرچ ہوتے مگر جرم کی بڑائی کا مانع حرکت ہونا اور چھوٹائی کا مؤید حرکت ہونا بدیہی اور مسلم مسئلہ ہے اس لئے جب اس نسبت کو جو کہ جسم نبوی کو جرم آفتاب کے ساتھ ہے خیال کرتے ہوئے دونوں کی حرکت اور سرعت وبطوء پر تقسیم کریں تو شاید دونوں حرکتیں (عروجی ونزولی) ایک سیکنڈ کی بھی متحمل نہ ہوسکیں گی، اگر چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسافت حرکت فقط محیط فلک شمس تک محصور نہ تھی مگر فلک الافلاک جو کہ اپنی طبعی حرکت سے تمام ماتحت افلاک کو ترکت دے رہا ہے اور چوبیس گھنٹہ میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے اس کی حرکت محیطی اور قطری کا بھی وہی حال ہوگا جو فلک شمس اور شمس کا ظاہر ہوا۔

جسم کبیر اور جسم صغیر کی حرکت میں فرق

سائنس قدیم اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ جسم کبیر میں موانع حرکت اور عوائق بہت زیادہ ہوتے ہیں اور صغیر میں کم اور یہی وجہ ہے کہ حرکت دینے والے کو بڑے جسم کو حرکت دینا اور تیز لے جانا سخت دشوار ہوتا ہے جو کہ جسم صغیر میں نہیں پایا جاتا، اور یہ بھی مسلمات سائنس قدیم مین سے ہے کہ دنیا میں سب سے بڑے پہاڑ (جس کی بلندی تقریباً سات میل ۲٫۳ فرسخ ہے) کی نسبت زمین کے قطر سے ایسی ہے جیسی کہ جو کے چوڑائی کے ساتویں حصہ کی نسبت ایسے کرہ سے جس کا قطر ایک ذراع ہو اور چونکہ ایک ذراع چوبیس انگلیوں کا ہوتا ہے اور ایک انگلی چھ جو کی شمار کی گئی ہے اس لئے ایک ذراع ایک سو چوالیس جو کا ہوا جس کو اگر سات میں ضرب دیں تو وہ

نسبت حاصل ہو سکے گی جو کہ جو کی چوڑائی کے ساتویں حصہ کو ایسے کرہ سے ہوتی ہے جس کا قطر ایک ذراع ہو یعنی دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ کو زمین کے قطر کے ساتھ وہ نسبت ہے جو کہ ایک کو ایک ہزار آٹھ کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد جسم انسانی کی دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ کی نسبت کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس ڈھائی گز کے اونچے جسم کو ے میل کے ساتھ کیا نسبت ہے اور پھر غور کیجئے کہ اگر وہ قوت جو کہ آفتاب کو چوبیس گھنٹہ میں پورے محیط کو قطع کرا دیتی ہے اگر آفتاب کو بقیہ نصف قطر پر (بعد منتہائی سطح زمین از مرکز عالم) حرکت دے گی تو تین گھنٹہ سے کم میں مسافت مذکورہ قطع ہو جائے گی اور اگر جسم ارضی کو اس مسافت پر حرکت دے گی اور بقول صاحب تذکرہ ہم زمین کو فقط (۱۶۶) درجہ ہی چھوٹا مانیں تو تقریباً ایک منٹ ۶ سیکنڈ میں پوری مسافت مذکورہ قطع کرا دے گی، اور اگر سب سے اونچے پہاڑ جس کی بلندی ے میل تھی اور جس کی نسبت زمین کے ساتھ وہ تھی جو کہ ایک کو ایک ہزار آٹھ سے ہے تو تقریباً ایک منٹ کے ایک ہزار آٹھویں حصہ میں قطع کرا دے گی، اور جسم انسانی کو جس کی نسبت جسمانی سب سے بلند پہاڑ کے ساتھ نہایت ہی ظاہر اور باہر ہے ایک سیکنڈ کے کتنے ہزار حصہ میں قطع کرا دے گی؟۔

افسوس ہے کہ بطلیموسی سائنس اور یونانی ہیئت وریاضی پر ایمان لانے والوں نے اس حالت پر ذرا بھی غور نہ کیا اور نہایت ظاہر اور باہر اور واقع ہونے والی شی کو محال سمجھ کر انکار کر بیٹھے اپنے گھڑے ہوئے اصولوں پر توجہ نہ کی اور صحیح و مستند احادیث اور ظاہر و بین آیات میں طرح طرح کی تاویلیں گھڑنے لگے اور مذہب کے مسلمات کو سلام کر بیٹھے۔

ان لوگوں کو یہ شبہ بھی دامن گیر ہوا کہ معراج کی وہ کیفیت جو کہ آیتوں اور حدیثوں میں ذکر کی گئی ہے جب ہی قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ آسمان میں خرق والتیام کو مانا جا سکے اس میں دروازہ وغیرہ مسلم ہو مگر فلسفہ قدیمہ اس کا منکر ہے، یہ شبہ ایک ایسا واہی ہے کہ سوائے اس دہری اور ملحد کے جو کہ کسی آسمانی مذہب کو نہیں مانتا کوئی شخص تسلیم نہیں کر سکتا، فرشتوں کا عروج ونزول، وحی کا

اتر نا بغیر آسمان کے اندر گزرگاہوں کے ممکن نہیں، پھر قیامت کی یقینی خبریں، قرآن شریف کی فسادعالم اور قیام قیامت پر صاف روشنی ڈالنے والی آیتیں، خرق اور التیام اجرام فلکیہ پر نہایت وضاحت سے دلالت کررہی ہیں۔ تو کیا اسلام کا دم بھرنے والے یا آسمانی ادیان کا اقرار کرنے والے اس میں شامل ہوسکتے ہیں؟۔

قرآن وسنت سے معراج جسمانی کا ثبوت

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا انہ ھوالسمیع البصیر۔

یہ ایک بدیہی اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس طرح انسان اور جملہ مخلوقات عالم اپنے وجود میں خالق وموجد کی محتاج ودست نگر ہے ٹھیک اسی طرح اس کی بقاوزندگی کا مدار بھی رب العزت وپروردگار عالم کی رحمت ومشیت پر ہے، اسی طرح یہ بھی حقیقت واقعیہ ہے کہ موجودات عالم میں اجناس کو انواع کا اور انواع کو افراد کا جامہ پہنانے والی وہ خصوصیات موہوبہ خداوندی ہیں جن کو خالق ارض وسماء نے اپنی مخلوقات میں علیحدہ علیحدہ ودیعت رکھا ہے، نباتات کو جمادات پر اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف یہ کہ نباتات میں مادہ نمووترقی موجود ہے اور جمادات اس سے محروم، حیوانات کو نباتات پر اگر کوئی تفوق ہے تو یہ کہ اس میں علاوہ قوت نمو کے مادہ حس وحرکت بھی موجود ہے، اور انسان کو حیوانات سے جدا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف اس کی قوت ادراک وعقل وفہم وفراست ہی ہے جس کو قدرت کاملہ نے عطا فرما کر اور انسان کو مخلوقات اراضی وسماوی سے بزرگ وبرتر بنا کر اپنی خلافت کے منصب جلیل کیلئے منتخب فرمایا: ولقد کرمنا بنیٓ آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنا ھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً۔

اور البتہ ہم نے عزت دی ہے اولاد آدم کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی محتاج دلیل نہیں کہ تمام مخلوق اپنی ان خصوصیات کے لحاظ

سے متفاوت المرتبہ ہیں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ اور چونکہ وہ عطا غیر اور موہب خداوندی ہیں اس لئے ہر شخص کو حسب لیاقت وقابلیت حکیم مطلق کی طرف سے علیحدہ علیحدہ عطا کی گئیں تو ظاہر ہے کہ عقل وعلم، ادراک وفہم بھی ہر شخص کو حسب قابلیت عطا کیا گیا ہوگا، اور یہ ایسی مشاہد چیز ہے کہ جس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ عقول انسانی نہ صرف باعتبار انواع بلکہ باعتبار افراد کے ہر ہر شخص کی مختلف وکم وبیش ہیں اور چونکہ عقل کامل وعلم نامتناہی خاصۂ خداوندی ہے اس لئے مخلوق کا علم وفہم بھی محدود الخلقت ہونے کی طرح محدود وناقص ہی ہوگا چنانچہ اس دنیا میں جہاں ارسطو، فیثا غورث، افلاطون وجالینوس جیسے مجسمۂ عقل وحکمت کا وجود پایا جاتا ہے وہیں عقل سے کورے سفید وَنودن لوگوں سے بھی دنیا خالی نہیں۔

محض علم وعقل رہبر کامل نہیں

اس تفاوت علم وعقل سے صاف ظاہر ہے کہ محض عقل وعلم رہبر کامل ومنزل مقصود کیلئے ہادی مطلق ہونے کیلئے کافی وضامن نہیں ہوسکتے، اعانت ودستگیری کے بغیر منزل مقصود تک رسائی محال ہے ؎

گر نہ باشد فضل ایزد دستگیر در ہمیں علم وعقل آئی اسیر

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زبردست لشکر جرار جس کا ہر ہر سپاہی فن سپہ گری کا ماہر اور قوت وجرأت کا مالک ہونے کے باوجود جرنل وسپہ سالار کے حکم وارشاد کے خلاف محض اپنی قابلیت وطاقت کے بل بوتے پر اگر نقل وحرکت کر بیٹھے تو جہاں وہ فتح ونصرت سے محروم رہ کر اپنی ہلاکت وتباہی کا باعث بنے گا وہیں سپہ سالار کی ذمہ داری اور اس کے حفظ وامان سے نکل کر اپنی اس تباہی اور اس کے نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا: من عمل صالحافلنفسه ومن اساء فعليها وما ربک بظلام للعبيد جس نے بھلائی کی سو اپنے نفس کیلئے اور جس نے برائی کی تو اس کا خمیازہ اسی پر اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا پس اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا۔

ٹھیک اور بالکل ٹھیک اسی طرح حضرت انسان بھی اگر محض اپنی عقل وادراک کو رہبر کامل تصور کر کے اسی کے بل بوتے پر خدائی فرامین واحکامات کو غیر قابل وقعت یا اس کے سراپا حکمت ومصلحت صریح ارشادات کو سطحی طور سے اپنی محدود عقل کے خلاف سمجھ کر اوران میں کتر بیونت کر کے اپنی عقل کے تابع بنانے کی سعی کرے تو وہ بھی کسی طرح فائز المرام و بامراد نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ عقلی سفسطہ تھا جس نے فرمان الٰہی کے مقابلہ میں سب سے پہلے اجتہاد مطلق کرنے والے ابلیس کو ابدالآباد کیلئے راندۂ درگاہ کر کے ہمیشہ کیلئے خسران وحرمانی کے گڑھے میں گرادیا: قال ءاسجد لمن خلقت طینا کہا شیطان نے کیا میں سجدہ کروں ایک ایسے شخص کو جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا: قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین کہا شیطان نے میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو تو نے نار سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا مٹی سے۔

یہیں سے تقلید واجتہاد مطلق کے بھی بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑسکتی ہے (فتدبر) غرض یہ کہ ناقص جب تک کامل کا تابع اور ارذل اشرف کا مطیع نہ ہوگا کامیابی وفائز المرامی محال ہے۔

منکرین معراج جسمانی کو عقلی دھوکہ

اسی عقل کی کوتاہی اور اس پر بھروسہ کرنے کی کجروی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی سے انکار کرنے پر لوگوں کو مجبور کیا جس کی خبر حق جل مجدہ نے اپنے کلام پاک میں نہایت صاف وصریح الفاظ میں دی ہے۔

ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اللہ کو اپنا خالق ومعبود، قادر وپروردگار ماننے کے بعد اور رسول کو خدا کا سچا اور برگزیدہ پیغمبر تسلیم کرنے کے بعد کس طرح جرأت کرسکتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی خبر اور نبی کی کہی ہوئی بات پر شک، شبہ وتامل وتوہم کی دلدل میں پھنس کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ کامل الایمان وراسخ العقیدہ قلب نے خبر سن کر آمنا و صدقنا کی لبیک بلند کی اور زمین وآسمان میں صدیق کے معزز لقب سے نوازا گیا۔

لیکن جہاں اس وقت بغض وعناد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے کھلی نشانیوں سے انکار کرنے

پر مجبور کر کے ابدالآباد کی شقاوت منکرین کے نامہ اعمال میں لکھ دی وہیں آج بھی نیچریت ومغربیت کی رو میں بہنے والے، عقل نارسا کو رہبر کامل تصور کرنے والے یا اپنی نفسانی اغراض کے مقابلہ میں خدائی احکام وارشادات کو ٹھکرانے والے ایسے انسان موجود ہیں کہ جو کہیں خرق والتیام کے استحالہ کی آڑ میں، اور کہیں طبقات ناریہ وزمہریریہ سے جسد عنصری کے گذر کو محال سمجھنے کے پردے میں، اور کہیں اتنے قلیل عرصہ میں اتنی سیر وسیاحت کے ممتنع الوقوع ہونے کی دلدل میں دھنس کر، یا تو سرے سے معراج ہی کے منکر ہو بیٹھے، یا روایات قویہ کی تردید سے مجبور ہو کر بہت سے معراج روحانی یا منامی کے قائل ہو گئے، جیسا کہ سرسید مرحوم اور دیگر بندگان عقل ووہم اور پنجاب کے مدعی نبوت قادیانی نے اپنے سے پہلے گم کردگان راہ ہدایت کی تقلید میں نہایت صریح الفاظ میں معراج جسمانی کا انکار کر کے نہایت جرأت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا دعویٰ کیا۔

چنانچہ ''ازالہ اوہام'' میں لکھا ہے: یہ معراج جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا، اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی واجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے (ص ۴۷)

یہ ہے پنجاب کے مدعی نبوت کی قرآن دانی اور دعویٰ محبت رسول کی حقیقت، حالانکہ اگر عقل نارسا کی رہبری میں ہی اس مسئلہ پر غور فرمایا جائے اور واقعات ومشاہدات کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً ان فرضی توہمات کا جن اور سائنس وفلسفہ کا بھوت خود بخود ان کے سر سے اتر جائے، لیکن جب ہی جبکہ اغراض وخواہشات نفسانی سے الگ ہو کر محض تلاش حق مقصود ہو۔

حرکت کی سرعت وقلت رفتار چونکہ ایک اضافی چیز ہے جس کی کوئی حد وانتہاء مقرر نہیں جیسا کہ آج ریل اور موٹر وطیاروں وغیرہ کی حرکت عینی مشاہدہ ہے کہ اگر ریل گاڑی ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتی ہے تو موٹر کار ۳۰۰ میل فی گھنٹہ اور طیاروں کی ایٹمی طاقت اس سے بھی زائد پرواز کر سکتی ہے، نیز بقول حکمائے جدید بجلی ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ زمین کے گرد

گھوم سکتی ہے، اور بعض سیارے ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار میل حرکت کر سکتے ہیں، نیز انسان کی حرکت شعاعیہ نظر اٹھا کر دیکھنے سے ایک آن میں ہزاروں میل آسمان تک بلکہ اگر سماوات حائل نہ ہوں تو اس سے بھی آگے پہنچ سکتی ہے۔

تو جو خدا آگ اور پانی اور بجلی میں یہ طاقت دے سکتا ہے کہ جس کے ذریعہ انسانی دماغ اس درجہ سرعت رفتار پر قدرت حاصل کر لے تو کیا اس خدا کی قدرت سے یہ چیز بعید ہے کہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے ایک جسم عنصری کو ایسے براق برق رفتار کی سواری سے چشم زدن میں کہیں سے کہیں پہنچا دے اور اتنی قلیل مدت میں سطح ارض سے گذر کر ملکوت وسماوات کی سیاحت کر کے واپس آ جائے، دراں حالیکہ حضرت سلیمان پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد سے آصف بن برخیا کا آنکھ جھپکنے کے اندر بلقیس کے تخت کو اقصیٰ ایمن سے اقصیٰ شام لا کر رکھنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا مہینوں کی مسافت کو منٹوں میں طے کرنا قرآن عزیز میں مصرح موجود ہے: قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقراً عندہ. بولا وہ جس کے پاس تھا علم کتاب، میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے پھر جب دیکھا اس کو رکھا ہوا اپنے پاس، وایضاً قال تعالیٰ: وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ، وقال ایضاً: ولسلیمٰن الریح غدوھا شھر و رواحھا شھر. یعنی ہم نے حضرت سلیمان کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ ہوا ان کے تخت کو بہت تھوڑی دیر میں مہینوں کی مسافت پر لے جا کر رکھ دیتی ہے۔

تو کیا ان مشاہدات کے ہوتے ہوئے بھی کسی بے عقل کی عقل اس پر مجبور کرے گی کہ جو خدا سلیمان علیہ السلام پیغمبر کیلئے کثافت جرم کے ساتھ ان چیزوں کو آسان فرما دے وہ اپنے محبوب وبرگزیدہ، باعث تخلیق عالم، مجسمۂ انوار وبرکات کیلئے تھوڑی سی دیر میں سیاحت سمٰوٰت وارض پر قدرت نہیں رکھتا: ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کیا مرزا قادیانی اور ان کے امتی اس تحریر پر شرم کرنے کی ہمت کریں گے کہ "کسی بشر کا اس جسم کثیف کے

ساتھ آسمانوں پر اٹھایا جانا خلاف قدرت اور خلاف سنت ہے'' (ازالہ اوھام کلاں ص ۲۵۶ ج ۲)

طبقات ناریہ وزمہریریہ سے جسم عنصری کا مرور

رہا طبقات ناریہ وزمہریریہ سے کسی جسم عنصری کے گذر کو محال سمجھ کر معراج جسمانی کا انکار کرنا جیسا کہ مرزا قادیانی نے ازالۂ اوھام میں لکھا ہے یہ بھی عدم تدبر وعدم واقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ طبقات ناریہ وزمہریریہ کا متوازی السطحین ہونا (جس سے استحالہ لازم آئے) ضروری نہیں تو پھر کوئی استحالہ ہی نہیں رہ جاتا۔

نیز گردش ایام ولیالی اور اختلاف موسم گرما وسرما کے ساتھ چونکہ حرارت وبرودت میں اختلاف شدت وضعف ہونا ایک مشاہد چیز ہے جس کا کوئی احمق سے احمق بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے بظن غالب کہا جا سکتا ہے کہ طبقات ناریہ وزمہریریہ کا کسی خاص مقدار حرارت وبرودت سے متصف ہونا اس کا خاصہ ذاتی نہیں بلکہ عرضی ہے، اور عوارض کا سلب بالا جماع ممکن ہے کہ بوقت صعود وعروج جسد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم بعض اجزاء حرارت وبرودت بالکل غیر مضر ہوں، یا حق تعالیٰ نے ان کے اندر سے صفت حرارت وبرودت ہی کو کچھ دیر کیلئے بالکل سلب کر لیا ہو اور اپنی قدرت کاملہ سے نار کو نور سے بدل دیا ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے: قلنا یا نار کونی بردا وسلا ما علی ابراھیم کہا ہم نے اے آگ ہو جا برد وسلام ابراہیم پر۔

نیز ممکن ہے کہ بوقت معراج شریف جسد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا انوار وتجلیات اور کثافت جرمی سے بالکل پاک بنادیا گیا ہو جیسا کہ احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حضرت جبرئیل ومیکائیل نے زمزم کے پانی سے غسل دے کر اور قلب مبارک کو ہر قسم کی کثافت وآلائش سے پاک وصاف کر کے انوار وحکمت الٰہیہ سے پر کر دیا، تو جبکہ جسم اطہر سراپا انوار وتجلیات الٰہیہ ہو گیا تو پھر برودت وحرارت کے اثر سے کیا تعلق؟۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ زمزم کے خواص سے یہ چیز بھی ہو کہ حرارت وبرودت اس پر بالکل اثر نہ کرے جیسا کہ اسپرٹ کا مشاہدہ ہے کہ جس چیز پر ڈالی جاتی ہے وہ نہیں جلتی۔

نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ برودت وحرارت کا اثر جسم عنصری پر اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ جسم عنصری کا استقرار وقیام قلیل وکثیر اس میں پایا جائے جیسا کہ ہر انسان مشاہدہ کر سکتا ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کی لپٹوں میں کسی چیز کو اگر حرکت دی جائے جیسا کہ بچے بسا اوقات آگ کی لپٹوں میں جلدی جلدی اپنے ہاتھ کو تیزی سے پھراتے ہیں اور آگ بالکل اثر نہیں کرتی۔

تو جبکہ احادیث صحیحہ سے یہ چیز ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ''براق'' برق رفتار کے ایک قدم کی سرعت حرکت تا حد بصر تھی تو پھر استقرار اور قیام ہی جبکہ نہ ہوا تو اثر سے کیا واسطہ؟۔

نیز براق جنت کا گھوڑا ہونے کے باعث ظاہر ہے کہ کثافت وجرمیت دنیاوی سے بالکل پاک وصاف ہوگا، اور یہ مشاہدہ ہے کہ ایک غیر اثر قبول کرنے والی چیز کے ساتھ مل کر دوسری چیز بھی اسی کے اثر میں آ جاتی ہے جیسا کہ لکڑی اور اس کے ساتھ ملی ہوئی دوسری چیز پر بجلی کا اثر نہ کرنا عینی مشاہدہ ہے۔

نیز فرشتوں کا آسمان سے اترنا اور چڑھنا، جنات وشیاطین کا بعض اوقات سماءِ دنیا تک جا کر لوٹنا احادیث سے ثابت ہے۔ نیز جبکہ حسب تصریحات قرآنی حضرت آدم وحواء علیہما السلام کا جنت سے ہبوط اور زمین پر نزول جو یقیناً انہی طبقات سے ہو کر ہوا ہوگا مسلّم، اور قوم عیسیٰ پر آسمانوں سے مائدہ کا نزول جو یقیناً اسی راستہ سے ہوا ہوگا قابل تسلیم ہے۔ تو پھر ان مشاہدات کے ہوتے ہوئے حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ العنصری عروج ونزول کیوں محال اور خلاف عقل معلوم ہوا؟ اور ساتھ ہی خدائے قدیر وتوانا اپنی قدرت کاملہ سے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ اٹھا لے تو کیا استحالہ واستبعاد ہے؟ انما امرہ اذا اراد شیا ان یقول لہ کن فیکون۔

قرآن کریم سے معراج جسمانی کا ثبوت

آیت اسراء کو غور سے ملاحظہ فرمائیے تو اس میں خود ایسے قرائن بلکہ صریح الفاظ موجود

ہیں جن کے ہوتے ہوئے معراج جسمانی میں شک وشبہ کی گنجائش تک باقی نہیں رہتی۔

(۱) "سبحان الذی" لفظ سبحان خود واقعہ کی عظمت وشان اور اس کے امر عظیم ہونے کی طرف اشارہ ہے اور معراج روحانی کوئی امر عظیم وقابل تعجب چیز نہ تھی، جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام فلو کان مناما لم یکن فیہ کبیر شئ ولم یکن مستعظماً (ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۶) پس لفظ تسبیح جز ایں نیست کہ ہوتا ہے امور عظام کیلئے اگر معراج منامی ہوتی تو اس میں کوئی شی تعجب افزا اور عظمت خیز نہ ہوتی۔

(۲) "اسریٰ" اسراء کا لفظ جس کے معنی چلانے اور سیر کرانے کیلئے ہیں بیداری کی حالت کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے خواب یا مکاشفہ کیلئے نہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے: قالوا یا لوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک فاسر باھلک بقطع من اللیل، فاسر بعبادی لیلاً انکم متبعون۔

(۳) "بعبدہ" لفظ عبد کا اطلاق جسد مع الروح پر آتا ہے محض روح کو عبد نہیں کہا جاتا اور قرآن پاک میں اسراء کی نسبت عبد کی طرف کی گئی ہے روح عبد کی طرف نہیں کی گئی ارشاد ہے: اسری بعبدہ ،ابن کثیر میں ہے: فان العبد عبارۃ عن مجموع الروح والجسد تحقیق عبد عبارت ہے مجموعہ روح مع الجسد سے، چنانچہ قرآن پاک میں جہاں کہیں لفظ عبد آیا ہے اس سے روح مع الجسد مراد لیا گیا ہے محض روح نہیں لی جاسکتی: قال اللہ تعالیٰ: وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا الخ ،واذکر عبدنا ایوب انہ کان عبدا شکورا،انزل علیٰ عبدہ الکتاب، نزل الفرقان علیٰ عبدہ ،ان عبادی لیس لک علیھم سلطان،کونوا عبادا، ارایت الذی ینھی عبداً وغیرہ وغیرہ۔تو اصطلاح قرآن کے موافق یہاں بھی عبد سے مراد روح مع الجسد ہی ہوسکتی ہے نہ کہ محض روح۔

(۴) "لنریہ من ایاتنا" تاکہ دکھلادیں ہم اس کو اپنی نشانیاں، دوسری جگہ ارشاد ہے: وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ۔تو لوگوں کیلئے فتنہ وابتلاء محض کشفی وروحانی رؤیت

نہیں ہوسکتی اور نہ ہوئی بلکہ وہ بجسدہ العنصری آسمانوں کی سیر اور حق تعالیٰ سے مکالمہ ومشاہدہ تھا جس کو سن کر اہل قریش نے انکار کیا تھا اور نہ منامی وکشفی معراج سے تو کوئی بھی نہیں انکار کرسکتا تھا اور نہ وہ ابتلاء وفتنہ کا محل تھا۔

(۵) فاوحی الی عبدہ ما اوحی...... مازاغ البصر وما طغی آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ثم دنا فتدلی ،فکان قاب قوسین او ادنیٰ کے بعد بھی ''عبد" کالانا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں وحی الٰہی اور مکالمہ ربانی روح مع الجسد ہی سے ہوا، نیز ''بصر" کا لفظ بھی اس کا قوی قرینہ ہے کہ یہ واقع ہی حالت بیداری میں ہوا۔

(٦) ثم دنا فتدلیٰ، فکان قاب قوسین او ادنی ،لفظ دلی اور پھر قرب ونزدیکی حق جل مجدہ کو بقدر قلت بعد قوسین او ادنیٰ کے ساتھ تعبیر فرمانا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ قربت جسدی مراد ہے اس لئے کہ تشبیہ شئی محدود کے ساتھ شی معین کی ہی ہوسکتی ہے۔

غرض کلام پاک کی ان چند تصریحات بالا سے یہ چیز نہایت واضح ہوجاتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی نہ کہ صرف روحانی یا منامی۔

احادیث سے معراج جسمانی کا ثبوت

تفصیل واقعہ معراج شریف کے دیکھنے سے بھی جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو احوال وانکشافات معراج کے وقت ظہور پذیر ہوئے وہ تمام معراج جسمانی کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں محض روح کے ساتھ ان کا تعلق صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، مثلاً حضرت ام ہانی کے دولت کدہ پر بحالت استراحت یکا یک چھت کا پھٹ کر فرشتہ آنا اور آپ کو جگا کر مسجد حرام میں زمزم پر لے جا کر قلب مبارک کو ماء زمزم سے دھو کر اس کو حکمت ایمان وعرفان الٰہی سے بھرنا، براق پر سوار ہو کر معراج کو تشریف لے جانا درانحالیکہ براق پر جسد ہی سوار ہوسکتا ہے محض روح کہ ایک لطیف وغیر مرئی چیز ہے گھوڑے پر کیسے سوار ہوسکتی ہے، حضرت جبرئیل کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمانوں پر چڑھنا کما جاء فی الحدیث ثم اخذ بیدی فعرج

بی الی السماء، پھرآسمانوں پرانبیاء علیہم السلام سے سلام وکلام اورتقرب الٰہی کے بعدنمازوں کافرض اورآپ کی استدعاء تخفیف وغیرہ وغیرہ ،یہ جملہ اموراس بات کی صریح دلیل ہیں کہ یہ احوال بحالت بیداری جسم اطہر کے ساتھ پیش آئے ،جیسا کہ ابن کثیر میں ہے: ان اللہ اسری بعبدہ علی دابۃ یقال لھا البراق ولو کان الاسراء بروحہ لم تکن الروح محمولۃ علی البراق اذ الدواب لا تحمل الا الاجسام . البتہ اللہ نے سیر کرائی اپنے بندے کودابہ پرجس کوبراق کہتے ہیں اوراگراسراء محض روح کی ہوتی توروح کوبراق پرنہیں اٹھایاجاتا کیونکہ چوپائے جسم کوہی اٹھاتے ہیں،اوراسی پراسلاف عظام اورائمہ دین کاوہ زبردست اجماع ہے کہ جس کے سامنے منکر معراج جسمانی غلام احمدقادیانی کوبھی جب تک اس کوخودعیسیٰ ومحمد بننے کاخبط سوارنہ ہواتھانہایت صریح لفظوں میں سرتسلیم خم کرناپڑاہے۔

چنانچہ ''ازالہ اوہام'' میں ہے کہ ''باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تقریباً تمام صحابہ کایہی اعتقادتھا'' الخ (ص۲۸۸ج۱)

امید ہے کہ منکرین معراج جسمانی کیلئے یہ تحریر موجب ہدایت ہوگی۔

وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

(ماخوذازکتاب ارشادات مدنیؒ)

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ازدواجی پہلو

اور

مسئلہ کثرت ازدواج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین:

مسئلہ تعدد ازدواج حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بہت سے ظاہر بینوں اور متعصب مخالفین اسلام کے خیالات بہت زیادہ سخت ہیں ان لوگوں کے نادرست کلمات اور بلا حقیقت شبہات سے بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی پریشان ہوکر طرح طرح کے اوہام اور شکوک میں پڑ جاتے ہیں، اس لئے ہم بطور اختصار کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جس سے بخوبی عیاں ہو جائے گا کہ آنحضرت علیہ السلام نے کس طرح سخت سے سخت نفس کشی اس بارے میں فرمائی اور اس امر میں وہ بھاری اور ثقیل زہد اختیار فرمایا جس کی نظیر مشکل ہے۔

پادریوں اور عیسائی تعلیم سے متأثر ہونے والوں نے اس اعتراض کو بہت زیادہ اتار چڑھاؤ کے ساتھ اہمیت دی ہے اور انہی کی تقلید میں آریہ حضرات بھی خامہ فرسائی کرتے رہتے ہیں، مگر ہم اس مختصر عرض میں بائبل کے حصہ قدیم (عہد عتیق) کی طرف متوجہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں، اور نہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار

محلسراؤں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آٹھ ہمدموں، حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی متعدد ازدواج کا تذکرہ الزام کے طور پر کریں گے اور نہ اس طرح ہم سری کرشن جی مہاراج کی تیرہ، یا راجہ جراسندھ کی دوسو سے زیادہ چھڑائی ہوئی عورتوں سے ہم بستری کا، یا متعدد گوپیوں سے تعشق اور تعلق کا حوالہ دیں گے (جس کا ان کے ہم مذہب مؤرخین نے تذکرہ کیا ہے) ہم ہر مذہب کی مقدس ہستیوں کو احترام کی نظر سے دیکھنا اسلامی تعلیم کی حیثیت سے ضروری سمجھتے ہیں، ہمارا عقیدہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت نہایت مقدس ہے اس لئے ہم ان روایات کو نہ اہمیت دیتے ہیں اور نہ قطعی طور پر جھوٹی سمجھتے ہیں ان مقدس پیشواؤں کی اگر یہ حالت واقعی ہے تو ان کے منصب عالی کے خلاف بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہماری نظر میں ایسی مقدس ہستیوں کا کریکٹر اور ہی ہے، ہم اس جگہ محض تحقیقی طور پر کچھ واقعی بات عرض کرنا چاہتے ہیں، اعتراض کرنے والے حضرات تاریخ سے یا تو بالکل واقف ہی نہیں ہیں یا شوق اعتراض نے ان کو واقعیت پر نظر ڈالنے سے روک دیا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شباب اور بے نظیر عفت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی عمر سے پچیس برس کی عمر تک کسی عورت یا لڑکی سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہیں کیا جس کی تمام موافق اور مخالف تاریخیں شہادت دیتی ہیں، عشق والفت کے جوش کا زمانہ، جوانی کی امنگوں اور باہی قوت کی ترقی کی عمر، یہی ابتدائی عمر کے سال ہیں، ان ہی ایام میں قوت باہ کی پرزور تاثیر آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے، اور نہ صرف تقویٰ شکن بلکہ حیا اور عزت کو برباد کر دینے والی شہوت کا بھوت انسان پر سوار ہو جاتا ہے، یہی عمر کا وہ زمانہ ہے جس میں جوانی کا جوبن اور شباب کا جنون مردوں اور عورتوں کو ہر مخل ناموس اور مہلک تقدس خواہش پر آمادہ کر دیتا ہے، حرارت غریزی کا بڑھتا ہوا جوش اور قوت جسمانی کا روزانہ ترقی کرنے والا اثر اخلاقی اور انسانی حدود کو بھلا دیتا ہے، خصوصا پندرہ سال کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک کا زمانہ تو نہایت ہی نازک زمانہ ہے، پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی

شرف اور بلندی کو خیال میں لایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر جسمانی تناسب اعضاء اور خوبصورتی اور بے مثل حسن و جمال پر غور کیا جائے لڑکیوں اور عورتوں میں پردہ نشینی مروج نہ ہونے کا تصور بھی رکھا جائے تو اس زمانہ کی بھیانک تصویر اور بھی آنحضرت علیہ السلام کی عفت اور انتہائی نفس کشی کا نقشہ کھینچتی ہے، طبعی طور پر نوجوان عورتوں کی آنکھیں ان صفات سے موصوف اشخاص کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں، اور اگر کوئی نوجوان پرہیز گاری اور شرم کو کام میں لانا چاہے تو یہ تقویٰ شکن عورتیں شیشۂ عفت کو پاش پاش کر دیتی ہیں، ان کی جادوگر آنکھیں اپنی قوت تاثیر سے نوجوان آدمی کو اپنی زلف مسلسل کا قیدی بنا لیتی ہیں، شہوت پرست اشخاص اسی زمانہ میں ہر قسم کے ناکردنی اعمال کر گذرتے ہیں، پھر عرب کی اس زمانہ کی آزادی حسن وعشق کی داستانیں، وصال و ہجر کی حکایتیں، تعشق وتشبیب کی سرگرمیاں، عورتوں سے ناجائز تعلقات پر مفاخرت عرب کے قصائد اور ان کے تغزلات اور تشبیہات سے مثل آفتاب ظاہر و باہر ہے "سبعہ معلقہ" کے قصائد اور دیگر قصائد ملاحظہ ہوں، ایسی حالت اور ایسی زمین میں عفت اور عصمت کا محفوظ رکھنا کس قدر مشکل ہے، ہر سمجھدار خود اندازہ کر سکتا ہے جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوزیشن کس قدر شفاف نظر آتی ہے۔

پہلا نکاح اور وہ بھی بیوہ سے

پچیس برس کی عمر ہونے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی وہ بھی ایک ایسی بیوہ عورت سے جس کی عمر اور جوانی کا بہت بڑا حصہ گذر چکا تھا، جوبن اور جوانی کا فریفتہ کرنے والا حسن و جمال، ناز و انداز، شوخی ونزاکت سب زائل ہو چکے تھے۔ اس نے اس سے پہلے دو خاوندوں ابو ہالہ اور عتیق بن عائذ اللہ کے نکاح میں رہ کر اپنی زندگی کے رجھانے والے حصہ کو صرف کر لیا تھا۔ یہ دونوں خاوند یکے بعد دیگرے اس کی عصمت کے مالک ہوئے تھے، اور دونوں سے بچے بھی پیدا ہو چکے تھے، اور چونکہ دونوں خاوندوں کی وفات ہو چکی تھی اس لئے وہ کچھ عرصہ سے بیوگی کی زندگی گذار رہی تھی، وہ اگرچہ عقل وتدبر میں اس سرزمین میں اپنا نظیر نہ

رکھتی تھی، شرافت نسبی اور اعلیٰ خاندانی میں اعلیٰ درجہ اس کو حاصل تھا، مال اور سرمایۂ تجارت میں مشہور ومعروف تھی، مگر بایں ہمہ شہوت پرستی کے سامان عموماً اس میں مفقود تھے، اس کی عالی نسبی اور شرافت، انتہائی عقل اور سمجھ، اخلاق کاملہ اور اعمال فاضلہ، مال ودولت وغیرہ کی وجہ سے قریش کے بڑے بڑے سردار اس کو اپنے نکاح میں لانے کی مدتوں سے کوشش کر رہے تھے جس میں ان کو ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔

اس تجربہ کار اور عقلمند مقدس بی بی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور بے لوث زندگی، نہایت صاف اور ستھرے معاملات نے اس قدر گرویدہ بنالیا کہ اس نے خودخواہش کی کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیجئے۔ اس کو اپنے غلام کی زبانی اور اہل مکہ معظمہ کی متواتر روایات، اس کی نہایت تیز عقل اور سمجھ نے یہ بتلا دیا تھا کہ ہونہ ہو یہ ہونہار بروا ہے جس کے چکنے چکنے پات ظاہر ہو رہے ہیں، باوجودیکہ بڑے بڑے مالدار اور بڑے بڑے سردار اس کے عشق میں سرگرداں تھے مگر آنحضرت علیہ السلام کی مقدس حالتوں نے اس کو اس قدر گرویدہ بنالیا کہ اس نے کہلا بھیجا کہ آپ اپنے چچا کے ذریعہ سے میرے والد کے پاس میرے متعلق پیغام کہلا بھیجئے میں خودکوشش اندر سے کروں گی جس کی بنا پر میرے والد ماجد کسی طرح پیغام نکاح کورد نہ کریں گے، اس کے والد ماجد قریش کے بہت بڑے سردار اور نخوت والے، بڑی ناک کے آدمی تھے، جب انہوں نے سنا تو کہنے لگے ذٰلک فحل لا یقرع (یہ وہ نر ہے جس کو نکالا نہیں جاسکتا) اور نہایت سادگی سے نکاح ہوگیا۔ اس مقدس اور خوش بخت عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نکاح ہوتے ہی اپنا تمام مال اور دھن، غلام، باندی، وغیرہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور یہ کہا کہ یہ سب چیزیں میں آپ کی نذر کرتی ہوں، جس طرح آپ کی خواہش ہو آپ ان چیزوں میں تصرف کریں۔ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین لڑکیاں اور دو یا تین لڑکے پیدا ہوئے۔ اپنے اخیر وقت تک یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور نہایت خوش اخلاقی، عالی ظرفی، تابعداری کے ساتھ فدائی طریقہ پر پچیس

برس تک تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہ کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال کی ہوگئی تو خود پینسٹھ برس کی عمر پوری کر کے انتقال کیا۔

قابل غور امور

غور کرنے کی بات ہے کہ شہوت پرستی کا کوئی شائبہ بھی یہاں موجود نہیں۔

(۱) پچیس برس تک نہایت عفت کے ساتھ مجرد رہنا۔

(۲) بیوہ عورت سے نکاح کرنا۔

(۳) چالیس برس کی عورت سے نکاح کرنا،شہوت پرست تو خود کتنی ہی عمر کو پہنچ جائیں نوجوان لڑکیاں چودہ برس کی ڈھونڈتے ہیں،خود تو اسی اسی اور نوے نوے برس کے ہوجاتے ہیں مگر خواہش اور سعی یہی رہتی ہے کہ کوئی دوشیزہ ملے۔

(۴) اس عورت کو نکاح میں لانا جس کی چند اولاد موجود ہو۔ ہر ایک شخص کو معلوم ہے کہ شہوت پرستوں کے مقاصد ایسی صورت میں نہ صرف مفقود ہوتے بلکہ ان کو ایسی عورت سے نفرت بھی ہوتی ہے۔

(۵) ایسی عورت کو پسند کرنا جس کے دو خاوند یکے بعد دیگرے اس سے پہلے مر چکے ہوں، شہوت پرست ایسی عورت کو مشئوم اور منحوس سمجھتے ہیں۔

(۶) اتنی عمر گذر جانے پر بھی خود خواہش نکاح نہ کرنا بلکہ عورت کی طلب پر اس کیلئے تیار ہونا۔

(۷) اپنی قوت کے عمدہ زمانہ یعنی پچیس برس سے پچاس برس تک کی عمر کو اسی ایک عورت کے ساتھ نہایت عفت وعصمت کے ساتھ گذار دینا۔

(۸) اس عمر میں بیوی یا باندی کے طور پر یا کسی اور صورت سے کسی عورت سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔

یہ وہ امور ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت زیادہ نفس کشی اور زہادت معلوم ہوتی ہے۔ اسی سے اس امر پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اگر چہ مالدار عورت تھیں مگر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اس سے نکاح کرنے کی

رغبت اور خواہش پیدا نہیں ہوئی اور نہ ان کا مال اور سرمایہ آپ کو ان کی طرف جاذب ہوا، تاریخی واقعات نہایت صفائی سے اس امر پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے کمالات اور اخلاق دیکھ کر گرویدہ ہوگئیں اور خود ہی نکاح کی خواہش کی اور بغیر کسی قسم کے ناجائز تعلقات اور کارروائیوں کے بالکل مشروع اور معتبر طریقہ پر باقاعدہ نکاح ہوا، اور پھر انہوں نے جو اپنا مال اور سرمایہ خدمت اقدس میں پیش کیا وہ بھی بلا طلب اور بغیر خواہش نبوی (علیہ السلام) تھا جس سے خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سعادت دارین حاصل ہوئی، وہ آخر دم تک آپ کی نہایت مطیع اور فرمانبردار، شکرگزار رہیں اور سب سے پہلے اسلام لائیں۔ اس لئے اس امر میں دنیا طلبی کا متعصبانہ الزام لگانا بالکل بے سروپا بہتان ہے، جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگانی کی کیفیتیں اور آپ کا مال، زر کا آخر دم تک لٹاتے رہنا، ایک پیسہ بھی جمع نہ کرنا بلکہ باوجود تمام ملک عرب کے محکوم اور مملوک ہونے کے غلہ کی قرضداری کی حالت میں وفات کرنا ایک بین دلیل اس امر کی ہے کہ آپ کو کبھی بھی دنیا طلبی نے اپنے پھندوں میں نہیں پھنسایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی حالتیں آفتاب سے زیادہ تر اور صاف روشنی ڈال رہی ہیں کہ اس مقدس اور معصوم ہستی کے دل میں دنیا کی مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہ تھی بلکہ الٹی اس سے بہت نفرت تھی۔

دوسرا نکاح وہ بھی بیوہ سے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا وہ بھی بیوہ تھیں اور سن رسیدہ، شہوت پرستی اور اس عمر سے کیا تعلق؟

ایک شبہ کا ازالہ

شاید بعض سادہ لوحوں کو یہ خیال ہو کہ یہ تقلیل از دواج اور ایک عورت پر اکتفا کرنے کی نوبت محض افلاس اور مالی فقر کی وجہ سے تھی یا اس بنا پر کہ لوگ لڑکیاں نہیں دیتے تھے، مگر یہ خیال بالکل غلط ہے، نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں رؤساء قریش نے نہایت زور سے آپ کو اپنی عمدہ

لڑکیاں پیش کیں اور کہا کہ اگر آپ کا مطلب بادشاہت ہے تو ہم آپ کو بادشاہ بنانے اور تسلیم کرنے کیلئے بھی تیار ہیں، اور اگر خزانہ مطلوب ہے تو جس قدر چاہو ہم خزانہ دینے کیلئے تیار ہیں، اور اگر لڑکیاں مطلوب ہیں تو جس لڑکی کو پسند کرو اور جس قدر چاہو ہم نکاح کر دینے کیلئے تیار ہیں، بشرطیکہ تم نئے دین کی بنیاد نہ ڈالو اور ہمارے بتوں سے نفرت نہ دلاؤ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی نسبی اور نہایت بلند اخلاق نے نبوت سے پہلے تمام اہل مکہ کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا، کسی کو آپ سے شکایت تو در کنار قلب میں ذرا کدورت بھی نہ تھی بلکہ ہر ایک نہایت محبت کرتا تھا۔ پھر تجارت وغیرہ کے طریقوں میں آپ کو اس قدر سلیقہ تھا کہ قبل از نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال میں جبکہ بطور شرکت عمل (مضاربت) آپ شام کو مال لے کر گئے تھے تو اس قدر نفع ہوا تھا کہ پہلے کبھی ایسا واقعہ نہیں گذرا تھا۔ لوگوں سے قرابتوں کا جال اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کی رشتہ داری نہ ہو۔ اگر آپ قبل نبوت یا بعد نبوت دو چار یا کم وبیش نکاح کے خواہاں ہوتے تو کسی طرح بھی مشکل پیش نہ آتی اور یہی وجہ تھی کہ ابوسفیان بن حرب کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی ہے تو باوجود سخت عداوت اور پرخاش کے ذرا بھی نکاح کے امر میں گفتگو نہ کی بلکہ اہلیت اور استحقاق کا اقرار کرتے ہوئے تعریفی کلمات کہے۔

خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو کہ آپ پر پروانہ وار فدا تھیں اور اپنا تمام سرمایہ آپ کی نذر کر چکی تھیں اگر آپ کی خواہش ہوتی تو نکاح کی صورتیں بہم پہنچاتیں، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میری تمہارے سوا جنت میں اور بھی بیویاں فلاں فلاں ہونگی تو ان کو ذرا بھی گراں نہیں گذرا بلکہ صاف الفاظ میں بشاشت کے ساتھ جواب دیا کہ اس میں کیا ہے بادشاہوں کی سینکڑوں بیویاں ہوا ہی کرتی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عقلمندی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمدردی، آپ کی رضا جوئی، خدمت وغیرہ کے تفصیلی

احوال کا اگر تتبع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ ادنیٰ درجہ کا بھی اشارہ پاتیں تو ضرور بالضرور خود چند نکاح کروا دیتیں اور اپنے تمام مال سے ان بیویوں کی خدمت انجام دیتیں۔

تعدد ازدواج کا دور

مذکورہ بالا امر یعنی پچپن سالگی کے ساتھ جبکہ امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے تو خطرہ شہوت پرستی کا بالکل ہی قلع قمع ہو جاتا ہے بلکہ محال کے درجہ میں معلوم ہونے لگتی ہے:

(۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں (یعنی جن ایام سے تعدد ازدواج کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) دشمنوں کے حملوں اور جنگجوئی کی کارروائیوں کے ساتھ گھرے ہوئے تھے، اس تھوڑی سی مدت میں جس کا اندازہ تقریباً ۹ برس ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً ساٹھ یا اس سے زائد لڑائیاں دشمنوں سے لڑنی پڑیں جن میں تقریباً اٹھائیس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک رہے ہیں۔ تواریخ کے صفحات اور سیرت کے اوراق بتلا رہے ہیں کہ یہ سب لڑائیاں مدافعانہ تھیں، دشمنوں ہی کی طرف سے ابتدائی کارروائیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوج کشی پر مجبور کر رہی تھیں، اور دشمنوں کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ دنیا سے اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کو معدوم کر دیا جائے، خود مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑی جماعت مخالفین کی موجود تھی جن کو منافقین کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، یہ لوگ غزوہ بدر تک علانیہ طور پر دشمنی کرتے رہے اور بعد غزوہ بدر جبکہ اسلامی شوکت اور قوت روز افزوں کی حالت میں ظاہر ہونے لگی تو بظاہر مسلمان ہو گئے مگر اندرونی طریقہ پر ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرتے رہے۔

مدینہ منورہ اور اس کے گرد ونواح میں یہودیوں کے مختلف قبائل نہایت سخت دشمنی کرتے رہے، بیرون مدینہ منورہ قریش بالخصوص اور تمام قبائل عرب ہر قسم کی کوششیں اسلام کے روشن چراغ کو بجھانے میں صرف کرتے رہے، مدینہ منورہ میں بارہا دھاوا کیا، جبکہ دشمنوں کے دھاوا کرنے اور سامان جنگ کے جمع کرنے کی خبریں آئیں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فوج کشی کی۔ بارہا قوموں اور قبائل نے مسلمانوں کو نقصانات جانی اور مالی پہنچائے،

تبلیغ کے راستہ میں سختی کے ساتھ مانع ہوئے جن کی تفصیلیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور سرایا میں مذکور ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں تھا کہ فوجیں پہلے سے جمع تھیں، خزانے بھرے ہوئے تھے، ہتھیاروں کا ذخیرہ موجود تھا، رسد کا سامان مہیا تھا، بلکہ ان سب چیزوں کو ہمیشہ تیار کرنا پڑتا تھا۔ غرض یہ کہ کوئی وقت چین کا ظاہری قاعدہ سے نہیں مل سکتا تھا۔

(۲) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخاوت اس قدر غالب تھی کہ کبھی کسی سوال کرنے والے کو واپس نہیں کیا، جو کچھ آتا تھا تقسیم فرما دیتے تھے۔ گھربار، مال ومتاع کے چھوڑ دینے اور ہجرت کرنے کی وجہ سے عام طور پر مہاجر مسلمان نہایت تنگی اور فقر میں مبتلا تھے، روزانہ جنگ وجدال اور اس کی تیاریوں کی بنا پر خود انصار اہل مدینہ اپنے باغوں اور کھیتوں کی کماحقہ خبر گیری نہیں کر سکتے تھے اور نہ اسباب معیشت مہیا کرنے کی مہلت ملتی تھی، ہر قبیلہ اور ہر آبادی کے مخالفین اسلام مسلمان ہونے والے افراد کے مال وجائیداد پر قبضہ کر لیتے تھے اور ہر قسم کی عداوت کی داد دیتے تھے، ان وجوہ کی بنا پر آنحضرت علیہ السلام لوگوں کی خبر گیری اور ان پر مال لٹا دینا ضروری سمجھتے تھے، اور جو کچھ کہیں سے بھی آتا تھا ارباب حاجت کو فوراً دے دیتے تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگدستی اور ظاہری فقر وفاقہ کی اس قدر شدت تھی کہ تمام ایام زندگی میں جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، اکثر فاقوں پر گزران ہوتی تھی، دو سالن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جمع نہیں ہوئے، گیہوں کی روٹی شاذ ونادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر آیا کرتی تھی، تین تین چاند گذر جاتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھانا پکانے کیلئے نہ آگ جلتی تھی اور نہ دھواں اٹھتا تھا فقط پانی اور چند دانے کھجوروں پر کفایت کی جاتی تھی، فاقہ کی تکلیفوں کی بنا پر بسا اوقات آپ کو ایک ایک دو دو پتھر پیٹ پر باندھنے کی نوبت آئی، مقوی دواؤں اور اعلیٰ درجہ کی غذاؤں کا ملنا تو درکنار (جن کی شہوت پرستوں کو ضرورت ہوتی ہے) معمولی درجہ کی غذا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی تھی اور نہ ہمیشہ آدھے پیٹ ہی ملتی تھی۔

(۳) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الوہیت سے اس قدر تعلق اور محبت اور اتنا

خوف اور ڈر غالب تھا کہ کوئی وقت خدا کے ذکر سے خالی نہ گذرتا تھا، ہر روز کم سے کم پچاس رکعت نماز اور ہر سال میں کم از کم چھ مہینہ روزہ آپ کا معمول رہا، اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر آخرت، رعب خداوندی، فکرامت وغیرہ کی وجہ سے غمگین اور متفکر رہا کرتے تھے، آسمان کی طرف بہت کم دیکھتے تھے اکثر نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کی طرف رہتی تھی، ہنستے بہت کم تھے اکثر ہنسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبسم کی صورت میں ہوتی تھی۔

(۴) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لوگوں کی تعلیم وتربیت ان کی روحانی اور اخلاقی، مالی اور جسمانی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہتا تھا، اور اسی وجہ سے بہت تھوڑی سی مدت میں ہر قسم کے کمال والے اشخاص موجود ہو گئے، کوئی فنون جنگ میں حسب قابلیت اعلیٰ درجہ کا قابل ہو گیا جیسے خالد بن ولید، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن ثمر وغیرہ رضی اللہ عنہم، کوئی فنون سیاست کا استاد اور ماہر ہو گیا جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت معاذ بن جبل وغیرہ رضی اللہ عنہم، کوئی روحانی فنون اور ولایت کے معارف میں اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گیا جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم، کوئی قوانین اور لاء کا حافظ اور ماہر بن گیا جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ، ابوہریرہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم، اسی طرح فنون فصل خصومات، زہد وریاضت، تجارت وصنعت، مساحت اراضی وتواریخ وغیرہ وغیرہ میں۔ یہی عرب کے غیر متمدن اور غیر تعلیم یافتہ کوہستانی اور ریگستانی وحشی لوگ جملہ فنون وعلوم میں نہ صرف ماہر اور کامل ہوئے بلکہ اپنے اخلاف اور پس آئندوں کیلئے اور اقوام موجودہ دیار عجم کے واسطے اساتذہ اور آفتاب ہدایت بن گئے، اور عرب قوم نہایت تھوڑی سی مدت میں اس لائق ہو گئی کہ وہ تمام دنیا کی باگ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر جہانبانی اور انتظام کر سکے۔ سچے اور مفید اخلاق سے سب کے سب رنگین ہو گئے اور بری عادتیں اور غیر مہذب خصلتیں سب کی سب کافور ہو گئیں، نفاق وشقاق کا تمام ملک عرب میں

نام تک باقی نہ رہا، وہ اتفاق اور وفاق رونما ہوا کہ جس کی نظیر ازمنۂ سابقہ میں کہیں بھی تاریخ نہیں دکھلا سکتی۔ خدا ترسی اور اخلاص وللٰہیت کا وہ دور دورہ ہوا کہ عہد موسوی اور عہد عیسوی بلکہ جملہ مقدسین دنیا کی تاریخ ماند پڑ گئی، معرفت وحکایت کے چشمے اس قدر ابلے کہ فلسفی اقوام کے کتب خانے اور متقدمین کی حکمتیں غرقاب ہو گئیں۔

اب قابل غور یہ امر ہے کہ امور مذکورہ بالا میں سے ہر ایک امر مستقل طور پر انسان کو اس قدر پریشان کرنے والا اور اتنی مشغولیت کا سامان ہے کہ فقط وہی شہوات انسانیہ کو بالکل زائل اور فنا کر دینے کیلئے کافی ووافی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ایسی ایسی افکار ومصائب میں واقعی طریقہ پر منہمک اور مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ایسی ایسی شہوتوں سے تقریباً یک قلم علیحدہ ہو جاتے ہیں، پھر کیا تعجب کی بات نہیں کہ وہ ہستی جو کہ ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے احوال کا عشر عشیر بھی نہیں بتلاتا ہے اس کی نسبت شہوت پرستی کا الزام کیونکر لگایا جا سکتا ہے، اور کیا اس عمر میں معمولی لوگوں میں اور ان امور کی موجودگی میں شہوت باقی رہ سکتی ہے؟ افسوس کہ ان تاریخی واقعات پر صداقت اور حقانیت کی تلاش کو کام میں نہیں لایا جاتا اور نہ انصاف اور حق پرستی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

تعدد ازدواج کی حکمت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حالت یہی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا تو پھر کیوں ان حالتوں کے موجود ہوتے ہوئے تعدد ازدواج کو اختیار کیا گیا مگر اس کا جواب ہم تفصیلی طریق پر اس مقام میں اس لئے نہیں دے سکتے کہ طول بہت ہو گیا ہے اہل عقل وانصاف نے بہت سی باتیں ذکر فرمائی ہیں ان میں سے زیادہ تر اہم بات ہم مختصراً عرض کرتے ہیں:

پیغمبر کے اہم مقاصد میں سے تمام عالم انسانی کو تبلیغ کرنا اور ان کی قولی اور عملی ہدایتوں سے اصلاح کرنا ہے۔ اس لئے اس کو بہت سے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے کہ وہ ہر قسم کے فیض کو پیغمبر سے حاصل کریں اور دوسرے لوگوں اور آئندہ نسلوں کیلئے مشعل ہدایت بن جائیں،

خصوصاً جبکہ وہ تمام دنیا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہو مثل انبیاء بنی اسرائیل اور امم سابقہ فقط ایک قوم یا ایک شہر اس کا نقطۂ نظر اور مرکز اصلاح وہدایت نہ ہو، اور چونکہ اس کو عورتوں کی بھی اصلاح کرنی ہے اور بہت سے ان قوانین کو بھی پھیلانا ہے جن کا تعلق عورتوں اور مردوں کے باہم علائق سے ہے اس لئے اس کو بہت سے شاگرد اس صنف کے بھی درکار ہیں تا کہ وہ جملہ ان امور کو جن کا تعلق فقط عورتوں سے یا عورتوں اور مردوں کے آپس کے علائق سے ہے سیکھیں اور تمام عالم کیلئے مشعل ہدایت بنیں، لہٰذا اس مقام پر فقط نو عورتوں پر اکتفا کرنا یہ بھی اقل قلیل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کی جملہ ضروریات اور اصلاحات کی تعلیم بغیر علاقۂ زن وشوئی نہایت مشکل ہے کیونکہ شرم اور اجنبیت بہت سی چیزوں کی تعلیم وتعلم سے مانع ہوگی، اس مقام پر ضروری تھا کہ بہت زیادہ وسعت کو اختیار کیا جاتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار نہ فرمایا اور بہت تھوڑی مقدار پر کفایت کی، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ احکام عملیہ کے انتشار کا وقت آیا ہے تعدد ازدواج کو اختیار فرمایا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعد نبوت مکہ معظمہ کی زندگانی میں اور مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں محض اصلاح عقائد واخلاق کو مدنظر رکھا گیا تھا، اور سن دوم ہجری سے اصلاح اعمال اور اقوال کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی، اور اس قسم کے قوانین موسلا دھار بارش کی طرح اتارے جانے لگے، لہٰذا ضروری ہوا کہ اس وقت میں عورتوں کی اچھی خاصی مقدار سیکھنے والوں کی موجود ہو: واذكرن ما يتلى في بيوتكن من آيات الله والحكمة ان الله كان لطيفاً خبير اً، اور تم خدا کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ رازداں پورا خبردار ہے۔ یہ خاص تاکیدی حکم ازواج مطہرات کیلئے اسی بنا پر ہے، ازواج مطہرات کیلئے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے احکام قرآن میں ذکر کئے گئے جن سے عام صنف مستورات کیلئے پوری روشنی پڑتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بجز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جس قدر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں وہ سب تجربہ کار زیادہ عمر والی ہو کر پہلے

ازواج سے بیوگی کی حالت میں نکاح میں آئی ہیں، کیونکہ نوعمر دوشیزہ لڑکیوں پر طبعی طور پر لہوولعب غالب ہوتا ہے احکام اور علوم کے سیکھنے، واقعات وغیرہ کے یادرکھنے کی طرف توجہ کم ہوتی ہے، نوعمر لڑکیوں سے شہوت رانی کے مقاصد میں تو بے شک زیادہ کامیابی ہوتی ہے مگر جو مقصد پیغمبر کا اصلاح امت اور حفظ علوم، تعلیم وتعلم وغیرہ کیلئے ہوتا ہے وہ ان میں طبعی طور پر عموماً کم ہوتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو تعلق بہت زیادہ تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ استادفن اور ماہر معلم کو اپنے شاگردوں میں سے اس شخص سے زیادہ تعلق ہوتا ہے جس کو وہ نہایت ذکی، سمجھ دار، قوی الحافظہ، فصیح وبلیغ دیکھتا ہے، کیونکہ ایسے شاگرد میں نہ صرف اس کی تعلیم کا اثر مکمل طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی فیضیاب بنالے گا، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انتہائی درجہ کی ذکی اور سمجھدار تھیں، طبیعت نہایت تیز اور حافظہ نہایت قوی رکھتی تھیں، فصاحت وبلاغت میں بھی آپ اپنی نظیر تھیں، اس لئے تمام ازواج میں ان کا نمبر اعلیٰ رہا ہے۔

ازواج مطہرات کے ذریعہ تعلیمات اسلام کی نشرواشاعت

اس طرز تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنف نسواں میں ان ازواج کے ذریعہ سے نہایت مکمل طریقہ پر تعلیم اسلام مروج ہوگئی، احادیث نبوی اور اخبار مصطفوی کے اوراق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ بیشار علوم وقوانین کا ذخیرہ ان عورتوں یعنی ازواج مطہرات کے ذریعہ سے معلوم ہوا، نہ صرف فلسفہ، تدبیر منزل اور قوانین معاشرت ازواج کے ذریعہ سے معلوم ہوئے، بلکہ فلسفہ، تہذیب اخلاق اور قوانین رضوان خداوندی، سیاست مدینہ وغیرہ میں بھی بہت زیادہ علوم کا استفادہ ان کے ذریعہ سے ہوا ہے، خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو سب میں مثل آفتاب علوم وفقہ وحکمت وشعر وغیرہ معلوم ہوئی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم پر جب کبھی کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا اور کوئی صورت فیصلہ کی نہیں ہوسکتی تھی تو ان ازواج کی طرف رجوع کرتے اور مفید باتیں معلوم کرتے تھے، تقریباً نصف ان کے اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں، اس مقام کی تفصیل کتب حدیث میں مکمل موجود ہے۔

تعدد ازدواج کا سیاسی پہلو

علاوہ ازیں ان امور کے تعدد ازدواج سے بہت سے سیاسی مسائل کا بھی حل ہوا ہے، اور مختلف خاندانوں سے تعلقات قائم ہو کر اسلامی ترقیات کے اسباب ووسائل وجود میں آئے، ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ کوئی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں بنی ہاشم میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ اپنا خاندان تھا اس سے تعلق پیدا کرنا کوئی اہم امر نہ تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تعدد ازدواج میں امت سے نرالی اور علیحدہ ہے اس لئے ان کو چار سے زیادہ کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت رجولیت اور انتہائی نفس کشی

اب ہم ناظرین کو ایک دوسری طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر ہے اور امور مذکورۃ الصدر ایسے ایسے درپیش ہیں مگر اس حالت میں نو عورتیں نکاح میں موجود ہیں اور ہر ایک کے پاس نوبت بہ نوبت شب باشی فرماتے ہیں، چونکہ ہر عورت کی نوبت کم سے کم آٹھویں دن آتی ہے لہٰذا اس عورت کے حقوق ادا کرنے کی بناء پر جس کا ارشاد: وان لزوجک علیک حقا (بے شک تمہاری زوجہ کا تمہارے اوپر حق ہے) اسی قسم کے مقام پر ہر شب ہم بستری کی نوبت آتی ہے، اس لئے اندازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس ہستی میں قوت مجامعت اس بڑھاپے میں باوجود اس قدر موانع کے اتنی ہو کہ وہ ہر شب میں کم سے کم ایک مرتبہ ہم بستری کرے اس کی قوت جوانی کے زمانے میں کتنی ہوگی؟ پھر اس کا پچیس برس تک بے زوجہ رہنا اور پچپن برس تک فقط ایک ہی زوجہ پر کفایت کرنا کس قدر اپنے نفس کو مارنا اور زہد وریاضت کرنا ہوگا، ہر شخص انصاف وعقل سے اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

ہم ناظرین کو اب پھر دوسرے امر کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں، صحیح احادیث میں واقعات ایسے موجود ہیں کہ آپ نے ایک شب میں کبھی کبھی اپنی تمام ازواج جن کی شمار اس وقت

نو تک تھی ہم بستری فرمائی اور یہ واقعات آخری عمر کے ہیں خصوصاً حجۃ الوداع کا واقعہ جو کہ ذی الحلیفۃ میں احرام سے پہلے ظہور میں آیا۔اس لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ جس مقدس شخص کی قوت تریسٹھ برس کی عمر میں باوجود احوال مذکورۃ الصدر اتنی ہو اس کی طاقت جوانی اور ادھیڑ پن کے زمانہ میں کس قدر ہوگی اور اس کا اس زمانہ میں عفت اور عصمت کے ساتھ بے نکاح اور فقط ایک عورت کے ساتھ رہنا کتنا بڑا سخت کام ہوگا۔ہم اس مقام پر اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک شب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عورت کے پاس جانا اور ہم بستری کرنا محض شرعی مصلحتوں اور قوانین کے بیان کی غرض سے ہوا تھا جس سے غسل، احرام، انصاف بین النساء حسن معاشرت وغیرہ کے بہت سے مسائل معلوم ہوتے ہیں مگر باوجود ان جملہ امور کے ہماری معروضہ بات پر بھی نہایت تیز روشنی پڑتی ہے۔

ایک اہم نکتہ

ہم ناظرین کو پھر ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، صحیح حدیث میں موجود ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب یہ بیان کیا کہ ایک شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام موجودہ ازواج کے ساتھ ہم بستری فرمائی تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اتنی طاقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھی؟ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ آپس میں اس زمانہ میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ آنحضرت علیہ السلام کو چالیس مردوں کی قوت باہ عطا کی گئی، یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نہایت صحیح اور قوی معلوم ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس آخری عمر میں اس قدر موانع کے موجود ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزانہ ایک زوجہ سے ہم بستری کی طاقت نہیں ہوسکتی تھی چہ جائیکہ نو عورتوں سے ایک شب میں ہم بستر ہوں۔اب اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ جبکہ امت کے ہر ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سو ساٹھ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہونا چاہئے، اور جبکہ احاد امت میں چار عورتوں کی قوت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں

ایک سو ساٹھ عورتوں کے سنبھالنے کی قوت ہونی چاہئے، اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پچیس برس تک بلا زوجہ رہنا اور پچپن برس تک کی عمر تک فقط ایک زوجہ پر کفایت کرنا کیا انتہائی تشدد اپنے نفس پر نہ ہوگا؟ اور کیا اس کے بعد بھی فقط نو عورتوں پر کفایت کرنا اعلیٰ درجہ کی ریاضت نہ ہوگی؟

ہم ناظرین کو اس کے بعد ایک اور ضروری بات یاد دلانا چاہتے ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقولہ مذکورۃ الصدر نقل فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن چالیس مردوں کی قوت باہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی وہ اس دنیا کے مرد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی، اور چونکہ احادیث صحیح سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ جنت میں ہر مرد کو دنیا کے سو مردوں کی قوت دی جائے گی اس لئے آنحضرت علیہ السلام میں دنیا کے چار ہزار مردوں کی قوت ہونی چاہئے۔ اس لحاظ سے بقاعدہ چار ازواج، چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۶ ہزار ازواج کی اجازت دی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی ہی ازواج کی قوت موجود ہونی چاہئے، اب اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص میں سولہ ہزار عورتوں کی قوت باہ موجود ہے اس کا پچیس برس تک بے نکاح عفت کے ساتھ رہنا، اور پچپن برس تک فقط ایک عورت کے ساتھ رہنا، اور اس کے بعد بھی صرف نو عورتوں تک کفایت کرنا نفس کشی کا کتنا بڑا امر تبہ ہے؟ اور پھر اس کے ساتھ نو عمر دوشیزہ لڑکیوں کی طرف رغبت نہ کرنا، اجنبی عورتوں سے اس قدر پرہیز رکھنا کہ بیعت کے وقت میں بھی ان کو فقط پردہ کے اندر سے بلا مصافحہ بیعت کرنا، کسی قسم کے خلط ملط کو غیر عورتوں سے روا نہ رکھنا یہ اعلیٰ درجہ کی پاک دامنی اور عصمت نہیں ہے تو کیا ہے؟۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

واقعہ اسلام حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی روایتوں میں اختلاف فقط آپ کو نہیں بلکہ متقدمین کو بھی پریشان کر چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد'' ۷ میں فرماتے ہیں:

وقصة اسلامه فی الصحيحين على صفتين بينهما اختلاف ظاهر فعندالبخاری من طريق ابی حمزة عن ابن عباس قال لما بلغ اباذر الخ (ص۱۱۳ ج۷) وعند مسلم من عبد الله بن الصامت عن ابی ذر فی قصة اسلامه وفی اوله صلي[illegible] يبعث النبی صلى الله عليه وسلم الخ (ص۱۱۴ ج۷) ورويـنـا فـی قـصـة اس[illegible]را ثالثا تقدمت الاشارة فی ترجمة اخيه انيس الخ (ص۱۱۵)

خلاصہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہم کی روایات طویلہ میں بظاہر بہت اختلاف معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکابر کو پریشانی ہوئی مگر امام عینی شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۵۰۰ میں فرماتے ہیں: وروی عبد الله بن الصامت رضی الله عنه اسلام ابی ذر عن نفس ابی ذرؓ اخرجه مسلم مطولا جدا وفيه مغايرة كثيرة لسياق ابن عباس ولكن الجمع بينهما ممكن باعتبار ان ابن عباس اقتصر فی حكايته من ذلك، والله اعلم ۔اور حافظ ابن حجرؒ شرح بخاری جلد ۷ ص ۱۳۲ میں فرماتے ہیں: قلت وهذا الفصل فی الظاهر متغاير لقوله فی حديث الباب بان ابا ذر قال لاخيه ما شفيتنی ويمكن الجمع بانه كان اراد منه ان ياتيه بتفاصيل من كلامه واخباره فلم ياتيه الامجمل الخ.

اور ص ۱۳۳ جلد ۷ فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث

ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: واکثرہ مغایر لما فی حدیث ابن عباس ھذا من ابی ذر ویمکن التوفیق بینھما بانہ لقیہ مع علی ثم لقیہ فی الطواف او بالعکس وحفظ کل منھما ما لم یحفظ الاخر کما فی روایۃ عبد اللہ بن الصامت من الزیادۃ ما ذکرنا ففی روایۃ ابن عباس ایضاً من الزیادۃ قصۃ مع علی وقصۃ مع العباس وغیر ذلک وقال القرطبی فی التوفیق بین الروایتین تکلف شدید لاسیما فی حدیث عبد اللہ بن الصامت ان ابا ذر اقام ثلاثین یوماً لازاد لہ وفی حدیث ابن عباس انہ کان معہ زاد ومعہ قربۃ ماء الی غیر ذلک قلت ویحتمل الجمع بان المراد بالزاد فی حدیث ابن عباس ما تزودہ لما خرج من قومہ ففزع لما اقام بمکۃ والقربۃ التی کانت معہ فیھا الماء حال السفر فلما اقام بمکۃ لم یحتج الی مائھا، ولم یطرحھا ویؤیدہ انہ وقع فی روایۃ ابن قتیبۃ المذکورۃ فجعلت لا اعرفہ واکرہ ان اسئل واشرب من ماء زمزم واکون فی المسجد، الحدیث۔

غرضیکہ ... امام عینی، امام عسقلانی اور قرطبی رحمہم اللہ تعالیٰ ان روایات مختلفہ میں توفیق دیتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں روایتوں میں اختلاف قصداً یا بلا قصد اً واقع ہوا ہے جس کی وجہ سے شدید اختلاف معلوم ہوتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو اپنی قوم میں یہ اطلاع عام پہنچی کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو کہ مدعی نبوت ہے، حضرت ابوذرؓ پہلے سے عرب کے دین سے بیزار تھے اور تین برس پہلے سے نماز پڑھا کرتے تھے، اور رات بھر اتنی عبادت کیا کرتے تھے کہ اخیر شب میں تھک کر چادر کی طرح گر پڑتے تھے اور آفتاب کے بلند ہونے تک پڑے رہتے تھے، اس کے بعد مع اپنی والدہ اور بھائی انیس کے اپنے وطن سے نکلے اور راستے میں اپنے ماموں کے یہاں مقیم ہوئے، ماموں نے بہت اکرام کیا، چونکہ ان کے بھائی انیس بہت بڑے شاعر تھے ان کے ماموں کی قوم کو ان سے حسد ہوا اور حسب عادت شعراء ہر ایک اپنی اپنی برتری کا مدعی ہوا، یہاں تک کہ نوبت وہاں شرط کی پہنچی ایک جماعت یا بکریوں کی ہار جیت میں شرط ہوئی اور فیصلہ کیلئے وہاں کا کاہن مقرر ہوا، انیس نے اس

کاہن کی زوردار مدح کی، کاہن خوش ہوااور انیسؓ کو جتادیا، حضرت انیس کے پاس دوگنے اونٹ ہوگئے۔ ماموں کی قوم کے حاسد لوگوں نے ماموں سے کہا کہ جب تم گھر میں نہیں ہوتے ہوتو انیس تمہاری بیوی کے پاس جاتا ہے اور خلوت کرتا ہے، ماموں نے اس تہمت کوذکر کیا تو انیس اوران کے بھائی اور ماں سب سخت ناراض ہوگئے اور کہنے لگے تم نے ہمارے ساتھ جو جو احسانات کئے تھے سب کو خاک میں ملادیا، اب ہم تمہارے یہاں نہیں ٹھہریں گے، ماموں اس پر نادم ہوااور رونے لگا، یہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

انیس نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں کسی ضرورت سے مکہ معظمہ جارہاہوں تم بال بچوں کی خبر گیری رکھنا، حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی شخص نبوت کامدعی ہے تم اس سے ملنااوراس کی تعلیم اور حقیقت کو پوری طرح معلوم کرکے آنا، انیس گئے اور وہاں پر دیر لگائی، جب آئے تو حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ تم نے مکہ میں کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک شخص سے جو کہ تمہارے دین پر ہے ملاقات کی، وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے، ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کو کیا کہتے ہیں، کہا کہ لوگ اس کو شاعر، کاہن، ساحر کہتے ہیں اور چونکہ انیس خود شاعر تھے تو فرمانے لگے کہ میں نے کاہنوں کے اقوال سنے ہیں اس کا قول کاہنوں جیسا نہیں ہے، اور میں نے اس کا قول شاعروں کے تمام اقسام پر پیش کیا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ شعر ہے، خدا کی قسم وہ سچا ہے اوراس کے مخالف جھوٹے ہیں، اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو اچھے اچھے اخلاق کا حکم کرتا ہے۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ تو نے میری حاجت پوری نہیں کی، تو اہل وعیال کی خبر گیری کرتا کہ میں خود جاؤں اور حقیقت کو دیکھوں، تو میں نے زادراہ لیااور مشکیزہ اٹھایا جس میں پانی تھااور مکہ میں آیااور ایک کمزور (عامی) آدمی سے پوچھا کہ وہ شخص جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں ہے؟ اس نے شور مچایااور میری طرف اشارہ کرکے کہنے لگا یہ صابی ہے، یہ صابی ہے، تو تمام اہل مکہ مجھ پر مٹی، ڈھیلے، ہڈی لے کر پل پڑے اوراس قدر ماراکہ میں لہولہان اور

بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا، پھر میں جب اٹھا تو ایسا تھا جیسا کہ خون سے رنگا ہوا پتھر اور بت ہوتا ہے، میں زمزم کے پاس گیا اور خون کو دھویا اور پانی زمزم کا پیا، تیس (۳۰) دن میرے لئے سوائے زمزم کے کوئی کھانا نہ تھا میں اسی پر کفایت کرتا رہا، مجھ میں اس قدر موٹاپا آیا کہ میرے پیٹ کے شکن ٹوٹ گئے اور مجھ کو بھوک کی تکلیف بالکل نہیں ہوئی۔

اسی زمانہ میں مجھ کو ایک روز حضرت علیؓ نے دیکھا اور پہچانا کہ پردیسی ہے تو کہا کہ تو پردیسی معلوم ہوتا ہے میں نے کہا ہاں تو کہا مکان پر چل، تو میں ان کے ساتھ ہولیا، نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا نہ میں نے ان سے کچھ کہا، جب صبح ہوئی تو پھر میں مسجد میں چلا آیا تا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کروں مگر کوئی خبر دینے والا نہ ملا، پھر حضرت علیؓ ملے اور فرمایا کہ کیا تم نے مکان پہچانا نہیں، میں نے کہا نہیں، تو کہا کہ میرے ساتھ چلو تو میں ساتھ ہو لیا، ہم میں سے کوئی دوسرے سے بات نہیں کرتا تھا، جب تین دن اس طرح گذر گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بتاؤ تم کیوں یہاں آئے ہو؟ تمہارا واقعہ کیا ہے؟ اور کس چیز نے تم کو یہاں پہنچایا ہے؟ میں نے کہا کہ اگر چھپانے کا وعدہ کرو تو میں بتاؤں تو حضرت علیؓ نے کہا کہ میں چھپاؤں گا تو میں نے کہا کہ ہم کو خبر ملی تھی کہ یہاں ایک آدمی نکلا ہے جو کہ کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تو میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ جا کر اس مدعی نبوت سے گفتگو کرے، وہ لوٹ کر کے آیا مگر ایسی خبر نہیں لایا جس سے اطمینان اور تشفی ہوتی تو میں خود آیا ہوں کہ اس سے ملاقات کروں، حضرت علیؓ نے کہا وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں صبح کو میرے پیچھے پیچھے چلنا میں اگر کوئی چیز دیکھوں گا جس میں تمہارے لئے خطرہ ہوا تو پیشاب کرنے بیٹھ جاؤں گا، جب چل پڑوں گا تو پیچھے پیچھے چلنا اور مکان میں داخل ہو جانا تو میں ساتھ چل کر اس مکان میں داخل ہو گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور اسی جگہ مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ چاندنی رات میں اس قدر سناٹا بیت اللہ میں تھا کہ کوئی طواف کرنے والا نہیں تھا، اس وقت دو عورتیں آئیں جو کہ اساف و نائلہ کو پکارتی تھیں جب وہ میرے پاس سے

گذریں تو میں نے کہا کہ ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے نکاح کردو مگر وہ اپنے قول اور طریقے سے باز نہ آئیں تو پھر میرے پاس سے گذریں تو میں نے کھلی ہوئی اور فحش گالی (اساف ونائلہ کو) دی تو وہ یاویل یاویل چلاتی ہوئی نکلیں اور کہنے لگیں کاش ہمارے مددگار لوگ یہاں ہوتے، تو ان کے سامنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ آ گئے اور فرمانے لگے کہ تم کو کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ کعبہ کے پردوں کے پاس ایک صابی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس نے تم دونوں سے کیا بات کی، انہوں نے کہا کہ ایسی گالی دی ہے جس سے منہ بھر جاتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور انہوں نے مع اپنے ساتھی ابوبکرؓ کے طواف کیا اور نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسلامی تحیہ پیش کیا اور یہ کہا السلام علیکم یارسول اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعلیک رحمۃ اللہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا غفار میں سے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبیں (پیشانی) پر انگلیاں رکھیں، تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے غفار کی طرف منسوب ہونے کو ناپسند فرمایا، تو میں نے آپ علیہ السلام کے دست مبارک کو پکڑنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی نے مجھ کو روکا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج داں مجھ سے زیادہ تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ تم یہاں کب سے؟ میں نے کہا کہ تیس دن سے، فرمایا کہ تم کو کون کھلاتا تھا؟ میں نے کہا کہ میرے پاس سوائے زمزم کے کوئی کھانا نہ تھا اس کو پیتا تھا اور اسی سے میں اتنا موٹا ہوگیا کہ میرے پیٹ کے شکن ٹوٹ گئے اور میں اپنے جگر میں بھوک کی کوئی تکلیف نہیں پاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آب زمزم بڑی برکت کی چیز ہے اور وہ کھانا ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ان کی میزبانی کی اجازت دیجئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ روانہ ہو گئے اور میں بھی

دونوں کے ساتھ روانہ ہوا پھر ابو بکرؓ نے طائف کی کشمش مٹھی بھر مجھ کو دی تو یہ پہلا کھانا تھا جو میں نے وہاں کھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قوم میں جاؤ اور ان کو خبر دو اور مسلمان کرو اور وہاں اس وقت تک رہو جب تک کہ میرے کامیاب ہونے کی خبر نہ آئے، تو میں نے کہا کہ اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں کلمۂ اسلام (شہادتین) سے چلاؤں گا ان کے مجمع میں۔

پھر ابوذرؓ نکلے اور مسجد حرام میں آئے اور بلند آواز سے بولے اشھد ان لاالٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ تو مکہ والے دوڑ پڑے اور مارتے مارتے ان کو زمین پر گرادیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آکر اپنے گھیرے میں لے لیا اور فرمانے لگے کہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص قبیلہ غفار میں سے ہے اور تمہارا راستہ شام کی تجارت کا انہیں میں سے گذرتا ہے تو ان کو اہل مکہ سے چھڑادیا، پھر اگلے دن ابوذرؓ نے ویسا ہی کیا تو اہل مکہ ان پر دوڑ پڑے، پھر حضرت عباسؓ نے ان کو چھڑایا۔ پھر میں ایک زمانہ وہاں رہا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا مجھ کو کھجور والی زمین جانے کا حکم ہوا ہے، تو تم میری طرف سے اپنی قوم کو تبلیغ کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ذریعہ سے نفع پہنچائے اور تم کو اجر وثواب دے۔

تو میں انیس کے پاس واپس آیا اس نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو اس نے بھی کہا میں مسلمان ہوتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں، اس کے بعد سوار ہو کر ہم قوم غفار میں پہنچے اسی دن قبیلہ کے نصف آدمی مسلمان ہو گئے، اور ان کے امام اور سردار امام دین رحضۃ الغفاری بنائے گئے، اور آدھے لوگوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئیں گے تب مسلمان ہوں گے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے باقی لوگ بھی غفار کے مسلمان ہو گئے۔ (مکتوبات ص ۱۵۹ ج ۴)

مدح صحابہؓ کی شرعی حیثیت پر محققانہ تبصرہ

تحریک مدح صحابہؓ کی حمایت

مکتوب گرامی

بنام جناب سیکرٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہ لکھنؤ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک

مدح صحابہؓ کی مذہبی حیثیت اور وجوب

حضرت خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوستوں اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بہت سی آیتوں میں ذکر کی گئی ہیں، حتی کہ بعض جگہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلی کتابوں میں (توریت وانجیل میں) ان کی ثناء اور صفت ذکر کی گئی تھی۔

سورۃ الحشر میں مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعض خصائل حمیدہ پر روشنی ڈالنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ ان کے بعد آئے یا آئیں گے (تابعین اور ان کے بعد والے لوگ) ان کی توصیف اور تعریف میں ان کا یہ قول بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رءوف رحیم۔

(ترجمہ) اے ہمارے پروردگار! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو کہ ہم سے پہلے ایمان لائے تھے مہاجرین اور انصار (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان کی مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کسی قسم کا کوئی کینہ نہ کر، اے پروردگار! تو بہت محبت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ قولی صفت بطور ثناء صحابہ کرامؓ کے بعد قیامت تک کے آنے والوں کیلئے ذکر کی گئی ہے اور اس انداز سے کہ اس سے نہ صرف اس قسم کی پسندیدگی ہی معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا حکم بھی مکانی، زمانی، انفرادی اور اجتماعی قیود وغیرہ سے بالاتر ہو کر ٹپکتا ہے تو بعد کے آنے والے مسلمانوں پر اس قول کا کہنا پبلک مقامات، عام مناسب مقامات پر بھی شرعاً مطلوب ہوگا۔ احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء وصفت، ان سے محبت رکھنے کی تاکید، ان کی شان میں گستاخی کی مذمت، ان کی تابعداری کرنے کا حکم، ان کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔

اسی بناء پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ، عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لیکچر دیتے ہوئے، خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ثناء وصفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی (دیکھو درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵) اس کو شعار اہل سنت والجماعت بھی قرار دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وجوب مدح صحابہؓ اور اعلان کی پہلی وجہ

ذکر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اگر چہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعار اہل سنت است (شکر اللہ تعالیٰ سعیھم) ترک نہ کند بعمد وتمرد آں را مگر کسے کہ دلش مریض وباطنش خبیث، اگر فرض کنم کہ بتعصب وعناد ترک نہ کردہ باشد وعید: من تشبہ بقوم فھو منھم راچہ جواب خواہد گفت، ایں قسم گل بد بو از ابتدائے اسلام تا ایں وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد، نزدیک است کہ ازیں معاملہ تمام شہر متہم گردد بلکہ از ہندوستان مرتفع شود، دریں طور واقعات تغافل ورزیدن مبتدعان را دلیر ساختن است ورخنۂ دین کردن (انتہیٰ مختصراً)

(ترجمہ) خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر اگر چہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت کے شعار میں سے ہے، کوئی اپنے ارادے اور سرکشی سے اس کو نہیں چھوڑتا مگر وہ شخص جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن خبیث ہو، اور اگر فرض کریں کہ تعصب اور عناد سے ترک نہ کیا ہو تو وعید: من تشبہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کی شباہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے) کا کیا جواب کہا جائے گا؟ اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں کھلنا معلوم نہیں ہوتا لیکن نزدیک ہے کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے بلکہ ڈر ہے کہ ہندوستان سے یہ امر اٹھ جائے، اس قسم کے واقعات سے تغافل برتنا مبتدعین کو دلیر بنانا اور رخنہ دین میں پیدا کرنا ہے۔

اور چونکہ شعار کا اظہار اور اعلان ہر زمانے اور ہر جگہ میں ضروری ہے بنا بریں اس کا اعلان ہر جگہ ضروری ہوگا۔

منہاج السنۃ میں ہے: ان المسلمین والکفار اذا کان لھؤلاء شعار وجب اظہار شعار الاسلام فی کل زمان وفی کل مکان مسلمانوں اور کافروں کے جبکہ علیحدہ علیحدہ شعار ہوں تو مسلمانوں کے شعار کا ہر زمانہ اور ہر مکان میں ظاہر کرنا واجب ہے۔

وجوب مدح صحابہؓ کی دوسری وجہ

علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ صرف بدظنی پھیلائی جاتی ہو بلکہ:
اشھد ان وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل بآواز بلند اذان میں کہا جاتا ہو، نیز امام باڑوں، مجلس خاصہ اور خصوصی مساجد میں ان کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کئے جاتے ہوں، اور عوام سنیوں کا سننا اور شریک ہونا ممکن اور غلطی میں پڑنا ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کیلئے ایسی مجالس کا منعقد کرنا جن میں صحابہ کرامؓ کے صحیح واقعات ذکر کئے جاتے ہوں اور ان کی ثناء وصفت کی جاتی ہو واجب ہے۔

وجوب مدح صحابہؓ کی تیسری وجہ

بالخصوص جبکہ دوسری قومیں اور حکومت غیر مسلمہ اس کو جرم قرار دینے لگے اس وقت اس کا وجوب اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ انہیں امور کی بناء پر لکھنؤ میں مدح صحابہؓ کا سلسلہ چلا آتا ہے مگر اہل شیعہ نے حکام وقت پر اثر ڈال کر اس میں رکاوٹیں پیدا کیں اور ۱۹۰۸ء سے اس میں تشددات ہوئے اور بار بار اس بارے میں گرفتاریاں کی گئیں، مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس کے جلسے اور جلوس سنیوں کا انسانی اور شہری اور اجتماعی حق ہے۔

دنیا کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدایان دین اور اکابر ملت کے کارناموں، ان کی تعلیمات اور ان کے واقعات زندگی سے متأثر ہوتی ہے، مسلمانوں کیلئے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات خلفاء راشدین کے کارنامے، ان کی تعلیمات، ان کے حالات زندگی سرچشمۂ ہدایت ہیں اور نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ تمام انسانی دنیا کیلئے ان کے کارناموں کی کھلی ہوئی صاف اور ستھری روشنی موجود ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار ہریجن میں گاندھی جی نے کانگریسی وزراء کو زوردار الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنا طرز عمل حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسا بنائیں، یورپین

مؤرخین اس کی خصوصی طور سے ہدایت کرتے ہیں اور اسی بناء پر سیرت فاروقی رضی اللہ عنہ کو فرانس کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں داخل نصاب کر دیا گیا ہے۔

نہایت ضروری ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ ان کارناموں اور اخلاق واعمال سے واقف ہو اور چونکہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ دنیا میں اسلام کی اشاعت کریں اس لئے ان پر اور بھی لازم ہے کہ ساری نوع انسانی کو ان باتوں سے واقف کریں اور ہر بستی میں عام جلسوں اور جلوسوں وغیرہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بتائیں کہ ان بزرگوں نے دنیا میں کیا کارنامے بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے کس طرح متاثر ہوئے اور اہل عالم کو مذہب، اخلاق، تمدن، معاشرت، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ تمام شعبہ ہائے زندگی وآخرت کے کیسے کیسے عمدہ اور مفید اسباق سکھائے۔

ہندوستان کے کروڑوں مسلمان اور غیر مسلم جاہل محض ہیں نہ کتابیں پڑھ سکتے ہیں نہ اخبارات، ان بے پڑھے لوگوں کو مقدس ہستیوں کی زندگی کے پاکیزہ حالات، ان کے بلند مرتبہ خیالات اور ان کے مہتم بالشان کارناموں سے روشناس کرانے کا سوائے اس کے کیا ذریعہ ہے کہ بار بار عام جلسوں اور جلوسوں میں ان کا ذکر خیر کیا جائے اور ان کے نام نامی سے ہر کہ ومہ کو مانوس بنایا جائے، بالخصوص ایسی جگہوں میں جہاں کہ غلط فہمیاں قصداً پھیلائی جاتی ہیں، یہی مقصد سیرت کے جلسوں اور جلوسوں کا ہے۔

ہندوستان جیسے ملک میں تبرا قانونی اور اجتماعی اور اخلاقی جرم ہے اور مدح صحابہؓ اخلاقی، ذاتی اور اجتماعی فریضہ ہے ہندوستان جو کہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے بجز اس کے باامن وباعافیت نہیں رہ سکتا کہ اس میں بین الاقوامی قوانین رائج کئے جائیں اور ایسی چیزوں سے روکا جائے جو بین الاقوامی رواداری اور میل ملاپ کے منافی ہوں، کسی شخص یا جماعت کا دوسرے شخص یا جماعت کے پیشواؤں کو برا کہنا، ان کی تذلیل وتوہین کرنا علاوہ اخلاقی جرم کے یقیناً بین الاقوامی رواداری اور اتحاد کو فنا کے گھاٹ اتارنے والا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تعزیرات

ہند دفعہ ۲۹۸ کے ماتحت ہمیشہ سے تبرا ہندوستان میں ممنوع رہا ہے، اور اسی وجہ سے موجودہ حکومت ایران نے اس کو شدید ترین جرم قرار دیا ہے۔

اسی طرح بین الاقوامی رواداری کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اور ہر جماعت کو مکمل آزادی ہو کہ وہ جائز طور پر اپنے پیشواؤں کی ثنا وصفت کر سکے، ان کی قابل اقتداء زندگی کو دنیا میں دکھلا سکے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں سناتن دھرم، آریہ سماج، برہمو سماج، جینی، عیسائی، یہودی، شیعہ وغیرہ سب کے سب اپنے پیشواؤں کے جلوس نکالتے اور جلسے وغیرہ کرتے رہتے ہیں، کسی جگہ اور کسی زمانہ میں ان کو رکاوٹ نہیں ہے، کسی شخص کا اس کے خلاف یہ قول نہیں سنا جاتا کہ ہم کو ان کے مذاہب کے پیشواؤں کے جلوس یا جلسہ سے دل آزاری ہوتی ہے اس لئے اس کو بالکل بند کر دینا، حالانکہ ایک موحد مسلمان کو مورتوں اور شرک وکفر کے مظاہروں سے جس قدر تکلیف اور دل آزاری ہوتی ہے وہ بے حد اور بے قیاس ہے مگر اس کو یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ اس مجمع المذاہب ہندوستان میں اگر بسنا ہے تو اس کو سہنا پڑے گا۔

ہر صاحب مذہب کو اپنے ضمیر اور مذہب کی آزادی ہے اور اپنے پیشواؤں کا ذکر کرنے اور تعریف کرنے کا حق ہے، اگر تم ان کے حق میں مداخلت کرو گے تو تم امن وامان میں خلل انداز ہو گے اور اس لئے تم قانونی شکنجہ کے شکار بنائے جاؤ گے، حقوق کی حفاظت کرنا اور غاصبوں کی دستبرد سے بچانا گورنمنٹ کا فریضہ ہے۔

حکومت کا طرز عمل

مگر لکھنؤ کی اندھیر نگری میں تقریباً ۳۲/۳۰ برس سے یہ حکم نافذ ہے کہ اہل سنت والجماعت (جس کی تعداد شہر میں اسی ہزار سے زیادہ ہے اور ان کے خلاف شیعوں کی آبادی صرف اٹھارہ ہزار ہے) کو اپنے پیشوایان مذہب صحابہ کرام، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی مدح وثناء کی اجازت نہیں ہے، بار بار اس پر قید و بند اور جرمانہ وتکلیف کی نوبت آچکی ہے، حکومت نے اگرچہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء کے اعلان میں یہ الفاظ شائع کر دیئے تھے "گورنمنٹ واضح کر دینا چاہتی

ہے کہ پہلے تین خلفاء کی مدح پڑھنا خواہ عام مقام پر ہو خواہ کسی شخصی مقام پر زیر بحث نہیں، یہ حق سنیوں کو بلاشک حاصل ہے''۔

مگر افسوس ہے کہ آج تک باوجودیکہ ایک سال گذر چکا ہے یہ مقالہ مثل سابق گورنمنٹوں کے مقالے کے اور ۱۸۵۸ء کے اعلانات وکٹوریہ اور ۱۹۱۴ء کے لائڈ جارج کے وعدوں ہی کی طرح ثابت ہوئے، یہی نہیں ہوا کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا بلکہ نیم پبلک مقامات، چوراہوں اور مساجد وغیرہ میں بھی مدح صحابہؓ سے روکا گیا اور سنیوں کو سزائیں دی گئیں، بہت زیادہ مطالبہ پر ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو بمشکل خصوصی مقامات پر یا خصوصی حالات میں مدح صحابہؓ کے جلسے کی اگرچہ اجازت دی گئی مگر پبلک مقامات پر جلسہ مدح صحابہؓ کو اس نام سے ممنوع ہی قرار دیا گیا اور جلوس کی تو کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کیلئے اس سے بڑھ کر تذلیل وتوہین اور حق تلفی کا کیا مظاہرہ ہوسکتا ہے اس سرزمین میں دوسری قومیں اور تمام مذاہب تو اپنے اپنے مذہبی اور شہری جلسوں اور جلوسوں سے بلاقید وقت ومکان نفع اٹھائیں اور سنیوں کو امن کے بہانہ سے روکا اور گرفتار کیا جائے۔

بوالعجبی یہ ہے کہ صاحب حق تو امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اور غیر صاحب حق، معتدی، حق چھیننے والا اور غصب کرنے والا امن توڑنے کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاتا، صاحب مال کی سرزنش کی جائے اور ڈاکو اور چور کی ہمت افزائی کی جائے، کیا اس کی مثال بجز برطانوی حکومت کے کہیں دنیا میں پائی جاتی ہے؟

بہرحال اب ہم تمام اہل سنت والجماعت کو لازم ہے کہ اپنے اس مذہبی، انسانی، اخلاقی، شہری حق حاصل کرنے کیلئے پورے تیقظ کو کام میں لائیں اور مردانہ وار ہر قسم کی جائز سعی کو میدان عمل میں پیش کردیں، اسی سلسلہ میں چار پانچ مرتبہ قانون شکنی اور گرفتاریوں کی نوبتیں آچکی ہیں مگر اصل مقصد کے اعتبار سے وہ بالکل ہی بے فائدہ ثابت ہوئیں، بنابریں اس مرتبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی زندگی اور ثابت قدمی کا ثبوت پیش کریں اور یہ دکھلادیں کہ

مسلمان اپنے مذہبی امور میں حتی الوسع ذرہ بھر بھی مداخلت گوارا نہیں کریں گے اور نہ کر سکتے ہیں۔

آج ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء مطابق ۹ صفر کو مسلمانوں کو چاہئے کہ بعد نماز جمعہ جلسہ کریں اور اس میں گورنمنٹ کے اس فعل پر کہ اس نے مسلمانوں کے مذہبی، انسانی، شہری حق مدح صحابہؓ میں ناجائز مداخلت کر کے ان کے صحیح جذبات کو ناقابل برداشت ٹھیس لگائی ہے جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمان پروانہ وار جیل کی کوٹھریوں میں بند ہو چکے ہیں صدائے احتجاج بلند کریں، اور مطالبہ کریں کہ جلد از جلد مدح صحابہؓ کے جلسوں اور جلوسوں پر سے ہر قسم کی پابندیاں اٹھالے اور جس طرح دوسری اقوام اور مذاہب کیلئے آزادی ہے کہ وہ اپنے پیشواؤں کے جلسے اور جلوس پبلک مقامات پر عمل میں لا سکتے ہیں اسی طرح سنیوں کا بھی عمل حق تسلیم کر لے اور جاری کرادے اور اگر کوئی شخص یا قوم سنیوں کو اس حق پر عمل کرنے سے روکے تو اس کو قرار واقعی سزا دے اور ان مجاہدین ملت کو مبارک باد دیں جنہوں نے ملت اور مذہب اور حق قومی کیلئے اپنے آرام وراحت کو تجتے ہوئے قانون شکنی اور سول نافرمانی اختیار فرمائی ہے اور اسی طرح ان کے اعزہ اور اقارب کو بھی اس کی مبارک باد پیش کریں۔

نیز اس سلسلہ میں جس قدر بھی امداد مالی یا بدنی ممکن ہو مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ پٹنالہ لکھنؤ اور مجلس احرار اسلام امین آباد لکھنؤ کو پہنچائیں، ریزولیوشن کی نقلیں اخباروں میں بھی جائیں اور ایک ایک نقل گاندھی جی (وشیوگاؤں ضلع واردھا) پنڈت جواہر لال نہرو (انند بھون الہ آباد) بابو سبھاش چندر بوس کلکتہ اور وزیر اعظم یو پی لکھنؤ و مولانا ابوالکلام آزاد (نمبر ۱۹ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ) کو بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں، کسی کو تار ہرگز نہ دیں، اس تاریخ کو ہر جگہ زیادہ سے زیادہ سول نافرمانی کیلئے رضا کار بھرتی کئے جائیں۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۱۷۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافت یزید

سوال: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق وفاجر کو خلافت کیلئے نامزد فرمایا؟ (از حاشیہ)

جواب: مقدمہ اولیٰ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا، تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

مقدمہ ثانیہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا: اللّٰهم اجعله هاديا مهديا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنادے) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

مقدمہ ثالثہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی فضیلت کا بعد والوں پر ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔

مقدمہ رابعہ: معصوموں سے اگر چہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے، مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے، حقیقۃً نہیں ہے، حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا، محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی مگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا حالانکہ وہ کافر تھا، ملک دارالحرب تھا، دشمن خدا اور رسول کا، ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دیدی گئی: قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرلہ انہ ھو الغفور الرحیم ، قال رب بما انعمت علیّ فلن اکون ظھیرا للمجرمین (سورۃ قصص)

مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو پٹک دیا والقی الالواح (سورۃ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوا، یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی، اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر کر دی گئی تھی: فانا قد فتنا

قومک من بعدک واضلھم السامری (سورۃ طٰہٰ) اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا اس لئے وہ خطرناک ہوا۔

اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مؤاخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علیؓ اور صاحبزادوں سے جنگ وجدال پر کیا مؤاخذہ متروک نہیں ہو سکتا؟ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علیؓ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا؟ ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں۔

مقدمہ خامسہ: ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آ کر ہر دو کے مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں:

عبد مناف کے ۴ بیٹے ہیں (۱) عبد شمس (۲) نوفل (۳) مطلب (۴) ہاشم۔

عبد شمس نے قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی۔ ہاشم کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی، ایک لڑکا نجار یہ عورت سے مدینہ میں پیدا ہوا، اس کی صغرسنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا، لڑکا ننہیال میں پرورش پاتا ہے، جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے، وہ اونٹنی پر ردیف ہے، لوگ اس کو مطلب کا عبد سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں، اس کا نام شیبۃ الحمد ہے مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا، اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے اور وہ مجد اور شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں، اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے (اور کیوں نہ ہو نور محمدی علیہ السلام اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے)

مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحساب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے، یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے مگر ماں باہر کی، اس کا کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں، اس لئے اس کیلئے عزت کا سامان نہیں ہے اور اِدھر اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے، اس صورت میں ابناءعم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ وملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نہ سب کو ظاہر کریں۔

عبدالمطلب بڑے ہوتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایۂ فخر تھا۔ عبدالمطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناءعم مانع ہوتے ہیں، جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کئے جاتے ہیں سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بے کار ہو جاتے ہیں، قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتے ہیں (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے، تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے؟) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں۔

عبدالمطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقباء اور حساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا، اپنی اس قوت کیلئے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں، خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سی اولادِ ذکور وانا ث دیتا ہے، بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے۔

اب بارہ نو جوان قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر زمزم کھودنا چاہتے ہیں، پھر وہی ابناءعم مانع آتے ہیں، مگر اب عبدالمطلب تن تنہا نہیں ہیں ان کے ساتھ جاں نثار قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں،

جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کیلئے تیار ہیں، ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں، عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے، بالآخر عبدالمطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں اور ابناء عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کنویں کے ظاہر ہو جانے پر پرانی نشانیوں کے ہویدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحجاج انہی کا حصہ ہو جاتا ہے جس سے تمام عرب اور حجاج وعمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے...... مگر یہ وقار اخلاقی ہے، دور بین، انصاف پسند، عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں، مگر ظاہر بین اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک کی اکثریت ہے وہ مادی ہی برتری کے پجاری ہیں جو کہ ابناء عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی المطلب پر ہوتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہیں، بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلے کو تین سال تک قید اور نان کو آپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہیں، ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے۔ بالآخر صلح اور نان کو آپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ ان کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص بن الربیعؓ سے شادی کر دیتے ہیں، جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابوسفیانؓ کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ

یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں۔

(جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے، جس میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی، کیونکہ یہ قبائل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار پہلے ہی سے تھے، ان سے علائق مودت ونصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں)

آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا، مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی، حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا، جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور یہی ہوا بھی کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں بنی عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں، مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے، فتح مکہ میں حضرت عباسؓ کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے اور ابوسفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں جن سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہ کا مقام تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں: من دخل دار ابی سفیان فھو امن (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں، مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا بلکہ زندہ ہی رکھا گیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم ودائم ہے، اس رشتہ کی بناء پر حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت

حسین وحسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں۔

الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں، اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا، اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر صدیق ؓ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے، مگر مصالح وتقیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا، وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں مگر مادی اور حسن تدبیر میں اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے، اس کیلئے غزوہ جمل اور غزوہ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے۔

خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کیلئے مادی طاقت اولین شرط ہے اور اس میں صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کیلئے اولین شرط تقویٰ اور خداترسی ہے، اور اس کے واحد مرکز

بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علیؓ ہیں۔

یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علیؓ کا نظریہ صحیح ہے، اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

اب اس کے بعد بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی مگر اس کیلئے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں، اس لئے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی نامزدگی

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کیلئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اس امر کو آپ پوچھ رہے ہیں تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں۔

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جاسکے جو کہ علوشان صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہیں، یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں۔ اس لئے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کیلئے کوشش کی (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا

سعی اس کیلئے ہوئی تھی تو جبکہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ ان کی وفات ہوچکی تھی، تو پھر اب عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحثیت صلح ضروری تھی، اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہوسکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے، یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیا کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا، اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی۔

ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے: والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا کا مصداق اور ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا مظہر کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور اصحابی کالنجوم (الحدیث) اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا وغیرہ احادیث وآیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کرسکتا ہے؟

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے صرف رغبت اور پروپیگنڈہ مفہوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپیگنڈہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہورہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لئے جائیں تو غایۃ مافی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے، جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہوسکتا، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان سے معصوم ہیں۔

اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا، بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگر چہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ وخشیت الٰہی کے آفتاب ہیں، مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کیلئے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضاعت اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لئے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے، ادھر پھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔ بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق حسن ظن جس کیلئے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جاسکتا، خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالسرائر : قوم طهر الله سيوفنا عن دماء هم فلنطهر السنتنا عن اعراضهم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ونزعنا ما فی صدورهم الآیة کے مصداق میں اور معاویہ ہیں۔

غور فرمایئے، اس تحریر میں طول زیادہ ہوگیا ہے مگر ان شاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہوگی، اس کو بغور ملاحظہ کرنے کے بعد جو جو تنقیدات آپ کے خیال میں آئیں ان سے ضرور مطلع فرمائیں۔ میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بنا پر عرض کررہا ہوں۔ ۲۳رجنوری ۴۴ء (مکتوبات ص ۲۵۲ ج ۱)

خلافت یزید کی مزید توضیح

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے ان امور میں جن کو میں نے دربارہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے نامزد کرنے کے کہا تھا بخوبی غور نہیں فرمایا، جو اشکال آپ نے ظاہر فرمائے ہیں وہ اسی بنا پر ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسم العلوم نمبر ۴ ص ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:
تاوقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید راولی عہد خود کردند فاسق معلن نہ بود اگر

چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ راازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ ازو مشہود است در بیت ام ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین یکبار دو بار خفتند و بیدار شدند ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیان خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد می کنند، و در شان اوشاں فرمودہ اند ''ملوک علی الاسرة اومثل الملوک علی الاسرة'' مصداق خواب ثانی ہمیں یزید وہمراہیانش برآمدند، چنانچہ بر تاریخ داناں وحدیث خواناں پوشیدہ نیست، غایت مافی الباب بسبب خرابیہائے پنہانی کہ داشت ہمچو منافقاں کہ در بیعۃ الرضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشاں نشد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند، وایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارۂ خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ نظام مملکت زاید از دیگراں باشد گو افضل ازو باشد افضل است از دیگراں، نظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند واگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند، چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل افضل است نہ واجب، لیکن ایں قدر گناہ نتواں گفت کہ بسب وشتم امیر معاویہؓ پیش آئیم، وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بہ نسبت ترک افضل واولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔

ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پائے خود از شکم برآوردہ، دل بکام ودست بجاں سپرد واعلان نمود ترک صلوٰۃ داد، بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل گردید، وایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است محال نیست، مگر دریں وقت رائے اہل الرائے وتدبیر مختلف افتاد کسے را کہ اندیشہ فتنہ وفساد غالب افتاد ناچار دست بہ بیعتش بکشاد واحتراز عن المعصیۃ شرط اتباع معروف درمیان نہاد، وآں را کہ بوعدہ یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ ورجاء شوکت بنظر آمد حسبۃً للہ برخاست وتہیہ کارزار ساخت، پس ہر چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وامثال اوشاں کردند بجا کردند وآنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق وصواب نمودند، بناء ایں اختلاف براختلاف امید است نہ براختلاف در جواز اصل فعل وعدم جواز آں، مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیاں تدبیر

حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ برنشانہ نشست وروز عاشوراء قیامت قبل از قیامت درمیدان کربلا برخاست، انا للہ وانا الیہ راجعون.

ترجمہ: جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد کیا تھا اس کا فسق ظاہر نہ تھا، اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تھی، اس کے علاوہ جہاد میں ان سے حسن تدبیر کا مشاہد ہونا، چنانچہ ام ملحانؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ سونا اور جاگنا اور ہر مرتبہ ہنسنا مشہور بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا ہے وہ دریا میں جہاد کر رہی ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے ملوک علی الاسرة اومثل الملوک علی الاسرة اس دوسرے خواب کا مصداق یزید اور اس کے ساتھی ہی نکلے، جیسا کہ تاریخ جاننے والوں اور احادیث کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعۃ الرضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو گئے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا۔

اور ادھر امیر معاویہؓ کا مذہب خلافت کے بارے میں یہ تھا کہ جو شخص بادشاہت کرنے کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ رکھتا ہو، اگر چہ اس سے بہتر لوگ موجود ہوں مگر ترجیح اس کو ہوگی، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یزید کو دوسروں سے بہتر جانا، یا اگر بہتر نہیں سمجھا تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ افضل کو ترک کر دیا جیسا کہ مقدمات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ استخلاف افضل صرف افضل ہے نہ کہ واجب جس کو گناہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سب وشتم کے ساتھ امیر معاویہؓ سے پیش آیا جائے، ہاں امیر معاویہؓ کو ہم اجلہ صحابہؓ میں شمار نہ کریں گے بلکہ اولی اور افضل کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح کے امور میں ان کو معذور سمجھیں گے۔

البتہ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل وجان سے برائی میں لگ گیا، برائی کا اعلان شروع کر دیا، نماز چھوڑ دی، پس بعض مقدمات گذشتہ کی بنا پر

عزل کردینے کے لائق ہوگیا۔ حالات میں اس طرح کا الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ہے ممکن ہے محال نہیں ہے شاید اس وقت ارباب حل وعقد کی رائیں اور تدبیریں مختلف ہوگئیں کسی پر فتنہ وفساد کا غلبہ ہوگیا مجبوراً بیعت قبول کرلی اور گناہ سے بچنے کیلئے اتباع معروف کو بطور شرط مدنظر رکھا اور جس کو ایک جماعت کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ کی امید دکھائی دی خدا کے بھروسہ پر تیار ہوگیا اور لڑنے کا فیصلہ کرلیا، لہٰذا جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آپ کی طرح دوسروں نے کیا ٹھیک کیا اور اسی طرح سید الشہداء نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک اور درست کیا، اور اختلاف کی بنیاد امیدوں کے اختلاف پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز ناجائز کی بنا پر اختلاف ہوا ہے، مگر اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور عاشورہ کے دن کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک قیامت قائم ہوگئی۔ انا للہ الخ

برہمیں کار نہ فقط حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ را پیش آمد در جہاں ایں چنیں اکثر پیش می آید، واقعہ احد وحنین شنیدہ باشی، پس چنانکہ شہیدان احد وحنین بدرجہ شہادت رسیدہ اند وازاں برہمی کار خللے در فضائل اوشاں راہ نیافت، ہم چنیں شہیدان کربلا را باید شناخت، وایں وقتے است کہ بجز داستخلاف امیر معاویہؓ یا بیعت مردم یا تسلط اوخلافتش را عام وشامل شمارند، واگر بایں قدر کہ بوقوع آمد فقط بانعقاد مطلق خلافت او قائل شویم وعموم وشمول خلافتش را تسلیم نکنیم وگوئیم کہ حضرت امام حسینؓ واتباع اوشاں از ربقہ طاعت او ہنوز خارج بودند حالت عزل ہیچ نیست واوشاں را در خروج بر محذورے نے، وایں فرق انعقاد مطلق، عموم انعقاد ہر چند امروز کم فہماں نفہمند، مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل وعقد فقط موجب اطاعت در حق او ودر حق خدم او می شمردند، ورنہ حاجت بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ واہتمام بداں بردست حضرت ابوبکر صدیقؓ چہ بود، وہم چنیں یزید بعد بیعت اہل شام ودیگر اہل حل وعقد خواستگار بیعت از حضرت حسین وعبدالرحمٰن بن ابی بکر ودیگر رضوان اللہ علیہم نشدے، چوں ایں قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدار کار بر نیت است بشہادت انما الاعمال بالنیات

وحسن نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابل آں نیست کہ درآں تردد کردہ آید۔

ترجمہ: اس طرح کے کاموں میں ایسی باتیں فقط سید الشہداءؓ ہی کو پیش نہیں آئی ہیں بلکہ جہادوں میں اکثر آیا کرتی ہیں مثلاً واقعہ احد وحنین کو سنا ہی گیا ہے، پس جس طرح شہداء احد اور حنین شہادت کے مرتبہ پر پہنچے اوران ہر دو واقعات میں کچھ کمزوری ہو جانے کی وجہ سے ان کے فضائل میں خلل نہیں پڑتا، اسی طرح شہداء کربلا کو بھی جاننا چاہئے، اور یہ اس وقت ہے کہ صرف استخلاف امیر معاویہؓ یا لوگوں کا بیعت کرلینا، یا ان کا تسلط ہو جانا وغیرہ کی وجہ سے ان کی خلافت عام اور سب کو شامل شمار کریں، اور اگر اسی کو مان لیں کہ جو ہوا تو صرف ان کی خلافت کے مطلقاً منعقد ہونے کے ہم قائل ہوں گے اوران کی خلافت کے عموم وشمول کے قائل نہ ہوں گے اور ہم صاف کہہ دیں گے کہ حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اتباع وانصار امیر معاویہؓ کی اطاعت کی ذمہ داری سے ہنوز خارج تھے معزولی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ایسی حالت میں ان لوگوں کے خروج میں ان پر کوئی گرفت بھی نہیں ہے، اگرچہ ناسمجھ لوگ انعقاد مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو نہیں سمجھتے، پس گذشتہ واقعات کے تتبع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارباب حل وعقد میں سے ہر ایک کا بیعت کرلینا صرف اس کے حق میں اوراس کے ماتحتوں کے حق میں اطاعت کا سبب شمار کرتے ہیں، ورنہ پھر حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر حضرت علیؓ کے بیعت کرلینے کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی، اسی طرح یزید بھی اہل شام اور ارباب حل وعقد کے بیعت کرلینے کے بعد حضرت حسینؓ وعبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور دیگر بزرگوں کا خواستگار نہیں ہوا، جب اتنی بات معلوم ہو چکی تو جاننا چاہئے کہ ہر کام کا دارومدار نیت پر ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ''انما الاعمال بالنیات'' اور حضرت امام حسینؓ کے حسن نیت اس کی مقتضی نہیں کہ اس میں تردد وتذبذب کو راہ دی جائے۔

اندریں صورت درشہادت حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ چہ تردد، نہ یزید درحق اوشاں خلیفہ بود نہ خروج برو ممنوع، واگر خلیفہ بودتاہم خروج ممنوع نہ بود، اگر خروج ممنوع بود عزل

ممنوع نہ بود، وبالجملہ وجود ممانعت مفقود وموجبات جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست، باز اگر اوشاں شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود، واز یں ہم درگذشتیم اگر موجبات جہاد نہ بودند اوشاں نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند ومحاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند: من قتل دون عرضه وماله فهو شهيد.

ترجمہ: موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے، یزید نہ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا، اور اگر مان ہی لیا جائے کہ خروج کرنا امام رضی اللہ عنہ کا جائز نہ تھا تو عزل ممنوع نہ تھا، خلاصہ یہ کہ ممانعت کے اسباب مفقود اور اسباب جہاد موجود تو پھر حسن نیت میں کیا کلام کیا جا سکتا ہے، پھر اگر یہ حضرات شہید نہ ہوں گے تو دوسرا کون شہید ہوگا؟ اور ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسباب جہاد نہ بھی تھے تو آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آ کر چلے جانے کا راستہ مانگا مگر یزید پلید کے لشکریوں نے جانے نہ دیا اور گھیر کر مظلوم شہید کر دیا، حدیث میں ہے جو شخص اپنے مال اور آبرو کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ بھی شہید ہے۔

باقی ماند اوشاں مخالفت اجماع کردند جوابش ایں است کہ اول اجماع مسلم نیست، اگر باشد عدم مخالفت باشد، بایں ہمہ اجماع برعدم جواز خروج بر فساق است ومعنی آں ہر چہ ہست عرض کردہ شد، از اجماع برعدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز موجب خروج نتواں شد، بایں ہمہ اجماع غیر مسلم وقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما، عبداللہ بن الزبیرؓ واہل مدینہ کارے کردہ باشند مخالف آں را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت، واگر بالفرض اجماع راتسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید مخالفت ایں اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ راچہ مضر، غایت مافی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ درزمان خود دریک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند ولا محذور فیہ چنانچہ عرض کردہ باشد۔

اکنوں وقت آں ست کہ عبارت نووی رحمہ اللہ تعالیٰ دریں بارہ نقل کردہ شود تا تفصیل

اجمال وتصدیق ایں مقال بدست آید:

اجمع اهل السنة انه لاينعزل السلطان بالفسق واما الوجه المذكور في كتب الفقه لبعض اصحابنا انه ينعزل وحكى عن المعتزلة ايضاً فغلط من قائله مخالف للاجماع، قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن واراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة في عزله اكثر منها في بقائه.

قال القاضي عياض (رحمه الله) اجمع العلماء على ان الامامة لا تنعقد لكافر وعلى انه لوطرأ عليه الكفر انعزل، قال وكذا لوترك اقامة الصلوات والدعاء اليها، قال وكذلك عند جمهورهم البدعة، قال وقال بعض البصريين تنعقدله وتستدام له لانه متأول، قال القاضي فلو طرأ عليه كفر اوتغيير للشرع او بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب امام عادل ان امكنهم ذلك فان لم يقع ذلك الا لطائفة وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولايجب في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه فان تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم عن ارضه الى غيرها ويفربدينه، قال ولاينعقد لفاسق ابتداءً فلوطرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة وحرب وقال جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لاينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ،ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للاحاديث الواردة في ذلك.

قال القاضي وقد ادعى ابوبكربن مجاهد في هذا الاجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسين وابن الزبير واهل المدينة على بني امية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الاول على الحجاج مع ابن الاشعث، وتأول هذا القائل قوله ان لاننازع الامر اهله في ائمة العدل ،وحجة الجمهور ان قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل لما غير من الشرع وظاهر من الكفر ،قال القاضي وقيل ان هذا الخلاف كان

اولا ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم .والله اعلم، انتهی بلفظه.

ترجمہ: باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسینؓ نے اجماع کی مخالفت کی سواس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اجماع ہی تسلیم نہیں ہے، اگر ہوا بھی تو اس بات پر کہ مخالفت نہیں ہوئی، بایں ہمہ فاسق پر نہ خروج کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا اور اس کا مطلب جو کچھ کہ ہے پہلے عرض کیا گیا، عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے نفس فسق پر خروج کرنا لازم نہیں آتا ہے کیونکہ اس کلی مشکک کے مراتب کی خصوصیات زائدہ بھی موجب خروج نہیں ہوسکتیں، پس اجماع غیر مسلم جس وقت کہ حضرات حسینؓ وعبداللہ بن زبیر اور اہل مدینہ نے فیصلہ کرلیا تھا مخالف اس کو متفق علیہ کیونکر کہہ سکتا ہے، اور اگر بالفرض اجماع کو مان ہی لیا جائے تو وہ اجماع حضرت امام حسینؓ کے بعد منعقد ہوا ہے لہٰذا اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسینؓ کو کچھ مضر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام موصوف اپنے زمانہ میں ایک اختلافی مسئلہ میں غلطی کر گئے جس میں کوئی شرعی باز پرس نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب ہم امام نوویؒ کی عبارت درج کردینا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس اجمال کی تفصیل اور گذشتہ باتوں کی تصدیق ہوجائے:

اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے کہ بوجہ فسق کے خلیفہ معزول نہیں ہوگا، لیکن ہمارے بعض اصحاب شوافع کی فقہی کتابوں میں ہے کہ معزول ہوگا اور معتزلہ سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے سو یہ غلط ہے اور مخالف ہے اجماع کے، علماء نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معزول نہ کرنے اور اس پر خروج نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خونریزی اور فتنہ وفساد باہمی بڑھ جائے گا، اور معزولی کا مفسدہ اس کے باقی رہنے سے زیادہ ہوجائے گا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ علماء کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی ہے، اور اگر امام پر کفر طاری ہوجائے تو معزول کردیا جائے گا، اور کہا ایسا ہی اگر نمازیں قائم کرنا اور ان کی طرف بلانا چھوڑ دے تو بھی معزول ہوگا، فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت کا پایا جانا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ بعض بصریین قائل ہیں کہ بدعتی

کی امامت منعقد ہوگی اور باقی رہے گی کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں اگر کفر اس پر طاری ہوا یا شریعت کے اندر تغیر یا بدعت شروع کر دیا تو خلافت وولایت کے حکم سے نکل گیا اور اس کی اطاعت جاتی رہی لہٰذا مسلمانوں پر اس کے خلاف اٹھنا، اس کو علیحدہ کرنا، اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کی قدرت ہو، پس اگر ایسا کچھ ہی لوگ کر سکیں تو کافر کو علیحدہ کرنے کیلئے تو ان پر اٹھنا واجب ہو جاتا ہے اور بدعتی میں واجب نہیں ہوتا ہے مگر اس صورت میں کہ بدعتی کے علیحدہ کرنے پر لوگوں کو امکانی طاقت ہو اگر مجبوری متحقق ہو جائے تو ایسے وقت میں اٹھنا نہیں چاہئے بلکہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کی طرف بھاگیں۔ فرمایا اور فاسق کی امامت شروع شروع میں منعقد نہ ہوگی ہاں اگر خلیفہ فاسق ہو گیا تو بعض اس کے عزل کو واجب کہتے ہیں بشرطیکہ فتنہ وفساد اور جنگ وجدال نہ ہو، جمہور اہل سنت میں سے فقہاء محدثین اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلیفہ کی معزولی بوجہ فسق، ظلم، اور لوگوں کے حقوق کو چھوڑ دینے کی بنا پر نہ ہوگی، اور نہ اس کو علیحدہ کیا جائیگا اور نہ اس پر اٹھنا جائز ہوگا، بلکہ اس کو سمجھانا اور ڈرانا ضروری ہوگا ان حدیثوں کی بناء پر جو اس بارے میں موجود ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ابوبکر بن مجاہد نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور لوگوں نے امام حسینؓ، ابن زبیرؓ، اور اہل مدینہ کے بنی امیہ پر خروج کرنے اور تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت اور صدر اول کے حجاج پر مع ابن الاشعث کے اٹھنے کو پیش کر کے ان کا رد کیا ہے، اور قائلین نے ان کے قول ان لا ننازع الامر اھلہ کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد امام عادل ہے، اور حجاج پر خروج کی دلیل جمہور کی یہ ہے کہ محض اس کے فاسق ہونے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے شریعت میں تغیر کیا اور اظہار کفر کیا، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف پہلے تھا بعد کو ایسے لوگوں پر اٹھنا اجماعاً منع ہو گیا، واللہ اعلم۔

پس از مطالعہ ایں عبارت تصدیق اکثر مقدمات مذکورہ حاصل می شود، بالجملہ بر اصول

اہل سنت حال یزید بہ نسبت سابق متبدل شدنزد بعض کافر شد ونزد بعض کفراو متحقق نہ گشت اسلام سابق مخلوط بفسق لاحق شد، اگر حضرت امام کافرش پنداشتند درخروج بروچہ خطا کردندامام احمد رحمۃ اللہ علیہ راہمیں خاطر پسند خاطر افتادمگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسے نزدیکے متحقق شود ونزد دیگراں نشود، ہم چنیں خروج برودرحق ایں وآں مختلف خواہد بود، اتفاق درتکفیر وتفسیق وتعدیل وتجریح کسے ازضروریات دینی یاازبدیہیات عقلی نیست کہ حاجت معذرت افتدودرصورت فسق آنچہ پیش کردہ ام یادخواہد بود، تاہم ہیچ صعوبتے براصول اہل سنت نیست چہ یزیداندریں صورت یافاسق معلن بودتارک صلوٰۃ وغیرہ یامبتدع بود چہ ازرؤسائے نواصب است بایں ہمہ خلافتش غیرمسلم، نظر بریں وجوہ بیاوملفوظات سابقہ درخروج بروہیچ قباحتے نے، بایں ہمہ خروج برایں چنیں کساں تاحال نزدہمہ جائزواگرنزدہمہ جائزنیست نزدبعض جائزچنانچہ ازمشاہدہ عبارت نووی رحمۃ اللہ علیہ واضح است۔ ودرمسائل مختلفہ خلاف یکے مردیگراں راموجب تفسیق اوشاں آں راوبطلان اعمال اوعنداللہ نمی تواں شد چنانچہ دانستہ شد۔

ترجمہ: علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات گذشتہ کی تصدیق ہوجاتی ہے، پس اہل سنت کے اصول پر یزید کی سابق حالت بدل گئی، بعض کے نزدیک کافر ہوگیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہیں ہوا بلکہ سابق اسلام فسق کے ساتھ مخلوط ہوگیا، اگر امام موصوف نے یزید کو کافر سمجھا تو اس پر خروج کرنے میں کیا غلطی فرمائی، امام احمدؒ کو یہی بات پسند آئی، جیسا کہ یہ بات ممکن ہے کہ کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک ثابت ہوا، اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہوا، ایسا ہی اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہوجائے گا، اور تکفیر، تفسیق، تعدیل اور جرح وغیرہ وغیرہ پر کسی کا اتفاق کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں ہے کہ عذر ومعذرت کی ضرورت پیش آئے۔ اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ میں نے پیش کیا ہے وہ تو یاد ہی ہوگا، پھر بھی اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یزید یا تو کھلم کھلا فاسق تھا یعنی تارک نماز وغیرہ یا پھر بدعتی تھا یعنی بہت بڑا ناصبی تھا، ان تمام

باتوں کے باوجوداس کی خلافت عام طور پر غیر مسلم تھی ،ان وجوہ مذکورہ کی بنا پراس کے خلاف خروج کرنے میں کوئی قباحت نہیں رہ جاتی ہے، پس ایسے لوگوں کے خلاف اٹھنا اس وقت تمام لوگوں کیلئے جائز ہے اوراگرتمام کے نزدیک جائز نہیں ہے تو بعض کے نزدیک جائز، جیسا کہ علامہ نوویؒ کی عبارت سے سمجھا جاتا ہےاور مسائل مختلف فیہا میں ایک کا خلاف دوسروں کے حق میں فسق وفجر کا سبب یاان کے اعمال کا خدا کے نزدیک رائیگاں ہوجانا نہیں کہا جاسکتا، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

واگرفرض کنیم برعدم جوازخروج برچنیں کساں اجماع است، اجماع حادث است اجماع قدیم نیست تا براصول اہل سنت درشہادت امام ہمام رضی اللہ عنہ تردد راہ باید، زیادہ اززیادہ اگر کسے گویدایں بگوید کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ خطا کردند لیکن چہ حرج المجتهد يخطی ويصيب ، بنائے ثواب برنیت خطائے اجتہادی دریں بارہ مزاحم حال نمی شود چنانچہ دراصول اہل سنت مصرح است وہم واضح است چہ اگر بظن غروب روزہ افطار کردیا نماز مغرب بخواند ہنوز آفتاب غروب نشدہ بود ایں کس راتا آخر عمر برخطائے خود اطلاع نشد ہرگز عاقلے تجویز نمی تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند ورنہ تکلیف مالایطاق لازم خواہد آمد وهو محال: لايكلف الله نفسا الا وسعها۔

ترجمہ: اوراگر مان بھی لیا جائے کہ ایسے لوگوں پرخروج کرنے کےعدم جواز پراجماع ہو چکا ہےتواس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجماع حادث ہے قدیم نہیں ہے کہ اہل سنت کے اصول پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شبہ وتردد کودخل ہو، زیادہ سے زیادہ اگرکوئی کچھ کہہ سکتا ہےتو یہ کہ امام موصوف نے غلطی کی لیکن کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشہور ہے کہ مجتہد کبھی چوک جاتا ہےاور کبھی نہیں، لہٰذا اجتہادی غلطی کی وجہ سے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی جیسا کہ اہل سنت کے اصول میں طے ہو چکا ہے کیونکہ اگرکوئی آفتاب کے غروب کوسمجھ کرروزہ افطار کرلے یا نماز مغرب ادا کرے اورابھی آفتاب ڈوبا نہیں تھااور آدمی کوزندگی بھراپنی غلطی کاعلم نہیں ہوا کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ یہ غریب ثواب سے محروم ہوگیا، ورنہ پھر تکلیف مالایطاق لازم آئے گی جو

محال ہے، **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔**

آرے برطبق اصول شیعہ شہادت حضرت امام الشہداءؓ درکنار دین وایمان شان ہم از دست می رودنعوذ باللہ منہا، اگر باور بناشد بنگر کہ درکافی کلینی روایات دریں باب کہ ہرکرا تقیہ نیست دین وایمان ندارد وارد شدہ اند مع سند نقل می کنیم۔

ترجمہ: البتہ امامیہ کے اصول پر حضرت امام حسینؓ کی شہادت دین وایمان سے بھی خارج ہو جاتی ہے معاذ اللہ منہا، اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ کافی کلینی کے اندر اس باب میں جو روایات ہیں ان کو دیکھے، لکھا ہے کہ جس نے تقیہ نہیں کیا اس میں نہ تو دین ہے اور نہ ایمان، جس کو مع سند کے ہم نقل کرتے ہیں۔

(۱) عن ابن عمر عن ھشام بن سالم عن ابن ابی عمر الاعجمی قال قال ابو عبد اللہ یا ابا عمر ان تسعة عشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له والتقیة فی کل شئ وفی المسح علی الخفین.

ترجمہ: ابن عمر روایت کرتے ہیں ہشام بن سالم سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ابوعمر اعجمی سے کہ کہا فرمایا ابوعبداللہ نے اے ابوعمر دین کا دس میں سے نو حصہ تقیہ میں ہے، اس کا دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا، اور تقیہ تو ہر چیز میں ہے اور مسح علی الخفین میں بھی۔

(۲) عن محمد بن یحی عن احمد بن محمد بن عمر بن خلاد قال سألت ابا الحسنؓ عن القیام للولاة فقال ابو جعفر التقیة دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیة له.

ترجمہ: محمد بن یحی روایت کرتے ہیں احمد بن محمد بن عمر بن خلاد سے کہ میں نے حضرت علیؓ سے بادشاہوں حاکموں کے خلاف اٹھنے کے متعلق سوال کیا، ابوجعفر نے جواباً فرمایا کہ تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے اس کا ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔

ازیں دو روایت مثل آفتاب روشن می برآید کہ ہرکہ تقیہ نکند بے دین وبے ایمان است اکنوں از حضرات شیعہ التماس است کہ اگر ہمیں تقیہ است حسن خاتمہ حضرت امام الشہداء معلوم

چہ جائیکہ شہادت، وظاہر است کہ دریں روایت ہیچ گونہ گنجائش تاویل یا تخصیص نیست اگر تاویل فرمایند یا تخصیص بعدوے شخصے نمایند مسموع نخواہد بودا کنوں ازیں چارہ نیست کہ مذہب اہل سنت اختیار کنند، واگر از اتباع حق عار وانکار است لاجرم از ائمہ دوازدہ گانہ کل یازدہ باقی خواہند، اندریں صورت انکار از حق واصرار بر مذہب باطل لاجرم خواہد آمد۔ چہ حضرت امام را دریں ضیق وناچاری کہ مقابلہ سی ہزار فوج جرار چند معدود بودند وآں ہم یکے بعد دیگرے شربت شہادت چشیدند تقیہ لازم بود، اگر دراول امر امید بوددر آخر وقت کہ ہیچ کس نماند تقیہ لازم افتادہ بود ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم　　تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

وجواب دیگران شاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت عنقریب بنظر سامی خواہد گذشت لاتقنطوا، ایں دو روایت کہ نقل کردہ شد اگر احتمال دروغ باشد مطابق نمایند اگر نزدشما کافی کلینی موجود نباشد نسخہ مطبوعہ تہران نزد ما موجود است ملاحظہ نمایند، اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین (ص ۱۷ قاسم العلوم نمبر۴)

ترجمہ: ان دونوں روایتوں سے آفتاب کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ نہ صرف بے دین بلکہ بے ایمان بھی ہے ایسی صورت میں حضرات شیعہ سے گذارش ہے کہ اگر یہی تقیہ ہے تو پھر حضرت امام الشہداء کا حسن خاتمہ ہی یقینی نہیں پھر شہادت تو دوسری بات ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ ان روایات میں نہ تو تاویل کی اور نہ تخصیص کی کوئی گنجائش ہے، اگر تاویل تخصیص کریں بھی تو کون قبول کرے گا؟ سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ اہل سنت کا مذہب اختیار کریں اور اگر حق مذہب وطریقہ کے اتباع میں شرم محسوس ہوتی ہے اور انکار ہی کرتے ہیں تو ناچار پھر دوازدہ امام یازدہ باقی رہ جاتے ہیں، اس صورت میں حق کا انکار اور باطل مذہب پر ضد کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ حضرت امامؓ اس مجبوری ولاچاری میں کہ تیس ہزار فوج کے مقابلہ میں صرف چند گنتی کے لوگوں کا ہونا اور پھر یکے بعد دیگرے شربت شہادت کو نوش فرمانا اس حالت میں تقیہ کرنا ضروری تھا، مانا کہ ابتداءً امید تھی لیکن جبکہ آخر میں کوئی نہیں رہ گیا تھا تقیہ

کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

میں نے یہ عبارت بتامہا آپ کے سامنے پیش کردی ہے، یہ رسالہ اسی شبہ کے متعلق لکھا گیا ہے جس کو آپ نے پیش فرمایا ہے، صفحہ ۱۳ تک تمہیدات ہیں جن میں بہت سی مفید باتیں آ گئی ہیں، مگر تطویل کے خوف سے اصل مقصد عرض کردیا گیا۔

مؤرخین کے قول کا رد

مؤرخین کا یہ قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فسق وفجور کا علم تھا اور وہ معلن بالفسق تھا، اور باوجود اس کے انہوں نے استخلاف کی کوششیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے ہی شروع کردی تھیں، یقیناً شان صحابیت ہی نہیں بلکہ شان عدالت کے بھی خلاف ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باللہ، الآیة (عمران) اور تم ہو بہتر امتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس الآیة (بقرہ) اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔

محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود (فتح) محمد رسول اللہ کا، اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، پہچان ان کی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے۔

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک هم

الراشدون فضلا من اللہ ونعمة واللہ علیم حکیم (حجرات)

اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا، اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے، پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معه نورهم یسعی بین ایدیهم وبایمانهم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیٔ قدیر (تحریم)

جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کردے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

ان آیات کو اور ان کی مثل دیگر آیات کو جو کہ قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلیٰ درجہ کی صفات کمالیہ پر شہادت دیتی ہیں اور جن کے مصداق اول یہی حضرات ہیں انہی کے ساتھ ساتھ ان اخبار آحاد صحیحہ کو بھی لیجئے جو کہ عامۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں وارد ہیں، مثلاً:

(۱) اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (الحدیث) میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

(۲) خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم (الحدیث) سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس سے متصل پھر جو اس سے متصل ہے۔

(۳) فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد اصحابی ولا نصیفه، الحدیث (او کما قال علیه الصلوٰة والسلام) اگر کوئی تم میں پہاڑ احد کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے اصحاب کے مد کے ثواب اور نہ اس کے آدھے ثواب کے برابر پہنچے۔

(۴) اللہ اللہ فی اصحابی...... فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم

(الحدیث) ڈرو اللہ سے میرے اصحابؓ کے بارے میں، پس جو دوست رکھتا ہے ان کو میری دوستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے ان کو، اور جو شخص کہ دشمن رکھتا ہے پس بسبب دشمنی میری کے دشمن رکھتا ہے۔

ان روایات کے ہم معنی بہت سی احادیث صحیحہ ہیں جو کہ عامۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعلیٰ مناقب پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ اجماع امت کو لیجئے جو کہ بتلاتا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کیلئے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر لی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی وہ بعد کے تمام اولیاء اور اتقیاء اور ائمہ وغیرہ سے افضل ہے۔

ان امور مذکورہ بالا کو دیکھتے ہوئے اگر مؤرخین کی یہ بات کہ ''فاسق یزید اور معلن بالفسق کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نامزد بالخلافۃ کیا'' مانی جائے گی تو ان تمام نصوص کی تذلیل وتوہین ہی نہیں بلکہ انکار لازم آئے گا، ایسی صورت میں تو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی فسق اور معصیت میں مبتلا ہوئے اور اسی پر ان کی وفات ہوئی بلکہ درجہ کفر تک والعیاذ باللہ نوبت آتی ہے (کیونکہ استحلال بالمعصیۃ صاف ٹپکتا ہے)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطهابنصيحة لم يجد رائحة الجنة (بخاری)

کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا راعی اور حاکم بنایا اور اس نے ان کی نگہبانی اور حفاظت ان کی خیر خواہی کیساتھ نہ کی تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی۔

(۲) ما من وال يلي رعية المسلمين فيموت وهو غاش لهم الا حرم الله عليه الجنة (بخاری) کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنایا گیا اور اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا ظالم تھا تو جنت اس پر حرام ہوگی (متفق علیہ)

(۳) الا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالامام راع وهومسئول عن رعيته الحديث (بخاری) خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو اور تم سب مسئول ہو اپنی

رعیت سے، امام جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے۔

(۴) من غشنا فلیس منا الحدیث (ق) جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے، نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال وانقطاع سے کام لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماؤل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ۔

اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے، ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق وفجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق وفجور کی اطلاع نہ ہو، ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا، اب اس کی نامزدگی کی خبر ممکن ہے کہ صحیح ہو، انہوں نے رومیوں اور عیسائی ممالک پر جہاد میں اس کی متعدد دفعہ جدوجہد اور کامیابیاں اور حسن تدبیر وانتظام کو مشاہدہ کر کے اپنی رائے کی بنا پر کہ خلافت کیلئے قریشیت اور حریت عقل وبلوغ کے ساتھ لازم ترین شرط لیاقت انتظام مملکت اور حسن تدبیر ہے اور یہ اس میں پائی جاتی ہے یا بدرجہ کمال موجود ہے جو کہ اوروں میں نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس درجہ پر نہیں ہے اس کی نامزدگی کر دی ہو (جیسا کہ بعض مؤرخین کا قول ہے) یا یہ جدوجہد دوسرے اراکین خاندان بنی امیہ کی طرف سے کی گئی ہو اور یزید بھی اس میں کوشاں رہا ہو، مگر عام لوگوں نے اس کو حضرت معاویہؓ کی طرف نسبت کر دیا ہو، کیونکہ انہوں نے روکا نہیں

(جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے) یا یہ کہ نامزدگی ان کی طرف سے حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں ہوئی، ان کی وفات کے بعد اہل شام میں اہل حل وعقد نے اس کو جانشین اور خلیفہ بنا دیا اور بیعت کرلی (جیسا کہ بعض دوسرے مؤرخوں کا قول ہے) یا یہ کہ وہ خود بالتغلب خلیفہ بن بیٹھا (بعض مؤرخ اس کے بھی قائل ہیں) بہر حال ان وجوہ کی بنا پر اس کی خلافت منعقد ہوگئی، آپ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ نامزدگی یا اہل حل وعقد کا بیعت کرنا یا تغلب یہ تینوں امور انعقاد خلافت کے طرق میں سے ہیں، اگرچہ تیسرا امر بالضرورۃ والمجبوریۃ ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کہ ”خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائے جائیں کسی دوسرے جامع شروط خلافت کو اپنا جانشین کرجائے اور وصیت کردے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو“ اس میں شروط سے اگر شروط صحت خلافت مطلقہ مراد ہیں جو کہ عقل، بلوغ اسلام، قریشیت سے عبارت ہے، تو یہ تو موجود ہی ہیں، اور یہی امور کتب کلام وفقہ میں مذکور ہیں، اور اگر شروط سے مراد شروط خلافت کاملہ مراد ہیں جن میں صلاح، تقویٰ وعلم وغیرہ بھی معتبر ہیں تو اس کی سند کیا ہے؟

کتب مذہب میں اس کو انعقاد خلافت کیلئے ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے، اور اگر ایسا ضروری ہوگا تو چاہئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی صحیح نہ ہو حالانکہ بالاجماع ان کو نہ صرف خلیفہ بلکہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کیا گیا ہے، ان کو نامزد کرنے والا سلیمان بن عبدالملک کا حال معلوم ہے۔

بہر حال وجوہ مذکورہ بالا سے انعقاد مطلق ہوگیا مگر عموم انعقاد جس سے ہر ایک پر اتباع لازم آجائے اور مخالفت کرنا ممنوع ہوجائے وہ نہیں ہوا تھا، انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں فرق ہے، عموم انعقاد جب متحقق ہوگا جبکہ تمام اہل حل وعقد متفق ہوجائیں، بعض کی بیعت کافی نہ ہوگی، اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بہت سے حضرات نے اگرچہ کرلی تھی تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی کوشش کی گئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انہوں نے اس کو انجام دیا، اور یہی وجہ تھی کہ یزید کوشاں تھا کہ حضرت امام حسینؓ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ حضرات بیعت کرلیں ، حالانکہ یہ حضرات ملتجی بالحرم ہو گئے تھے، کسی نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ بیعت کی تھی ،ان حضرات کا اس زمانہ میں اہل حل وعقد میں سے ہونا بدیہی امر ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ وجوہ، وجوہِ عموم انعقاد ہی ہیں ، اور انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں کوئی فرق نہیں ہے ،تو پھر یزید کا بعد از ظہور فسق وفجور وہ حال ہی نہیں رہتا جو ابتدا میں تھا، یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجہ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے جیسا کہ امام احمدؒ اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا، اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہوسکتا، اور اگر اس کی حرکات ناشائستہ درجہ کفر کو نہ پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ممکن ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کی ہے ،علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا، اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔

پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے، یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے، اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی، کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا؟

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے بالخصوص حضرت

مسلم وعقیل رحمۃ اللہ علیہما کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا، اس لئے ان کا ارادۂ جہاد یقیناً صحیح تھا اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی نہیں قرار دیئے جاسکتے، ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس حالت میں مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا اور خلل بہت کم ہوگا، اپنی ظفرمندی کیلئے متیقن تھے۔

پھر آپ اس کو بھی نظرانداز نہ فرمائیں کہ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم وعقیل رحمہما اللہ تعالیٰ شہید کر دیئے گئے اور یزید کی فوج یہاں آ پہنچی ہے، تو یہ کہلا بھیجا کہ میں کوفہ نہیں جاتا اور نہ تم سے لڑنا چاہتا ہوں، مجھ کو مکہ معظمہ واپس جانے دو، دشمن اس پر راضی نہ ہوا اور اصرار کیا کہ اس کے ہاتھ پر یزید کیلئے بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھ کو چھوڑ دو کہیں دوسری طرف چلا جاؤں گا، وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کرلوں گا، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا، یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ ہر طرح مجبور ومظلوم قتل کئے گئے ہیں، اگر اس کے بعد شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہیں تو کیا ہے؟

چنانچہ یہ بھی تصریح آپ کتب تاریخ میں پائیں گے کہ یزید کو جبکہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ ان تینوں امور کو پیش فرما رہے تھے مگر اس کے عامل نے کسی کو قبول نہیں کیا تو بہت برہم ہوا اور سرزنش کی، واللہ اعلم۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں غور فرمائیں، مجھ کو قوی امید ہے کہ آپ کے جملہ شبہات کا ازالہ ہو جائے گا، اور مزید تفصیل کیلئے اگر خواہش ہو تو قاسم العلوم کا یہ نمبر منگا کر دیکھ لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق بھی جناب نے غور نہیں فرمایا، غرض یہ تھی کہ غلط فہمی اور خطاء اجتہادی سے انبیاء علیہم السلام بھی باوجود معصومیت از ذنوب معصوم نہیں ہیں

اوران سے بھی اس غلط فہمی سے بڑے سے بڑاامر سرزد ہوسکتا ہے اوراس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا، حالانکہ حسب قاعدہ حسنات الابرار سیئات للمقربین ان سے چھوٹے اعمال پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام پر مؤاخذہ بیٹے کے متعلق دعا کرنے پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خوف ثلثہ کذبات کے متعلق طاری ہونا وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل قبطی پر تو خائف ہیں مگر حضرت ہارون علیہ السلام اور رمی الواح کے متعلق خوف کا تذکرہ تک بھی نہیں فرماتے، جبکہ ان حضرات کی خطا اجتہادی کا یہ حال ہے کہ سرزد بھی ہوتی ہے اور مؤاخذہ بھی نہیں ہوتا تو غیر معصوم سے سرزد ہونا کیوں ممنوع ہوگا اوراس پر گرفت کیوں ہوگی؟ بلکہ حسب ارشاد المجتهد اذا اخطأ فله اجر و اذا اصاب فله اجران ممکن ہے کہ ان کو اجر ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں اگر ان سے دربارۂ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہوجائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھ کر نامزد فرمادیں یا یہ کہ خلافت میں قریشیت، اسلام، حریت، بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں، تقویٰ اور دیانت ضروری قرار نہ دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے؟

رہا حسن نیت کا سوال تو جبکہ ہم کو عام مؤمنین کے ساتھ حسن ظن کا حکم ہے تو ایک صحابی جس کیلئے دعوات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ بھی موجود ہیں کیوں نہ عمل میں لایا جائے۔

اگر آپ من لم يرحم صغيرنا پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں تو دوسرا کہہ سکتا ہے کہ ولم يوقر كبيرنا کا خطاب بھی تو موجود ہے۔ بہرحال فکر وغور سے امور معروضہ میں کام لیجئے، جلدی مت فرمایئے، والسلام (مکتوبات ص ۱۷۲ ج ۱)

مودودی صاحب اور جماعت اسلامی

میں مودودی صاحب اور ان کے لٹریچر اور ان کی جماعت کو سخت گمراہ اور ضال اور مضل سمجھتا ہوں، مجھ کو جس قدر بھی ان کی تصانیف دیکھنے کی نوبت آئی اسی قدر میرا گمان متعلق عقیدہ بڑھتا گیا، اگر آپ کی توجہ صادق ہے تو اعلان فرمایئے اور اخباروں میں شائع کرا دیجئے کہ میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو سخت ضال اور مضل سمجھتا ہوں، اور اس لئے میں ان سے علیحدہ ہوتا ہوں، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس جماعت سے علیحدہ رہیں، ان کی تلبیسات میں نہ آئیں اور سلف صالحین کے متبع ہوکر احیاء شریعت حقہ اور اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سرگرم عمل رہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ والسلام

۳؍ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ (مکتوبات ص ۳۴۸ ج ۲)

مودودی صاحب کے لٹریچر پر ایک نظر

محترما! مودودی جماعت کے لٹریچر جن کی اشاعت کی جارہی ہے وہ ایسے مضامین سے لبریز ہیں جو کہ ضلال سے پر ہیں گمراہی کے پھیلانے والے ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" چند باتیں پیش کرتا ہوں:

صفحہ ۳۲۷ ترجمان ۳۵؍۳۶ میں بطور قاعدہ کلیہ لکھا گیا ہے:

"اگر کسی شخص کے احترام کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک مقصد ہے جس کو جماعت اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے"۔

غور فرمایئے، اس کے الفاظ میں وہ عموم ہے جو کہ انبیاء، اولیاء، صحابہ، تابعین، ائمہ مذاہب

ومحدثین، فقہاء، عوام وخواص سب کو شامل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور نہ خلفائے راشدین وغیرہ میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، کسی کو بھی تنقید سے بالاتر کہنا اور سمجھنا بت پرستی اور شرک ہے۔

ادھر دستور جماعت مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور صفحہ ۵ میں ہے:

''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، الخ''۔

آپ ان دونوں اعلانوں اور اصولوں پر غور کیجئے، کیا ان میں احکام قرآنیہ اور اصول اسلام اور مسلمات اہل سنت والجماعت سے بغاوت نہیں ہے، اور تمام ان مسلمانوں کی تکفیر وتضلیل نہیں ہے جو کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔

قرآن اور حدیث صحیح، صحابہ کو معیار حق بتاتے ہیں ان کی ہر طرح مدح سرائی کرتے ہیں، ان کے اتباع کا حکم کرتے ہیں، مگر یہ جماعت ان کے اتباع کو بت پرستی بتلاتی ہے، اور اس قدر عموم کے ساتھ نفرت دلاتے ہیں کہ جن سے نہ صرف صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے انقطاع ہوتا ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور خود سید المرسلین علیہ السلام کی تابعداری سے بھی انقطاع پیدا ہوتا ہے، نہ اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قابل اعتماد رہتا ہے، نہ اوامر خلفائے راشدین وشیخین رضی اللہ عنہم اجمعین، نہ فتاویٰ دیگر صحابہ وتابعین اور اوامر ومجتہدات واجماع اہل قرون مشہود لہا بالخیر اور ائمۂ مذاہب قابل اعتماد رہتے ہیں، اور نہ ان کے مقلدین اور اتباع مسلمان رہتے ہیں بلکہ سب کے سب بت پرست اور ضال ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجری تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلک الفوز العظيم (سورۃ توبہ) اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی

پیروی کی نیکوکاری میں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کیلئے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذٰلک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل (سورۃ فتح) محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں، تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے، طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی، ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے، یہی ان کی صفت ہے توراۃ میں اور ان کی صفت انجیل میں۔

تیسری جگہ فرماتا ہے:

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک هم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمة الخ (سورۃ حجرات) لیکن اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اس کو عمدہ کر دکھایا تمہارے دلوں میں اور تمہاری نظروں میں برا بنا دیا کفر اور فسق اور نافرمانی کو، یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔

چوتھی جگہ فرماتا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بـاللہ الخ (سورۃ آل عمران) تم بہتر ہو ان امتوں میں جو پیدا ہوئیں لوگوں کیلئے تم حکم کرتے ہو نیک کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

پانچویں جگہ فرماتا ہے:

وکذٰلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا اور اسی طرح ہم نے تم کو بنایا ہے امت معتدل تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور بنے

رسول تم پر گواہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معیار حقانیت بتلاتے ہوئے: ما انا علیہ واصحابی (جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔از حاشیہ) مگر یہ جماعت ان کے معیار حق ہونے کو اور ان کو مبرا از تنقید کہنے کو بت پرستی کہتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (تم پر لازم ہے میری سنت پر عمل کرنا اور ان خلفاء کی سنت پر عمل کرنا جو راشدین، ہدایت یافتہ ہیں، اسی سنت کو دانتوں سے پکڑ لو۔از حاشیہ) اور یہ جماعت ان کی ذہنی غلامی اور معیار حق سمجھنے کو ضلالت اور بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: علیکم بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (تم پر لازم ہے ان دو کی اتباع اور پیروی جو میرے بعد ہوں گے، یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔از حاشیہ) اور جماعت اس سے منع کرتی ہے اور بت پرستی کہتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے تم لوگ جس کی اقتداء کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔از حاشیہ) اور یہ جماعت اس کو بت پرستی قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رضیت لامتی ما رضی بھا ابن ام عبد (میں نے اپنی امت کیلئے وہی پسند کیا جس کو ابن ام عبد نے پسند کیا۔از حاشیہ) اور یہ جماعت اس کو ضلالت اور شرک قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لو کنت مستخلفاً احداً عن غیر مشورة لاستخلفت ابن ام عبد (اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے خلیفہ بناتا تو بناتا بیٹے ام عبد کو۔از حاشیہ) اور یہ جماعت ان کو معیار حق بنانے کا انکار کرتی ہے، اور شرک اور اتخاذ ارباب من دون اللہ قرار دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لو کان الدین عند الثریا لنالہ رجل من ابناء فارس اور یہ جماعت اس کے مصداق اول حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو غیر حقانی، ان کے اتباع کو بت پرستی قرار دیتی ہے، اور جماعت اسلامی کا نصب العین ایسے امور کو بتلاتی ہے۔

محترما! اگر میں تمام ضلالت اس جماعت کی اور ان احادیث کو جو تمام صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے معیار حق ہونے اور ان کی ذہنی غلامی کے واجب ہونے کی ہیں ذکر کروں تو ایک طویل وضخیم کتاب ہو جائے، یہ چند باتیں ذکر کر کے امیدوار ہوں کہ غور کیجئے، اگر سمجھ میں آئے تو جلد از جلد ان سے علیحدہ ہو جایئے اور ان کی ضلالتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے، ورنہ عذاب آخرت کیلئے تیار ہو جایئے۔

یہ استاد کا احترام اسی وقت تک ہے جب تک وہ صراط مستقیم پر ہے اور جبکہ اس نے صحابہ کرامؓ کا احترام اور اتباع سلف کرامؒ چھوڑ دیا، اور تمام مسلمانوں کے اساتذۂ کرام کو چھوڑ دیا، اور باغیوں اور غیر مقلدوں اور اہل ضلال میں شامل ہو گیا تو کوئی احترام اس کا باقی نہیں رہا، مودودیوں کی کتابوں کو پڑھانا ضلالت اور گمراہی ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل، فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الضالین، ھدانا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ امین. والسلام (مکتوبات ص۳۹۴ ج۲)

جماعت اسلامی کے عقائد

محترما! میرا پہلے یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریک اسلامی مسلمانوں کی علمی اور عملی، دنیاوی اور دینی کمزوریوں اور ان کے انتشارات کے دور کرنے اور مسلمانوں کو منظم کرنے تک ہی محدود ہے، اگر چہ طریق تنظیم میں اختلاف رائے ہو، اس لئے میں نے اس کے خلاف آواز اٹھانا یا تحریر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا، اگر چہ افراد جماعت اور قائد جماعت کی طرف سے بسا اوقات ناشائستہ کلمات تقریر اور تحریر میں معلوم ہوئے، مگر ان سب سے چشم پوشی کرنا ہی انسب معلوم ہوا، مگر آج جبکہ میرے سامنے اطراف وجوانب ہندو پاکستان سے آنے والے مودودی صاحب

کی تصانیف کے اقتباسات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، اور پانی سر سے گذر گیا ہے تو میں ان کے دیکھنے اور سمجھنے سے مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچنے میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

آپ کی تحریک اسلامی خلاف سلف صالحین مثل معتزلہ، خوارج، روافض، جہمیہ وغیرہ فرق قدیمہ اور مثل قادیانی، چکڑالوی، مشرقی، نیچری، مہدوی، بہائی وغیرہ فرق جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے، اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے، وہ ان اصول وعقائد واعمال پر مشتمل ہے جو کہ اہل سنت والجماعت اور اسلاف کرامؒ کے خلاف ہیں۔

تفسیر قرآن کریم اور جماعت اسلامی

وہ تفسیر بالرائے کی قائل ہے، ہر وہ پروفیسر جو کہ ملحدان یورپ اور ان کی روشنی کا حامل اور تھوڑی بہت عربی زبان سے واقف ہے اس کے نزدیک یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی رائے اور مذاق سے تفسیر کر کے مسلمانوں کیلئے مشعل راہ بنے اور یہی آپ کے یہاں ہو رہا ہے، خواہ اس کی تفسیر کتنی بھی سلف صالحینؒ اور اقوال صحابہ کرامؓ کے خلاف ہو۔

حالانکہ سب سے پہلے یہی فتنہ اسلام میں پیدا ہوا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحکیم پر ان الحکم الا للہ کی تفسیر بالرائے کر کے بارہ ہزار کی جماعت نے بغاوت کی اور علیحدہ ہوگئی، اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کلمة حق ارید بها الباطل، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ قرآن ذو وجوہ ہے ان لوگوں کو سنت سے سمجھانا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سمجھایا جس پر آٹھ ہزار آدمی تائب ہوگئے مگر چار ہزار اپنی ضد اور رائے پر قائم رہے اور تکفیر وقتل کا بازار گرم کرتے رہے، یہی فرقہ خوارج کے نام سے مشہور ومعروف ہوا، اس کے بعد اس تفسیر بالرائے کی وبا اس قدر پھیلی کہ نہ صرف مسئلہ تحکیم میں بلکہ دیگر مسائل میں بھی اپنی آراء کو عمل میں لایا گیا، مرتکب کبائر وغیرہ دیگر مسائل میں بہت زیادہ افراط وتفریط جاری ہوئی، اور نہ صرف خوارج ہی تک اس کی محدودیت رہی بلکہ فتنہ ہائے معتزلہ، روافض، جہمیہ، مجسمہ، مرجیہ وغیرہ اسی تفسیر بالرائے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔

اہل سنت والجماعت ہمیشہ اتباع سنت اور اسلاف صالحینؒ، صحابہ کرامؓ اور افاضل تابعین کو پیشوا اور رہبر بناتے ہوئے اپنی آراء اور مذاق کو انہیں کے رنگ سے رنگ کر فائز المرام ہوتے رہے اور ما انا علیہ و اصحابی کی سند حاصل کرتے رہے، یہی بعینہ واقعہ ان ازمنۂ اخیرہ میں پیش آیا، نیچریہ، قرآنیہ، اتباع چکڑالویہ، قادیانیہ، خاکسار، بہائیہ وغیرہ نے بھی یہی تفسیر بالرائے اور اپنی عقل اور مذاق کو پیشوا بنایا اور نصوص کو اس طرف کھینچنا یا ترک کر دینا اختیار کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی پیش بندی کرتے ہوئے فرمادیا تھا: من فسر القرآن برأیہ فقد کفر (او کما قال)

کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ اور ان کے تلامیذ جن کی زبان مادری عربی تھی، اور جنہوں نے وحی خداوندی کا مشاہدہ کیا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود اور آپ کے اعمال اور سنن کو دیکھنے والے تھے، اور تابعین جو مشاہدین وحی کے شاگرد رشید تھے ان کی تفسیریں تو بالائے طاق رکھ دی جائیں اور ان کو مردود اور غلط قرار دیا جائے، اور ان کے مقابلہ میں تیرہ سو برس بعد کے پیدا ہونے والے عجمی اشخاص جن کو زبان عربی اور اس کے ادب اور اصول دین وغیرہ میں کوئی مہارت تامہ بلکہ ناقصہ بھی نہ ہو صرف کیمرج یا آکسفورڈ یا کسی یونیورسٹی یا کالج کی ڈگریوں اور معمولی عربیت کی بنا پر ان کی تفسیر کو معتمد علیہ قرار دیدیا جائے، اور جن لوگوں کی عمریں زبان عربی اور علوم دینیہ میں پڑھتے پڑھاتے گذر گئی ہیں ان کی تفسیر کو غلط اور تاریک خیال قرار دیا جائے، اور پروفیسران علوم ملاحدہ یورپ کی ستم ظریفیوں کو مراد خداوندی اور مقصود الٰہی بتایا جائے۔

کیا کوئی عقلمند یا کوئی قوم اس بات کو روا رکھتی ہے کہ کسی فوجی کالج کے سند یافتہ کو یا انجنیرنگ کالج کے فارغ التحصیل کو اگر چہ ان کی ڈگریاں کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہوں میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے اور بیماروں میں معالجہ کو عمل میں لانے کی اجازت دی جائے جبکہ وہ کسی میڈیکل کالج کی طبی سند بھی نہیں رکھتا ہے، ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا انسانوں کو برباد کر دینے

کے مرادف ہے اور بجائے نفع رسانی مضرت اور بجائے تعمیر تخریب کا باعث ہوگا، یہی حال ایسے مفسرین کی تفسیر بالرائے کا ہے کہ سلف صالحینؒ کی تفسیر اور اصول دینیہ کے خلاف بجائے ہدایت ضلالت اور گمراہی کی پیش خیمہ ہوگی۔

احادیث وصحابہ کرامؓ کے متعلق جماعت اسلامی کا نظریہ

وہ پیغمبر اسلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ سلم کو اپنے قیاسات اور انکلوں پر چلانے والا بتلاتی ہوئی تاریخی واقعات کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ اور حسنہ کو ردی کی ٹوکری کی نذر کرتی ہے، حالانکہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ پیغمبروں کی جملہ تبلیغات کو وحی خداوندی قرار دیتی ہیں، دنیاوی مشوروں اور جزئیات یومیہ اور روزمرہ کی ضروریات زندگی پر اخبار ہائے نبویہ اور احکامات سماویہ تبلیغیہ کو قیاس کرنا سراسر تلبیس اور مخالفت نصوص قطعیہ ہے، ابتداع فی الدین کی کھلی ہوئی تجویز ہے۔

وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سقیم یا صحیح غیر حقیقی المراد روایات کی بنا پر مثل روافض غیر قابل وثوق اور ہدف ملامت بناتی ہے، حالانکہ انہیں کے اعتماد اور ثقاہت پر پیچھے آنے والوں کیلئے اسلام کا مدار ہے، اگر معاذ اللہ یہ اولین اساتذہ اسلام غیر قابل اعتماد ہو گئے تو تمام عمارت دین بالکل ڈھ جائے گی، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے ان کی جگہ جگہ پر تعدیل کی ہے، بے شمار احادیث اور کتب سابقہ ان کو معتمد علیہ قرار دیتی ہیں، اور زوردار الفاظ میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے تمام انسانوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دیتی ہیں، اس دروازہ کے کھلنے سے تمام دینی اصول وفروع ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی متعدد روایتوں کو خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں ان کی خوش اعتقادی پر مبنی بتاتی ہوئی واقعیت سے دور کر دیتی ہے حالانکہ اس دروازہ کے کھلنے سے تمام معجزات اور اعلیٰ ترین اخلاق واعمال نبویہ کی عمارت بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہے اور ملاحدہ کو اس سے بڑا کاری ہتھیار ہاتھ آ جاتا ہے۔

وہ احادیث صحیحہ کے روایوں اور ائمۂ حدیث کو مجروح اور غیر ثقہ بتاتی ہوئی اقوال ضعیفہ یا غیر ظاہر المراد اقوال صحیحہ یا ان جیسے خود غرض اہل ہوا دشمنوں کے اقوال کو پیش کرتی ہے، مشاہیر عالم ائمۂ ثقات کو غیر قابل اعتبار قرار دیتی ہے، حالانکہ اس سے تمام ذخائر احادیث بالکل فنا ہو جاتے ہیں اور لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کا سماں پیش آ جاتا ہے۔

تقلید اور جماعت اسلامی

وہ تقلید شخصی کو نہایت گمراہی اور ضلالت قرار دیتی ہے، حالانکہ یہ امر آیات قرآنیہ فاسئلوا اھل الذکر، واتبع سبیل من اناب الی، ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین الآیۃ کی بنا پر فی زماننا (جبکہ اہل علم وجامعین شروط اجتہاد معدوم ہیں، جیسا کہ چوتھی صدی کے بعد سے آج تک احوال اور وقائع بتلا رہے ہیں) تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تارک تقلید نہایت خطرہ اور گمراہی میں مبتلا ہے، اس سے ایسی آزادی کا دروازہ کھلتا ہے جو کہ دین اور مذہب سے بھی بیگانہ بنا دیتا ہے اور فسق وفجور میں مبتلا کر دینا تو اس کا معمولی اثر ہے۔

وہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کو گمراہی اور حرام بتلاتی ہے، حالانکہ یہ ائمہ کرام اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہائے ہدایت وتقویٰ اور علوم دینیہ اور فقہ کے نہایت روشن چراغ اور انابت الی اللہ کے درخشاں ستارے ہیں، ان کی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

وہ ہر پروفیسر اور عامی کی رائے کو آزادی دیتی ہے کہ وہ اپنے مذاق اور اپنی رائے کو عمل میں لائیں اور مسلمانوں کو اس پر چلائیں، خواہ اس سے سلف صالحین کے مذاق اور رائے کے کتنا بھی خلاف کیوں نہ ہو، حالانکہ منکرین تقلید بھی اس کے مخالف ہیں ان کو بھی تجربہ کے بعد اس کی مضرتوں کا قوی احساس ہوا ہے، مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی جو کہ غیر مقلدوں کے نہایت جوشیلے امام تھے اور عدم تقلید کے زوردار حامی اور ہندوستان میں اس کے پھیلانے والے تھے، اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد دوم نمبر ۲۰ ص ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں لکھتے ہیں:

’’پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جولوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے، ان فاسقوں میں بعض کھلم کھلا جمعہ، جماعت نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود وشراب سے پرہیز نہیں کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال، خدا کے مال وحقوق کو دبا رکھتے ہیں، کفر وارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے،‘‘ اھ مختصراً۔

جس بے علمی کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مذکور نے ذکر فرمایا وہ تو اس زمانہ میں عام طور پر اہل علم میں بھی موجود ہے، بالخصوص پروفیسر اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں، یہ حضرات تو علوم اسلامیہ اور فنون عربیہ اور ادب عربی سے اسی طرح ناواقف ہیں جس طرح عوام مسلمین، اور اگر کسی میں قدرے شد بد موجود بھی ہے تو وہ بمنزلۂ عدم ہے، عموماً یہ حضرات اردو، فارسی یا انگریزی ترجموں سے کام لیتے ہوئے پائے جاتے ہیں، ان میں سے جو لوگ کسی یونیورسٹی میں خواہ ہندوستانی ہوں یا یورپین عربی کے ایم اے اور فاضل بھی ہیں وہ عربی درسگاہوں کے فاضل کے سامنے بمنزلۂ طفل مکتب ہیں، نہ صحیح عبارت عربی کے قواعد کے مطابق پڑھ سکتے ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں، نہ بے تکلف بول سکتے ہیں، اور اگر بعض چیدہ اشخاص میں ایسی قابلیت بھی پائی جاتی ہے تو وہ ان دیگر علوم سے یقیناً بے بہرہ ہوتے ہیں جن پر اجتہاد فی الدین کے علاوہ ادب عربی کا مدار ہے، چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے، ایسی صورت میں ان پروفیسروں کو اجتہاد اور ترک تقلید کرنا اور اس کی اجازت دینا سراسر دین اور شریعت کی جڑ کھودنا اور ضلالت اور گمراہی کو پھیلانا ہے، ہم نے خود اس زمانہ کے مجتہدین مطلق کو آزما کر دیکھا ہے۔

سلوک وتصوف اور جماعت اسلامی

وہ طرق تصوف اور سلوک اور اس کے اعمال کو جاہلیت اور الحاد، زندقہ قرار دیتی ہے، اس کو بدھ ازم اور یوگ بتلاتی ہے، حالانکہ یہی طرق اور اعمال ہیں کہ فی زمانناً اسلام اور اعمال کی تکمیل اور احسان مامور بہ کی تحصیل اور عبودیت کاملہ کا استحصال بغیر ان کے اسی طرح غیر ممکن ہے جیسے کہ فی زمانناً قرآن کا صحیح پڑھنا، بغیر زیر، زبر، جزم، وتشدید اور بغیر تجوید غیر ممکن ہے اور جیسے کہ قرآن وحدیث کا فی زمانناً سمجھنا اور بیت عربی کو حاصل کرنا بغیر صرف ونحو، معانی وبیان، بدیع وکتب لغت غیر ممکن ہے، قرون اولیٰ کو تلاوت صحیح اور فہم معانی میں ان چیزوں کی حاجت نہ تھی، مگر آج ہم کو بغیر ان کے کوئی کامیابی حاصل ہی نہیں ہوسکتی، بلکہ خود ملک عرب اور عراق وشام ومصر کے باشندے بھی (جن کی مادری اور روزمرہ کی بول چال عربی ہے) ان علوم کے آج ہماری طرح محتاج ہیں، کم وبیش کا فرق دوسری بات ہے اختلاط بالعجم نے ان کو عجمی بنادیا ہے۔

زمانہ ہائے قدیمہ اور قرون اولیٰ میں احسان اور عبدیت کاملہ قرب زمانہ نبویہ کی بنا پر ان طرق واعمال کی محتاج نہ تھی، مگر آج بغیر ان کے ان مامور بہا کمالات کا حاصل کرنا عادۃً غیر ممکن ہوگیا ہے، ان کو یوگ قرار دینا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

سلف صالحین اور جماعت اسلامی

وہ سلف صالحین اور اولیاء اللہ سابقین کی شان میں نہایت زیادہ زبان درازی کرتی ہوئی سخت گستاخانہ لفظ استعمال کرتی اور ان کو عوام الناس میں نہایت ذلیل وخوار کرتی ہے، حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: من اذیٰ اولیائی اذنته بالحرب (جو میرے دوستوں کو ایذا پہنچائے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ از حاشیہ) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اذکروا موتاکم بخیر (اپنے مردوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔ از حاشیہ) اور تیسری جگہ فرمایا: لعن آخر هذه الامة اولها (یعنی قرب قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس امت کے پچھلے پہلوں پر لعنت کریں ان کی غلطیاں اچھالیں۔ از حاشیہ) جس سے تحذیر مقصود ہے۔

وہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہما العزیز اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ اور ان کے اتباع واحفاد اور دیگر ائمۂ ہدیٰ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم ائمۂ طریقت کو مسلمانوں میں افیون اور ضلال وگمراہی کے انجکشن دینے والے اشخاص بتلاتی ہے، حالانکہ یہ وہ اکابر اور اسلاف کرامؒ ہیں جنہوں نے تمام دنیائے اسلام میں دین اور سنت کو زندہ کیا، اور ان کے فیوض وبرکات سے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو وصول الی اللہ اور حقیقی تقویٰ کی نعمت حاصل ہوئی، ان کے تأثرات اور برکات سے تواریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

وہ مذکورہ بالا مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کو یوگ اور بدھ ازم اور ضلالت کے پھیلانے والے بتاتی ہوئی ان کی تذلیل کرتی ہے، حالانکہ اعمال طریقت خواہ نقشبندیہ کے ہوں یا چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ کے یوگ اور بدھ ازم سے کوسوں دور ہیں، طریقت کی تعلیم سراسر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ اور توحید اور رسالت کی تعلیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال سے بھری ہوئی ہے، اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کی سخت تاکید ہے جس پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکاتیب شاہد عدل ہیں۔ دیکھو تصانیف امام ربانی وتصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ اور عوارف المعارف، فتوح الغیب وغیرہ۔

علماء دین اور جماعت اسلامی

وہ علماء ظاہر اور محافظین علوم شرعیہ کی شان میں گستاخی کے الفاظ استعمال کرتی ہوئی عوام کو ان سے متنفر کرتی ہے اور ان کی تذلیل وتوہین عمل میں لاتی ہے، اور ان کو غیر قابل اعتماد ٹھہراتی ہے اور مسلمانوں کو نئے اسلام اور اس کے لیڈر کی تقلید اور تابعداری کی طرف لے جاتی ہے، حالانکہ اس پرآشوب وپرفتن زمانہ میں جبکہ فسق وفجور اور الحاد وکفر، ہوا پرستی اور خواہشات نفسانی کا چاروں طرف دور دورہ ہے، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ دور ہوتے جارہے ہیں

اورشریعت کوپس پشت ڈالتے جاتے ہیں،ضروری تھا کہ محافظین شرع اور مبلغین دین وہدایت کا وقارعوام میں قائم کیا جاتا اوراحیائے دین اوراتباع شریعت کی صورتیں پیدا کی جاتیں،عوام کے اذہان میں اس کے برعکس توہین اورتذلیل کو جمانا دین کے مٹانے کے مرادف ہے،یہی طریقہ تمام مبتدعہ نے ہمیشہ سے جاری کررکھاہے،یہی طریقہ نیچریوں ، قادیانیوں اورخاکساروں وغیرہ نے کیا، بلکہ مشرقی کا رسالہ ماہواری ''مولوی کاایمان'' تواس باب میں خوب کھیل کھیلا، اور ہر مبتدع اورضال اپنے عیوب کو چھپانے اوراپنی ضلالت وگمراہی کے پھیلانے کیلئے یہی طریقہ عمل میں لاتارہتاہے۔

احادیث صحیحہ کومجروح قراردینا

وہ احادیث صحیحہ کوصرف اپنی عقل اوراپنے مذاق سے مجروح قراردیکرعام مسلمانوں کو ان سے منحرف کرتی ہے،حالانکہ سلف صالحینؒ ،صحابہ کرامؓ ،تابعین عظامؒ ،قرون مشہودلہا بالخیر نے ان کوقبول فرمایاہےاورجوشبہات اس پروارد کیے جاسکتے ہیں ان کے دفعیہ کی صورتیں بتائی ہیں،اپنی عقول اوراپنے مذاق کوہم کتنا بھی اعلیٰ درجہ عطاکریں مگروہ ناقص اورنارساہی ہیں جن پر تجربہ اورواقعات شہادت دیتے ہیں،احمق سے احمق شخص بھی اپنی عقل اورسمجھ کوسب سے اعلیٰ خیال کرتاہے۔ ؎

گراز بسیط زمین عقل منعدم گردد بخود گمان نہ برد ہیچ کس کہ نادانم

جماعت اسلامی کے چندنظریات

وہ مثل خوارج ان الحکم الا للہ اورمن لم یحکم بما انزل اللہ کالیبل لگاکرمسلمانوں کوکافرقراردیتی ہے،حالانکہ یہ اس کی غلط تاویلات بے ربط توجیہات کاثمرہ اور کلمۃ حق ارید بھا الباطل کانتیجہ ہے،نیزسلف صالحینؒ کی آراءاوراعمال سے بغاوت اورانحراف ہے۔

وہ چکڑالوی کی طرح ذخیرۂ احادیث دین متین کو(معاذاللہ) ناقابل اعتبارقراردیتی ہے اگرچہ اخبارآحادہی کیوں نہ ہوں،حالانکہ ابتدائے اسلام سے لےکرآج تک ان کواصول

دین قرار دیا گیا ہے اور بہ نسبت روایات تاریخیہ ان کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا گیا ہے۔

وہ مثل فرقہ قادیانیہ اپنے قائد اعظم اور امیر کو ایسا مختار بتاتی ہے کہ اپنے مذاق سے جس حدیث کو چاہے قابل اعتماد قرار دے اور جس کو چاہے ردی کی ٹوکری میں پھینک دے حالانکہ ایسی مطلق العنانی رائے اور حکم میں نہ کسی میں پہلے ازمنہ مشہود لہا بالخیر میں مانی گئی اور نہ اس زمانۂ فتنہ وفساد میں مانی جاسکتی ہے (جبکہ رائے صائب) انابت کاملہ اور علم کامل عنقا ہو رہے ہیں بلکہ حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ من کان منکم مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ (جس کو پیروی کرنی ہو وہ ان کے طریقوں کی پیروی کرے جن کی وفات ہوچکی ہے (صحابہ کرامؓ) کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنہ سے مامون نہیں ہیں۔ از حاشیہ) ایسا امر موجودہ دور کے اشخاص میں انتہائی ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔

وہ ذخائر فقہ کو غلط اور ذخیرۂ ضلالت بتلاتی ہوئی ترمیم اور اصلاح اور حذف کا حکم دیتی ہے اور مسلمانوں کے آج تک تیرہ سو برس کے عملدرآمد کو جاہلیت اور گمراہی بتلاتی ہے اور سب گذشتہ مسلمانوں کو غیر ناجی کہتی ہے، حالانکہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ جس پر جس قدر بھی افسوس اور رنج کیا جائے کم ہے۔

وہ مثل معتزلہ اور روافض وغیرہ اپنے سائن بورڈ وغیرہ پر حقیقی توحید کا دفتر، جماعت موحدین، حقیقی کاملین اسلام یا اس کے مرادف الفاظ لکھتی ہے جس طرح معتزلہ اپنے آپ کو اصحاب العدل اور اصحاب التوحید کہتے اور لکھتے تھے، شیعہ اپنے آپ کو محبین اہل بیت لکھتے ہیں جس کے معنی یہ سمجھے گئے کہ ہم سے علیحدہ ہونے والے افراد اور فرقے اصحاب عدل نہیں، نہ اصحاب توحید ہیں اور نہ اہل بیت سے محبت رکھنے والے ہیں، اس قسم کے سائن بورڈوں سے عوام مسلمین میں زمانہ ہائے گذشتہ میں جو زہریلا اثر پھیلا وہ ان تاریخی واقعات سے ظاہر ہے جو کہ ازمنۂ سابقہ میں معتزلہ، خوارج، روافض وغیرہ اور اہل سنت کے آپس میں پیش آئے، اور ازمنہ اخیر میں بھی اسی قسم کی حرکتوں سے غیر مقلدوں، اور مقلدوں، قرآنیوں، نیچریوں،

قادیانیوں، خاکساروں وغیرہ میں ظہور پذیر ہوئے، ہر ایک اپنے اس قسم کے سائن بورڈوں سے دوسرے فرقوں پر اس قسم کا حملہ کرتا ہے کہ وہ اس کمال سے محروم اور خالی ہیں، غیر مقلد اپنے آپ کو اہل حدیث والتوحید کے خوشنما سائن بورڈ سے مزین کر کے آواز بلند کرتا ہے کہ احناف حدیث نبوی سے محروم اور توحید سے خالی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے سائن بورڈ سے بھی یہی چرکا لگتا ہے کہ جو لوگ اسلامی جماعت کے ممبر نہیں ہیں وہ حقیقی موحد نہیں ہیں، وہ اسلامیت کاملہ نہیں رکھتے، اس سے عوام کو جس قدر انتشار اور افتراق میں مبتلا کیا جاتا ہے وہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ادنی اثر یہ ہوگا کہ اسلامی جماعت میں نہ داخل ہونے والے مشرک اور کافر، غیر ناجی ہیں، ہر ایک من مانی باتوں پر ہٹ کرے گا، اور گالی گلوچ، مناظرہ، مجادلہ، مار پیٹ وغیرہ کا بازار گرم ہوگا، اور عوام کو سنبھالنا قبضہ سے باہر ہو کر امت مسلمہ کو انتہائی مشکلات میں مبتلا کر دے گا۔

محترما! دور حاضر کے ہم مسلمانان انڈین یونین کی مشکلات جو کہ اکثریت کی طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں، مہا سبھائیوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت، آر، ایس، ایس کی اسلام دشمنی، آریوں کی جارحانہ مذہبی پالیسی اور مرتد بنانے کی جان توڑ کوششیں، مسلمانوں کی ہر قسم کی مادی اور جانی کمزوری اور ان کی منتشرہ حالت، ان میں احساس کمتری کا روز افزوں مرض، ملحدان مغرب کی طرف سے الحاد وزندقہ کی مسموم آندھیاں، مادہ پرستی کی زوردار (ہوائیں) اسکولوں کالجوں کی تعلیم، نفوس انسانیہ کا دنیاوی اور مادی ترقی کا طبعی رجحان وغیرہ وغیرہ امور تو متقاضی تھے کہ مسلمانوں کے شیرازہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جاتا اور حکیمانہ عاقلانہ تنظیم عمل میں لا کر ان کے خوف وہراس، بدحواسی اور بزدلی، بے دینی اور بدعملی کو دور کیا جاتا، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی تحریک اس کے برخلاف دینی اور دنیاوی بربادی کی وبائی ہوا فضا میں پیدا کر رہی ہے اور آئندہ تمام ملک کو اس سے مسموم کر دینے کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے۔

اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنے اور مودودی

صاحب کے لٹریچروں کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔

آپ حضرات کا یہ ارشاد کہ ”ہم کو مودودی صاحب کے اعتقادات اور شخصی خیالات سے سروکار نہیں ہے ہم اس کا بار بار اعلان کر چکے ہیں“ ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرقی صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کو تحریک خاکساران میں رکاوٹ دیکھ کر اعلان کیا کہ ہم تو مسلمانوں میں جنگی اور حربی تعلیم اور اسپرٹ پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا چاہتے ہیں، ہمارے عقائد اور ہماری تصانیف سے مسلمانوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔

پھر کیا ایسا ہوا اور جماعت خاکساران کیا اپنے لیڈر کے عقائد و اخلاق اور اس کی تصانیف کی گندگیوں سے محفوظ رہی؟ خود مودودی صاحب ہی کی زبان سے سن لیجئے، دیکھئے الفرقان نمبر ۲و۳ ص ۹و۱۰ بابت ماہ صفر و ربیع الاول بعنوان خاکسار تحریک اور علامہ مشرقی۔

محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسوب ہوگی تو وہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اس شخص کے عقائد اور اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر ضرور پڑے گا، خصوصاً جبکہ مودودی صاحب کے لٹریچر برابر زوردار طریقہ پر شائع کئے جا رہے ہیں اور ممبروں اور غیر ممبروں کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی جا رہی ہے، ایسے وقت میں وہ زہریلے مواد جو نہایت چالاکی سے زوردار تحریروں میں رکھے گئے ہیں اپنے اثر سے خالی نہیں رہ سکتے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه امين۔ (مکتوبات ص ۴۰۵ ج ۲)

قتل قبطی کا واقعہ

سوال: قبطی کے قتل کا واقعہ قبل نبوت کا ہے یا بعد نبوت کا؟

جواب: قبطی کا قتل یقیناً قبل اعطاء النبوۃ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مدین سے ہجرت فرمانے پر راستہ میں طور پر عطا فرمائی گئی اور یہ واقعہ قبطی کے قتل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے مدین جانے کا سبب ہے جس کا تقدم اظہر من الشمس ہے، سورۃ قصص میں اعطاء حکم اور علم کا اس سے قبل ذکر کرنا تقدم زمانی کا موجب نہیں ہے کما ذکرہ ارباب التفسیر۔

حضرت موسیٰؑ کی باز پرس اور القاء الواح کا معنی

سوال: یہ درست ہے کہ حضرت ہارونؑ نبی تھے، یہ بھی صحیح ہے کہ بڑے بھائی تھے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ان کے وزیر اور خلیفہ تھے، خلیفہ سے اس کی کوتاہیوں پر باز پرس کا حق ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ نے اسی حیثیت سے باز پرس فرمائی بئسما خلفتمونی اس پر شاہد ہے، جبکہ معاملہ اس حیثیت سے ہو تو نبی کی توہین کا سوال کب پیدا ہوتا ہے؟ رہا القاء الواح کا معاملہ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ القاء کو وضع کے معنی میں لیا جا سکے محض بے توجہی کے اظہار کیلئے القاء کا لفظ استعمال ہوا ہو، اگر ایسا درست ہو تو معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہی کہ جوش غضب میں بے اعتدالی کا ظہور رہا۔

جواب: اگرچہ حضرت ہارون علیہ السلام وزیر اور خلیفہ تھے اور ان کو نبوت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ملی مگر جب نبوت دیدی گئی تو حسب قاعدہ کلیہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ نبوت کے تمام لوازم کا تسلیم کرنا ضروری ہے، باز پرس کا حق اسی درجہ میں تسلیم کیا جا سکتا ہے جس درجہ میں لوازم نبوت کا ثبوت رکھا گیا ہو، نیز بڑے بھائی ہونے کا بھی احترام کیا گیا ہو جو کہ: یا هارون ما منعک اذ رأیتهم ضلوا ان لا تتبعن افعصیت امری (کہا موسیٰ نے اے ہارونؑ کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تو نے کہ وہ بہک گئے تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم۔ از حاشیہ) تک ہی ہو سکتا ہے، اخذ رأس، اخذ لحیہ اور جر باز پرس میں سے نہیں ہیں، علیٰ ہذا القیاس القاء الواح کو وضع کے معنی میں لینا تحریف معنوی سے جدا نہیں ہے۔

اس مقام پر اس سے غفلت کرنا غلطی ہوگا کہ ہم معصیت کی حقیقت پر غور نہ کریں:

محترما! کسی عمل کے طاعت اور معصیت ہونے کا مدار نیت ہی پر ہے: انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ الحدیث نص صریح ہے، نیز حدیث: ان الله لاینظر الی صورکم...... بل ینظر الی قلوبکم ونیاتکم (او کماقال علیه السلام) پس وہ اعمال جو کہ سہواً یا خطأً یا غلط فہمی سے صادر ہوں وہ در حقیقت معصیت نہ ہوں گے (جبکہ نیت میں فساد اور نافرمانی نہ ہو)

اگر چہ صورت معصیت پر کبھی مؤاخذہ بھی ہو جائے فان حسنات الابرار سیئات المقربین، نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیت ان معاملات میں صحیح تھی، حب خداوندی اور غیرت دینی ان اسباب اور اعمال کے موجبات ہیں اس لئے تحملات اور تکلفات کا ارتکاب بے محل ہے جس سے تحریف معنوی کا بہت بڑا دروازہ کھلتا ہے، عصمت تو معصیت سے تحفظ کی ضمانت کرتی ہے، سہو، خطا، غلط فہمی کی محافظ نہیں ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بوقت شفاعت کبریٰ قتل قبطی کا تو تذکرہ فرمایا گیا اور حضرت ہارون علیہ السلام اور الواح کا تذکرہ نہیں آیا، قبطی کے قتل میں نیت کا فرق کچھ نہ کچھ ضرور ہے اگر چہ قصداً قتل نہ ہو، مگر اس واقعہ میں نیت نہایت اعلیٰ تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے استغفار کی وجہ

سوال: حضرت والا کا ارشاد ہے ’’مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰؑ سے استغفار منقول نہیں‘‘ حالانکہ استغفار منقول ہے: قال رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین کیا یہ سہو کاتب کی بنا پر ہے ؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے استغفار (عما فعله بهارون عليه السلام والالواح) کے متعلق تفسیر مظہری جلد ثالث ص ۴۶۴ میں ہے:

والظاهر ان المقصود الاستغفار لاخيه ضم اليه نفسه توطيةً له ودفعا للشماتة عنه ولان سنة الاستغفار لغيره ان يبدأ بالاستغفار لنفسه دفعا لتزكية النفس ولان الدعاء بعد الاستغفار اقرب الى الاجابة ومن ثم ورد فى دعاء الجنازة اللهم اغفر لحينا وميتنا قدم الاستغفار للاحياء لكونه منهم وفى الدعاء لاهل القبور يغفر الله لنا ولكم وقال الله لنبيه صلى الله عليه وسلم مع كونه معصوما واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات حتى تبقى منه سنة فى امته الخ .

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو مرتکب معصیت

نہیں سمجھتے ہیں اور نہ حقیقۃً اس سے استغفار کرتے ہیں بلکہ اپنے استغفار کو بھائی کے استغفار کیلئے توطیہ اور تمہید بناتے ہیں۔ اور اگر بالفرض مذکورہ بالا تحقیق نا قابل قبول ہی سمجھی جائے (حالانکہ اس کے قبول کے شواہد صحیحہ موجود ہیں) تو مجھ کو اس کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ غلطی اور سبقت قلم ہے: استغفر اللہ عن کل ذنب واتوب الیہ۔

صحابہ کرامؓ کے معیارحق ہونے کی وضاحت

سوال: انبیاء کرامؑ معصوم ہیں اور باوجود معصوم ہونے کے ان سے لغزشیں ہوئیں لیکن وحی الٰہی نے فوراً اصلاح فرمادی اور ان کی لغزش انہیں محسوس کرادی اس لئے بلاشبہ انہیں معیارحق تسلیم کرنا جزو ایمان ہے، لیکن حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو غیر معصوم ہیں ان سے لغزشوں اور غلط فہمیوں کا زیادہ امکان ہے، بلکہ وقوع بھی ہوا ہے، بروقت ان کی اصلاح کا بھی قدرت کی طرف سے کوئی اہتمام نہیں، تو اس کے باوجود انہیں معیارحق کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے اور تمام امور میں ان کی اتباع کیسے ممکن ہے؟ لامحالہ بہت سی باتوں میں ان کی اتباع ترک کرنی پڑے گی، اس ترک کیلئے ہمارے پاس معیار رسول ہی کی سنت ہوگی، پھر صحابہ کو معیارحق کہنے کا کیا مطلب ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان پر تنقید اور عیب جوئی حرام وناجائز ہوگی، صحابہؓ کے بارہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

جواب: (الف) انبیاء علیہم السلام کو معیارحق قرار دینا اور اس کو جزو ایمان سمجھنا کسی نص صریح میں وارد ہے یا عقلی قضیہ ہے یعنی جس طرح محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نص صریح ہے، کیا محمد معیار للحق بھی کسی نص میں وارد ہے کہ اس کو جزو ایمان بنایا جائے یا نہیں، یا کسی نص میں وارد ہے النبی معیار للحق، یا کہیں فرمایا گیا ہے الانبیاء معیار للحق۔

(ب) اگر نص صریح میں وارد نہیں ہے بلکہ عقل صحیح اور دلائل صریح اس کے باعث ہیں تو کیا رسالت اور معیارحق میں نسبت مساوات ہے تاکہ یہ کہا جاسکے کل نبی معیار للحق اور کل معیار للحق نبی اور اسی طرح نفیاً کہا جاسکے لاشیء من الا نبیاء الاوھو معیار للحق اور

لا شیء من معیار للحق الا وھونبی یاان دونوں میں نسبت عموم وخصوص مطلق ہے یعنی کل نبی معیار للحق کہنا مسلم ہے مگر کل معیار للحق نبی غیرلازم التسلیم ہے، کیوں نہیں ہوسکتا کہ کوئی معیار حق ہواور وہ نبی نہ ہو۔

(ج) اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ دار ہے تو رضائے خداوندی کیوں ذمہ دار نہ ہوگی اور خصوصاً جبکہ اس کی خبر علام الغیوب نے دی ہو جس کے سامنے ازل اور ابد کی تمام کائنات حاضر ہے کوئی چیز اس سے چھپ نہیں سکتی: قال سبحانہ وتعالیٰ لایضل ربی ولا ینسیٰ۔ سابقین اولین کے متعلق آیات واردہ پر غور فرمایئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا کی تصریح فرمائی ہے۔

(د) اگر عصمت معاصی اور غلطیوں سے تحفظ کی ذمہ دار ہوسکتی ہے تو قادر مطلق علام الغیوب کا یہ ارشاد اپنی کفالت کا ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلاًمن اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم کیوں نہیں ذمہ دار ہوگا، کیا اس خبر میں شک کرنا درست ہوسکتا ہے، کیا اس میں تامل کفر نہیں ہے؟ تو یہ حضرات کیوں نہ معیار حق ہوں گے۔

(ہ) اگر عصمت (جس کا صریح اشارہ کسی قطعی نص میں نہیں ہے اشارات ودلالت ہی سے اخذ کیا گیا ہے) قابل اعتماد ہے تو خبر خداوندی دخول وخلود فی الجنۃ کی جو یقینی اور قطعی ہے کیوں نہیں قابل اعتماد ہے، کیا اس میں شک کرنا درست ہوگا اور کیا خلود فی الجنۃ کسی عاصی اور نافرمان کیلئے ہوسکتا ہے؟ سابقین اولین صحابہ کیلئے فرمایا جاتا ہے: واعد لھم جنات تجری تحتھا الانھار خلدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بشارت دخول جنت اور خلود کی عطا فرماتے ہیں کیا اس کی تغلیط ہوسکتی ہے؟ پھر کیا یہ حضرات معیار حق نہ ہوں گے؟ اور اگر عصمت مفہومہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے موجب معیار حقانیت ہوسکتی ہے تو وہ شہادت قطعی خداوندی درباره صحابہ کرامؓ جس کی

تصریح تورات، انجیل، قرآن میں فرمائی گئی ہو کیوں نہ معیار حقانیت قرار دی جائے، قال اللہ تعالیٰ :
محمد رسول اللہ والذین معه الی قوله تعالیٰ ذٰلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔
(و) اگر عصمت کی وجہ سے اصحاب عصمت معاصی سے محفوظ ہو سکتے ہیں تو خبر قطعی: یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معه نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا الخ کیوں باعث تحفظ نہیں ہو سکتی؟

خلاصہ یہ کہ متعدد آیات قرآنیہ قطعیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے عدم صدور معاصی اور ان کے تحفظ عن المعاصی کے دلائل قطعیہ ہیں، معیار حق ہونے کیلئے یہی اصل اصول ہے یعنی یہ علم یقینی کہ وہ شخص وقوع اور صدور معاصی سے محفوظ ہو خواہ عصمت کی وجہ سے یا ثبوت رضاء خداوندی کی وجہ سے یا ثبوت خلود فی الجنۃ کی وجہ سے یا ثبوت اجتباء یا تکفل خداوندی بالمحافظۃ عن اسباب المعاصی وغیرہ کی وجہ سے، اس کیلئے عدم امکان عقلی ضروری نہیں فقط عدم امکان وقوعی خواہ بالذات ہو یا بالغیر کافی ہے جو کہ صحابہ کرام کیلئے حسب آیات مذکورہ یقینی ہے۔

ایک شبہ کا جواب

باقی رہا یہ شبہ کہ "انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں کا تدارک بالوحی ہو سکتا ہے غیر انبیاء کی غلطیوں کا تدارک نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی غیر انبیاء پر نہیں آ سکتی" بالکل لایعنی ہے۔
(الف) جبکہ عنایت ربانی اپنی رضا اور توجہ کی قطعی خبر دے چکی ہے تو وہ غلطی ہونے ہی نہ دے گی ورنہ کذب خبر خداوندی لازم آئے گا وھو محال۔
(ب) اور اگر غلطی بفرض محال ہوئی بھی تو اس کا تدارک کرے گی جس کی وہ ذمہ داری اپنے اوپر لے چکی ہے۔
(ج) کیوں نہ تحدیث اور الہام سے اس کا تدارک ہو سکے گا قال النبی صلی اللہ علیه وسلم قد کان فی الامم قبلکم محدثون فان کان فیکم محدث فعمر او کما قالؒ (فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلی امتوں میں بھی محدث ہوا کرتے تھے (جن پر منشأ الٰہی منکشف ہو جایا

کرتا تھا) پس اسی انداز میں اگر تم میں بھی محدث ہیں تو وہ عمر ہیں رضی اللہ عنہ۔از حاشیہ) وقال علیه السلام الحق ینطق علی لسان عمر او کماقالؒ (حق حضرت عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے۔از حاشیہ)

(د) کیوں نہ رؤیائے صالحہ سے اس کا تدارک کیا جا سکے گا؟ قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ذهبت النبوة وبقیت المبشرات قالوا وما المبشرات یارسول اللہ قال رؤیاالصالحة یراها المؤمن او تریٰ له او کماقالؒ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت تو ختم کردی گئی البتہ مبشرات باقی رکھے گئے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا اچھے خواب جس کو مسلمان دیکھے یا اس کو دکھایا جاوے ۔از حاشیہ) وقال علیه السلام الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءً من النبوة او کماقالؒ (اچھا خواب نبوت کا ایک ٹکڑا ہے نبوت کے چھیالیس ٹکڑوں میں سے۔از حاشیہ)

(ہ) کیوں نہ بصیرت خواص مؤمنین اس کا تدارک کر سکے گی؟ قال تعالیٰ قل هذه سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة انا ومن اتبعنی، سورۂ یوسف (کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں بھی اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی ۔از حاشیہ) وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ الحدیث (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے ۔از حاشیہ) جبکہ ارشاد ہے: لا تجتمع امتی علی الضلالة (میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوسکتا۔از حاشیہ) اور قرآن فرماتا ہے: ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ الآیة تو کیا یہ ارشاد باعث تحفظ نہ ہوگا؟ اور وہ قادر مطلق مقلب القلوب تحفظ کر کے ایسی غلطیوں کو نیست ونابود نہ کردے گا؟

محترما! صحابہ کرام کی وہ غلطیاں جن کو آپ امکان بلکہ وقوع کے درجہ میں دکھلا رہے ہیں اگر روایات تاریخیہ اور آحاد سے ثابت ہیں تو وہ ان قطعیات قرآنیہ کے سامنے کسی طرح کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، اور اگر ان کی کوئی حقیقت ہو بھی تو وہ نیت ہائے فاسدہ سے صادر ہوتی ہیں یا نیت ہائے صالحہ سے کیونکہ بسا اوقات غلط فہمی اور خطا سے کوئی عمل صادر ہوتا ہے مگر وہ ان

اعمال قبیحہ سے بہت ہی گرا ہوا اور خفیف شمار ہوتا ہے جو کہ عمداً اور بہ نیت فاسدہ وقوع میں آئے ہوں، قتل عمد اور قتل خطا کی جزاؤں میں کس قدر تفاوت ہے حالانکہ دونوں میں مقتول کی جان ہلاک ہوتی ہے، اگر کسی نے اپنی زوجہ سمجھ کر اجنبیہ سے جماع کیا تو کیا اس وطی بالشبہ کی وہ سزا ہوگی جو جان بوجھ کر اجنبیہ سے جماع پر مقرر ہے، حالانکہ دونوں میں جماع متحقق ہے۔

بہر حال جو اعمال خطأً ہوئے ہوں وہ ان اعمال سے نہایت ہلکے ہیں جو کہ عمداً کئے گئے ہیں خواہ یہ خطا فعل میں ہو، یا علم، یا سمجھ میں ہو، ثانی الذکر ہی کو معصیت کہا جاتا ہے بخلاف اول الذکر کے ان کیلئے تو رفع کی تصریح ہے: قال اللہ تعالیٰ لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا (اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔از حاشیہ) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع عن امتی الخطأ و النسیان (میری امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔از حاشیہ)

انبیاء علیہم السلام کی خطائیں سب اسی قسم کی ہیں اس لئے وہ باوجود عصمت صدور پذیر ہوئیں، ان میں فساد نیت کا شائبہ بھی نہیں، اسی وجہ سے ائمۂ اہل سنت والجماعت مشاجرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطا اجتہادی قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے ارتکاب اکل شجرہ کو ارشاد: فنسی ولم نجد له عزما (پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں پختگی۔از حاشیہ) ذنب خفیف اور غیر موجب مؤاخذہ اور داخل فی العصمۃ قرار دیتا ہے تو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجرات کو ان کے مناقب کی آیات اور احادیث صحیحہ کیوں نہ ہلکی اور غیر موجب مؤاخذہ اور داخل فی المحفوظیت قرار دیں گی؟ اور کیوں نہ ان کے دامن کو خطا اجتہادی قرار دے کر منزہ اور پاک سمجھا جائے گا؟

محترما! صحابہ کرامؓ میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسم علم ہوں یا از قسم عمل وہ سب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل اور آپ کے اتباع ہی سے ہیں، بالذات کچھ نہیں ہے، مگر جب قرآن اور احادیث صحیحہ نے ان میں موجبات معیاریت حقانیت کی خبر دیدی تو آج ہم کو ان کی معیاریت میں کلام اور تامل کرنا یقیناً قطعیات کا انکار ہوگا جو کہ انکار کتاب اللہ ہے۔

آپ کا یہ ارشاد ''اور تمام امور میں ان کی اتباع کیسے ممکن ہے، لامحالہ بہت سی باتوں میں ان کی اتباع ترک کرنی پڑے گی اور اس کے ترک کیلئے ہمارے پاس معیار رسول ہی کی سنت ہوگی پھر صحابہؓ کو معیار حق کہنے کا کیا مطلب؟'' میری سمجھ میں نہیں آتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں بھی تو روایات اور احادیث متعارضہ موجود ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معیار حق کس طرح قرار دے سکتے ہیں؟ اور پھر آگے چلئے جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کے ارشادات قرآنیہ میں بھی تو بظاہر تعارض وتخالف موجود ہے پھر کتاب اللہ اور جناب باری عز اسمہ کو بھی معیار حق قرار دینا ناممکن ہوگا، آخر اسی کی وجہ سے تو مجتہدوں اور اسلاف کرام میں جدو جہد اور اصول فقہ وکلام اور کتب مبسوطہ لکھنے اور تدوین کی ضرورت پیش آئی، پھر حدیث : اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر الحدیث اور علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وغیرہ احادیث صحیحہ کثیرہ دربارہ صحابہ کرامؓ کا اتباع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر واجب کیا ہے، ان کا اتباع بحیثیت رسالت نہیں ہے بلکہ بحیثیت نقل وفہم ارشادات نبویہ کیا جاتا ہے، اور اسی طرح بعد والے ائمہ کا اتباع بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے جو کہ بحیثیت نقل وفہم ہی کیا جاتا ہے کسی کو مطاع بالذات نہیں کہا جاتا ہے، مطاع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے یہ کلام جناب والا کا سمجھ میں نہیں آتا، غور فرمائیں۔

(و) آپ فرماتے ہیں ''اور اگر معیار حق ہیں تو جملہ صحابہؓ یا محض خلفائے راشدینؓ ؟''

محترما! جن صحابہؓ کے متعلق نصوص وارد ہیں ان کیلئے تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا، آپ نے دربارۂ صحابہ نصوص کو دیکھ لیا اب آپ خود فیصلہ فرمائیں۔ مگر مودودی صاحب تو سلب کلی فرماتے ہیں، کسی ایک صحابی کو مستثنیٰ نہیں کرتے، بلکہ تمام انبیاء کو بھی سوائے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیار حق، تنقید سے بالاتر اور ان کی ذہنی غلامی جائز نہیں قرار دیتے ہیں، تو پھر یہ عقیدۂ

مودودیان کس طرح جائز اور صحیح ہے اور کس طرح یہ تعلیم ایمان کی تعلیم قرار دی جاسکتی ہے؟۔

غور فرمایئے اور ان کے ایمان کو ثابت کیجئے جو ہم کو نسلی مسلمان اور اپنے آپ کو اصلی مسلمان کہتے ہیں، والی اللہ المشتکیٰ (مکتوبات ص ۳۸ ج ۳)

مودودی صاحب کے نظریات پر محققانہ تبصرہ

(۱) یہ بنیادی عقیدہ دستور اس جماعت کا بنایا گیا ہے جس کو مودودی صاحب نے انشاء کیا ہے اور خود کو اصلی مسلمان اور دوسرے کو نسلی مسلمان کے لقب سے بار بار یاد فرماتے ہیں۔

(۲) اس عقیدہ کی بنا پر اجتہاد ہر عربی جاننے والے گریجوایٹ اور پروفیسر وغیرہ پر اس طرح ضروری ہو جاتا ہے کہ ہوا اور پانی ہر انسان کیلئے ضروری ہیں چنانچہ ان کی تصانیف تصریح کر رہی ہیں۔

(۳) اس عقیدہ والے کو تقلید کسی امام مذہب اور امام طریقت اور کسی تابعیؒ اور کسی صحابیؓ کی کرنی درست نہیں ہے۔

(۴) ان لوگوں کی تصریح ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انسان خواہ صحابہ ہوں یا تابعین، خلفاء راشدین ہوں یا غیر خلفاء، ائمہ جرح وتعدیل ہوں یا ائمہ حدیث وفقہ ہوں سب میں انسانی کمزوریاں ہیں کوئی معصوم نہیں ہے، اس لئے کسی کو امام اور مقلَّد بنانا درست نہیں ہے سب میں خطا اور غلطی کا احتمال ہے، اس لئے بجز ذات نبوت (علیہ السلام) کوئی بھی نہ معیار حق ہے اور نہ کسی پر اعتماد کلی ہے۔

(۵) یہ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں جاہلیت حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے نفقہ کو بند کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاہلیت وفات نبوی پر تلوار نکال کر لوگوں کو قول وفات سے روکنا وغیرہ ذکر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی متعدد جاہلیتوں کو ذکر کرتے ہیں، نیز دیگر صحابہ کرام کے متعلق ایسے ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ ایک عامی مسلمان ان کو سننا گوارا نہیں کر سکتا، اور ان امور کو ابن عبد البر اور ابن تیمیہ وغیرہ مصنفین کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

اس قسم کے متعدد امور ہیں جن کو اسی عقیدہ کی بنا پر فروغ دیا گیا ہے اور مودودی تصانیف جگہ جگہ پر ایسی باتوں سے بھری ہوئی ہیں، چونکہ ایسی ایسی ہفوات کی بنا پر تمام قلعہ روایات کی تصحیح اور تقویت کا منہدم ہو جاتا ہے اس لئے ذوق مجتہد (مودودی) کو ہی معیار حق قرار دیتے ہیں، یہ غیر متناہی مجتہدوں اور بالخصوص ان کے امام مودودی صاحب جن روایات کو اپنے ذوق سے صحیح قرار دیں وہی صحیح ہیں اور جن کو مجروح قرار دیں وہ مجروح ہیں، پروفیسر اور ہر مجتہد اس کا مُجاز ہے، کتب صحاح بالکل لغو ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام اہل سنت والجماعت محدثین، فقہاء، علماء کرام وغیرہ متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ عادل ہیں ان کی توثیق اور عدالت کی بحث کی ضرورت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن مجید میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس قدر ان کی توثیق اور تعدیل کر دی ہے کہ اس سے زائد ممکن نہیں، البتہ خوارج، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ عدالت صحابہؓ کے قائل نہیں ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ میں انسانی کمزوریاں اسی طرح غالب ہیں تو کتاب (قرآن مجید) اور حدیث (سنت) پر اعتماد کیسے ہو سکتا ہے؟ ہر ملحد و زندیق کو گفتگو کرنے اور دین اسلام سے برگشتہ کرنے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔

بہرحال یہ عقیدہ جس کے متعلق آپ نے بلا غور و فکر فرمایا کہ ”آپ نے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق و صواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا ہی چاہئے الخ“ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ تو مودودی صاحب کے اقوال اور عقائد سے بہت زیادہ واقف ہیں کیا ان الفاظ میں تلبیس شدید اور انتہائی تخریب پنہاں نہیں کی گئی ہے۔

(الف) رسول خدا (علیہ السلام) کے سوا جتنے انبیاء علیہم السلام ہیں کیا وہ معیار حق نہیں ہیں؟

(ب) کیا ان پر آج بھی ایمان لانا اور اخلاق کاملہ و اعمال نبوت سے متصف قرار دینا فرض نہیں ہے؟۔

(ج) کیا ان کی شان میں منصب نبوۃ کے خلاف کسی قسم کی گستاخی کرنا آج جائز ہے؟۔

(د) کیا معیاریت حق لوازم نبوۃ میں سے نہیں ہے؟ اس کا انکار ان کی نبوت کے انکار کو مستلزم نہ ہوگا؟۔

(ہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار حق قرار دینا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس وصف کو نفی کرنا جیسا کہ صریح مدلول اس دفعہ ٦ کا ہے، کیا یہ تفریق بین الرسل اور حرام نہیں؟

(و) کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق لجمیع الانبیاء ہونا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی تفصیل قرآن وحدیث میں آئی ہے اس کا انکار کر دیا جائے؟

(ز) کیا اصول فقہ کا مسلم مسئلہ نہیں ہے کہ: شریعۃ من قبلنا شریعۃ لنا اذا لم یکن منسوخاً وذکر فی کتبنا۔

(ح) کیا قرآن مجید کی آیت: اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده (سورۃ انعام) ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفاً (سورۃ نحل) قولوا اٰمنا بالله وما انزل الینا وما انزل الی ابراهیم واسمٰعیل الآیة (سورۃ بقرہ) وغیرہ آیات متعددہ میں آج بھی ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور یقین رکھنے اور ان کو معیار حق ماننے کا حکم قطعی نہیں ہے؟۔

امور مذکورہ بالا کے ہوتے ہوئے آپ کا جواب سمجھ میں نہیں آتا غور فرمائیے۔

آپ کا یہ ارشاد اس جگہ میں فرمانا ''انبیاء سابقین کی تصدیق اور ان پر ایمان تو ایک کھلا ہوا مسلمہ ہے یقین نہیں آتا کہ مودودی صاحب یا ان کے اتباع میں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو'' ان کی صریح عبارت کا انکار ہے، مودودی صاحب دستور اپنی جماعت کا لکھ رہے ہیں، عرصہ دراز سے یہ دستور شائع اور معمول بہ ہو رہا ہے اور الفاظ اتنی وضاحت کے ساتھ سلب کلی کے طور پر ہر انسان سے معیاریت حق اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کے ابتلا کی نفی کر رہے ہیں، پھر آپ کی یہ توجیہ کس طرح قابل تسلیم ہو سکتی ہے، اس عموم اور استغراق اور سلب کلی اور اطلاق کو کہاں لے جائیں گے؟ بحث الفاظ پر ہے احتمالات غیر مفہومہ عن العبارۃ پر نہیں ہے، اور اگر آپ مودودی صاحب کی تصانیف اور ان کے خواص کی تالیفات کا استقصاء فرمائیں گے

تو نہ صرف عام انبیاء ورسل بلکہ اولوالعزم رسولوں کی بھی ان کے بے پناہ قلم سے پناہ اور ان کی تنقید سے نجات نہ پائیں گے۔ بہر حال الفاظ صاف ہیں آپ کا فریضہ یہ تھا کہ خطا کو ظاہر فرما کر لوگوں کو غلط روی اور گمراہی سے بچاتے، کسی شخص کی تکفیر اور تضلیل مطمح نظر نہیں ہے بلکہ اس بنیادی غلطی اور فاسد عقیدہ سے لوگوں کو بچانا ہے، غور فرمایئے۔

لفظ معیار حق کی جو تاویل جناب نے فرمائی اور وہ بھی بلفظ غالبًا وہ بھی محل تأمل ہے، اگر بالفرض ایسا ہی تھا جیسا کہ والا نامہ میں (۲) پر کہا گیا ہے ''معیار حق سے اس جماعت کا اشارہ غالبًا وحی کی جانب ہے یعنی اصلاً معیار حق وحی الٰہی ہی ہے'' تو اولاً عرض یہ ہے کہ اگر اس قسم کا احتمال اعتبار کرنے پر اس کی تصویب کی گئی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ شائع شدہ عبارت یعنی ''آپ نے بنیادی عقیدہ کی جو عبارت نقل کی وہ تو عین حق وصواب ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے بعض توضیحی فقرے بڑھا دیئے جائیں'' کس طرح صحیح ہوسکتی ہے؟ جبکہ یہ مسئلہ یقینی اور اتنا ضروری کیسے رہ گیا؟ کہ آپ فرماتے ہیں کہ ''وہ تو عین حق و صواب ہے اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا ہی چاہئے''۔

محترما! لفظ معیار حق ایک لغوی لفظ ہے کسی فن کا اصطلاحی لفظ نہیں ہے، لغت عربی میں معیار ہر اس شے پر بولا جاتا ہے جس سے کسی چیز کی مقدار پہچانی جائے خواہ ناپ تول ہو یا وزن وغیرہ، اس لئے ہر وہ شخص جس کے فعل، قول، عقیدہ، حال پر پورا اعتماد اس طرح ہو جائے کہ اس میں قصداً غلطی اور نافرمانی کی گنجائش نہ ہو وہ معیار حق ہوگا اور اس کے ذریعہ سے حق پہچانا جائے گا، خواہ اس پر وحی الٰہی آتی ہو یا نہیں۔

(الف) اگر رسول یا نبی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام قطعی اور قدیم میں اس شخص کے متعلق خبر دیتا ہے کہ ہم اس سے راضی ہیں تو یقینی بات ہے کہ اس سے قصداً کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، ورنہ اس علم قدیم میں جو کہ لا يعزب عنه مثقال ذرة کا مصداق ہے خلل لازم آئیگا، یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ قصداً گناہ کرنے والے سے بھی راضی ہوسکتا ہے، حالانکہ حق وہی

امر ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں قرآن مجید میں ہے: لایرضی لعبادہ الکفر اس لئے کسی ایسے شخص کے معیار حق ہونے پر تأمل کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہو، جیسے سابقین اولین مہاجرینؓ اور انصارؓ اور تابعینؒ بالاحسان کیلئے سورۃ توبہ میں اور اصحاب حدیبیہ کیلئے سورۃ فتح میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(ب) علی ہذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلق ہمیشہ جنتی رہنے کی یعنی تابید کی خبر دی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی کوئی بالقصد غلط کاری اور معصیت کے ابتلاء کا احتمال نہیں ہوسکتا، اس لئے یقیناً اس کے اعمال اور اقوال حق ہی ہوں گے اس میں کوئی شائبہ باطل کا نہیں پایا جاسکتا، ورنہ یا اخبار قطعیہ قرآنیہ پر حرف آئے گا، یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اشخاص جن میں معصیت کا تحقق ہے وہ مؤبد فی الجنۃ ہوں، یہ خبر تابید جنت کی سابقین اولین مہاجرین اور انصار اور تابعین بالاحسان کیلئے سورۃ توبہ میں وارد ہے۔

(ج) علی ہذا القیاس اگر قرآن مجید میں کسی کے متعلق تحفظ عن المعاصی والمکروہات کا اعلان کردیا گیا ہے وہ یقیناً معیار حق ہوگا، اس کی تمام حرکات وسکنات نظر خداوندی کی حفاظت میں ہوں گی، اس سے کوئی گناہ قصداً صادر نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ حجرات میں صحابہ کرامؓ کے متعلق اعلان کیا گیا ہے۔ مذکورہ ذیل الفاظ پر غور فرمایئے:

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون الآیۃ. کیا اس کفالت قویہ کے بعد بھی کسی نافرمانی کا احتمال ہوسکتا ہے؟، اسی طرح سورۃ تحریم کی آیت: یوم لایخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ الآیۃ. سورۃ فتح کی آیت ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الآیۃ. سورۃ حشر کی آیت، سورۃ اعراف کی آیت اور متعدد کئی آیتیں قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق انتہائی تزکیہ اور تعدیل پر زوردار روشنی ڈال رہی ہیں، تو کیا یہ صحابہ کرامؓ معیار حق نہ ہوں گے؟ اور ان کے اعمال واقوال سے حق پہچانا نہ جاسکے گا؟ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ، علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین الحدیث، اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر الحدیث۔

احادیث صحیحہ اس بارے میں بہت زیادہ ہیں طول کے خوف سے مذکورہ بالا مختصر عرض پر اکتفا کرتا ہوں، اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح کے بعد اگر ہم اس عقیدہ مودودیہ نمبر۶ پر نظر ڈال کر فیصلہ کرتے ہیں تو کیا مخالفت قرآن حکیم لازم نہیں آتی؟ اور کیا ایسی خبر خداوندی کے بعد بھی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے محترم صحابہ کو جانچنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور کیا مودودی صاحب کا سلب کلی کہ ''کوئی انسان رسول خدا کے سوا نہ معیار حق بن سکتا ہے، نہ تنقید سے بالاتر ہوسکتا ہے، نہ اس کی ذہنی غلامی جائز ہوسکتی ہے'' بالکل غلط اور باطل نہیں ہوتا؟ پھر آپ کے یہ کلمات شائع شدہ کس طرح قابل تسلیم ہوسکتے ہیں؟

محترما! گفتگو اس میں ہے کہ ان نصوص کے وارد ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معیار حق ہے یا نہیں؟ اس کی تقلید آنکھ بند کر کے کرنے پر انسان متبع حق رہے گا یا نہیں؟ مودودی صاحب کلیۃً نفی فرماتے ہیں، صحابہ کرامؓ تک کو بلکہ خیرالامت حضرت خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) کو بھی یہ حق معیاریت اور تنقید سے بالاتری اور ذہنی غلامی کا نہیں دیتے، مگر آپ کا شائع شدہ مضمون نہ صرف اس کی تائید کرتا ہے بلکہ اس کو عین حق اور صواب اور ہر مسلمان کا وہی عقیدہ ہونا لازم کررہا ہے۔ آنجناب کے اس والا نامہ کے مضمون کو جبکہ میں شائع شدہ عبارت کے سامنے رکھتا ہوں تو توافق تو درکنار مخالفت پاتا ہوں، مہربانی فرما کر واقعیت سے خبر دیجئے اور مودودیوں کی شائع کردہ تحریر کی تردید فرمائیے، احتمالات اور حسن ظن کے امکانات سے قطعی فیصلہ کسی عقیدہ دینیہ اور دستور میں کرنا انتہائی غلطی کے مرادف ہے، اس سے خلقت کی گمراہی کا وبال اٹھانا لازم آئے گا۔

یہ تو نہایت مختصر عرض پیش کرسکا ہوں، اگر کوئی موقعہ ملا تو تفصیلی باتیں عرض کروں گا،

میری اس عرض پر چیں بجبیں نہ ہوں، ٹھنڈے دل سے غور کریں، اگر ممکن ہوتو جلد جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔ ۲۱ رمضان المبارک ۷۳ھ (مکتوبات ص ۲۴۷ ج ۳)

مودودی صاحب کی بعض لغزشیں

ایمان وکفر کا معیار

تمام اہل سنت والجماعت مسلمان ہمیشہ سے اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص کلمہ طیبہ (اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ) صدق دل سے کہے اس کا ایمان اجمالی متحقق ہوجاتا ہے، اور جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تمام یقینی باتوں (وحدانیت، رسالت، ملائکہ، کتابہائے خداوندیہ، قیامت، تقدیر، ختم نبوت وغیرہ قطعیات) کو دل سے مان لے اور اقرار کرلے اس کا تفصیلی ایمان متحقق ہوجاتا ہے اور وہ مسلمان اور ملت اسلامیہ کا فرد بن جاتا ہے، اعمال میں کوتاہی سے یہ ایمان واسلام زائل نہیں ہوتا، اعمال ضروریہ کی کوتاہی سے صرف فسق آتا ہے کفر نہیں آتا، ہاں اگر ان امور ایمانیہ کا انکار وجحود پایا جائے تب بے شک استحقاق کفر ہوتا ہے، اعمال خواہ کسی درجہ کے ہوں ان کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہوتا، البتہ گمراہ فرقے خوارج، معتزلہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمال مرضیہ کے ترک کرنے سے یا کبیرہ گناہ کے مرتکب ہونے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے۔ آج ہندوستان بھر میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت بھی یہی عقیدہ رکھتی ہے اور اسی کی تعلیم اور تلقین کرتی ہے، چنانچہ مودودی صاحب اپنے رسالہ "حقیقت حج" میں زیر عنوان "حج کی تاریخ مابعد" میں فرماتے ہیں، نیز ان چھوٹے رسالوں کے علاوہ خطبات میں بھی یہ عبارتیں موجود ہیں اور انہیں سے یہ مضامین اور عبارتیں چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں شائع کی گئی ہیں:

"رہے وہ مسلمان جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے، دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کچھ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں

نہیں گذرتا تو وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں، جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے جو ان کو مسلمان سمجھتا ہے'' (خطبات ص ۱۸٦)

نیز رسالہ ''حقیقت زکوٰۃ'' میں زیر عنوان ''زکوٰۃ کی اہمیت'' فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز، روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا'' (خطبات ص ۱۲۷ اشائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی گوشہ محل حیدرآباد دکن) پھر لکھتے ہیں: ''ان دو ارکان اسلام (نماز، روزہ) سے جو لوگ روگردانی کریں ان کا دعویٰ ایمان ہی جھوٹا ہے'' (خطبات ص ۱۳۰ زکوٰۃ) پھر فرماتے ہیں: ''قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو'' (خطبات ص ۱۳۳)

مذکورہ بالا تصریحات پر غور فرمایئے، پاکستان اور ہندوستان کے وہ تمام سربرآوردہ مسلمان لیڈر جو کہ برسر اقتدار ہیں اور دور دور کے ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ کا سفر کرتے رہتے ہیں یا زمانہ سابق میں ان دور دراز ممالک بالخصوص انگلستان کا سفر کرچکے ہیں اور نعمت حج وزیارت مدینہ منورہ سے فائز نہیں ہوئے، سرسید اور جسٹس محمود سے لے کر اس زمانہ کے جملہ اشخاص جن میں علامہ سر اقبال، قائداعظم، نواب زادہ لیاقت علی خان، سر ناظم الدین وغیرہ وغیرہ بے شمار لیڈران قوم آتے ہیں، سب کے سب کو بیک قلم قطعی اور یقینی طور پر اسلام وایمان سے خارج کردیا گیا اور فتویٰ صادر کردیا گیا کہ ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا جھوٹ ہے، جو شخص بھی ان کو مسلمان کہے وہ قرآن سے جاہل ہے، اسی طرح وہ تمام اسلامیت کے دعویدار جو زکوٰۃ نہیں دیتے یا نماز نہیں پڑھتے یا روزہ نہیں رکھتے ان کا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے، اور ان کا کلمہ طیبہ پڑھنا بے معنی، اور ان کے ایمان کی شہادت غیر معتبر اور بے کار ہے، اور چونکہ ایمان اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں ایک کے زوال سے دوسرے کا آجانا یقینی ہے، اس لئے جب ان لوگوں کو ایمان اور اسلام سے قطعی طور پر نکال دیا گیا تو قطعی طور پر کفر میں بھی داخل کردیا گیا۔

اس طرح کی عمومی تکفیر صرف مودودی صاحب اور ان کی جماعت یا خوارج کے سوا

کلمہ گویان امت محمدیہ کی کس نے کی اور کب کی گئی ؟

بے شک ایسے لوگ فرائض کے تارک، گنہگار، مستحق عقاب ہیں ان کو جلد سے جلد توبہ کرنا اور اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دینا ضروری ہے (اگر زندہ ہوں) اور خداوندی عذاب کے مستحق ہیں (اگر بلاتوبہ مرگئے ہوں) مگر وہ دائرۂ ایمان اور اسلام سے خارج نظر شرع میں نہیں کئے جاسکتے کلمہ لا الہ الا اللہ اور ایمان ضرور بالضرور ان کو نفع پہنچائے گا اگرچہ بداعمالیوں کی سزا کے بعد ہی ہو (اگر شفاعت یا دیگر وجوہ رحمت سے مستفید نہ ہوسکے) مگر ایسے لوگ خلود فی النار سے محفوظ رہیں گے، ذرہ برابر بھی ایمان کا درجہ ان کیلئے خلود فی النار سے محافظ اور جنت کے دخول کا ذریعہ ہوگا۔ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا یہ عقیدہ امت محمدیہ پر انتہائی ظلم اور خوارج کی طرح غلو فی الدین ہے۔

اعمال کو جزو ایمان قرار دینا

اس مقام پر جب یہ کہا گیا کہ اعمال اسلامیہ کو جزو ایمان بجز فرقہ ہائے ضالہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کسی نے قرار نہیں دیا، اور نہ یہ کہا کہ ان کے ترک سے ایمان سے خارج ہو جائے گا جیسا کہ مودودی صاحب اور ان کے متبعین ارشاد فرماتے ہیں، یہ ان کا مسلک اہل سنت والجماعت کے مسلک کے بالکل خلاف اور احادیث صحیحہ اور آیات صریحہ کے بالکل منافی ہے، تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے کے قائل تو تمام سلف محدثین اور شافعیہ اور اہل ظاہر وغیرہ ہیں جو کہ اہل سنت میں سے ہی ہیں، مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اور دھوکہ ہے۔ شافعیہ اور محدثین اعمال کو ایمان کا جزو مقوم نہیں کہتے کہ اس کے عدم سے انعدام ایمان اسی طرح ہو جائے جس طرح جزو کے انعدام سے کل کا انعدام ہو جاتا ہے، بلکہ جزو متمم اور مکمل کہتے ہیں اور ان کے انعدام سے کمال ایمانی معدوم ہو جاتا ہے نفس ایمان معدوم نہیں ہوتا، جیسے کہ اجسام انسانیہ کے دو قسم کے اجزاء ہیں بعض مکملہ ہیں جیسے انگلیاں، ناک، کان آنکھ، ہاتھ، پیر، اور بعض مقومہ ہیں جیسے دل، دماغ، جگر وغیرہ اعضائے رئیسہ، پہلے قسم کے اعضاء کے کٹ جانے سے انسان مرتا

نہیں ہے البتہ اس کے جسمانی کمال میں نقصان ہوجاتا ہے، بخلاف دوسری قسم کے اجزاء کے کہ اگر وہ باقی نہ رہیں تو انسان فنا ہوجاتا ہے، اس لئے تارک اعمال کی تکفیر نہیں کی جاسکتی خواہ وہ اعمال کتنی ہی عظیم الشان اہمیت رکھتے ہوں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: المعاصی من امر الجاهلية ولايكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرك الخ (معاصی رسوم جاہلیت میں سے ہیں (لیکن) عصاۃ کو جب تک ان کی معصیت حد شرک میں نہ داخل ہو کافر نہ کہا جائے گا)

امام نووی شافعیؒ ص ۲۵ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: ثم ان اسم الإيمان يتناول ما فسر به الاسلام في هذا الحديث وسائر الطاعات لكونها ثمرات للتصديق الباطن الذى هو اصل الايمان ومقويات ومتممات وحافظات له ولهذا فسر صلى الله عليه وسلم الايمان في حديث عبد القيس بالشهادتين والصلوٰة والزكوٰة وصوم رمضان واعطاء الخمس ولهذا لا يقع اسم المؤمن المطلق على من ارتكب كبيرة اوترك فريضة لان اسم شئ مطلقاً يقع على الكامل منه ولا يستعمل فى الناقص ظاهرا الا بقيد.

لفظ ایمان میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اس حدیث میں بسلسلہ تفسیر اسلام بیان کی گئی ہیں اور تمام طاعات بھی شامل ہیں کیونکہ یہ اس تصدیق کے ثمرات اور مقوی اور متمم ہیں جو کہ اصل ایمان ہے، اسی لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس والی حدیث میں ایمان کی تفسیر شہادتین، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم رمضان اور ادائے خمس کے ساتھ کی ہے، اور اسی لئے مومن مطلق کا لفظ اس شخص پر نہیں بولا جاتا ہے جو کہ مرتکب کبیرہ ہو یا تارک فرض ہو کیونکہ مطلق کا اطلاق کامل ہی پر ہوتا ہے اور ناقص میں استعمال قرینہ یا قید کے بغیر نہیں ہوتا۔

اور صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں: واعلم ان مذهب اهل الحق انه لا يكفر احد من اهل القبلة بذنب ولايكفر اهل الاهواء والبدع وان من جحد ما يعلم من دين الاسلام ضرورة حكم بردته وكفره الخ . جاننا چاہئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ میں کسی کو کسی گناہ

کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہ کہا جاوے، نہ اہل اہواء اور اہل بدعت کو کافر کہا جاوے، لیکن ضروریات اور قطعیات اسلامیہ کے منکر خارج از اسلام ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فتح الباری ج ا ص ۴۴ میں فرماتے ہیں: فالسلف قالوا هو (الایمان) اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان، وارادوا ان الاعمال شرط فی کماله، ومن هٰهنا القول بالزيادة والنقص كما سيأتی والمرجئة قالوا هو اعتقاد ونطق فقط، والكرامية قالوا هو نطق فقط، والمعتزلة قالوا هو العمل والنطق والاعتقاد، والفرق بينهم وبين السلف انهم جعلوا الاعمال شرطاً فی صحته والسلف جعلوها شرطاً فی كماله۔ سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کہتے ہیں دل سے شہادتین کا اعتقاد کرنا اور اعضاء سے مقتضائے شہادت پر عمل کرنا، زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنا، سلف نے عمل کرنے کو کمال ایمان کیلئے شرط قرار دیا ہے، اور اسی وجہ سے سلف قائل ہو گئے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی واقع ہو سکتی ہے، (یعنی اعمال کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے) اور فرقہ مرجئہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان اعتقاد شہادت اور زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے (یعنی عمل سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں) اور فرقہ کرامیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے ادائے شہادت کا نام ہے، اور فرقہ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان عمل اور نطق شہادت اور اعتقاد کا مجموعہ ہے، معتزلہ اور سلف صالحین کے مسلک میں فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کے صحیح ہونے کیلئے شرط قرار دیتے ہیں اور سلف صالحین عمل کو صحت ایمان کیلئے شرط قرار نہیں دیتے بلکہ کمال ایمان کیلئے شرط کہتے ہیں۔

کلام سابق سے معلوم ہوا کہ علمائے کلام (اشاعرہ و ماتریدیہ) اور شافعیہ ومحدثین اور سلف میں نزاع لفظی ہے، علمائے کلام نفس ایمان میں اعمال کی جزئیت کے نافی ہیں کمال ایمان میں جزئیت کے نافی نہیں، اور سلف اور شافعیہ اور محدثین کمال ایمانی میں جزئیت کے قائل ہیں نفس ایمان میں نہیں، اس لئے مرتکب کبیرہ اور تارک اعمال مفروضہ کسی کے نزدیک کافر نہیں ہوگا اور نہ نفس ایمان سے محروم ہوگا، البتہ کمال ایمانی سے سب کے نزدیک محروم رہے گا۔ اس لئے

مودودی صاحب کا ارشاد بالکل اہل سنت والجماعت کے خلاف اور خوارج ومعتزلہ ہی کا مذہب ہے جس کو مودودی جماعت اختیار کئے ہوئے ہے اور مسلمانوں کو اسی طرف بلاتی ہے اور اسی میں داخل کرتی ہوئی ان کو خارجی اور معتزلی بنا کر گمراہ کرتی ہے۔ اس پر مودودی صاحب کے یہاں آج ہندوستان اور پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام کے اکثر و بے نہایت مسلمان دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ آج ملت محمدیہ میں بڑی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو تمام یا اکثر یا بعض فرائض کے تارک ہیں، ان کا کلمہ طیبہ پڑھنا اور اقرار و یقین باللہ و بالرسول لغو اور غیر قابل اعتبار ہو جاتا ہے۔

جو حضرات مودودیت کی دعوت دینے کیلئے یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام اور جال میں پھنسا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تحریروں اور لٹریچروں سے بے شمار انگریزی خواں جو کالجوں کی تعلیم سے بالکل ملحد اور بے دین ہو گئے تھے دیندار ہو گئے ہیں۔ یہ عظیم الشان کارنامہ مودودی صاحب کا ہے جس کی بنا پر سب کو انہی کے حلقۂ ارادت کی طرف دعوت دی جاتی ہے، اور جو حضرات اس دام تزویر میں گرفتار ہیں وہ غور فرمائیں کہ مودودی صاحب کے لٹریچروں سے دائرۂ ایمان و دین میں داخل ہونے والے زیادہ ہیں یا ان لٹریچروں کی وجہ سے نکل جانے والے زیادہ ہیں، اور غضب تو یہ ہے کہ جو لوگ ان گنہگار مسلمانوں کو دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج نہیں کرتے ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن سے جاہل ہیں، حالانکہ قرآن کی متعدد آیتیں اور بے شمار احادیث ان لوگوں کے ایمان اور اسلام کی شہادت دیتی ہیں اور ان کو مغفرت اور نجات کی امید دلاتی ہیں:

(۱) **قال اللہ تعالیٰ: فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا الآیۃ** (پ۳ع۲البقرہ) پس جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کرے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں۔

(۲) **وقال سبحانہ وتعالیٰ: ومن یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک**

بـالعروة الوثقى والى الله عاقبة الامور ومن كفر فلا يحزنك كفره الينا مرجعهم فننبئهم بـمـاعملوا ان الله عليم بذات الصدور (پ۲۱ع۱۲،لقمان) اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا، اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا، اور جو شخص کفر کرے سو آپ کیلئے اس کا کفر باعث غم نہ ہونا چاہئے، ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے سو ہم ان کو جتلا دیں گے جو کچھ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔

(۳) وقال تعالىٰ :ومن يرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه ولقد اصطفينٰه فى الدنيا وانه فى الأخرة لمن الصالحين اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العٰلمين (پ۱ع۱۶،البقرہ)

اور ملت ابراہیمی سے تو وہی شخص روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو، اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں، جبکہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔

(۴) وقال تعالىٰ: قل يا اهل الكتاب تعالوا الىٰ كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولايتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون (پ۳ع۱۵،آل عمران) آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے حق تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو ماننے والوں میں ہیں۔

(۵) وقال الله تعالىٰ: ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر مادون ذٰلك لمن يشاء الآية (پ ۵ ع ۱۵،نساء) بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے، اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔

(۶) وقال تعالىٰ :قل ياعبادى الذين اسرفوا علىٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان

اللہ یغفر الذنوب جمیعاً الآیة (پ۲۴ع۳،الزمر) آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو ! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔

(۷) وقال سبحانہ وتعالیٰ :وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما الآیة (پ۲۶ع۱۳،الحجرات) اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو۔

(۸) وقال تعالیٰ : الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون (پ۷ع۱۵،انعام) وفسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظلم بالشرک، جولوگ ایمان رکھتے ہیں اوراپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے انہیں کیلئے امن ہے اوروہی راہ پر چل رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ظلم کی جو اس آیت کریمہ میں ہے شرک کے ساتھ تفسیر بیان فرمائی ہے۔

(۹) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم ما ت علی ذٰلک الادخل الجنة قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق .قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر .الحدیث (متفق علیہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا بندہ کلمۂ توحید کا قائل ہو پھر اسی عقیدہ پر اس کو موت آجائے تو وہ ضرور جنتی ہوگا (راوی حدیث یعنی ابوذرؓ صحابی فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ کلمہ توحید کا قائل جنتی ہے چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں چاہے وہ زنا اور چوری بھی کرے، پھر میں نے تعجب سے کہا اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے، میں نے پھر عرض کیا اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ جنتی ہے ابوذر کی ناگواری کے باوجود اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے (بخاری ومسلم)

(۱۰) وعن عبادة بن الصامتؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من

شهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمداً عبده ورسوله وان عيسىٰ عبد الله ورسوله وابن امته وكلمته القاها الى مريم و روح منه والجنة والنار حق ادخله الله الجنة على ما كان من العمل (متفق علیہ) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور بلاشبہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں، اور حضرت عیسیٰ بھی اس کے بندے اور رسول برحق ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ایک بندی کے بیٹے ہیں، اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف القاء فرمایا تھا، اور حق تعالیٰ کی جانب سے ایک روح ہیں، اور گواہی دے کہ جنت ودوزخ حق ہیں ایسے کو حق تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے اس کے عمل خواہ کیسے ہی ہوں (بخاری ومسلم)

(۱۱) وعن انس رضى الله عنه قال يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفى قلبه وزن شعيرة من الخير و يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفى قلبه وزن برة من خير ويخرج من النار من قال لا اله الا الله و فى قلبه وزن ذرة من خير قال ابو عبد الله قال ابان حدثنا قتادة قال حدثنا انس عن النبى صلى الله عليه وسلم من ايمان مكان خير (صحیح بخاری ص۱۱)
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ عذاب نار سے ایسے لوگ بالآخر نکال دیئے جائیں گے کہ جو کلمۂ توحید کے قائل تھے اور ان کے دل میں جَو برابر ایمان تھا، اور وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے جو کلمۂ توحید کے قائل تھے اور ان کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر ایمان تھا، اور ایسے لوگ بھی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا، ابو عبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ (راوی) ابان نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ یہ روایت ہم کو انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کی تھی اور بجائے من خیر کے لفظ من ایمان نقل کیا تھا (بخاری)

کیا اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ وہ نہ تھا جو خوارج سے نہروان وغیرہ میں مسلمانوں، اور حضرت علی

ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے اصحاب واتباع کے خون بہانے کی صورت میں ظاہر ہوا، اور جو کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اتباع نے حجاز، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ۱۲۲۰ھ سے ۱۲۳۳ھ تک مسلمانوں کے خون کے دریا بہانے کی صورت میں پیدا کیا۔

(۱۲) ردالمحتار حاشیہ درمختار (شامی) جلد ۳ ص ۴۲۷ میں ہے: کما وقع فی زماننا فی اتباع محمد بن عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اهل السنة وقتل علماء هم حتی کسر اللہ تعالٰی شوکتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف ۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبعین سے پیش آیا کہ انہوں نے نجد سے خروج کیا اور حرم مکہ اور حرم مدینہ پر تسلط جمایا اور اس کے مدعی رہے کہ حنابلہ کے مذہب کے پابند ہیں لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہم مشرب ہیں اور جو ہمارے اعتقاد کے مخالف ہیں وہ سب مشرک ہیں اور اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا قتل کر دینا اور ان کے علماء حق کو مار ڈالنا مباح سمجھا، ان کا تسلط قائم رہا یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے ان کے غلبہ کو فنا کر دیا اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا اور اسلامی شہروں کو ان کے مقابلہ میں کامیابی عطا فرمائی ۱۲۳۳ھ میں۔

اور جو کہ ابن سعود کے تسلط کے وقت میں غطغط اور دخنہ نے مسلمانوں کو قتل اور اموال کے لوٹنے کی صورت میں ہویدا کیا، اور بالآخر ابن سعود نے تنگ آ کر ان قبیلوں کی قوت کا قلع قمع کیا، ایسی ہی تعلیمات کے نتیجے ہیں جن کو آج کل مودودی صاحب کے اتباع نے شروع کر دیا ہے۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں:

یہاں حال یہ ہے کہ جو شخص بھی اس تحریک سے متاثر ہو گیا ہے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام سلف صالحین کی عظمت ورفعت اپنے دل سے نکال چکا ہے، تقلید اس کی نظر میں کوئی

وقعت نہیں رکھتی، وہ ہر موقع پر کورانہ تقلید کے الفاظ استعمال کرتا ہے اگر چہ مودودی صاحب کا ربقۂ تقلید وہ اپنی گردن میں ڈال چکا ہے، وہ عام مسلمانوں سے اپنے کو کچھ علیحدہ سمجھتا ہے، اور اس کی ہر چال ڈھال، انداز تکلم ہر حساس آدمی کی نظر میں علیحدہ امتیازی نظر آتا ہے، مودودی اور غیر مودودی مسلمانوں میں انتشار اور افتراق بڑی حد تک پھیل چکا ہے۔ اگر کسی اسکول کا ہیڈ ماسٹر مودودیت سے متاثر ہو چکا ہے تو وہ مذہبی لحاظ سے اپنے چپڑاسی پر رحم نہیں کرتا، اگر کسی کمیٹی کا منیجر مودودی ہو چکا ہے تو وہ ایک کلرک کی بھرتی کے وقت مودودی کلرک رکھنا چاہتا ہے، بیٹا مودودی ہو گیا ہے تو وہ بوڑھے اور ضعیف حاجتمند باپ کی امداد نہیں کرتا، بھائی سے بھائی، چچا سے بھتیجا، ماموں سے بھانجا آپس میں دست وگریبان ہیں، پرانی دوستیاں ختم ہو گئیں، عزیزوں میں اختلاف وافتراق رونما ہو گیا، جناب محترم ان سب باتوں کی بوقت ضرورت نشان دہی کی جا سکتی ہے۔

غور فرمائیے کہ مودودیوں کے اس غلو اور افراط کے نتائج (کہ وہ اپنی جماعت کو اصلی مسلمان قرار دیتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو نسلی مسلمان قرار دے کر سلف اور متبعین مذاہب اربعہ اور صوفیائے کرام کو نہایت دلخراش الفاظ سے علانیہ ذکر کرتے ہوئے تکفیر اور تحمیق وتجہیل کرتے ہیں، اور سلف صالحینؒ اور صحابہ کرامؓ سے آج تک کے تمام مسلم افراد پر زبان درازی کرتے ہوئے تنقید اور سب وشتم کرتے ہیں) کہاں سے کہاں تک پہنچ رہے ہیں اور آئندہ ان نتائج کے کیا کیا پھول وپھل لگ سکتے ہیں۔

دور بین اور سمجھدار لوگوں کو متنبہ ہونا اور عبرت پکڑنا ازبس ضروری ہے اور جس قدر احتیاط اور انضباط ممکن ہو عمل میں لانا واجب ہے۔ واللہ الموفق محرم ۱۳۷۱ھ (مکتوبات ص ۸۰ ج ۳)

جماعت اسلامی کا نظریہ

محترما! اس دور فتن میں دین کو پکڑنا قبض علی الجمر کا مرادف ہے...... جو جماعتیں نئی نئی زرق برق پوشاک میں نمودار ہو رہی ہیں ان کی چمک دمک میں محو ہو جانا انتہائی خطرناک ہے، مودودیوں کی گمراہی سے آپ غالباً بالکل ناواقف ہیں۔

آپ فرماتے ہیں ”جماعت اسلامی کے معاملہ میں بندہ اکثر متردد رہتا ہے، کیا اس جماعت کی مخالفت کرنا ضروری ہے، یا نظام اسلامی کے پیش نظر ان سے اتفاق کیا جائے، یا توقف وسکوت بہتر ہے“ آپ اس قدر غافل کیوں ہیں؟ ان کی کتابوں کو تنقیدی اور گہری نظر سے دیکھئے، وہ تو چودہ سو برس والے طریقہ اسلامیہ کے علاوہ ایک نیا اسلام بنا رہے ہیں، جس میں ہر پروفیسر، ہر گریجوایٹ، ہر عربی زبان سے شدبد رکھنے والا مجتہد مطلق ہے، یہی نہیں کہ اس کو اجتہاد کرنا جائز ہے بلکہ اس پر اجتہاد کرنا اس قدر ضروری اور لازم ہے جیسا کہ سانس کیلئے ہوا اور پیاس کیلئے پانی ضروری ہے، اس اسلام میں بڑے بڑے صحابیؓ پر بھی اعتماد کلی نہیں ہے اگرچہ وہ خلیفہ اول ہی کیوں نہ ہو، عام صحابہ تو کسی شمار وقطار میں نہیں ہیں، اور جبکہ صحابہؓ اور ارباب قرن اول اس حال میں ہوئے تو تابعینؒ اور بعد والے کس درجہ میں مانے جاسکتے ہیں؟ یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے ائمۂ حدیث یا ائمۂ فقہ یا ائمۂ جرح وتعدیل کیا درجہ رکھ سکتے ہیں؟

اہل سنت والجماعت کا متفقہ اصول تمام صحابہ کی عدالت کا جو کہ دلالت قطعیہ سے ماخوذ ہے بالکل ان کے نزدیک واہی اور لچر ہے، کوئی ہستی صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ وغیرہم میں سے قابل تقلید مطلق نہیں ہے اور نہ کوئی ان میں سے معیار حق ہے بلکہ ہر ایک انسانی کمزوریوں سے بالفعل متصف ہے۔

ان کا بنیادی عقیدہ دستور جماعت اسلامی دفعہ ۶ میں حسب ذیل ہے:

”رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہے اس کو اسی درجہ میں رکھے“

اب آپ اس عقیدہ اور اس دفعہ پر غور فرمائیے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، اور کس قدر الحاد اور بے دینی اس کی تہہ میں رکھی گئی ہے، اور تمام سلف صالحین کی کس قدر بے اعتباری درایۃً اور

روایۃً، شریعۃً اور طریقۃً اس میں کوٹ کر بھری گئی ہے، اور اس سے کتنے زہریلے جراثیم دین میں پیدا کئے گئے ہیں، کیا آپ کتاب اور سنت کو اس عقیدہ کے بعد ثابت کر سکتے ہیں اور کسی زندیق وملحد پر اتمام حجت کا راستہ کھول سکتے ہیں جبکہ ہر دو طریقہ روایت، درایت کا مدار صحابہ کرام ہی پر ہے، اور وہ معیار اور مدار حق نہ رہے اور نہ تنقید سے ہی بالاتر رہے اور نہ ان کی ذہنی غلامی جائز رہی، ظاہر ہے کہ تنقید کسی برائی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے تو جب ان میں خرابیاں اور برائیاں موجود ہیں تو ان کی روایت کا کیا اعتبار ہے اور اسی طرح ان کی درایت کا کیا اعتبار ہوگا، اور علی ہذا القیاس ان کے طریقہ پر چلنا یعنی ذہنی غلامی بھی اگر صحیح نہیں ہے تو خیر القرون ہونا اور کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور امۃ وسطا وغیرہ آیات کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے، تمام وہ احادیث صحیحہ جو کہ گوناگوں فضائل صحابہ سے بھری ہوئی ہیں سب بے کار ہو جاتی ہیں کیونکہ سلب کلی کا مصداق بجز اس کے نہیں ہوسکتا۔

افسوس صد افسوس کہ بہت سے علماء اور فارغین دارالعلوم بھی مودودی صاحب کی تلبیسات کا شکار ہو رہے ہیں، آپ بھی اس جماعت کی تنظیم اور ڈسپلن کی تعریف کرتے ہوئے اس میں شرکت کی خواہش کر رہے ہیں یا تردد میں ہیں۔

جس طرح چکڑالوی، قادیانی، مشرقی نے نیا دین اور نیا اسلام بنایا ہے اسی طرح مودودی صاحب نے نیا اسلام بنایا ہے، سابقین مجددین کی تجدیدات کو لات مار کر اپنی تجدیدات کو سب سے بالاتر فرماتے ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کے متفقہ اصول کو ٹھوکر مارتے ہیں، تمام علماء اور اہل طریقت حتی کہ حضرت مجدد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور اکابر علم وطریقت میں کیڑے نکال کر سب کی انتہائی تذلیل وتوہین کرتے اور سب سے نفرت دلاتے ہیں۔

بہر حال سوچئے اور سمجھئے اور اسلاف کرام کے طریقہ پر چلئے، واللہ معکم اینما کنتم......

آپ مودودیوں کی تنظیم اور جدوجہد کو سراہتے ہیں، محترما! قادیانیوں اور عیسائیوں کی تنظیم وجدوجہد اس سے بدرجہا بالاتر ہے پھر کیا حکم دیں گے؟ (مکتوبات ج ۴ ص ۱۱۹)

عقیدہ معیارِ حق اور مودودی صاحب

مودودیوں سے جو حضرات وہاں پر ہیں ناواقف ہیں، ان کی کتابیں دیکھتے نہیں یا اگر دیکھتے ہیں تو تنقیدی نظر اور غور سے نہیں دیکھتے۔

جو نوٹ میں نے دستورِ اسلامی کا آپ کو لکھا تھا کہ صفحہ ۵ نمبر ۶ عقیدۂ رسالت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، الخ''

اس پر غور فرمایئے، کیا یہ انبیاء سابقین علیہم السلام جن پر ایمان لانا اور ان کی رسالت میں تفریق نہ کرنا ضروری ہے اس کا انکار نہیں؟ اور کیا یہیں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا انکار نہیں ہوتا جن کی تعدیل اور مقبولیت میں آیات قطعیہ وارد ہیں؟ کیا یہ عقیدہ اسلام کو باقی رکھنے والا ہے؟ کیا اس میں وہ لاتعداد روایتیں ذخیرۂ احادیث کی جو کہ انفرادی طور پر صحاح میں مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے اور اجتماعی طور پر وارد ہیں ان سب کا انکار نہیں ہے؟ اور کیا ایسے عقیدہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص فرقہ ناجیہ اہل سنت میں شمار کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس قاعدہ اور دستور کے تسلیم کرنے کے بعد احادیث اور قرآن قابل اعتماد ہوسکتے ہیں؟ مدار دین کے نقل کا صحابہ کرامؓ ہیں، جب وہ انفراداً اور اجتماعاً معیارِ حق نہیں، نہ تنقید سے بالاتر ہیں تو ان پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور ان کی مرویات کا کوئی اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اس پر تو روافض کا کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کی اس میں سے دس پارے نکال دیئے گئے وغیرہ وغیرہ سب قابل قبول ہوسکے گا، کیا اس میں تقلید صحابہؓ وتابعین کرامؒ اور ائمہؒ کا انکار نہیں؟ غور فرمایئے۔

یہ جماعت اسلام کو برباد کرنے اور اس کے اصول وفروع کو جڑ سے اکھاڑ دینے کیلئے نیا مذہب بنارہی ہے اور ہمارے ہی نادان اور بھولے بھالے علماء اور عوام اس کی رو میں بہتے جارہے ہیں، فالی اللہ المشتکی. (مکتوبات ص ۱۲۱ ج ۴)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

سوال: (۱) جبکہ یہ امر مسلم ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں تو پھر ابتداء سورۃ تحریم، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مخالف حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق وحی کا نازل ہونا، یا ان شاء اللہ نہ کہنے پر وحی کا رک جانا وغیرہ کا کیا محل ہوگا، عصمت کیا ہے؟

(۲) یہ خیال اس وقت سے پیدا ہوا جب سے مودودیت جو گنگوہ میں صورت فتنہ اختیار کئے ہوئے ہے کچھ تبادلہ خیالات اور کچھ ان کے اخبارات کا مطالعہ تردیداً کیا گیا۔

یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم تک کو متجاوز کہہ دیتے ہیں۔

جواب: (۱) اولاً بطور تمہید یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان ہوتے ہیں، جو بشری لوازم ہیں ان میں بھی پائے جاتے ہیں وہ بھوک، پیاس، سردی، گرمی، نیند، بیماری، دکھ، درد اور محبت اولاد، نفرت از اعداء وغیرہ اوصاف بشریہ میں مثل تمام انسانوں کے ہوتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ وہ بھی مثل تمام انسانوں کے احکام خداوندی کے مکلف ہیں، وہ مثل فرشتوں اور ارواح قدسیہ کے ان احساسات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ سے منزہ اور بے لوث نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قویٰ اور استعدادات بشریہ عام انسانوں سے بدرجہا زائد ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خیر اور خشیت الٰہیہ کا غلبہ ہوتا ہے، حضور دائمی جناب باری عز وجل اسمہ کا حاصل رہتا ہے جس کی وجہ سے خیر کی رغبت اور شرور سے نفرت اور دوری رہتی ہے، اگر کبھی کبھی بمقتضائے طبیعت یا وساس شیطانیہ کسی معصیت کی طرف میلان ہوتا ہے تو حفاظت خداوندی اور نگہبانی ربانی رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے اور بیچ میں حائل ہو جاتی ہے، اسی حیلولت اور رکاوٹ کا نام عصمت ہے، بخلاف فرشتوں کی معصومیت کے، ان کے یہاں ایسی خواہشات کا مادہ ہی نہیں ہوتا، ان کا معصوم ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ بچہ اور عنین میں جماع اور رغبت الی النساء کا مادہ ہی نہیں ہے، اس لئے ان کو معصوم کہنا حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ عصمت گناہوں اوران اعمال کے متعلق ہوتی ہے جوکہ ازقبیل جوارح یا عمل قلب ہیں، اور جو چیزیں ازقبیل علم اورررائے ہیں ان میں عصمت کودخل نہیں ہے، ممکن ہے پیغمبر کی کوئی رائے غلط ہو، البتہ اس کو جب کبھی عملی جامہ پہنانے کا موقع آتا ہےتو وہاں عصمت خداوندی آ کرحائل ہوجاتی ہےاوررائے کی غلطی پرمتنبہ کردیتی ہے بشرطیکہ وہ عمل ازقسم معاصی ہو، اوراگروہ عمل درجہ معصیت نہیں رکھتا ہے بلکہ ازقسم ترک اولیٰ یا بعض درجہ والوں کیلئے معصیت اوربعض درجہ والوں کیلئے معصیت نہیں ہے یاازقسم صغائر ہےتو وہاں عمل کے وقت میں بھی عصمت رکاوٹ نہیں ڈالتی، ہاں چونکہ پیغمبری کے درجہ والوں کیلئے وہ سیئہ تھی اس پرمؤاخذۂ الوہیت ہوجاتا ہے جیسا کہ بعض صغائر پرمقربین کی گرفت ہوجاتی ہے، حسنات الابرارسیئات المقربین، انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام پرگرفتیں اسی قسم کی ہیں۔

اس تمہید کے بعدعرض یہ ہے کہ جوشبہات آپ کوپیش آئے ہیں ان میں غورفرمائیے وہ ازقسم معاصی ہیں ہی نہیں۔

سورۃ تحریم میں جوواقعہ پیش آیا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نےقسم کھائی کہ اب سے حضرت زینبؓ کے یہاں کاشہد نہ پیوں گا، یااب سے اپنی مملوکہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے جماع نہ کروں گا، یہ دونوں چیزیں ازقسم معصیت ہی نہیں، دوسری ازواج کوخوش کرنے کی بناپرعمل کیا گیا تھا جوکہ آپ جیسے اولوالعزم مقرب کے مقام عالی کے مناسب نہ تھا اس لئے اس پرعتاب کیا گیا، لہٰذا یہ بات عصمت میں آتی ہی نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کی رائے پروحی کاآنا اکثر امور میں توان کی رائے ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں ہے، البتہ بعض امور میں مخالفت بھی ہے جن میں رائے نبویہ علیہ السلام اوراس پرعمل میں کوئی معصیت نہیں تھی فقط ترک اولیٰ کی بناپرعتاب کیا گیا ہے، جیسے اساریٰ بدرکاواقعہ تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا کیونکہ باوجودانتظارکوئی حکم نہیں آیا تھا، ایک جماعت نے مشورہ فدیہ لےکرچھوڑدینے کادیا کہ یہ لوگ

امید ہے کہ آئندہ مسلمان ہو جائیں اور اس وقت فدیہ لے کر مسلمانوں کا فقر وفاقہ دور ہو جائے اور جہاد مستقبل کیلئے سامان تیار کر لیا جائے، دوسری جماعت نے مشورہ ان کے قتل کر دینے کا دیا کہ یہ دشمنوں کے سردار اور لیڈر ہیں ان کے قتل سے کفر کی ہیبت ٹوٹ جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ تھا، رحمۃ للعالمین کو پہلا مشورہ پسند آیا اور آپ نے اسی کا حکم دیا، اس پر عتاب کیا گیا اور آیت حسب رائے عمر رضی اللہ عنہ اتری، حقیقت میں کوئی جائے معصیت نہ تھی، رائے کی غلطی کوئی گناہ نہیں خصوصاً جبکہ کوئی حکم اس بارہ میں آیا ہی نہ ہو اور بالاخص جبکہ اس رائے میں امور شرعیہ کا لحاظ ہی باعث ہوا ہو، انبیاء کی عصمت اس سے کب دور ہوتی ہے۔

دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ عادلانہ دیا تھا اور وہی فیصلہ آج شریعت محمدیہ کا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا صلح جویانہ فیصلہ جس کو ففهمنا ها سليمان کے ساتھ فرمایا گیا ہے اور اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے اس کے خلاف ہے، مگر حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو معصیت نہیں قرار دیا گیا اور فرمایا گیا وكلاً اتينا حكماً وعلماً جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر دو فیصلے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک تھے مگر اولیٰ اور بہتر حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ تھا، یہی صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رایوں کی ہے، یہ بات دوسری ہے کہ بارگاہ خداوندی کسی امر پر گرفت فرمائے اور اس کو حق ہے کہ صغائر اور خلاف اولیٰ پر بھی گرفت کر بیٹھے، یہ ضرور نہیں کہ معصیت ہی پر گرفت کیا کرے، لفظ ان شاء الله نہ کہنے پر گرفت کا ہونا بھی اسی قبیل ترک اولیٰ سے ہے خصوصاً اس وقت میں جبکہ اس کے متعلق کوئی حکم نہیں آیا تھا۔

سردار انبیاء علیہم السلام کا منصب اعلیٰ اس کا مقتضی تھا کہ وہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ پر مفوض فرماتے مگر آپ بھول گئے، آپ کی اس نسیان پر عتاب آمیز کلمات اور امساک عن الوحی بطور تادیب ارشاد عمل میں لائے گئے۔

آج بالاتفاق نہ تو سہو اور نسیان گناہ ہے اور نہ قصداً ترک ان شاء الله معصیت ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ، جبکہ خطرہ، حدیث نفس، ہم، وغیرہ معصیت نہیں ہیں تو ان سے عصمت کیوں

ضروری ہوگی، آپ کا یہ فرمانا کہ ''عصمت کلی نہ رہ جائے'' یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کیونکہ عصمت معصیت اور گناہ سے ہوتی ہے اور یہ چیزیں گناہ ہی نہیں ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ خواہ صحابہ کرامؓ ہوں یا اولیائے عظامؒ یا ائمۂ حدیث وفقہ وکلام، کوئی بھی معصوم نہیں ہے سب سے غلطیاں ہوسکتی ہیں مگر ان کے متعلق اعتمادیت کی شہادتیں قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں، اوران کے اعمال نامے اور اتقاء وعلم کی تاریخی روایات معتبرہ اس قدر امت کے پاس موجود ہیں کہ قرون حالیہ کے پاس ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہے ان پر تنقید انہیں جیسے پایۂ علم واتقاء والا کرسکتا ہے، ہمارے زمانہ کے ٹٹ پونجیئے جن کے پاس نہ علم، نہ تقویٰ کیا منہ رکھتے ہیں کہ زبان دراز کریں، سوائے اپنی بدبختی کے اظہار کے اور کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اللہ تعالیٰ تو ان کی تعریف فرماتا ہوا ارشاد کرتا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الآیۃ، دوسری جگہ ہے: ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم الآیۃ، تیسری جگہ ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ، چوتھی جگہ ہے: وکذلک جعلناکم امۃ وسطا الآیۃ۔ اور یہ کم بخت ان کی شان میں ہذیان بکتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوا ھم من بعدی غرضا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ اور یہ بدبخت ان کی شان میں بدگوئیاں کرتے ہیں، سوائے بدنصیبی کے اور کیا ہے، ان خبیثوں سے گفتگو اور مناظرہ کرنا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری ہدایت فرمائے، آمین۔ ۱۳/ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ (مکتوبات ج ۲ ص ۳۸۲)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام اور مودودیان کرام

سوال: عرض یہ ہے کہ تصفیۃ العقائد ص ۲۴ و ۲۵ کو بغور مطالعہ فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی ان عبارات کا مطلب واضح فرما کر ممنون فرمائیں، انبیاء علیہم السلام کے کذب پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب اس قدر آزار مقتولین دفع فساد کیلئے ثواب مستحسن ٹھہرا تو کذب صریح بغرض دفع فساد واعلاء کلمۃ اللہ کیوں کر مستحسن نہ ہوگا، بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معصیت سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں''

مودودیان کرام یہ الزامات اکابر دیوبند پر لگاتے ہیں کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ مستحسن۔

جواب: والا نامہ...... باعث سرفرازی ہوا، مضمون دیکھ کر تعجب ہوا، مودودیان کرام کس منہ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق عصمت کے دعویدار اور دوسروں پر گرفت کرنے والے ہوسکتے ہیں جبکہ ان کے نزدیک انبیاء گذشتہ میں سے کوئی بھی نہ معیار حق ہے، نہ تنقید سے بالاتر ہے، نہ ان کی ذہنی غلامی جائز ہے، دیکھئے دستور جماعت اسلامی ص ۵:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیار کامل پر جانچے اور پرکھے جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے''

اور جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے بشمول خاتم النبیین حضرت محمد علیہ السلام عصمت کے اٹھ جانے اور معاصی کے صادر ہونے کے قائل ہیں، دیکھئے تفہیمات جلد ثانی ص ۴۳:

''اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں''

ایسی تصریحات اور ایسے عقائد کے بعد ان کو کیا حق ہے کہ اکابر دیوبند کے متعلق کوئی ہرزہ سرائی کریں اور بے سوچے سمجھے کوئی الزام تراشیں، العجب العجب۔

تصفیۃ العقائد کی عبارت پر جو کچھ تنقید کی جاتی ہے بغیر غور وفکر ہے یہ بحث سرسید کی اس عبارت کا جواب ہے:

''تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیحائی تھے، مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے، مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنی سمجھے ہیں یعنی ایسے قول وفعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بے جا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اس کو کہہ دیا گیا''

اسی کا حقیقی جواب ص ۲۳ کی مندرجہ ذیل عبارت سے شروع ہوتا ہے:

''ہم دعویٰ کرتے ہیں اور سب اہل عقل ان شاء اللہ تسلیم ہی کریں گے کہ کذب بمعنی ''گفتار مخالف واقع'' خود قبیح نہیں''

اس تفصیل میں کذب کے معنی ''گفتار مخالف واقع'' میں مبالغہ اور کنایات اور استعارات تمام اقسام مجاز داخل ہو جاتے ہیں جن میں معنی مطابقی مراد نہیں ہوتے اور بسبب قرائن لفظیہ یا عادات قویہ یا رواجات عرف عام معانی التزامیہ قریبہ یا بعیدہ مراد ہوتے ہیں، ایسی عبارتیں کلامہائے فصحاء وبلغاء میں عام طور سے پائی جاتی ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: واما ابوجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه الحديث۔

شاعروں کے اکثر وہ مقالات مبالغہ والے بھی اس میں داخل ہیں شاعر کہتا ہے: ؎

انا ادعوک لیلا و نهارا　　　لاخلى مجلسا عن شكرك

وغیرہ جن میں شاعر کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ غلط بات کو صحیح کر دکھائے اور جھوٹ کو سچ ثابت کر کے اس کی ترویج کرے بلکہ صناعت شعریہ کی بنا پر وہ خلاف واقع گفتار لانا ضروری سمجھتا ہے،

بخلاف کاذب کے کہ اس کا مقصد غلط بات کو صحیح کرنا اور اس کی ترویج کرنا ہوتا ہے۔

اور اسی تعریف میں معاریض بھی داخل ہیں جن کے معانی مطابقیہ کچھ اور ہوتے ہیں اور انہیں کو متکلم مراد لیتا ہے مگر اہل عرف مؤیدات خارجیہ کی وجہ سے دوسرے معنی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ معاریض مشابہ کذب ہو جاتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: **لایدخل الجنة عجوز** فرمانا اور: **فی عین زوجک بیاض** فرمانا اور: **نحملک علی ولد البعیر** فرمانا اسی قبیل سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف واقع گفتار منقول ہے وہ اسی قسم کی ہے، حضرت علی اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **ان فی المعاریض لمندوحة عن الکذب**، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی یہی صادر ہوا تھا، یہ معاریض کسی حاجت دینی کی بنا پر واقع ہوئی ہیں۔

اور اسی تعریف میں وہ قصص اور کہانیاں بھی داخل ہیں جو بزبان طیور وحیوانات واشجار اکثر حکماء اور مصلحین اور ادباء سے لوگوں کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کیلئے مثل کتاب کلیلہ ودمنہ یا بچوں کو بہلانے کیلئے یا وحشت وغیرہ دفع کرنے کیلئے بطور داستان گوئی عمل میں لائی جاتی ہیں۔

اس تعریف میں وہ دروغ تعریضی بھی داخل ہو جاتا ہے جس کا نفع اس کے ضرر سے زیادہ ہو جیسے مقاصد حربیہ اور جہاد کے اغراض ہیں اگر وہ کسی موقعہ پر بغیر اس دروغ تعریضی کے پورے نہ ہوتے ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الحرب خدعة** اور جیسے اصلاح بین الناس کیلئے فرمایا گیا ہے: **لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس** اور جیسے زوجہ یا بیٹے کے خوش کرنے اور خانہ داری کے مکمل بنانے کیلئے محبت زائدہ کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مجتبیٰ میں ہے: **کل کذب هو مکتوب لامحالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل یصلح بین النین والحرب خدعة۔**

خلاصہ یہ ہے کہ تصفیۃ العقائد کی یہ بحث سرسید کے مصلحت وقت کے قول وفعل رسول علیہ السلام میں ملحوظ ہونے کے قابل اعتراض قرار دینے پر ہے جس کو شرح کر کے کذب کی حقیقی تعریف لغوی (گفتار مخالف واقع) اور اس کے انواع واقسام ذکر کئے گئے ہیں اور ان کے شرعی احکام بتائے گئے ہیں، اور سرسید کا سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا غلط قرار دیا گیا ہے، اور اس کے احکام خمسہ واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی پوری توضیح رد المحتار حاشیہ الدر المختار جلد۵ ص۳۰۲ للعلامہ ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے، اس سے مودودیان کرام کا یہ نتیجہ نکالنا کہ ''اکابر دیوبند انبیاء علیہم السلام کیلئے جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ مستحسن'' سراسر غلط کاری اور بہتان بندی ہے اور اپنی غلط فہمی اور کم سمجھی کی شہادت دیتی ہے، اس میں تصریح ہے:

''اس لئے تامقدور کذب صریح جائز نہ ہوگا تعریضات سے کام لیا جائے گا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات (جو کہ کذب صریح نہیں ہیں) کو بھی مکروہ سمجھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے مترشح ہوتا ہے تو کچھ عجب نہیں'' (ص۲۴) ''اگر چہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام ان سے بھی محفوظ رہے ہوں'' (ص۲۳)

پھر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتیں بلکہ مشابہ کذب ہوتی ہیں ہر گز مخالف شان نبوت نہیں ہوسکتیں، یہ غلط الزام ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے کس قدر دریدہ دہنی اور ڈھٹائی ہے۔ (مکتوبات ص۲۴۹ جلد۳)

ڈاڑھی کے یکمشت سنت ہونے کا محققانہ ثبوت

اور مودودی صاحب

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، جناب کا مودودی صاحب کی تحریریں دیکھ کر اس قدر متاثر ہونا کہ اسلام سے بدظن ہو جائیں تعجب خیز ہے۔

(اولاً) علامہ مودودی خود اقرار کرتے ہیں کہ میں عالم نہیں ہوں، وہ ترجمان نمبر ۳۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید وقدیم دونوں طریقہ ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے، اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو"

تعلیم میں ان کا صاف اقرار ہے کہ میں نے کچھ حصہ پایا ہے اس کے بعد ان کا کوئی حکم شرعی امور کے متعلق آیا قابل وثوق واعتماد قرار دیا جا سکتا ہے؟۔ "نیم طبیب خطرہ جان ونیم ملا خلل ایمان" مشہور مقولہ ہے۔

(ثانیاً) علاوہ ازیں ڈاڑھی کے مسئلہ میں ان کی کیا کسی دوسرے کی رائے میں کتنا ہی بڑا اختلاف کیوں نہ ہو اس کی وجہ سے اصول مذہب اسلام اور اس کے عقائد اور فرائض اعمال پر کیا

اثر پڑ سکتا ہے جس کی بنا پر آپ اسلام سے بدظن ہونے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

علامہ مودودی صاحب کا یہ قول "میرے نزدیک ڈاڑھی کا بڑا اور چھوٹا ہونا یکساں ہے صحابہ میں صرف دو ایک آدمی ایسے ملتے ہیں جن کی ڈاڑھی مشت برابر ہے" یہ صرف ان کی رائے ہے کہ دونوں یکساں ہیں، یہ رائے ایک ناقص العلم یا ناقص العقل کی رائے ہے جس کے مقابل تمام فقہاء اسلام کی تصریحیں موجود ہیں کہ ڈاڑھی کی مقدار کم از کم ایک مشت ہونی چاہئے، تو آیا مودودی صاحب کی رائے قابل اعتبار ہوگی یا تیرہ سو برس کے مستند علماء اور فقہاء مذاہب کی؟

(ثالثاً) اگر آپ نے یہی اصول رکھا کہ ہزار بارہ سو برس کے بعد آنے والے ایک نیم تعلیم یافتہ کی جو کچھ رائے ہو وہ پرانے کامل التعلیم اور معتبر علماء کی رائے اور روایات سے اونچی شمار کی جائے تو پھر تمام دین ہی کو سلام کرنا پڑے گا۔

اس دور فتن وغلبۂ ہوا وہوس وعجب وتکبر، خود پسندی وخود رائی میں نہ صرف ادھورے علم والے بلکہ بڑی بڑی سندوں والے بھی ایسے ملیں گے کہ اپنی خواہشات نفسانی کیلئے تمام متقدمین کے دفتروں کو اساطیر الاولین اور بکواس کہہ کر ٹھکرا دیں گے اور اپنے غلط سے غلط افکار کو سب سے اونچا بتلا کر لوگوں کو اس طرف بلائیں گے، گذشتہ معتمدین اہل تقوی اور اہل علم کی تحمیق اور تجہیل کریں گے اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفکر، سب سے زیادہ محقق بتائیں گے۔

ڈاڑھی کے متعلق مندرجہ ذیل امور پر غور فرمائیں

(۱) قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا "میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرا سر مت پکڑ" لا تاخذ بلحیتی ولا براسی، اگر حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی قبضہ (مشت) سے چھوٹی ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح پکڑ سکتے تھے؟ (سورہ طٰہٰ)

(۲) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کا خلال وضو کے وقت میں کیا کرتے تھے یعنی ڈاڑھی کے بالوں میں جڑوں کے نیچے سے انگلیاں ڈال کر پانی پہنچایا کرتے تھے۔

ترمذی جلد اول ص ۶ میں ہے:

عن حسان بن بلال قال رأیت عمار بن یاسر توضأ فخلل لحیته فقیل له او قال فقلت له اتخلل لحیتک قال وما یمنعنی ولقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یخلل لحیته، عن عثمان رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یخلل لحیته، قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن صحیح۔

ابن ماجہ ص ۲۵ میں ہے: عن ابن عمر رضی الله عنهما قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا توضأ عرک عارضیه بعض العرک ثم شبک لحیته باصابعه من تحتها (صححہ ابن السکن)

یہ روایتیں متعدد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی وغیرہ محدثین نے ذکر فرمائی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوران صحابہ کرام کی ڈاڑھیاں نہ خشخشی تھیں نہ چھوٹی تھیں بلکہ اتنے بڑے بڑے بال تھے کہ ان میں نیچے سے انگلیاں ڈال کر پانی پہنچایا جاتا تھا، جڑ کے نیچے انگلیاں ڈال کر پانی پہنچانا ایک مشت یا اس سے زائد ہی میں ہوگا۔

ابوداؤد میں ہے: اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکه فخلل به لحیته کیا چھوٹی ڈاڑھی یا خشخشی میں یہ ہوسکتا ہے؟ یا اس کی ضرورت پڑسکتی ہے؟

(۳) عن انس بن مالک رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکثر دهن راسه وتسریح لحیته جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر میں تیل کی مالش اور کنگھی سے ڈاڑھی کے بالوں کو سنوارنا بکثرت کرتے تھے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ خشخشی ڈاڑھی میں نہ کنگھی ہوتی ہے نہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ اس کو سنوارا جائے اور یہی حال چھوٹی ڈاڑھی کا ہے۔

(۴) کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسجد فدخل رجل ثائر الراس

واللحية فاشار اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده ان اخرج كانه يعنى اصلاح شعر راسه ولحيته ففعل الرجل ثم رجع فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اليس هذا خيرا من ان يأتى احدكم ثائر الرأس كانه شيطان (مؤطا امام مالک ص ۳۷۶، مشکوۃ ص ۳۳۸)

(ترجمہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے پس ایک شخص پراگندہ سر اور ڈاڑھی داخل ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکل جانے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سنوارے تو اس نے ویسا ہی کیا، لوٹ کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی پراگندہ بال اس طرح آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔

ظاہر ہے کہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں پراگندگی جب ہی ہوسکتی ہے جبکہ وہ دراز ہوں، منخسے یا چھوٹے بالوں میں نہ پراگندگی ہوتی ہے نہ ان کے سنوارنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ سنور سکتے ہیں۔

(۵) عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعنى الاستجاء، الحديث.

یعنی دس چیزیں فطرت میں سے ہیں مونچھوں کا کترانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا، الخ (ابن ماجہ ص ۲۵، مسلم ص ۱۲۹، ابوداؤد ص ۸)

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی روایت ہے دس چیزوں کو جن میں سے ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی ہے فطرت بتلایا، اور فطرت عرف شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی معمول بہ اور متفق علیہ ہیں اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

صاحب مجمع البحار (ص ۱۸۵) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: عشرة من الفطرة اى من السنة اى سنن الانبياء عليهم السلام التى امرنا بالاقتداء بهم فبهارك اى من

السنة القديمة التی اختارها الانبياء عليهم السلام و اتفقت عليها الشرائع فكانها امر جبلی فطروا عليه الخ ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم ص ۱۴۸ میں فرماتے ہیں: قالوا و معناه انها من سنن الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم .

اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ڈاڑھی بڑھانے کا تمام شریعتوں میں حکم تھا اور یہی سنت تمام انبیاء علیہم السلام کی رہی، اور چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی کم از کم ایک قبضہ تھی جیسا کہ ہم نمبر ۱ میں کہہ آئے ہیں تو یقیناً تمام انبیاء علیہم السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی بھی کم از کم ایک مشت ضرور تھی اور چونکہ ہم کو ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کرنے کا حکم کیا گیا ہے: اولئک الذين هدى الله فبهداهم اقتده اس لئے ہم کو بھی اس امر یک مشت میں ان کا اقتداء کرنا ہوگا۔

(۶) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی صلی الله عليه وسلم قال خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج و اعتمر قبض لحيته فما فضل اخذه (باب اعفاء اللحى عفوا كثروا وكثرت اموالهم) وبسنده عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انهكوا الشوارب واعفوا اللحى. (صحیح بخاری ص ۸۷۵، نسائی ص ۷، مسلم ص ۱۲۹، ابوداؤد ص ۲۳۱)

اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کے مطلقاً بڑھانے کا حکم دیا ہے جس میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی گئی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاتے ہی رہنا چاہئے اگر چہ وہ بڑھ کر پاؤں .... زمین تک پہنچ جائے، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والمختار تركها على حالها وان لا يتعرض لها بتقصير ولا غيره،

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں: ذهب قوم الى ظاهر الحديث فكرهوا تناول شئ من اللحية من طولها وعن عرضها (فتح الباری ص ۲۹۶ ج ۱۰)

مگر چونکہ اس طرح کا عمل بدنمائی پیدا کرتا ہے اور بسا اوقات صورت بگڑ جاتی ہے اور لوگوں کو استہزاء اور تذلیل کا موقع ملتا ہے اور یہ چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے کترا کرتے تھے اس لئے اس کی حد معلوم کرنی ضروری سمجھی گئی، چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے افعال واقوال کے مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے ان کے عمل کو اس بارہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترازو بنایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے فدائی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی میں نہایت زیادہ پیش پیش رہنے والے ہیں ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے:

وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذہ . حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرے سے فارغ ہوتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی سے پکڑ لیتے تھے جو حصہ زائد ہوتا تھا اس کو کتر دیتے تھے۔

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرض اور طول میں ڈاڑھی کا کترانا اسی مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا، علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقال قوم اذا زاد علی القبضة یؤخذ الزائد ثم ساق بسندہ الی ابن عمر انه فعل ذلک برجل ومن طریق ابی هریرة انه فعله (فتح الباری ج۱۰ص۲۹۶) یعنی ایک جماعت کہتی ہے ڈاڑھی جب ایک مشت سے زائد ہو جائے تو اس زائد کو کتر دیا جائے پھر (طبری) نے اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اسی عمل اور طریقہ کو فقہاء حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ نے کتب فقہ وغیرہ میں ذکر فرمایا ہے۔

(۷) عن جابر رضی اللہ عنه قال کنا نعفی السبال الا فی حج اوعمرة (ابوداؤد ص۲۲۰ ج۲)

یعنی ہم لوگ ڈاڑھی کے اگلے اور نکلنے والے حصہ کو بڑھا ہوا رکھتے تھے مگر حج اور عمرہ میں، یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہوکر کتر دیا کرتے تھے جس کی تفصیل حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجرؒ شرح بخاری ص ۲۹۹ ج ۱۰ میں فرماتے ہیں:

واخرج ابو دوٗد من حديث جابر بسند حسن قال كنا نعفى السبال الا فى حج او عمرة وقوله نعفى بضم اوله وتشديد الفاء اى نتركه وافرا وهذا يؤيد مانقل عن ابن عمر فان السبال بكسر المهملة وتخفيف الموحدة جمع سبلة بفتحتين وهى ما طال من شعر اللحية فاشار جابر الى انهم يقصرون منها فى النسک۔

یہ حدیث صاف طور سے بتلارہی ہے کہ عام صحابہ کرامؓ تمام سال میں ڈاڑھی کا اگلا اور لانبا حصہ کترواتے نہیں تھے ہاں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو ایک مشت سے زائد حصہ کو کترواتے تھے۔

(۸) عن يزيد الفارسى وكان يكتب المصاحف قال رأيت النبى صلى الله عليه وسلم فى المنام زمن ابن عباس فقلت لابن عباس انى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى النوم فقال ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول ان الشيطان لايستطيع ان يتشبه بى فمن رانى فى النوم فقد رانى هل تستطيع ان تنعت هذا الرجل الذى رأيته فى النوم قال نعم انعت لک رجلا بين الرجلين جسمه ولحمه اسمر الى البياض اكحل العينين حسن الضحک جميل دوائر الوجه قد ملأت لحيته ما بين هذه الى هذه قد ملأت نحره قال عوف ولا ادرى ماكان مع هذا النعت فقال ابن عباس لو رأيته فى اليقظة ما استطعت ان تنعته فوق هذا (ترمذی فی الشمائل ص ۳۰)

یعنی یزید فارسی جو کہ مصاحف کو لکھا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو میں نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان میری صورت نہیں

بنا سکتا اس لئے جس شخص نے بھی مجھے خواب میں دیکھا ہے اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے، کیا تم اس شخص کا جس کو خواب میں دیکھا ہے حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، وہ متوسط بدن اور قامت کا تھا گندم گوں، سفید مائل، سرگیں آنکھوں والا، اچھا ہنسنے والا، چہرہ کے خوبصورت دائروں والا، اس کی ڈاڑھی نے یہاں سے یہاں تک (دائیں سے بائیں تک) کے حصہ کو بھر دیا ہے اور سینہ کو بھر دیا ہوا ہے (پہلے کلام میں ڈاڑھی کی چوڑائی اور دوسرے میں لمبائی بتلائی) روای عوف نے کہا کہ اس کے علاوہ جو چیزیں حلیہ کے ذکر کی تھیں ان کو میں اس وقت نہیں جانتا یعنی بھول گیا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاگتے ہوئے دیکھتے تو اس سے زیادہ بیان نہ کر سکتے۔

یہ روایت صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی لانبی اور چوڑی اتنی تھی کہ سینہ مبارک کی لمبائی اور چوڑائی کو اس نے ڈھانک رکھا تھا۔

(الف) ان روایات معتبرہ پر غور فرمایئے، آیا ان سے وہ بات ظاہر ہوتی ہے جس کو آپ نے ترجمان سے نقل فرمایا؟ یا اس کے برعکس سابقین انبیاء علیہم السلام سبھوں کا عمل کم از کم ایک مشت بلکہ اس سے زائد ڈاڑھی رکھنے کا ظاہر ہوتا ہے۔

(ب) نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کم از کم ایک مشت بلکہ اس سے زائد اتنی ثابت ہوتی ہے جس میں تخلیل فرماتے تھے، کنگھی سے درست فرمایا کرتے تھے، وہ اتنی بڑی اور گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کے اوپر کے حصہ کے طول وعرض کو بھر لیا تھا۔

(ج) حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے صراحۃً یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھتے اور رکھواتے تھے۔

(د) تمام دوسرے صحابہ کا یہی عمل ہونا التزاماً ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ڈاڑھی لمبی رکھتے تھے بجز حج اور عمرہ کے کترواتے نہیں تھے۔

(ہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام اور امت کو ڈاڑھی بڑھانے کا

بلاتحدید وتقلید ارشاد اور حکم فرمایا ہے۔

(و) اس عمل کو بلاتحدید مسلمانوں کیلئے مابہ الامتیاز قرار دیا ہے جو کہ ان کا مخصوص شعار اور یونیفارم ہوگا، نہ منڈوانا جائز ہوگا، نہ خشخشی رکھنا، نہ چھوٹی رکھنا۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مودودی صاحب کا یہ فرمانا (جو کہ آپ ذکر فرماتے ہیں) بالکل غلط ہے، ناواقفیت کی وجہ سے یا نفسانی خواہشات سے ایسا واقع ہوا ہے۔ فقہاء حنفیہ، شافعیہ وغیرہ کی تصریحات پر آپ کو عمل کرنا چاہئے، مودودی صاحب کی تصانیف اس قسم کی غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں ان کے مطالعہ سے بچنا چاہئے۔

مودودی صاحب علوم دینیہ کے فاضل نہیں ہیں، آپ کا یہ فرمانا جب مودودی جیسے فاضل نے یہ کہا کہ ''چھوٹا اور بڑا ہونا برابر ہے تو منڈوانا بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ علماء کا اپنی طرف سے اضافہ ہے ملک کے رواج کے مطابق رکھ بھی سکتا ہے اور منڈوا بھی سکتا ہے'' خود ان کی تصریح کے خلاف ہے، وہ کسی مشہور درسگاہ کے سند یافتہ نہیں ہیں، نہ کسی ایسی درسگاہ میں انہوں نے پڑھا ہے، نہ کسی مشہور دینی فاضل کے یہاں علوم دینیہ کی تحصیل کی ہے، ان امور کا خود ان کو اور ان کے متبعین کو اقرار ہے، ان کا مبلغ علم صرف مطالعہ ہے اس پر آپ کا ارشاد کہ:

''منڈوانا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا علماء نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے''

انتہائی ظلم اور علماء سے بہت شنیع بدظنی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: خالفوا المشرکین قصوا الشوارب ووفروا اللحی سے صریح بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

مودودیوں کا اتباع کتاب وسنت کا ڈھول پیٹنا اور اس طرح سنت رسول اللہ علیہ السلام اور عمل صحابہ کی مخالفت کرنا انتہائی تعجب خیز ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔ ۱۵/محرم ۱۳۷۱ھ

(مکتوبات ص ۱۷۰ ج ۴)

ڈاڑھی کا فلسفہ اور اس کے رکھنے کا حکم

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ میں ڈاڑھی کے فلسفہ پر حضرت مدنیؒ کا محققانہ تبصرہ

ڈاڑھی اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے، بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے، لیکن افسوس کہ سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے۔

حال ہی میں میرٹھ کالج کے ایک گریجوایٹ کا ایک خط حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں آیا تھا، جس میں موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسلامی تمدن ومعاشرت کی پابندی خصوص ڈاڑھی رکھنے کی مشکلات کے اظہار کے ساتھ ڈاڑھی کے دینی ودنیوی مصالح اور حکم بھی دریافت کئے تھے۔ حضرت مولانا نے باوجود عدیم الفرصتی ونقاہت کے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا وہ ڈاڑھی کے فلسفہ پر ایک محققانہ تبصرہ ہے جس کو ہم ناظرین کے استفادہ کیلئے شائع کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ (از امداد الفتاویٰ ص۲۳۲ ج۴)

مکتوب آمدہ از میرٹھ

جناب مولانا صاحب سلامت، آداب کے بعد عرض ہے کہ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں امید ہے کہ آپ اپنے کثیر مشاغل کے باوجود مجھ پر کرم فرما کر جواب سے نوازیں گے؟

میں میرٹھ کالج میں پڑھتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ شریعت حقہ کی پابندی کروں، اسی شرعی پابندی میں سے ڈاڑھی ہے جوالحمدللہ کہ میں ابھی تک رکھے ہوئے ہوں، مگر مولانا صاحب ڈاڑھی رکھنا گویا کہ سب احباء کا مذاق اور طعنہ ہائے دل خراش مول لینا ہے، احباء کہتے ہیں کہ:
(۱) ڈاڑھی سے آدمی برا اور جنگلی معلوم ہوتا ہے (۲) گو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھی تھی مگر چونکہ اس وقت عرب میں رواج تھا اس لئے رکھی تھی مگر اب رواج نہیں اس لئے کوئی ضروری نہیں (۳) آج کل مقابلہ کے امتحانات میں ڈاڑھی کی وجہ سے ناکامیابی ہوتی ہے، اس لئے کہ ممتحن یہ سمجھتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہے یا یہ کہ یہ اولڈ فیشن کا آدمی ہے۔

بہرحال یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان معترضین سے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی کافی نہیں ہوتا، اس لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آپ دین ودنیا کے ماہر ہیں، آپ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی حکمتیں بتلائیں، تاکہ میں اوروں کو بھی بتلاسکوں، واقعہ یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں مسنون ہے، مگر اب ضروری نہیں، اس لئے بھی آپ کے فتویٰ کا منتظر ہوں اور اسی پر عمل کروں گا۔ فقط

جواب از حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، میں نہایت ہی عدیم الفرصت ہوں، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ بعض بیماریوں میں مبتلا ہوگیا، آج کچھ طبیعت سنبھلی ہوئی ہے، تو مختصر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔

یونیفارم کی سیاسی حیثیت

ہر نظام سلطنت میں مختلف شعبوں کیلئے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، برّی فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاک خانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، پھر اس پر مزید

تاکید اور سختی یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خاص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندماء اور وزراء مقربین کا اور، یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے، اور جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی دوسرے شعبے کا یونیفارم پہن کر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو وہ بھی اسی طرح سے زیادہ مجرم قرار دیا جاتا ہے جس طرح بغیر یونیفارم کے آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور جس طرح یہ امر ایک نظام سلطنت اور حکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

اگر آپ تفحص کریں گے تو انگلینڈ، فرانس، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ میں پائیں گے کہ وہ اپنے اپنے نشانات، جھنڈے، یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں، واقف کار شخص ہر ایک سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا، اور اسی سے میادین جنگ اور ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے، ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں، کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے، کوئی توہین کر دیجئے، کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے، یہ یونیفارم صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ میں یا جسم میں گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں کان میں یا ناک میں چھید کر کے حلقہ ڈالا جاتا ہے، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے۔

الغرض یہ طریقۂ امتیاز شعبہ ہائے مختلفہ اور اقوام وحکومت اور ملل کا ہمیشہ سے، اور تمام اقوام میں، اطراف عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ اور کوئی قوم اور کوئی حکومت دوسرے سے ممیز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی پولیس مین ہے، یا ڈاکیہ، یا ریلوے کا ملازم، یا بحری جہازوں کا افسر ہے، یا ماتحت جرنیل ہے، یا منیجر؟ اسی طرح ہم کس طرح

جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکی ہے یا آسٹریلین؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے۔

ترک شعار کے نتائج

جو قوم اور ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہوگئی، حتی کہ اس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، سنتھین آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتاری آئے، ترک آئے، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں آج ان میں سے کیا کوئی ملت یا قوم باقی ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتلائی جاسکتی ہے؟ سب کے سب ہندو قوم میں جذب ہو گئے۔

وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں۔ نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کرلیا، دھوتی، چوٹی، ساڑھی، رسم ورواج وغیرہ میں انہی کے تابع ہوگئے، اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلاف عقائد کے سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے، اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو باقی نہیں۔

ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم کو قائم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا، معیشت اور زبان بدلوادی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجود ممتاز ملت ہیں، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے، انگریز سولھویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گذر گئے، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے، مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ، پتلون، ہیٹ، کالر، نکٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ والا ملک اپنے میں ہضم نہ کرسکا، اس کی قوم اور ملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے کہ جب سے آئے ہیں، اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی

طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنے والی قومیں ہضم ہو کر اپنا نام ونشان مٹا گئیں، آج بجز تاریخی صفحات کے ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں نے نہ صرف یہ کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو اپنا یونیفارم پہنانا چاہا، چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کہ پاجامہ، کرتہ، عبا، قبا، عمامہ، دستار محفوظ رکھا، بلکہ اسماء رجال ونساء، تہذیب وکلچر، رسم ورواج، زبان و عمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا، اس لئے ان کی ہستی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات رہیں گی رہیں گے، اور جب چھوڑیں گے مٹ جائیں گے۔

ترقی اقوام وملل کا راز

ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اس کا کلچر، اس کا مذہب، اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک واقوام میں پھیل جائے، آریہ کی تاریخ پڑھو، فارسیوں کے کارنامے دیکھو، کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو، عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں، زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی، عراق، سیریہ، فلسطین، مصر، سوڈان، الجیریا، تیونس، مراکش، فارس، صحرائے لیبیا، سینگال، حرت وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم ورواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کی غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم، اسی کلچر، اسی تہذیب، اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں، اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عربی خاندان، ترکی برادریں، بڑی بڑی ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کی سب منہضم ہو گئی ہیں، اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا کچھ علم بھی ہے تو وہ بھی خواب وخیال ہے، سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں، انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے کنیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزی لینڈ، کیپ ٹاؤن،

ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب، اپنا مذہب، اپنالباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے جولوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن میں منجذب ہو جاتے ہیں، اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے، ہندوقوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی کوشش کر رہی ہے، اس کا لیکچرار کھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو نا قابل فہم بنا دیتا ہے، خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو تقریباً اسی نوے فیصدی الفاظ سنسکرت اور بھاشا کے بولتا ہے، مگر بات یہ ہے کہ اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے، بڑے بڑے گروکل اور ودیا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کیلئے جاری کئے جارہے ہیں، حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا بولنے والا موجود نہیں اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی، وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ تمام ہندوستان میں اسی کے قدیمی رسم خط کو جاری کیا جائے، حالانکہ وہ ناقص رسم خط ہے، وہ اپنی انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے، ایم ایل سی، ایم ایل اے، اسمبلی کا پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج، ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر، سر کھول کر قمیص پہن کر برسر اجلاس آتا ہے، حالانکہ دھوتی میں پاجامہ سے بدرجہا زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے، پردہ بھی پورا نہیں ہوتا، سردی اور گرمی سے بھی پوری حفاظت نہیں ہوتی، باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جنیولگانا ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے؟

گرونانک اور اس کے اتباع نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں، تو بال کا نہ منڈانا، ڈاڑھی کا نہ کتروانا یا نہ منڈوانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا، آج اسی شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکالیف

سہتی ہے مگر بالوں کا کتروانا یا منڈوانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے دنیا سے اس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔

ڈاڑھی اسلام کا شعار ہے

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور باقی بھی جب رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لئے خصوصیات، وضع قطع میں، تہذیب کلچر میں، بودوباش میں، زبان اور عمل میں اختیار کرلے، اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق واعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیاویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کیلئے جان لڑادے، اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز اور علیحدہ ہوجائیں، اور ان کی بناپر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے، چنانچہ یہی راز من تشبہ بقوم فھو منھم کا ہے، بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آجاتا ہے، اسی بناپر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کیلئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمائے، کہیں فرمایا جاتا ہے، ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس (او کماقال) اسی بناپر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی ہے، اسی بناپر ازار اور پاجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہوجائے، اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز اور علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے اور ان امور کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں سے علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی، انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج

کرنا بھی ہے، اور انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا بھی ہے۔
صحیح بخاری اور مسلم میں ہے: خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب، مسلم، جزوا الشوارب وارخوا اللحى وخالفوا المجوس، بخاری، ص ۸۷۵، من لم يأخذ من شاربه فليس منا (ترمذی، نسائی)

ان روایات کی مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس ڈاڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے، اور یہ ایران کے مخصوص یونیفارم میں داخل تھا بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کا جو کہ ان کی یونیفارم کے خلاف ہو حکم کیا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا ڈاڑھی بڑھانے کے متعلق یہ کہنا کہ ''یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے اس رواج کی وجہ سے ہے جو کہ اس میں جاری تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے'' غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا۔

جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے تا کہ تمیز کامل ہو، اسی طرح حدیث: عشرة من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الخ (ابوداؤد ص ۸ وغیرہ) بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں (انبیاء اور مرسلین علیہم السلام) کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا ہے، کیونکہ فطرت انہی امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے لفظ فطرۃ کے من سنن المرسلین یا اس کا ہم معنی موجود ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ یہ خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے، اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے ہیں (جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں) اس لئے دو وجہ سے اس

یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت، سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب وآقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہی رہا ہے اور یہی ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے، آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے، اس بنا پر بھی جوان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں، ہم کو ان سے انتہائی متنفر ہونا چاہئے، خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈسٹون فیشن ہو، خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن، خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے، خواہ وہ زبان سے متعلق ہو یا تہذیب وعادات سے، ہر جگہ ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں۔ اس لئے ہماری جدوجہد یہ ہونی چاہئے کہ ہم غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرزن وہارڈنگ وفرانس وامریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا ایک آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے، سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا، باجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے عزار ہے ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد وخاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے اور برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے، یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔ (النور، ذی الحجہ، ۵٦ھ، ص ۷)

(ماخوذ از امداد الفتاویٰ ص ۲۳۲، ج ۴)

اختلاف ائمہ اربعہ اور اتباع سلف

محترما! ہم سب اور ہمارے اسلاف کرام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں، اساتذہ کرام کے ہم خوشہ چین ہیں، ان کے احسان اور علوم سے استفادہ کرنے والے اور شکرگذار ضرور ہیں، مگر تقلید صرف امام ابوحنیفہؒ کی کرتے ہیں اور اسی کو علمی روشنی میں ضروری اور باعث نظام امت سمجھتے ہیں، ہم دوسرے ائمہ مذاہب کو بھی حق پر سمجھتے ہیں، ہم مُصَوِّبہ کی رائے پر جو کہ اقرب الی الصواب ہے فروع میں تمام مجتہدین کو صائب اور منصفین کی رائے پر دائر بین الحق سمجھتے ہیں۔ بہرحال ہمارے اکابر فقط امام صاحبؒ کی فقہ کے مقلد ہیں، دوسروں کے اقوال کو مرجوح سمجھتے ہیں باطل نہیں کہتے اور نہ اس پر عمل درآمد کرتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز کو جو اس سلسلہ کے بہت بڑے امام اور حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے استاذ الاستاذ اور جد بزرگوار ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مُقابلہ مطاع قرار نہیں دیتے، حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں شاہ صاحبؒ نے بہت سے مسائل میں خلاف فرمایا ہے، ہم ان پر نہ فتویٰ دیتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں، اور بحمد اللہ ہمارے پاس ان مسائل فرعیہ کے جوابات بھی مکمل طور پر موجود ہیں، اور اسی طرح پر محقق العصر علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ دوسرے اکابر کے تفردات بھی ہم معمول بہا نہیں قرار دیتے اور یہی مسلک ہم نے اسلاف کرام سے ارجح پایا ہے۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو کہ سید الطائفہ اور حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے روحانی اور نسبی بڑے ہیں ان کے اقوال اور فتاویٰ کے ساتھ ہمارا یہ طرز ہے تو حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے وہ اقوال جو کہ خلاف فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے؟ اس لئے ایضاح الحق الصریح میں اگر کوئی مسئلہ خلاف فقہ حنفی مذکور ہو تو وہ بھی ہمارے اساتذہ کے نزدیک غیر معمول بہا ہی ہوگا، نہ اس پر فتویٰ دیا جائے گا اور نہ اس پر عمل کیا جائے گا۔

پس کتاب مذکور اگر حسب رائے آنجناب حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی نہ ہو

جیسا کہ غیر مقلدوں کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین صاحب مرحوم سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا تھا تو کچھ تعجب نہیں ہے، اور اگر ان کی ہی ہو تو یقیناً ہمارے اسلاف کرام کے یہاں ان مسائل میں جو کہ فقہ حنفی کے خلاف ہیں غیر معمول بہ ہوگی، اس سے شاہ صاحب شہید مرحوم کے احترام میں کوئی خلل نہیں پڑتا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان اقوال کے نہ ماننے سے جو کہ حجۃ اللہ البالغہ کی جلد ثانی میں خلاف حنفیہ مذکور ہیں فرق ان کے احترام میں نہیں پڑتا ہے۔

چونکہ عدیم الفرصت بہت زیادہ ہوں اس لئے ایضاح الحق الصریح کے ایسے مسائل بالاستیعاب نہ دیکھ سکا، اگر ممکن ہو تو ان کا حوالہ صفحہ وار دے کر مطلع فرمائیں تو شکر گزار رہوں گا اور بوقت فرصت ان پر غور کروں گا۔ ۲۲ر ربیع الاول ۱۳۷۳ھ (مکتوبات ص۵۸ ج۳)

عقیدہ ختم نبوت اور حضرت نانوتویؒ

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف جو مضمون انکار ختم نبوت زمانی کا نسبت کیا گیا ہے بالکل جھوٹ اور افتراء ہے، حضرت مولانا مرحوم تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین قسم کی خاتمیت ثابت کرتے ہیں، خاتمیت ذاتی (مرتبی) خاتمیت مکانی، اور خاتمیت زمانی کو قطعی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے، دائرۂ اسلام سے خارج ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت تمام انبیاء سے آخر میں واقع ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، جو شخص اس کو نہ مانے اور انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم ص ۸ سے خاتمیت زمانی کے عقلی دلائل شروع فرما کر ص ۱۰ میں بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں، تحذیر الناس ص ۱۰ میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

سو اگر اطلاق اور عموم ہے (یعنی لفظ خاتم النبیین مذکورہ آیت میں) تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے، ادھر

تصریحات نبوی مثل :انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی او کما قال، جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس باب میں کافی ، کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر عدد رکعات فرائض ووتر وغیرہ باوجود یکہ الفاظ حدیث مشعرہ تعداد رکعات متواتر نہیں ،جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔(تحذیر الناس ص۱۰ مطبوعہ قاسمی پریس)

صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں : ہر حادث زمانی کیلئے ایک عمر ہے کہ جس کی وجہ سے محققان صوفیہ کرام ہر حادث میں قائل تجدد امثال ہوئے ، کیونکہ زمانہ ایک خرکت ہے ، چنانچہ اس کا متجدد غیر قار الذات ہونا بھی اس کا مؤید ہے، اس صورت میں مسافات متعددہ ہیں اور حرکات متعددہ منجملہ حرکات سلسلۂ نبوت بھی تھی ، سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی ، البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔(تحذیر الناس ص ۲۱ مطبوعہ قاسمی پریس)

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ جب حرکت سلسلۂ نبوت ختم ہوکر مبدل بہ سکون ہوگئی ،تو پھر کوئی نبی کیونکر آ سکتا ہے؟ حضرت مولانا کی تحریرات میں متعدد مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا زور شور سے اقرار کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان کا سختی سے انکار موجود ہے، دیکھو مناظرہ عجیبہ اور ہدیۃ الشیعہ وغیرہ۔

رسالہ تحذیر الناس میں عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام انبیاء سے اونچا اور آخری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر کسی نبی کا مرتبہ نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سب سے آخر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور وہ زمین جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ۔ ۲؍ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ (مکتوبات ج ۲ ص ۳۵۰)

ایمان فرعون کی تحقیق

سوال: فرعون کے ایمان کے بارہ میں حضرت اقدس کی کیا رائے ہے؟ صاحبِ فصوص الحکم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا خاتمہ ایمان کے ساتھ ہوا ہے۔

نیز حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ بھی اپنی شرح فصوص الحکم میں اسی کے قائل ہیں۔

جواب: ایمان فرعون کے بارے جو کچھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے کے خلاف ہے، استدلال کی سخافت سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحدہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے، بہر حال جو کچھ بھی ہو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقالہ پر رد کیلئے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کو عرصہ ہوتا ہے میں نے مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں۔

استدلال میں اولاً امرأۃ فرعون کا قول پیش کیا گیا ہے، مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے، جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا اس وقت تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں، پھر ان کا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ان کا کشف والہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے اس کی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے۔

نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ القیت علیک محبۃ منی (اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا۔ اس لئے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ العین تھے، اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی

ہوں، علی ہذا القیاس اس کو آیۃ قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں، ہر وہ شی جس سے جناب باری عز اسمہ کی صفات وافعال وذات پر کسی وجہ سے استدلال ہوسکتا ہو وہ آیۃ ہوسکتی ہے، اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے چہ جائیکہ اسلام مشروط ہو۔

قواعد کلیہ شرعیہ جوکہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں

فلما رأوا باسنا قالوا امنا بالله وحده وكفرنا بما كنا به مشركين فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا باسنا سنة الله التي قدخلت في عباده وخسر هنالك الكافرون (پ۲۴ ع۱۴)

پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے، پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب، رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے کہ عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: فلما احسوا باسنا اذا هم منها يركضون لا تركضوا وارجعوا الى ما اترفتم فيه ومساكنكم لعلكم تسئلون. قالوا ياويلنا انا كنا ظالمين فما زالت تلك دعواهم حتى جعلنا هم حصيداً خامدين (انبیاء پ۱۷ ع۲) پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے، مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے، کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار، پھر برابر یہی رہی ان کی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیئے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: فلولا كانت قرية امنت فنفعها ايمانها الا قوم يونس لما امنوا كشفنا عنهم عذاب الخزى فى الحيوٰة الدنيا ومتعناهم الى حين (پ۱۱ ع۱۵ یونس) سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا اس کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا،اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس علیہ السلام کومستثنٰی قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقۃً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی ،اور پھر حضرت یونس علیہ السلام پراس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کئے گئے۔

اسی قاعدہ کلیہ کوسورۃ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ مشرح فرمایا گیا ہے:

ولیست التوبة للذ ین یعملو ن السیئات حتی اذا حضر احد ھم الموت قال انی تبت الأن ولا الذ ین یموتون وھم کفار اولئک اعتد نا لھم عذاباً الیماً (پ۴ ع۱۴)

اورایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجاوے ان میں سے کسی کی موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں،اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں،ان کیلئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک۔

جس نے صاف طور پرظاہر کردیا کہ موت حاضر ہوجانے کے وقت میں (جبکہ علامات موت ظاہر ہوجائیں اورانسان کو عالم الغیب کی اشیاء دکھائی دینے لگیں) توبہ مقبول نہیں ہے،نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے۔

نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کردیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایماندار عنداللہ اور عندالشرع نہیں ہوا، اوراس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی ، ادراک غرق کا مرتبہ تو رؤیت عذاب الٰہی اور رؤیت یاس خداوندی سے بعد کا ہے،جبکہ رؤیت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہوجاتا ہے تو ادراک عذاب سے بدرجہ اولٰی ممنوع ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اورفرعونیوں کیلئے بددعا میں ارشادفرمانا: **فلا یؤ منوا حتی یروا العذاب الالیم** خوداس کیلئے شاہد عدل ہے،اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بددعا کے کوئی معنی نہیں تھے،حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اورفرمایا گیا: **قد اجیبت دعوتکما**۔اوراس بددعا کا بھی اثر تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا۔

بہرحال ان آیات سے جو حکم اور قاعدہ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور فصوص الحکم میں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا، غور فرمایئے۔

فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں

سورۃ ہود (علیہ السلام) رکوع ۹ میں فرمایا جاتا ہے: **ولقد ارسلنا موسیٰ باٰیاتنا وسلطان مبین الیٰ فرعون وملا ئه فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشید یقدم قومه یوم القیامة فاوردهم النار وبئس الورد المورود واتبعوا فی هذه لعنة ویوم القیامة بئس الرفد المرفود** ۔ اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی، آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے، اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور دن قیامت کے بھی، برا انعام ہے جو ان کو ملا۔

آیات مذکورہ بالا میں **یقدم قومه** الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عند اللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب سے آگے آگے کیوں ہوتا؟ اور دنیا وآخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی؟ بالخصوص صاحب فصوص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر **فقبضه طاهراً ومطهراً لیس فیه شئ من الحیف لانه قبضه عند ایمانه قبل ان یکتسب شیئا من الآثام والاسلام یجب ماقبله** (فرعون دنیا سے طاہر اور مطہر مرا، اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا، کیونکہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہوگئی، اور اسلام ماقبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

(نوٹ) یہ تاویل کرنا کہ ''ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں فرعون اس میں داخل نہیں ہے'' خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یقدم اور قومه کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لئے آئندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہونگی۔

نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو داخل فی النار کرادے گا مگر خود داخل نہیں ہوگا بالکل غلط ہے،
اگر اس کا امر بالمعصیۃ معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد یجب ما قبلہ گزشتہ
کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یقدم قومه الخ کیوں دی گئی؟ اور وہ اگوا کار کیوں بنایا گیا؟ اور جبکہ وہ
طاہر اور مطہر لیس فیه شئ من الحیف ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے؟ ایسے لوگوں کیلئے تو
ارشاد کیا گیا ہے: لایسمعون حسیسها، نیز دوزخ کی گرمی اور تغیظ، زفیر وشهیق وغیرہ
مسیرة سبعین سنة تک پہنچتی ہے، کیا اس ایراد قوم میں وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا؟

سورۃ قصص رکوع ۴ پ ۲۰ میں ہے: واستکبرهو وجنوده فی الاض بغیر الحق وظنوا انهم الینا لایرجعون فاخذناه وجنوده فنبذنٰهم فی الیم فانظر کیف کان عاقبة الظالمین وجعلنا هم ائمة یدعون الی النار ویوم القیامة لاینصرون واتبعناهم فی هذه الدنیا لعنة ویوم القیامة هم من المقبوحین. اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق، اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے، پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں، سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی، اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار، اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے۔

ان آیات میں غور فرمائیے، استکبار کی معصیت میں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے، اور مابعد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عائد کی جارہی ہیں، نیز ائمة یدعون الی النار کا حقیقی مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملاء کے لوگ تو ثانیاً وبالعرض ہوں گے، اور ان سب کو قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مترتب ہوسکتی ہیں؟

آیت: **فوقاه الله سیئات ما مکروا وحاق بال فرعون سوء العذاب، النار یعرضون علیها غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب** (مومن پ ۲۴)

(پھر بچالیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے تھے، اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب، وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام، اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں) میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کہ ''آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے'' قرآن کے محاروہ کے خلاف ہے، فرمایا جاتا ہے: اعملوا آل داؤد شکرا الآیۃ اس میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں، اسی طرح آیت: ولقد اخذنا ال فرعون بالسنین الآیۃ (سورۃ اعراف) میں فرعون بھی بالاتفاق اس مؤاخذہ میں داخل ہے۔

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں، اس لئے یہ قول یا تو درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحدہ نے چھپا کر کے داخل کر دیا ہے، جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے، وہ بڑے ہیں مگر معصوم نہیں ہیں، اس لئے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اس کے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کی نگران کار نہ بن جائے (مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ) یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بناء پر ہوسکتا ہے جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے، مگر جو ہستی کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون کے مصادیق کی امام اور عند ذی العرش مکین مطاع اور امین ہو بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل اور عمل کرسکتی ہے؟

لہٰذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں، قدرت خداوندی میں کلام نہیں؟ واقعات سے بحث ہے واللہ اعلم۔ رحمت الٰہی کی وسعت جو نصوص سے معلوم ہوتی ہے اسی پر منحصر نہیں ہے۔ (مکتوبات ص ۲۱۳ ج ۱)

مسواک کس لکڑی کی بہتر ہے

وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ یا کھٹا پن ہو وہ مفید تر ہوتی ہیں، اس لئے ان کا استعمال انسب ہے، پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں۔ (مکتوبات ص ٦٧ ج ١)

ننگے سر قضاء حاجت کا حکم

پیشاب پاخانہ اور کھانے پینے کے وقت میں سر کھلا رہنا درست تو ہے مگر پیشاب پاخانہ ننگے سر مکروہ ہے۔ (مکتوبات ج ۴ ص ٨٧)

قبولیت نماز اور صحت نماز میں فرق

قبولیت نماز اور چیز ہے اور صحت نماز اور چیز ہے، صحت نماز موقوف ہے نماز کے شرائط، فرائض اور واجبات کے ادا کرنے پر، موانع صحت مثل نجاست ظاہری حدث وغیرہ کے دور کر دینے پر، اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی اور شریعت کا مطالبہ ادائے فریضہ کا ساقط ہو جائے گا۔

اور قبولیت نماز خداوند کریم کے فضل وکرم پر موقوف ہے، ممکن ہے نماز بالکل صحیح اور مکمل ادا کی جائے اور اس بے نیاز مالک الملک کی بارگاہ عالی میں قبولیت کا شرف نہ حاصل ہو، اور ممکن ہے کہ وہ اکرم الاکرمین کسی ناقص سے ناقص نماز کو اپنی بارگاہ میں ہزاروں اور کروڑوں مکمل نمازوں سے بڑھا دے۔

مگر حسب حکمت ورحمت عادت خداوندی یہی ہے کہ اگر بندہ نے اپنی سکت بھر تمام شروط وارکان وغیرہ کی رعایت کی ہو اور جان بوجھ کر کوئی خلل نہ ڈالا ہو تو اس کو ضرور قبول فرماتا ہے: ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون اللہ تعالیٰ ذرا بھی آدمیوں پر ظلم نہیں روا رکھتا لیکن آدمی خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (مکتوبات ص ١۵ ج ۴)

صحت نماز کیلئے حضور قلب کا ہونا شرط ہے

صحت نماز کیلئے حضور قلب کا ادنیٰ درجہ شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ کم از کم کسی رکن میں خیال ہو کہ میں نماز ادا کر رہا ہوں اور اپنے آقا، مالک الملک، احکم الحاکمین کی اطاعت بجالا رہا ہوں، اس سے زیادہ حضور قلب کمال نماز اور اس کے احسان اور اچھے کرنے کی شرط ہے، نماز میں خطرات اور وساوس اور احادیث نفس کا آنا مفسد نہیں ہے، البتہ اس میں نقصان پیدا کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ اختیار اور ارادہ سے ہوں ایسے احادیث نفس اور خیالات زیادہ نقصان پیدا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایسی نمازیں جو کہ شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہوئیں ان کا اعادہ واجب نہیں ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ خیالات نہ آئیں، اور جب آئیں تو ان کو دفع کر دینا چاہئے اور تصور کرنا چاہئے کہ میں اس شہنشاہ کے سامنے حاضر ہوں جو کہ دلوں کو دیکھ رہا ہے، اور میرے قلب کی باتوں پر مطلع ہے، وہ میری باتوں کو سنتا ہے اور میری حرکات وسکنات کو دیکھتا ہے، اس دھیان کو بڑھانا چاہئے، آہستہ آہستہ ان شاء اللہ خطرات وخیالات کم ہوتے جائیں گے۔

نیز سورۃ ناس کو شام یا صبح کو معنی کے خیال کے ساتھ ایک تسبیح روزانہ پڑھ لیا کریں۔

(مکتوبات ص ۱۸ ج ۴)

بلوغ سے نماز واجب ہوتی ہے

لڑکی اور لڑکے پر نماز بلوغ سے واجب ہوتی ہے، بلوغ کی پہچان احتلام ہونا ہے یا بیوی کو حاملہ کر دینا، اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ معلوم ہوں تو پندرہ برس کی عمر کا اعتبار ہوگا۔ اور عورت میں بلوغ کی علامت حیض کا آنا یا احتلام کا ہونا یا حاملہ ہو جانا ہے، اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پندرہ برس پورے ہو جانے کافی ہوں گے، اسی وقت سے تمام احکام شرعیہ لڑکی اور لڑکے پر واجب ہو جاتے ہیں (مکتوبات ص ۲۲ ج ۴)

مثل اول کے بعد نماز ظہر کا حکم

احتیاطاً پہلی مثل میں نماز ظہر ادا کرنا چاہئے ،اور جو نمازیں دوسری مثل میں ادا ہوئی ہیں ان کی قضا کرنے کی ضرورت نہیں (مکتوبات ص۲۲۰ ج۴)

حالت جنابت میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے حالت جنابت (ناپاکی) میں پڑھی گئی ہیں وہ سب واجب الاعادہ ہیں، ناواقفیت مسلمان کیلئے اس ملک اور اس زمانہ میں عذر نہیں ہے۔

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں پڑھائی گئی ہیں وہ سب بھی واجب الاعادہ ہیں، مقتدیوں کی نمازوں کا بار بھی امام ہی پر ہے، اور اگر وہ معلوم نہیں ہیں تو امام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق دل سے توبہ کرنی چاہئے، ان مقتدیوں کا ذمہ بری ہے، امام کو اپنے اور ان سب مقتدیوں کیلئے دعا کرنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اور رونا چاہئے، بجز توبہ واستغفار اور کوئی صورت نہیں۔ (مکتوبات ص۱۶ ج۴)

معذور کیلئے نماز کا حکم

(۱) جب تک نماز کے پورے وقت میں اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو اور فرض کو بلا عذر نہ ادا کر سکیں جب تک انسان معذور شرعی شمار نہیں ہوسکتا، اس لئے بار بار ہی وضو کرنا ہوگا، البتہ ریاح کو صرف اسی وقت ناقض وضو شمار کیا جائے گا جبکہ ظن غالب ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی۔

(۲) اگر جماعت نقض وضو کی وجہ سے چھوٹ جائے تو حرج نہیں اس کیلئے معذوری ظاہر ہے، اگرچہ شرعی معذوریت طہارت کے بارے میں نہیں ہوتی ہے۔

(۳) چارزانوں بیٹھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بالخصوص ایسی معذوریت کی حالت میں جو کہ آپ کو ہے۔ (مکتوبات ج۳)

عورت کیلئے نماز میں اقتداء کا حکم

اقتداء ہر عورت خواہ اجنبی ہو یا رشتہ دار، ذی رحم محرم ہو یا جائز النکاح، کرسکتی ہے اور نماز ہر دو کی صحیح ہوگی، ہاں اس کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا ہوگا، یعنی اگر ایک ہی مقتدی ہے تو مردوں کی طرح امام کے داہنے نہیں کھڑی ہوسکتی اگرچہ اپنی ماں ہی ہو (مکتوبات ص ۸۵ ج ۴)

متعدد قضاء نمازیں پڑھنے کا طریقہ

ایام بلوغ کے بعد سے جو نمازیں قضاء ہوئی ہیں، اور جو نمازیں فاسد پڑھی گئی ہیں ان کا اندازہ کیجئے اور زائد سے زائد مقدار اعتبار کر کے ان کو پڑھئے، مثلاً آپ کا اندازہ ہے کہ ایسی نمازیں کم از کم دو (۲) برس کی پنج وقتہ مجموعی طور پر ہوسکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین برس کی، تو تین برس کی نمازیں قضاء کیجئے، تا کہ بالیقین یا بغلبۂ ظن ذمہ فارغ ہو جائے، اگر ہر روز پانچ فرائض مع وتر پڑھ لیا کریں تو ایک سال میں ایک سال کی نماز کی قضاء ہو جائے گی۔

روزانہ پانچ وقتوں کی قضاء کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضاء بھی پڑھ لی جایا کرے خواہ فرض سے پہلے یا بعد کو، یا یہ کہ ایک وقت میں پانچوں نمازیں یا کم وبیش پڑھا کریں، نیت کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ قضاء واجب ہونے والی ظہروں میں کی آخری پڑھتا ہوں، اسی طرح عصر میں کہا جائے کہ جتنی عصر کی نمازیں مجھ پر بطور قضاء واجب ہیں ان کی آخری عصر پڑھتا ہوں، اور اسی طرح مغرب، عشاء، وتر، فجر میں کہا جائے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ بجائے آخری کے پہلی کہا جائے، یعنی یہ کہا جائے کہ جتنی ظہر کی نمازیں مجھ پر بطور قضاء واجب ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں، اور اسی طرح ہر نماز میں کیا جائے، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس تقصیر کی معافی طلب کی جایا کرے۔ قضاء نمازوں میں سنتوں اور نوافل کی قضاء نہ ہوگی صرف فرض اور وتر کی ہوگی۔

قضاء نماز میں اذان اور اقامت نہیں ہے، ہاں اگر کسی جماعت کی ایک ہی وقت

اور ایک ہی دن کی سب کی قضاء ہو جائے تو وہ اس کو با جماعت واقامت واذان پڑھ سکتے ہیں،
اور یہ افضل اور سنت ہے واجب نہیں......(مکتوبات ص ۲۳ ج ۴)

نماز تہجد کی رکعات

تہجد کی رکعتوں میں کوئی تحدید نہیں ہے، حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ روزانہ چھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو کیا یہ حضرات فقط بارہ رکعتوں ہی پر اکتفا کرتے رہے؟۔ ۲ شوال ۱۳۷۵ھ (مکتوبات ج ۳)

ہندوستان میں اقامت جمعہ کا حکم

آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور دار الحرب میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟۔

تو حضور ہندوستان میں جب سے اقتدار اسلام ختم ہوا جب ہی سے دارالحرب ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ ۱۸۰۳ء میں دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے، فتاویٰ عزیزیہ دیکھئے، اور ہمارے اکابر اسی وقت سے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے، اور آج بھی وہی حال ہے، جمعہ دارالحرب میں یقیناً ہوتا ہے اور فرض ہے جیسا کہ آپ انگریزی زمانہ میں پڑھتے رہے، اور شامی شرح درمختار میں خلیفۂ وقت سلطان عبدالحمید مرحوم آف ٹرکی کا حکم ان اہالیان بلاد کے متعلق ذکر کیا گیا ہے جو کہ پہلے دیار اسلام تھے اور پھر ان پر کفار نے غلبہ کر لیا ہے کہ ان بلاد کے مسلمان جمع ہو کر جمعہ پڑھا کریں۔ ۶ صفر ۱۳۷۰ھ (مکتوبات ص ۲۵۱ ج ۲)

فاسق کی نماز جنازہ کا حکم

جنازہ کی نماز ہر صالح اور طالح پر پڑھنا ضروری ہے جبکہ وہ مدعی اسلام ہو، کفر جحود، شرک صریح کا مرتکب نہ ہوا ہو، اگرچہ زنا، شراب، سرقہ، کذب وغیرہ کا مرتکب اور اس پر مصر ہو، اگر سب مسلمانوں نے اس پر نماز نہ پڑھی اور بے نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو سب گنہگار ہوں گے، کیونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: صلوا علی کل

بر و فاجر ۔ہاں اگر کوئی شخص مقتدا ہے اوراس کی ترک نماز سے لوگوں کو عبرت ہوتی ہو تو احتراز کرنا چاہئے۔(مکتوبات ص ۸۵ ج ۴)

بحالت جنابت دخول مسجد کا حکم

سوال: عن ابی سعید رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلی یا علی لایحل لاحد یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرک قال علی بن المنذر فقلت لضرار بن صرد ما معنیٰ هذا الحدیث؟ قال لایحل لا حد یستطرقه جنبا غیری و غیرک (رواہ الترمذی) بحالت جنابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ دخول مسجد میں کیوں مستثنیٰ ہیں حالانکہ بشریت سے خارج نہیں ہیں؟

جواب: حالت جنابت میں استطراق مسجد کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ سب کیلئے قائل ہیں،ان کا استدلال آیت: یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکریٰ حتی تعلموا ما تقولون ولاجنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا الآیۃ (اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو،اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قائل ہیں،بطور صنعۃ استخدام صلوٰۃ سے اول میں حقیقت نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں،اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امور میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں،اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں،اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں،اس لئے کہ عدم وجدان ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اس حالت کے ساتھ ہے کہ کسی کو مسجد ہی میں جنابت بالاحتلام عارض ہوگئی،اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً بخاریؒ بھی انہی میں سے

ہیں) بغیر تیمّم اسی آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں، بہر حال جنب کیلئے استطراق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تا کہ اشکال کیا جائے، جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحۃً یا بعض مراد اُدخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، اور مسئول عنہا روایت استطراق پر دلالت کرتی ہے، اس لئے مخالفت اصل مذہب نہ ہوگی۔ اس صورت میں اوروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المسجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے، اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد میں انجام پاتے تھے، مجلس قضا بھی یہیں ہوتی تھی، مجالس تعلیم ومشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھیں اور دیگر امور متعلقہ بالامت یہاں ہی انجام پاتے تھے، اس لئے ہر وقت مسجد میں آمدورفت کی ضرورت پڑتی تھی، اس لئے بخاریؒ نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کیلئے ابواب منعقد کئے ہیں، بناءً علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ضروری تھا کہ مسجد ہی کی طرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حلیف اوراخ بنایا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعداز بدر نکاح کر دیا، اوران کی آمدورفت اور دوسری ضروریات مقتضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد کی طرف ہی رکھا جائے، دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے، اس حدیث میں ان کو دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اوراس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالۃ الجنابت کو مستلزم ہے اور یہ درست نہیں ہے، مگر چونکہ حسب قاعدہ: الضرورات تبیح المحظورات، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے ایسی ضرورتیں تھیں جن کی بنا پر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے اوردوسرے دروازے بند کر دیئے جائیں صرف یہ دروازے کھلے رہیں، اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لئے، مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت

جماعت میں مشکلات حائل ہوئیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی، چنانچہ ان کواس کی اجازت دیدی گئی کہ اس میں استطراق فی حالۃ الجنابت کی نوبت نہیں ہوسکتی تھی، پھر آخر میں ان خوخات کوبھی بند کرادیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوخے کی اجازت دی گئی جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃً استنباط کیا ہے۔ مساجد کی تعظیم اوران کوامتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے، چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، حالت جنابت میں با تیمم مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت ائمہ نے مجموعہ احادیث سے جو کہ آخری استقراء حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے۔ واللہ اعلم (مکتوبات ص۲۴۲ ج۱)

ایک مرد کیلئے چار ازواج کی اجازت میں حکمت

چونکہ انسان قوت علمیہ اور کمالات عملیہ کا حاصل ضرب ہے اور زوجیت مساوات کی مقتضی ہے (عقلاً وعرفاً) اس لئے عورت کی مساوات بالرجل چار سے ہی ہوسکتی ہے، کیونکہ احادیث بتلاتی ہیں کہ عورت کی قوت علمیہ نصف رجل ہے جس پر نصاب شہادت دلالت کرتا ہے: قولہ تعالیٰ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان یہ نص ہے، اور قوت عملیہ بھی نصف ہے جس پر لفظ شطر دینھا الحدیث دلالت کرتا ہے، دین عمل ہی سے ہوتا ہے لہٰذا عورت نصف قوت عملیہ اور نصف قوت علمیہ کی حاصل ضرب ہوئی، اگر ۱/۲ اور ۱/۲ ضرب دیں تو حاصل ضرب ۱/۴ نکلتا ہے، اس لئے چار عورتیں ایک مرد کے مساوی اپنی فطری قوت سے ہوسکیں گی۔

۹ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ (مکتوبات ص۲۹۳ ج۲)

عقد شرعی کے بعد اولاد حلالی ہوگی

جبکہ میاں بیوی میں عقد نکاح شرعی ہو چکا ہے اور وہ قائم ہے تو اولاد حلالی ہوگی، خواہ ماں یا باپ یا دونوں اولاد زنا (حرامی) ہوں یا حلالی، جو نطفہ ایام حیض یا نفاس میں قرار پایا ہے وہ بھی حلالی ہے البتہ ماں باپ کا یہ فعل ناجائز تھا اور اگر عورت مجبور کی گئی تھی تو وہ گنہگار نہیں۔

(مکتوبات ص۸۳ ج۴)

رسالہ

غایۃالمقصود فی نہایۃالمفقود

تحقیق مذہب مالکؒ درزوجہ مفقود

سوال: کیافرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبدالرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کردی روبرو گواہان کے، بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ہے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اس کے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آج تک نہیں دی، اورلڑکی اپنی جگہ کہتی ہے کہ والد نے مجھے قید کردیا ہے کہ کہیں شادی بیاہ کرکے مجھ کو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں، اور نہ ہمارے خاوند مذکور نے کوئی خبر نیک وبد بھیجی ہے، اوراس کے والدین روپیٹ کر صبر کررہے ہیں اور میں گرفتار والدین کے شرم وحیاء میں کب تک رہوں گی؟ یہ مشکل امر ہے۔ بینوا توجروا فی الدارین.

الجواب: اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقودالخبر ہوگیا ہے اور کچھ پتہ اس کے مرنے جینے کا نہیں ہے تو اس کو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں، اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدت وفات چار مہینہ دس دن پورے کرکے نکاح ثانی کرسکتی ہے، بدون تاجیل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے، حنفیہ نے بھی بضرورت اس پر فتویٰ دیا ہے:

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت ارأیت امرأۃ المفقود ا تعتد بعد اربع سنین فی قول مالکؒ بغیر امر السلطان، قال، قال مالک رحمہ اللہ لا، قال مالکؒ وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا و کتب الی موضعہ الذی خرج الیہ فان یئس

منه ضرب لها من تلك الساعة اربع سنين الخ . والله اعلم .

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند ۱۸ محرم ۱۳۴۷ھ

الجواب صحیح محمد رسول خان عفی عنہ۔

الكلام على الجواب المذكور

سيدى ومولائى المحترم زادت معاليكم، اقدم الى احضار الاعتاب تحيات سنها سيد الانام عليه وعلى آله افضل الصلوات واكرم التسليمات من المفضل المنعام ومن بعد، فابدى لسيادتكم ان العلماء ههنا كانوا يفتون لزوجة المفقود حسب ما ذكره العلامة ابن عابدينؒ بمذهب المالكية كما افاده مولانا عبد الحي الكهنوى وحضرة مولانا الگنگوهي قدس الله سرهما العزيز، فكانوا يقولون انه ان مضى على فقده اربع سنين وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعية فليحكم الحاكم الاسلامى اومن جعل حاكما بالتحكيم بموت المفقود ويأمر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذكور فى الفتاوىٰ الامدادية وكان مفتى هذه الديار يجاوز هذا ويفتى بان المسلمين اذا لم يجدوا حاكما اومحكماً كذلك فليعملوا بفتوى الامام مالك من كبار انفسهم قد جرى هذا العمل والفتوىٰ الى ما شاء الله، ثم احدث بعض العلماء ههنا تشدداً فقال اذا رفع امر زوجة المفقود الى حاكم اوجماعة المسلمين فليتفقدوا تفقداً جديداً فان لم يتبين امره فليؤجل من بعد ذلك اربع سنين وان مضى قبل الرفع عشرون او اربعون سنة، فاذا كملت المرأة مدة اربعين سنة تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال ان المذكور فى كتب المالكية هكذا وقدم عبارة المدونة كما هى مذكورة فى الجواب قدمت الى داعيكم هذه الفتوىٰ للتصحيح فانكرتها ورأيت ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها لديهم ولايعتمد عليها من كل الوجوه وانما يعتمدون على مختصر الخليل وشرحه فينبغى ان ينظر اليه و يفتى به ، قلت ان الظن ان مراد صاحب

المدونة ان امر المفقود لايتم شرعاً اى لايتحقق فقده الشرعى الابعد مساعى السلاطين ومن ناب منابهم، فانهم فى الازمنة السالفة لدى قلة الوسائل لهم الذين كانوا قادرين على معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القيود انما هى لتحقق الفقد فان ثبت الفقد فى زماننا الذى كثرفيه الوسائل ويقدرفيه احاد الناس على ماكان لايقدر على مثله فى الماضى السلاطين والملوك فلاحاجة حينئذ الى التاجيل بعد رفع المسئلة وبعد مضى المدة التى تطول على اربع سنين من لدن الفقد الشرعى وكيف ماكان فان المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد فاذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلک فلا حاجة حينئذ الى التاجيل، ثم على التسليم نقول ان الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الاسلامى ونائبه فانما يتيسرفيها الرفع الى جماعة المسلمين اذ احادهم ولاشک ان المرأة رفعت امرها اليهم منذ فقدت زوجها اوبعد مدة يسيرة من حيث صاروا يفتقدونه بما تيسر لديهم فينبغى ان تعتبر المدة منذ الافتقاد ثم بعد ذلک كله وتسليم الامور باجمعها صرحت المالكية ان المرأة انما تؤمر بالتاجيل ان كان لديها نفقة من زوجها، فاما اذا لم يكن لديها النفقة فليحكم عليهابالطلاق بمجرد الرفع كماهوفى عبارة الخليل وشرحه، فيا سيدى ان المصائب التى تنزلت بالديار الهندية انما ترجع عامتها الى عدم النفقات وصعوباتها فح لاحاجة الى التاجيل والانتظار الشديد وانما احتجنا الى مذهب مالک رحمه الله والافتاء به للضرورات الشديدة الحادثة فى زماننا فالمرجو من مكارم اخلاقكم ان تنظروا الى ماذكر الداعى الحقير واطلعونا بمايلزم حتى نجرى التصحيحات والفتاوىٰ بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه:

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى و والى الماء والا فلجماعة المسلمين فيؤجل الى اربع سنين ان دامت نفقتها، والعبد نصفها من العجزعن خبره، ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة، ولايحتاج فيها لاذن وليس لها البقاء بعدها، وقدر

طلا ق بدخول الثاني فتحل للاول ان طلقها ا ثنتين فان جاء اوتبين انه حي اومات......
اھ بقدر الحاجة.

وقال في شرح الدردير: فصل لذكر المفقود واقسامه الاربعة (قوله والمفقود) اى ببلد دارالاسلام بدليل مايذكره في غيره حرة اوامة صغيرة اوكبيرة الرفع للقاضى والوالي اى حاكم السياسة ووالي الماء وهوالساعي اى جابي الزكوٰة ان وجد واحدمنهم والا فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها ولها ان لا ترفع وترضى بالمقام معه في عصمته حتى يتضح امره اوتموت وظاهره انهامخيرة في الرفع لاحد الثلا ثة والنقل انهاان ارادت الرفع و وجدت الثلا ثة وجب للقاضي فان رفعت لغيره حرم عليها وصح وان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل فان لم يوجد قاض فتخير فيها فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤ جل الحر اربع سنين ان دامت نفقتها من ماله والا طلق عليه لعد م النفقة ويؤ جل العبد نصفها سنتين من حين العجزعن خبره بالبحث عنه في الاماكن التي يظن ذهابه اليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولا بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه ليفتش عنه فيها ثم بعدالاجل الكائن بعدكشف الحاكم عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة اى كعدة الوفاة للحرة باربعة اشهروعشر والامة لشهرين وخمس ليال على ما تقد م ولو غيرمدخول بها لانه يقدرموته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بهااى فيهااى العدة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيهااى العدة بعدفرا غ الاجل لاذن من الحاكم لان اذنه حصل بضرب الاجل اولاً وليس لها البقاء اى اختيار البقاء في عصمته بعدها اى بعد الشروع فيهاعلى معتمد وبعدالفرا غ اتفاقاً وقدرطلاق من المفقود حين الشروع في العدة يفتيهاعليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثاني عليهاحتى لوجاء الاول قبل دخول الثاني كان احق وبعد الدخول بانت من الاول وتاخذ منه جميع المهر وان لم يكن قد دخل بها التشكيل

تقدیر هذا الطلاق بانه لاحاجة له مع تقدیر موته وعدتها عدة الوفاة فتحل للاول وهو المفقود ان کان قد طلقها اثنتین اھ بقدر الحاجة.

وقال فی بیان قسم الثانی من المفقود هومفقود غیربلادالاسلام مانصه وزوجة الاسیر وزوجة مفقود ارض الشرک للتعمیران دامت نفقتها والا فلها التطلیق کما لو خشیتا الزنا وهوای التعمیرای مدته سبعون من یوم ولد وتسمّیهاالعرب وقاقة الاعناق واختارالشیخان ثمانین وحکم بخمس وسبعین الخ بقدرالحاجة .

المتشبث باذیال الکرا م :احقرالطلبة حسین احمد غفرله

من دیوبند فی ۵من صفر۱۳۴۷ھ

الجواب عن مسئلة المفقود من جامع امداد الاحکام

امابعد:فانی احمد الله الیکم الذی لااله الاهو واصلی واسلم علی سید ناالنبی محمد سیدالرسل وخیره الیه من خلقه وعلی آله واصحابه البررة الکرام الی یوم القیام،

واما مسئلة زوجة المفقود فسمعت سیدی حکیم الامة دام مجده وعلاه انه رایٰ فتویٰ بخط حضرة شیخ وقته مولانا الکنکوهی قدس الله سره وهویعرف خطه حق المعرفة وهی منقولة بعدجوابی وفیهاصرح الشیخ رحمه الله بکون ذلک مقیدا بحکم الحاکم (فلینظرالفتویٰ التی رأیتموها للشیخ بالاطلاق هل هی مکتوبة بخطه اوخط غیره فان المعتمدعلیهاهی التی تکون بخطه .منه) نعم قداطلق القول فی ذلک مولانا عبد الحی رحمه اللهفی فتاواه وقال ان امرأة المفقودتتربص اربع سنین ثم تعتدبعدذلک عدة الوفاة ولنافیه نظرلکون المدارفی ذلک علی الافتاء بمذهب مالک ولیس مذهبه کذلک مطلقاً کما صرح به فی المدونة واما قولکم اطال الله بقائکم ان المدونة وان کانت من الکتب القدیمة المعتبرة لدی المالکیة ولکنها غیرمفتی بهاالخ .فیخالفه قول الحافظ ابن حجرؒ فی تعجیل المنفعة (ص ۴) ونصه لیس الامرعندالمالکیة کماذکر

(الحسینی ان المؤطا لمالک ھومذھبه الذی یدین الله به اتباعه ویقلدونه)بل اعتمادھم فی الاحکام والفتوىٰ علی ماروا ه ابن قاسم عن مالک سواء وافق ما فی المؤطا ام لا الخ ولا یخفیٰ ان روایة ابن القاسم عن مالک ھوما فی المدونة لسحنون وایضاً فان عبارة المدونة صریحة فی ان امرأةالمفقودلا تعتد الاربع سنین فی قول مالک بغیرامر السلطان وان اقامت عشرین سنة ثم رفعت امرھاالی السلطان نظرفیھا وکتب الی موضعه الذی خرج الیه فاذا یئس منه ضرب لھا من تلک الساعة اربع سنین الخ ص ۹۲ ج ۱.وعبارة مختصر الخلیل وشرحه لیست بصریحة فی خلاف ذلک انھالا تعتد الاربع سنین من وقت فقده لامن وقت الرفع واماقولکم وکیف ماکان فان المقصدمن عبارة المدونة تحقیق الفقد الخ فلا سبیل لنا الی ذلک ما لم ینص علیه الامام او احد من اصحابه لاحتمال ان یکون وجھه ذلک ان المعتبرھو الرفع الی السلطان دون غیره کما قال علماء نا ان المعتبرمن البینة والیمین ما یکون منھما بین یدی القاضی فی مجلس حکمه دون ماسواه کیف لا وقد قال مالک رحمه الله وان اقامت عشرین سنة ثم رفعت امرھا الی السلطان نظرفیھا الخ ولایخفیٰ ان بمثل تلک المدة الطویلة لایکون الفقدخافیاً علی جماعة المسلمین من صالحی بلدھا الذین تفقدوه بما تیسر لدیھم فلوکان الرفع الی جماعة المسلمین معتبرا عنده لم یقل ما قال لوجود الرفع الی الجماعة فی تلک المدة بلا شک واما قولکم قد صرحت المالکیة ان المرأة انما تؤمربالتاجیل ان کان لدیھانفقة من زوجھاوالافیحکم علیھا بالطلاق بمجرد الرفع ففیه انالانذکرذلک ولکن الکلام فی ان الحاکم علیھابالطلاق من ھوو الرفع المعتبر کیف ھووالذی تحصل لنامن المدونة ان الرفع لایعتبرالاالی السلطان (وفی حکمه نائبه) وھوالذی یؤجل لھا الاجل ویقع بانقضائه الطلاق علیھاوالله اعلم وبعدذلک کله فقدصرح فی المدونة وفی المقدمات لابن رشد ان المفقود فی بلاد الحرب حکمه حکم الاسیرلاتتزوج امرأته

ولا یقسم ماله حتی یعلم موته اویاتی علیه من الزمان مالایجئ الی مثله فی قول المالکیة کلهم حاشااشهب (ص ۱۵۶ ج ۲) فکیف یجوز الافتاء بان تعتد اربع سنین من وقت الفقد اوالرفع الیٰ جماعة المسلمین فی الهند مع کونها دارالحرب فلیس ذلک من مذهب مالک فی شئ والذی ذکره فی مختصرالخلیل وشرحه ان زوجة مفقود ارض الحرب ان لم یکن لها نفقة من زوجها فلهاالتطلیق فهذا اذاکانت الزوجة فی دارالاسلام وفقد الزوج فی ارض الحرب کماهو ظاهرمماذکروه فی علة التعمیرواما اذاکان الزوج والزوجة کلاهما من اهل ارض الحرب فلم نر فیه نقلاً عن المالکیة ولا یجوز الافتاء بالقیاس فی مذهب الغیر هذا فاللازم فی هٰذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالکیة بالحرمین فهم اعرف بمذهب مالک منا معشر الحنفیة فیستفسر عنهم حکم زوجة المفقود فی دارالحرب کالهند وهل یضرب لها الاجل اربع سنین ام لا تتزوج حتی یأتی علیه من الزمان مالایجئ الی مثله وان الرفع لابد و ان یکون لدی القاضی اوالحاکم او الیٰ جماعة المسلمین او المحکم ایضاً فیفتی بمثل فتواهم . واللّٰه تعالیٰ اعلم .

حرره الاحقرخادمکم الاصغرظفراحمد عفا عنه . ۹/صفر ۱۳۴۷ھ

التتمة الاولیٰ

ثم راجعت شرح الزرقانی علی المؤطا وهومن متاخری المالکیة من اصحاب القرن الحادی عشرفوجدته قد قال فی شرح حدیث مالک عن یحی بن سعیدعن ابن المسیب ان عمر بن الخطابؓ قال : ایما امرأ ة فقدت زوجها فلم تدراین هوفانها تنتظر اربع سنین الخ ما نصه تنتظر اربع سنین من العجزعن خبره لانهاغایة امد الحمل ولانها التی تبلغها المکاتبة فی بلاد الاسلام سیراً ورجوعاً وضعف الاول بقول مالک لواقامت عشرین سنة ثم رفعت یستأنف لها الاجل وبانهااذاکانت صغیرة او آیسة اوالزوج صغیراً تضرب الاربع ولاحمل منها والثانی بقول مالک ایضاً تستأنف الاربع من بعد الیاس

وانها من يوم الرفع ولورجع الكاشف بعدسنة انتظرت تمام الاربع ولو كانت العلة كونها امد الكشف لم تنتظر تمامها وقيل لاعلة له الا الا تباع واستحسن اه (ص ۵۷ ج ۳)

قلت : وبهٰذا ظهر ضعف العلة التي ذكرتموها ان مرآد المدونة ان امر المفقود لايتم شرعاً اى لا يتحقق فقده الشرعي الا بعد مساعي السلاطين ومن ناب منابهم الخ بل الظاهر ان علته الاتباع لاغير. وفي الزرقاني ايضاً : في الفرق بين امراة المفقود وبين التي بلغها طلاق زوجها وهو غائب ان الاولىٰ تفوت على الزوج الاول بدخول الثاني والثانية لا تفوت بدخوله على رأى اللخمي وعلل الفرق بانه لم يكن في هٰذه (اى التي بلغها طلاق زوجها) امر ولا قضية من حاكم بخلاف امرأة المفقود اه (ص ۵۷ ج ۳) وهٰذا يدل على ان امر الحاكم وقضيته في امرأة المفقود امر متفق عليه عند المالكية فان الفرق لايعلل الا بالمتفق عليه كماهو ظاهر. والله تعالىٰ اعلم وهو ايضاً مقتضى القياس ففي الدر المختار عن واقعات المفتين معزياً للقنية انه انما يحكم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فمالم ينضم اليه القضاء لايكون حجة اه والقضاء الذى هو حجة انما هو قضاء القاضي او نائبه دون جماعة المسلمين من صالحي البلد كما لا يخفىٰ فان جماعة المسلمين لا ولاية لهم علىٰ احد بخلاف القاضي اونائبه .

نقل جواب مسئلہ مفقود

از حضرت مولانا گنگوہیؒ جو کہ از قاضی عبدالحق حاصل شد

وحضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ ایں فتویٰ را در ''امدادالفتاویٰ'' ملحق ساختہ۔

یہ فتویٰ رسالہ الامداد، ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ، ج ۶، نمبر ۱۰، ص ۲۲ میں طبع ہو چکا، اور اس کا اصل مسودہ امدادالفتاویٰ میں موجود ہے۔

''جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت

سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کردے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے، یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مہر)

قلت : وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضى للتفريق وبان اربع سنين تبتدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقى ان هذا التفتيش يكفى من آحاد المسلمين اولا بد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة فكلام الشيخ ساكت عنه وصرح كلام المدونة بالشق الثانى ولم نر فى كتب المالكية مايخالفه صريحاً فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك امراً . والسلام . ظفر احمد عفا عنہ

التتمة الثانية

فان قيل :لو اقامت حكومة الهند لمسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التى يحتاج فيها الى قضاء القاضى فهل لايجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك فى امرأة المفقود كما هو ظاهر ماذكرته عن المدونة والمقدمات لابن رشد ان اعتداد اربع سنين انما هو لزوجة مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اى تربص زمان لايجئ الى مثله وهو سبعون سنة . قلنا لو وجد فى الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة ونرجوا الله تعالىٰ الظفر به فلاحاجة لنا اذاً بالقضاء بمذهب مالكؒ بل يقضى قضاة بمذهب ابى حنيفة المختار للزيلعى وهو ان ضرب الاجل فيه مفوض الى رأى الامام ولا تقدير فيه فى ظاهر الرواية كما فى الينابيع قال فى الفتح : فاى وقت رأى المصلحة حكم بموته (شامى ص ۵۱۱ ج ۳) وايضا فعلة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه فى دار العدو ولايستطيع الولى ان يستخبر عنه فى ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فى دار الاسلام كما هو فى المدونة (ص ۹۸ ج ۲) واذا وجدت فى دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علة الفرق فالظاهر

کو ن حکمھما سواء وایضا فما ذکرناہ عن المدونة والمقدمات من الفرق بین مفقود دارالاسلام ودارالحرب صورة ان یکون المفقود فی ارض الحرب وزوجته فی دار الاسلام واما ان کان کلاھما فی ارض الحرب فلم نجد فی ذلک نقلاً عن المالکیة وایضاً اذا قام ملک دارالحرب لاھلھا المسلمون قضاة منھم فح لایصح القول بکونھا دارالحرب الا علی قول البعض وعند بعضھم تصیر بذلک ارض الاسلام ھذا. وللہ الحمد علی متوا تر احسا نه والانعام وعلی سیدنا النبی محمد صلی اللہ علیه وسلم افضل الصلاة وازکی السلام وعلی آله واصحابه البررة الکرام الی یوم القیام بل الٰی بقاء دارالسلام .

حکم زوجہ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ

سوال: سیدی ومولائی المحترم . زادت معالیکم .اقد م الیکم تحیات سنھا سید الانام علیه وعلٰی آله وصحبه الصلٰوة والسلام واظھارغایة الاشتیاق للثم الانامل والاقدام فالمعروض علی سمومقامکم انی کنت ارسلت حسب الامرالسامی استفتاء الی علماء المالکیة بالمدینة المنورة سابقاً فجاء الجواب المنسلک المطوی فی ھٰذا الظرف فذلک مرسل الی سیادتکم حتی تنظروا فیه فتفیدونا بما یلزم علینا لدی الافتاءِ وارسلوا لنا بعینه حتی یکون سنداً لدینا. ھٰؤلاء یصرحون بان الحکم فی ھذه الدیار کالحکم بالدیار الاسلامیة للمفاقید وازواجھم وحیث ان اکثرالمفاقید لایترکون نفقة لازواجھم وفی غالب الاحیان یخشی علیھن من الفتن ما لایخفی علٰی مثل جنابکم فھل یصح ان یفتی بالتطلیق ام لا ؟ حسین احمد غفرلہ

الجواب: از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ

بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم السلام علیکم زید عنایته

مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور جب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم

ہوں وہ ناتمام علم بھی اورزیادہ ناتمام ہوگیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال وجواب دیدیئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بقیہ سوال بالا

حیث ان سادتنا الفقهاء افتوا بمذهب المالكية فی زوجة المفقود لاجل الشدائد والفتن الواقعة فی زماننا وقدرأينا الافتاء بتربص اربع سنين بعد العرض على الحاكم اوجماعة المسلمين ثم تفتيشهم ثم حكمهم بالتربص المذكور ثم عدتها عدة الوفاة مما لا يسمن ولا يغنى عن جوع ولا يدفع المضرة فلم لايفتى بالتطليق كما هو مصرح فی كتب المالكية ونصوصهم مقدمة بين ايديكم.

سيدى منذ مدة مديدة اشتهى الحضور على الاعتاب ولكن الزمان لايساعدنى حيث ان الاوان اوان آخر السنة والكتب الى هذه الساعة لم تصل الى نهايتها بل بقى لها مقدار عظيم وبناء عليه يذهب الكثيرمن الاوقات الخارجة فی التدريس حتى بعد العشاء ومع ذلک فان يسرالله تعالىٰ احضر ليالى الجمعة فی المستقبل وعلى الله التكلان والرجاء ان لا تنسوا خويدمكم عن الدعوات الصالحة فانه فی غاية من الاحتياج الى دعواتكم وانظاركم القيحاء وتوجه همكم العالية، لازلتم مركزالآمال آمين (سائل بالا)

الجواب: اس لطف وعنایت کا شکر گذار ہوں، گوشکر گزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعاء کے کیا کرسکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہوکر شکر گزاری کرتا۔

آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدوں اس کے مشرف فرمایا جائے توزہے قسمت۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہوگیا ہے۔ باقی دعاء کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام اشرف علی

(ماخوذ از امداد الاحکام ج۲ص۷۲۰تا۷۲۹)

هل يجوز للحنفى الافتاء بقول الشافعىؒ في مسئلة المصاهرة ام لا؟

سوال: غب اهداء السلام والتحية اللائقة بالمقام فيا سيدى قدجاء نا سوال بواقعة تخبرنا فيها ان افتينا فيها بحرمة المصاهرة تخشى الفتن وان لم نفت بها لم نجد لها مساغاً فى المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر الى علومقامكم كى تطمئن الخواطرفهل يجوز لنا ان نفتى فيها بقول الامام الشافعى رحمه الله تعالىٰ ؟ فالمرجومن مكارم اخلاقكم البهية ان تفيدونا بما اراكم الله تعالىٰ لازلتم حلالى المعاقد .

داعيكم: حسين احمد غفرله من ديوبند

الجواب: الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ :

لـم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد: فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعى رحمه الله فى مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه :

الاول: عدم الحاجة اليه فانه لاضرر ولاحرج فى طلاق امرأة بعينها والمفارقة عنها والتزوج بغيرها.

والثاني: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن فى ترك قول الامام فى المسئلة فان العوام اذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا على المساس والنظر بشهوة الى امهات ازواجهم ونحوهن وعلى ارتكاب الزنا و مقد ما ته بحلا ئلهم اوبازواج آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلک مخافة على النكاح .

والثالث: قوة قول الامام فى المسئلة فقد اجمع الصحابة على حرمة الوطى بامة قد وطيت امها او بنتها قبلها وما ذلک الا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل فى الجوهر النقى فليراجع . والله تعالىٰ اعلم . حرره الاحقر ظفراحمد عفا عنه

۱۸/ذی قعده ۴۷ھ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۸۶)

ہندوستان میں سود کا حکم

لاشک ان الهند دار حرب بید ان حضرة مولانا النانوتوی قدس الله سره العزیز کان یریٰ ان من کان من سکان الدیار الاسلامیة یباح له ان یدخل الهند ویأخذ من الحربیین الاموال بالربوٰ والقمار وامثال ذلک مما فیه التراضی بغیر نقض عهد واما القاطنون بالهند فلیس لهم ذلک ویریٰ ان النص الفقهی معناه کذٰلک وله رسالة فی ذلک واما حضرة مولانا الگنگوهی قدس الله سره العزیز فکان یریٰ ان المسلمین القاطنین بالهند ایضا لهم ان یأخذوه من الانکلیز والهند وبید انه کان لا یفشئ بهذا الفتویٰ لمصلحة حفظ العوام۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کیلئے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہوکر سود اور جوے سے حربی کا مال لے سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو، لیکن باشندگان ہند کیلئے جائز نہیں ہے، ان کا خیال تھا کہ اس معنی میں نص فقہی بھی ہے چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے، البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان بھی انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے سکتے ہیں، لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے اس فتویٰ کو شائع نہیں کرتے تھے۔

ہندوستان میں بینک کی سودی رقم کا حکم

لاشک ان البنوک الواقعة بالهند بعضها للحربیین المحاربین من اهل اورب، هٰؤلاء یدفعون النقود الربویة لجماعتهم التبشیریة اعنی البادرین لاشاعة المسیحیة اذا لم یأخذ ارباب الاموال الربوٰ علیها، وحیث ان عدم الاخذ حینئذ اوجب مفسدة عظیمة افتیٰ اربا ب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوٰ ثم صرفها علی فقراء المسلمین تصدقا اوفی غیر هذا المحل حتی انها لو تؤخذ ثم ترمیٰ فی البحر فهی خیر من ابقائها فی

البنوک،اما اخذ الربوٰ من الهند فالی الساعة اولئک متوقفون لان اشاعة هذه المسئلة تؤدی الی جریان الربوٰ بین المسلمین فان عامة سکان الهند من المسلمین هم فقراء یحتاجون الی الاستدانة بالربوٰ، واما الهنود فاولئک اصحاب اموال طائلة لایحتاجون الی الاستدانة غالبا ومن احتاج منهم قلیل، فاذاحصلت الاشاعة لهذه الفتویٰ تکون ذریعة للفساق من ارباب الدنیا من المسلمین ان ینهبوا اموال الضعفاء منهم ویروها حلا لا، واما الاٰن فنحن نقول للمسلمین ان اخذ الربوٰ واعطائها وکتابتها وغیرذٰلک حرام فامتنعوا عنه وقللوا مصاریفکم حتی لا تحتاجوا الی الاستدانة، ونقول لهم لا تعینوا باموالکم الطائلة اعدائکم الوطنیین الهنود اوغیرذلک هٰهنا مصالح عدیدة مع ان الهنود بالدیارالهندیة اسراء مثلنا، فان فی نظری وضعیة القاطنین بالهند وضعیة الاسیر بایدی اهل الحرب لان احوالنا اشبه بالاسیر، وبناء علیه یحل لنا من هؤلاء المحاربین کل شیٔ سوی الفروج کماصرح به الفقهاء، واذا تأملتم یظهرلکم الامر، وهل یحل من الهنود ام لا محل تأمل ، وماقلتم ان دفع الفلوس الی البنوک لایحل لاعانة الکفار فهو صحیح، وذلک امر واقعی اجترأ علیه ارباب الدنیا ؤمن لا مبالاة فی قلبه للدین بحیلة انه یخاف علی نقوده عن السراق وارباب الفساد وبان المال اذاکان فی صنادیقه لایحصل له منفعة اصلا بخلافه اذاکان فی البنک ۔

ہندوستان میں جو بنک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کیلئے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے ،اس لئے سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہے،لہٰذا ارباب فتوی نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہئے اور بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کر دینی چاہئے ،یااور کہیں دیدینی چاہئے بلکہ سمندر میں پھینک دینا بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔البتہ ہندوؤں سے سود لینے میں اب تک علماء

کوتذبذب ہے اس لئے اور بھی کہ اس مسئلہ کے رواج سے سودی معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائے گا، کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان غریب ہیں اور وہ سودی روپیہ قرض لینے پر مجبور ہیں، ہندو اکثر سرمایہ دار ہیں ان کو سود پر روپیہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اور جب جواز سود کے فتوی کی اشاعت ہوگی تو دنیادار مسلمان غریب مسلمانوں کے مال کو لوٹ لیں گے کیونکہ مسلمان جائز سمجھ کر ان کو سود دیں گے، ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام سمجھیں اور اس سے باز آئیں اور اپنے اخراجات کم کریں تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے، اور مسلمانوں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تم اپنی رقموں اور سرمایہ سے اپنے ہموطن ہندو دشمنوں وغیرہ کی مدد نہ کرو، اس کے علاوہ سود نہ لینے میں اور بہت سے مصالح ہیں، ہندوستان میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے غلام ہیں، میرے نزدیک باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیوں کی سی ہے جو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور ہماری حالت محض قیدیوں جیسی ہے، اس بنا پر ان دشمنوں کی ہر چیز ہمارے لئے مباح ہے سوائے عورتوں کے، جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے، غور کرنے پر یہ مسئلہ روشن ہو جائے گا، البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں قابل غور ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ بنک میں رقم جمع کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دشمنوں کی مدد اور تائید ہوتی ہے تو یہ بھی درست ہے، اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بنک ہی کی طرف رخ کرتے ہیں اور وہی لوگ بنک میں روپیہ جمع کراتے ہیں جن کو دین ومذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے اور یہ عذر کرتے ہیں کہ چوروں اور بدمعاشوں سے ہم کو خطرہ ہے، نیز جو روپیہ صندوق میں بند رہتا ہے اس سے کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا بخلاف بنک کے کہ اس میں نفع ہے۔

ایک شبہ کا جواب

طالعت تفسير "بيان القرآن" فوجدت العبارة الموجودة هنالك تدفع اعتراضكم فانه يقول ان ما وجب بعقد في حالة الكفر في الديار الحربية سواء كان العقد حلالا او حراما يبقى بعد الاسلام و بعد انقلاب الدار كذلك، ولكن لي ههنا وجه آخر

للجواب لم اطمئن عليه لبقاء بعض الخدشات، وان اراد الله واتضح اطلعكم عليه، وينبغى ان تتوجهوا الٰى جوانب المسئلة وغورها لعله يظهر لكم، وجه وجيه، ولاشك ان ابا حنيفة رحمه الله تعالٰى لايقول بحل الربوٰ اصلا فى وقت ولامكان وانما يقول لاربوٰ بين المسلم والحربى ثمه فانه لم يره ربوٰ ونفاه عن مصداق الربوٰ لا انه قال بحل الربوٰ۔

میں نے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا اس میں جو عبارت ہے اس سے آپ کا اعتراض دور ہو جاتا ہے کیونکہ مصنفؒ کا قول ہے کہ جو رقم کسی معاملہ کے ذریعہ بحالت کفر دار الحرب میں واجب الادا ہوتی ہے خواہ معاملہ جائز ہو یا ناجائز وہ رقم اسلام لانے کے بعد اور دار کے بدل جانے کے بعد بھی واجب الادا ہوتی ہے، یہاں پر ایک دوسرا جواب بھی ہے لیکن اس میں چند شکوک ہیں اس لئے مجھ کو اس کا اطمینان نہیں ہے، اگر خدا نے چاہا اور مسئلہ کی مزید وضاحت ہوگئی تو جناب کو مطلع کروں گا، آپ خود مسئلہ پر غور کرتے رہیں شاید کوئی معقول وجہ ذہن میں آجائے، اس میں شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی سود لینا جائز نہیں ہے لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ وہاں مسلم اور حربی میں سود کا وجود ہی نہیں ہوتا وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے بلکہ سود کی اس معاملہ میں نفی کرتے ہیں۔ (مکتوبات ص۱۶ ج۱)

بنک کی سودی رقم کا حکم

وكذلك الامر فى اخذ الربوٰ من المخزون فى البنک، وان المسئلة عند الحنفية بينة، فان ابا حنيفة رحمه الله تعالٰى يجيز ذلک فى دار الحرب خلا فا للصاحبين والثلاثة رحمهم الله تعالٰى، ولكن اذا ذكرتم هذه الرفامات للسيد زكى البرزنجى فلعله يفوز بنص فى مذهب الشا فعية ايضا لذلك،واما الحنفية فقد الفتوا بجواز بل بوجوب اخذ الربوٰ من البنوک الافرنجية التى بالديار الحربية وانه لايجوز ترک شئ من ذلک۔

یہی حال بنک کے سود کا بھی ہے، یہ مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک واضح ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے دار الحرب میں اس کی اجازت دی ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ خلاف ہیں، اگر آپ

ان ہنگاموں کو سیدز کی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے نصوص آپ کے پاس بھیج دیں، علماء احناف نے نہ صرف جواز ہی کا فتویٰ دیا بلکہ ان بنکوں سے سود لینا واجب قرار دیا ہے جو انگریزوں نے دارالحرب میں قائم کئے ہیں، لہٰذا سود کی رقم ذرا بھی چھوڑنی جائز نہیں ہے۔ (مکتوبات ص ۳۸ ج ۱)

ریاست اسلامیہ کے بنک سے سود لینے کا حکم

جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا، مگر بعض نصوص شامی وغیرہ کے بتلا رہے ہیں کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دارالاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے، جو سیونگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربوں کے بنک کا نہیں ہو سکتا، ان میں یقیناً مسلمانوں سے سود لینا پڑے گا۔ (مکتوبات ص ۴۷ ج ۱)

دارالحرب میں سود کا حکم

(۱) دارالحرب کا رہنے والا مسلمان حربی محارب کافر سے دارالحرب میں سود لے سکتا ہے۔

(۲) افغانستان کے لوگ بھی محارب حربی کافر سے یہاں سود لے سکتے ہیں۔

(۳) ہندوستان کا مسلمان امریکہ، انگلینڈ میں سود پر روپیہ قرض دے سکتا ہے۔

(۴) زمیندار اگر مسلمان کاشتکاروں سے سود لے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ وہ کافر اور محارب حربی نہیں ہے جس کی اجازت تھی۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ (مکتوبات ج ۴ ص ۳۶۷)

وار فنڈ میں رقم دینے کا حکم

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان امر ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہئے مگر جب مجبوری ہو تو میتہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہو جاتے ہیں، ریلوے کے ٹکٹوں میں، پارسلوں میں، لگانوں میں، تجارتوں وغیرہ میں کیا وار فنڈ نہیں رکھا گیا ہے؟ اس لئے جبکہ فی زماننا اسلحہ اشد ضروری ہے بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دی جا سکتی ہے۔ (مکتوبات ص ۸۸ ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مشکل کشا کا لفظ نہ معلوم کس وجہ سے طبیعت کو گراں ہوتا ہے، زمانۂ سابق میں یہ لفظ بمنزلہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے مستعمل ہوتا تھا، اسی زمانہ میں شجرہ تصنیف کیا گیا ہے، ہم نے زمانۂ طفولیت میں سن رسیدہ لوگوں کی زبان پر اس کو بہت زیادہ جاری پایا، مگر یہ لفظ عربی کے ''حلال المعاقد'' کا ترجمہ ہے، حسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہیں رکھتا، معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل قسیم مجمل ومتشابہ ہوتا ہے، جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہوسکتا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انہوں نے شکایت فرمائی کہ میں حدیث السن ہوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجتے ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینۂ مرتضویہ پر دست مبارک مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں فما شككت في قضية بعد، پھر ان کے وہاں کے مشکل سے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کئے گئے ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لولا علي لهلك عمر وہ ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے، مشکلات کے حل کرنے میں زمانۂ صحابہؓ میں حضرت علیؓ مشہور ہو گئے تھے، تا آنکہ سخت فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرامؓ کی مشہور ہے قضية ولا ابا حسن لها۔ بہر حال سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا وجہ اس لفظ کے اباء کی ہے، اگر کوئی خصوصیت الوہیت یا نبوۃ کی ہوتی تو محل کلام تھا۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۴۱۶)

(نوٹ: اس قسم کے الفاظ اب زیادہ تر غلط معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں اس لئے ان سے احتراز ہی ضروری ہے۔ احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ۔ یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

سجدۂ تعظیمی وغیرہ کی تحقیق اور اس کا حکم

سوال: فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید اور حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں سجدہ

کی رسم جاری تھی، ایک مرتبہ ایک شخص نے اعتراض کیا اور جھگڑے پر آمادہ ہوا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا ''بشنو غلبہ مکن کہ ہر امر کہ فرض بودہ باشد چوں فرضیت برخیزد استحباب باقی ماند، چنانچہ ایام بیض وایام عاشورا بر امم ماضیہ فرض بود در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں روزۂ ماہ رمضان فرض شد آں فرضیت ایام بیض وایام عاشورا برخواست، اما استحباب باقی ماند، آمدیم در سجدہ، سجدہ میان امم ماضیہ مستحب بود، چنانکہ رعیت مر بادشاہ راوشاگردمر استاد راوامت مر پیغمبر را سجدہ می کردند، چوں در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آں سجدہ برخواست اکنوں رفت واباحت ماند، اگر مستحب نہ باشد مباح باشد، بر مباح نفی ومنع کجا آمدہ است؟ (فوائد الفواد نولکشور ص ۱۵۹)

اس مسئلہ پر آپ کی کیا رائے ہے؟..... مشائخ چشت شریعت وسنت کے سختی سے پابند تھے انہوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا؟ (از حاشیہ)

جواب: حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی طرف جو عبارت منسوب ہے وہ نظر سے گذری اس میں ہے: چوں در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آں سجدہ برخواست اکنوں وقت اباحت ماند، اگر مستحب نباشد مباح باشد، بر مباح نفی ومنع کجا آمدہ است؟ (جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ سجدہ جاتا رہا تو اب اس کی اباحت باقی رہ گئی اگر مستحب نہ ہوگا تو مباح تو ہوگا ہی، لہٰذا مباح چیز پر ممانعت کے کیا معنی؟) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اباحت کی نفی اور ممانعت ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔

تفسیر عزیزی پارہ الٓمٓ ص ۱۷۷ میں ہے: (سجدہ کی تقسیم فرماتے ہوئے)

دوئم آنکہ برائے تکریم وتحیۃ باشد مانند سلام سرخم کردن، وایں معنی باختلاف رسوم وعادات وتبدل ازمنہ واوقات مختلف است، گاہے جائز است وگاہے حرام، درامتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ درقصہ حضرت یوسف واخوان ایشاں واقع شد کہ وخروا لہ سجدا، ودر شریعت ما ایں طریق فیما بین مخلوقات حرام وممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ الخ،

(دوسری صورت یہ ہے کہ سجدہ عزت کرنے اور سلام کرنے کے طور پر ہو، محض سلام اور سر کو نیچے

کر دینا یہ سجدہ رسوم اور عادات کے اختلاف اور زمانہ کے الٹ پھیر سے کبھی جائز اور کبھی حرام، چنانچہ سابقہ امم میں جائز تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قرآنی قصہ میں ان کے بھائیوں سے واقع ہوا، اور ہماری شریعت میں سجدہ یا سر جھکانے کی یہ صورت حرام اور ممنوع ہے جس کا ثبوت بہت سی متواتر حدیثوں سے ہو رہا ہے)

احادیث اس کی ممانعت میں بکثرت ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر انکار کیا گیا ہے، یقیناً ان کا سجدہ سجدہ عبادت نہیں تھا بلکہ سجدہ تحیۃ ہی تھا، حضرات صحابہؓ ان لا تعبدوا الا ایاہ اور اس کے ہم معنی آیات سے بخوبی واقف تھے، اس لئے محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز کے قول سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہوگی۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۷ وص ۲۳۸ اور دیگر کتب صحاح میں اس قدر روایات موجود ہیں کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ درجۂ تواتر رکھتی ہیں۔

۲۱ر ستمبر کو عریضہ دربارہ سجدہ تعظیمی جناب کی خدمت میں ارسال کیا ہے، چونکہ میں اس وقت سفر کی جلدی میں تھا اس لئے آپ کے والا نامہ پر پوری طرح غور نہ کر سکا اور حضرت محبوب سبحانی کی طرف منسوب شدہ عبارت کے متعلق مختصراً عرض کر دیا تھا، سفر سے واپسی پر آپ کے والا نامہ پر اطمینانی حالت میں غور کرنے کا موقع نصیب ہوا تو معلوم ہوا کہ جناب کا منشأ کچھ اور ہی ہے، آپ فرماتے ہیں میرا مقصد کسی مناظرانہ بحث کو شروع کرنا نہیں ہے صرف علمی حیثیت سے سمجھنا چاہتا ہوں، مشائخ چشت شریعت وسنت کے سختی سے پابند تھے انہوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا؟

سجدہ کی دو قسمیں

اس لئے عرض یہ ہے کہ سجدہ دو قسم کا ہے (۱) سجدۂ عبادت (۲) سجدۂ تحیۃ، سجدۂ عبادت بالاتفاق تمام امتوں میں غیر اللہ کیلئے حرام اور ممنوع تھا اور ہے۔ اور سجدۂ تحیۃ امم سابقہ میں مباح اور جائز تھا امت محمدیہ میں اس کو بھی منع کر دیا گیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی پارہ الٓمٓ ص ۱۷۷ میں فرماتے ہیں:

بحث دوم آنکہ حقیقت سجدہ پیشانی برزمین رسانیدن است، واین معنی در شرع برائے

غیر خدا جائز نیست، ودریں جا فرشتگان را بادائے ایں فعل برائے حضرت آدم علیہ السلام امر فرمودہ اند وجہ ایں امر چیست؟ جوابش آنکہ پیشانی را برزمین رسانیدن بردو طریق واقع می شود، یکے آنکہ برائے حق معبودیت باشد وایں قسم در جمیع ادیان وجمیع ملل برائے غیر خدا حرام وممنوع است وہیچ گاہ جائز نشدہ، زیرا کہ از محرمات عقلی است ومحرمات عقلیہ بہ تبدل ادیان وملل متبدل نمی شوند، ودلیلش آنکہ ایں نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است وغایت تذلل برائے کسے سزاوار است کہ در غایت عظمت باشد وغایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد وعظمت ذاتی خاص بحضرت حق است در ہیچ مخلوقے یافتہ نمی شود، دوم آنکہ برائے تکریم وتحیۃ باشد مانند سلام وسرخم کردن، وایں معنی باختلاف رسوم وعادات وتبدل ازمنہ واوقات مختلف است، گاہے جائز است وگاہے حرام، در امتہائے سابقہ جائز بود الخ، وسجود فرشتگاں برائے آدم علیہ السلام بہ ہمیں طریق بود، زیرا کہ بہ نسبت تعلیم اسماء حضرت آدمؑ را آسائی وتفوقے بر فرشتگان حاصل شدہ بود، واز فرشتگان قبل از پیدائش نسبت بایشاں سوء ادبی وقوع یافتہ بود، برائے مکافات آں احسان وکفایت آں بے ادبی ملائکہ را مامور بایں نوع تعظیم وتکریم ساختند۔ (سجدہ کی حقیقت ماتھے کا زمین پر پہنچا دینا یہ شریعت میں خدا کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں تو پھر فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کیلئے کیوں حکم فرمایا گیا آخر اس کا جواب کیا ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ پیشانی کے زمین پر رکھ دینے کی دو صورتیں ہیں، ایک اس طرح کہ حق معبودیت سمجھ کر زمین پر رکھ دینا تو یہ تمام مذاہب اور ادیان میں سوائے خدا اور کسی کیلئے جائز نہ تھا اور نہ کبھی جائز ہوگا، کیونکہ یہ طریقہ محرمات عقلیہ میں سے ہے اور جن چیزوں کی حرمت عقلاً ثابت ہے وہ ادیان ومذاہب کے ردوبدل سے کبھی بدل نہیں سکتی، دلیل اس کی یہ ہے کہ تعظیم کی یہ نوع غیر معمولی تذلل یعنی فروتنی اور عاجزی کرنا ہے، یہ غیر معمولی عاجزی ایسی ہی ذات کے سامنے لائق ہے کہ جو عظمت اور کبریائی ذاتی طور پر رکھتی ہو، یہ عظمت ذاتی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلوق میں موجود نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ کہ تکریم وتحیۃ کے طور پر جیسا کہ ذکر ہو چکا، فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام

کو سجدہ کرنا اسی دوسری قسم میں سے تھا، کیونکہ آدم علیہ السلام کو اسماء وغیرہ کی تعلیم کی وجہ سے فرشتوں پر ایک طرح برتری حاصل ہوگئی تھی اور فرشتوں سے حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے ان کے متعلق کچھ بے ادبی ظاہر ہو چکی تھی اس کے تدارک میں فرشتوں کو ان کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیۃ کی ممانعت ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو کہ کتب احادیث میں اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ جو درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، قرآن شریف میں اس کا وقوع انبیائے سابقین کے زمانہ میں مذکور ہے، اس امت کیلئے اس کی صراحت ممانعت کی موجود نہیں ہے (اگر چہ التزاماً موجود ہے) چونکہ حضرات مشائخ چشت حضرت بابا فرید اور حضرت محبوب سبحانیؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں کتب حدیث بہت کمیاب تھیں، علم حدیث بھی رائج نہ تھا اس لئے ان حضرات کو ان احادیث صحیحہ متواترہ کا علم نہیں ہوا اس لئے باوجود شدت اتباع شریعت وسنت ان حضرات سے ایسے امور پائے گئے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ درباره رفع سبابہ درنماز (جس کو مجدد الف ثانی اپنے مکتوب میں منع فرماتے ہیں اور مرزا صاحب مرحوم بوجہ احادیث صحیحہ اس کے استحباب وسنت کے قائل ہیں) اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں: واگر گویند کہ حضرت مجدد باآں علم اوسع از احادیث ثبوت رفع سبابہ مگر آگاہ نہ بود، گویم باز مانۂ مبارک حضرت ایں کتب ورسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ بود از نظر مبارک ایشاں نہ گذشتہ کہ ترک نمودہ اند وگرنہ ہرگز ہرگز ترک رفع نمی فرمودند کہ ایشاں حریص ترین اکابر دین براتباع سنت بودہ اند (کلیات طیبات مکتوبات مرزا صاحب ص ۲۸)
اگر کہا جائے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو باوجود غیر معمولی وسعت علم کے تشہد میں التحیات کے اندر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کی حدیث نہیں پہنچی، تو مرزا جان جاناںؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں ان کتابوں اور رسالوں کی ہندوستان میں عام طور پر شہرت نہ تھی اس لئے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گذری ورنہ آپ کبھی ترک رفع سبابہ نہ فرماتے، آپ تو سنت نبوی کے متبعین میں اونچا

درجہ رکھتے تھے اور سنت کے غیر معمولی حریص تھے۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ کا یہ ارشاد حضرت مجددؒ کے متعلق ہے جو کہ حضرت باباصاحبؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ سے بہت متاخر ہیں، حالانکہ اس زمانہ میں علم حدیث کا چرچا بہ نسبت سابق ہو چلا تھا، حضرت شیخ عبدالحق صاحب بخاری الدھلویؒ حرمین شریفین سے علم حدیث لے کر آچکے تھے اور لمعات، اشعۃ اللمعات وغیرہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں تاہم احادیث کی کتابیں کمیاب اور غیر مشہور ہی تھیں اس لئے حضرت باباصاحبؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ کا ان احادیث سے ناواقف ہونا کسی طرح بعید نہیں ہے، یقیناً اگر یہ حضرات ان احادیث صحیحہ متواترہ کو پاتے تو ضرور بالضرور سجدہ تعظیمی کو ترک کراتے اور سخت مخالفت فرماتے، واللہ اعلم۔

ہندوستان میں علم حدیث اور کتب حدیث کی شہرت حضرت شاہ ولی اللہؒ سے ہوئی ہے۔

نیز عرض ہے کہ یہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں، علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں، اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ اور فقہاء کرامؒ ہیں اور اس بارہ میں ان کا قول وفعل حجت ہوگا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ، حضرت خواجہ معین الدین سنجریؒ کے اقوال اور فتاویٰ اور اعمال حجت نہ ہوں گے اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں، لکل فن رجال رحمھم اللہ تعالیٰ۔ ۸/صفر ۱۳۷۵ھ۔ (مکتوبات ص ۳۳۰ ج ۳)

تعلیم قرآن وحدیث پر اجرت کا حکم

حدیث وقرآن کی تدریس پر اجرت لینا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تو جائز ہی نہیں مگر بعد کے ائمہ حنفیہ نے اس کی اس ضرورت سے اجازت دی ہے کہ مدرس اگر ضروریات دنیاویہ، زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں مشغول ہو جائے گا تو علم ضائع ہو جائے گا دین میں سخت خلل پڑ جائے گا، اس لئے وہ تمام عبادات جن کے انقطاع اور ترک سے شعائر دینیہ وغیرہ میں خلل پڑ جائے بضرورت جائز ہیں، شریعت اسلامیہ میں ایسے کام کرنے والوں،

ائمہ، مؤذنین، مدرسین وغیرہ کیلئے بیت المال میں حصے مقرر تھے، مگر چونکہ بادشاہوں اور ارباب حکومت نے بیت المال کو اپنا گھر اور اس کے اموال مخزونہ کو باپ دادا کا ترکہ سمجھ لیا ہے، وہ ان اموال کو اپنی خواہشات نفسانیہ پر بے دریغ خرچ کرنے لگے ہیں اور ارباب حقوق کو حق پہنچنا بند ہوگیا ہے اس لئے بجز اس کی اجازت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے، لہٰذا اجرت لینے کی شرعاً اجازت ہوگئی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مگر پھر ثواب کس طرح مل سکتا ہے؟ یوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے وہ عطا فرمادے دوسری بات ہے مگر استحقاق نہیں رہتا، ہاں یہ امر کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی ہدایت ہوتی ہے ان کو بیرون تدریس وغیرہ نصیحت کرتا رہتا ہے، شاگرد استاد کے عمل سے نیک طریقہ وغیرہ حاصل کرتے ہیں، یا بیرون وقت مقرر تدریس کی جائے جس کا قانوناً مدرس پر لزوم نہ تھا تو البتہ استحقاق ثواب ہوسکتا ہے۔ (مکتوبات ص ۴۹ ج ۴)

تراویح پر اجرت کا حکم

اگر حافظ رمضان شریف کے اندر قرآن سنانے پر کوئی مقدار شرط کرتا ہے، یا اگر مقتدی اس کو کچھ نہ دیں یا کم دیں تو جھگڑتا ہے، قرآن سنانا بند کردیتا ہے، اگرچہ شرط زبانی نہیں کرتا مگر معاملہ ایسا ہی کرتا ہے، تو اس صورت میں اس کا رقم لینا جائز نہیں، نماز ادا ہو جائیگی مگر وہ فضیلت قرآن کے سننے اور سنانے کی حاصل نہ ہوگی، اور اگر حافظ نے کوئی شرط زبانی یا عملی نہیں کی اخلاص سے لوجہ اللہ سناتا ہے اور مقتدی اس کو بلا طلب کچھ دیتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ تو اس کو لینا جائز ہے اور کسی کی نماز اور ثواب میں کوئی خلل نہیں بلکہ مقتدیوں کو مزید ثواب کی امید ہے۔ (مکتوبات ص ۵۰ ج ۴) (نوٹ: اگرچہ فی نفسہ تو یہ حکم صحیح ہے لیکن آج کل عرف میں لینا دینا معروف اور مروج ہے، اس لئے حسب قاعدہ فقہیہ المعروف کالمشروط بہر صورت تراویح پر کچھ لینا دینا صحیح نہ ہوگا۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ، یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

امامت پر اجرت کا حکم

سوال: زید کہتا ہے کہ امامت پر تنخواہ لینا صحیح نہیں ہے، کیا اس کا قول درست ہے؟

جواب: زید کا کہنا غلط ہے، پنج وقتہ نماز پڑھانے پر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور اذان وتکبیر پر تنخواہ لینا، شرط کرنا، کم وبیش پر گرفت کرنا صحیح ہے، حسب قول مفتی بہ اس کو اپنی نماز کا، جماعت کا، لوگوں کی ہدایت کا ثواب ملے گا۔ (مکتوبات ص ۵۶ ج ۴)

تعویذات اور ان پر اجرت کا حکم

عامل نے علوی عمل کر کے اگر میاں بیوی میں محبت پیدا کرادی، اختلاف کو دور کر دیا تو اجرت تو جائز ہو ہی گئی، ممکن ہے کہ ثواب بھی مل جائے۔ اور اسی طرح اگر دو شخصوں میں (اجنبی مرد اور اجنبی عورت میں) ناجائز تعلق ہو اور تفریق کر دی تو امید ہے کہ علاوہ جواز اجرت کچھ ثواب بھی حاصل ہو جائے، نیت پر مدار ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی علوی عمل سے جو کچھ بھی کیا جائیگا وہ نہ صرف جائز ہوگا بلکہ اجرت لینی بھی جائز ہوگی بشرطیکہ جو کام کیا جائے وہ شرعی کوئی ممانعت اور قباحت نہ رکھتا ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ کی اجرت میں شرکت بھی فرمائی جنہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈنک مارے ہوئے کو اچھا کیا تھا۔ آسیب کو دور کرنا، جنات کی تکالیف سے نجات دلانا، سانپ بچھو کے زہر کا اتارنا، مختلف امراض کو تعویذوں سے دور کرنا سب پر اجرت جائز ہے، کسی کو علوی عمل سے تابع کر کے جائز کام لینا جبکہ وہ بخوشی کام کرتا ہوا ایسا ہی ہے کہ آپ کسی انسان سے کام لیں اور وہ بخوشی آپ کی تابعداری کرے، ہاں وہ تابع جن اگر روپیہ چرا کر لاتا ہے اور عامل کو معلوم ہے کہ یہ ناجائز چوری سے لایا ہے تو یہ ناجائز ہی ہوگا، اور اگر جائز چوری سے لایا ہے مثلاً حربی کفار جو کہ جبراً لوگوں سے روپیہ لوٹ کر جمع کیے ہوئے ہوں اس میں سے لایا ہو اور روپیہ جائز ہوگا۔

ستاروں کی ارواح سے استفادہ علوی اعمال کے ذریعہ سے جائز ہے، علیٰ ہذا القیاس ان کو تابع کرنا۔ البتہ رمل سیکھنا سکھانا دونوں ناجائز اور حرام ہیں، دفع شر کیلئے اگر چہ بعض حضرات نے اجازت دی ہے مگر فتویٰ عدم جواز کا ہے، ان سب امور میں سفلی اعمال ناجائز ہیں کیونکہ ان میں الفاظ اور اعمال شرکیہ کئے جاتے ہیں۔ (مکتوبات ص ۵۷ ج ۴)

ختم تراویح پر شیرینی تقسیم کرنے کا حکم

ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا سلف سے منقول نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف تین راتوں میں پڑھا تھا، اور پھر فرضیت کے خوف سے ترک کر دیا، حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت باقاعدہ منظم فرمائی، مگر ختم پر کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبکہ سورۃ بقرہ یاد کرلی تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی، اس روایت اور اسی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا اور امید ہے کہ ذریعۂ خوشنودی باری عزاسمہ ہو، مگر جو طریقہ آج رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل اور نااہل سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور وشغب عمل میں لاتے ہیں، تقسیم میں مار پیٹ، گالی گلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہیں، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے، اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جبری طریقہ پر کیا جاتا ہے، غیر مستطیع کو طعنے دیئے جاتے ہیں، التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کر دینا چاہئے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہئے کہ اصحاب استطاعت حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے، مسجد میں کچھ بھی کسی کو نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت وصامت رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور وشغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔ کھجوروں یا چھواروں یا مٹھائی پر دم کرنا بالکل غیر متعلق چیز ہے، بہر حال ایسی چیز کا تقسیم کرنا جس سے مسجد کے احترام اور فرش وغیرہ کے تلوث کا اندیشہ نہ ہو یقیناً ان چیزوں کی تقسیم سے بہتر ہوگا جن میں تلوث کا اندیشہ ہے، ہاں باہر مسجد کے مضائقہ نہیں۔ (مکتوبات ص ۱۹۵ ج ا)

تعلیم فلسفہ کا حکم

آپ کے والا نامہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ یقیناً قلبی اور روحی حالت درست ہونی

چاہئے ،فلسفہ خواہ یونانی ہو یا یورپی اس حالت میں تغیر پیدا کرتا ہے جو شرعی اور آسمانی تعلیمات سے ہونی چاہئے۔ ؎

پائے استدلالیاں چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود

گر بہ استدلال کار دین بودے فخر رازی رازدارے دین بودے

علم معقولات گندہ می کند علم منقولات بندہ می کند

علم منقولات علم انبیاء علم معقولات علم اشقیاء

ان فلاسفہ کے لچر اور پوچ خیالات فرحوا بما عندھم من العلم کے ماتحت ہیں جو علوم الٰہیہ سے کہیں بھی مناسبت نہ رکھنے کی بنا پر مبغوض ہیں ،اس لئے قلب پر ضرور گندگی اور نجاست پیدا کرتے ہیں ،اور صفاء روح میں حاجز ہیں ،قرن اول اس سے بالکل مطہر نظر آتا ہے ،لہٰذا حتی الوسع اس سے اشتغال میں کمی ہونی چاہئے تاہم اس نجاست کے زائل کرنے کیلئے اگر اس میں اشتغال ہو تو جس طرح کھاد سے گل وریحان پیدا ہو جاتے ہیں ممکن ہے یہ بھی کسی مفید نتیجہ تک پہنچادے، بہر حال بالفعل اس میں گندگی ضرور ہے ،دو ضرورتیں اس پر مجبور کر رہی ہیں ،نوعمروں اور غیر تجربہ کاروں کی اصلاح ،دوسرے ملازمت اور ضرورت معاش ،اس لئے پوری کوشش ہونی چاہئے کہ اس کے ضرر سے بھی بچیں اور آگے کو صفائی اور تنور میں بھی فرق نہ آئے ،بنابریں جلاء قلب یعنی ذکر کی کثرت اور استغفار کی مداومت بہت زیادہ ضروری ہے ،جو خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں بحمد اللہ آپ خود ان کو گندہ سمجھ کر دفع کرتے رہتے ہیں ،اسی قسم کے واقعات کو صحابہؓ نے عرض کیا تھا جس کو آنخضرت علیہ السلام نے عین ایمان فرمایا ہے ،اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جئے اور ذکر و فکر میں لگے رہئے۔ ؎ عاقبت روزے بیابی کام را (مکتوبات ص۱۵۲ ج۱)

حلق اور زنا حرام ہے

والا نامہ دیکھ کر بہت رنج ہوا ،بالخصوص ان شیاطین خبثاء پر جو کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا جامہ پہن کر شیاطین کے کام کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ،اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اور

آپ کو ہدایت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

محترما! آپ سورۃ مؤمنون اور معارج میں پڑھتے ہیں کہ اہل فلاح ونجات کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: والذین ھم لفروجھم حافظون، الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین، فمن ابتغیٰ وراء ذلک فاولئک ھم العادون (اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھنے والے اور روکنے والے ہیں (اس سے کہ کسی کی نظر اس پر پڑے یا بدن کسی کا اس میں لگے) مگر اپنی جوروؤں پر یا ان عورتوں پر جن کے وہ مالک ہوئے، پھر بیشک یہ لوگ (اگر اپنی عورتوں یا باندیوں کے ساتھ صحبت کرنے اور لذت حاصل کرنے میں حرص اور بے صبری کریں) تو ان پر ملامت اور اولاہنا نہیں ہے، اور ان پر عتاب نہیں کیا جائیگا، پھر جو شخص کہ طلب کرے ان دونوں کے سوا (یعنی بیوی اور باندی کے سوا) تو وہی ہیں تعدی اور ظلم کرنے والے (اور پاکی اور عفت سے آگے بڑھنے والے اور حریصوں اور بے صبروں میں داخل ہونے والے)

میرے محترم! خیال فرمائیے کہ کس زوردار طریقہ پر تمام شہوت رانی کے سب طریقوں کو بجز بیوی اور باندی کے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کو ملوم اور متعدی قرار دیا گیا، اور قرآن مجید میں دو جگہ مکرر کر کے صاف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، دوسرے مقامات میں بھی ممانعت ہے مگر اس صراحت کے ساتھ نہیں۔ استاذ الکل امام اہل اسلام واہل ہند حجۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی تفسیر پارۂ تبارک میں سورۃ معارج کی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ تفسیر عزیزی سورۃ معارج ص ۲۰۲)

''اب اس مقام پر جاننا چاہئے کہ آدمی کو شہوت نکالنے کے واسطے کئی طور ہیں، لیکن سوا ان دو قسم کے جو شرع میں بے شبہ جائز ہیں باقی سب صورتیں ممنوع اور حرام ہیں اور ان سب حرام قسموں کی تفصیل بہت ہے، ان میں سے ایک لونڈے بازی ہے اور اس سے مراد نجس محل میں دخول کرنا یعنی غلاظت نکلنے کی جگہ میں، پھر یہ کام خواہ مرد سے، خواہ اپنی عورت سے ہو یا اپنی لونڈی سے ہو یا اجنبی عورت سے حرام ہے، اور اسی قسم سے ہے خانگی عورت کہ بدوں اجرت مقرر کرنے کے

اس سے فقط دوستی اور آشنائی کے سبب سے یہ فعل کرتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے خرچی کی عورت جیسے کنچنی کہ ایک رات یا ایک مہینہ کی اجرت مقرر کر کے اس سے یہ فعل کرتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے جس عورت سے زبردستی یہ فعل کریں، جس طرح غنیم کی فوج دوسرے ملک میں غالب ہونے کے وقت وہاں کی عورتوں سے زبردستی یہ فعل کرتی ہے، اور اسی قسم سے ہے متعہ والی عورت یعنی ایک مدت متعین کر کے اس کی اجرت مقرر کر دینا پھر اس کے ساتھ یہ فعل کرنا، اور اسی قسم سے ہے دوسرے کی لونڈی جو اس کے مالک کی رضامندی سے مانگ کر یہ فعل کرتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے عورت کا عورت کے ساتھ یہ فعل کرنا جس کو ہندی میں چپٹی کہتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا، پھر وہ محرم خواہ نسبتی ہوں جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی ہوں یعنی سسرال والیاں جیسے جورو کی ماں یا بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ اور خواہ رضاعی ہوں یعنی دودھ پینے کے سبب سے محرم ہوگئی ہوں جیسے دائی جس کا دودھ پیا یا اس کی ماں، نانی، دادی یا اس کی اولاد یہ سب حرام ہیں، اور اسی قسم سے ہے وہ عورت جو ایک شخص کے نکاح میں ہے اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں ہے، اور اسی قسم سے ہے عورت مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا سوائے اہل کتاب کے، اور اسی قسم سے ہے فاحشہ عورت سے نکاح کرنا کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، سو یہ سب قسمیں وراء ذلک میں داخل ہیں اور بالکل حرام ہیں''

اب آپ غور فرمائیے کہ جس طالب علم نے آپ کو کتب فقہ کا دھوکا دیا وہ کہاں تک صحیح کہتا تھا، اور اگر بالفرض کسی کتاب میں ایسا ہو بھی تو اس نص صریح قرآنی کے مقابل کیسے مانا جا سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض کسی فقیہ نے ذکر بھی کیا ہو تو وہ فقط اس طور سے ہوگا جیسے بھوک سے مرنے والے کو سور کا گوشت کھا لینا، یا مردار یا پاخانہ کھا لینا، یا پیاس سے مرنے والے کیلئے پیشاب یا شراب پی لینا جس کیلئے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موت سے بچنے کیلئے اس حرام قطعی کی اجازت فقط اس مقدار میں ہے جس سے جان ہلاکت سے بچ جائے، چند لقموں سے زیادہ اور ہر وقت جب بھی بھوک ہو جائز نہ ہوگا، غیر باغ ولا عاد فرمایا گیا ہے۔

میرے محترم! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (کذا فی الصحاح) اے نوجوانو جوتم میں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے اور جس کو اس کی طاقت نہیں ہے اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کیلئے خصی ہوجانا ہے (یعنی روزہ رکھنے سے شہوت کا غلبہ ٹوٹ جاتا ہے، جس طرح خصی ہوجانے، فوطوں کے نکل جانے یا کچل جانے سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے)

بہرحال جلق یا زنا یا اغلام وغیرہ سب کے سب حرام ہیں، کسی حال میں ان کی اجازت نہیں، یہ سب کے سب شیطانی کام ہیں، ان سے بچنا اور پرہیز کرنا اشد ضروری ہے۔ اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ گنہگار، مکار، شیطان کا بھائی ہے، اس کی صحبت سے گریز کرنا چاہئے۔

نکاح کی فضیلت واہمیت

آپ کو جلد از جلد نکاح کرلینا چاہئے، بڑا خاندان، امیر گھرانہ، خوبصورت لڑکی، زیادہ جہیز وغیرہ کی تلاش میں دیر ہرگز نہ کرنا چاہئے، ملک اور برادری میں غریب اور امیر دونوں قسم کے لوگ ہیں، غریب گھرانے کی لڑکی آسانی سے مل سکتی ہے اور وہ خدمت گذار بھی ہوگی، نیز بیوہ لڑکی میں اس سے بھی زیادہ آسانی ہوگی، اگر کنواری کے ملنے میں دقت ہو بیوہ سے کرلیجئے، اگر یہ خیال مانع ہے کہ میرا فقر وفاقہ یا میری تنگ دستی کس طرح اس کو سنبھال سکے گی تو میرے محترم وہ اپنا رزق لے کر آئیگی، وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها (سورۃ ہود) نہ بھولئے۔ ان یکونوا فقراء یغنیهم اللہ من فضلہ (سورۃ نور) یعنی زوج اور زوجہ میں سے کوئی یا دونوں فقیر ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا، اس بشارت عظیمہ کو پس پشت نہ ڈالئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ثلث علی اللہ عونهم الناکح الذی یرید العفاف والمکاتب والمدیون الذی یرید اداء الدین (اوکما قال علیہ السلام) یعنی تین شخصوں کی مدد کرنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کرلی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جو کہ عفت

اور عصمت چاہتا ہے، دوسرے مکاتب، تیسرے وہ مقروض جو کہ اپنا قرض ادا کرنا چاہتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور جلد از جلد جہاں بھی ممکن ہو نکاح کر لیجئے اور عفت کا ارادہ رکھئے۔

رسوم نکاح کا حکم

اگر نکاح کے مصارف رسمیہ، جوڑے، زیور، بارات اور کنبہ کا کھانا پینا وغیرہ مانع ہو اور تنگدستی اس میں حارج ہو تو آپ کو خود معلوم ہے کہ یہ چیزیں غلط طریقہ پر ہم مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں، اور اس زمانہ کا افلاس اور گرانی ہرگز ہرگز ان امور کی اجازت نہیں دیتی ہیں، ان سب امور کو برادری سے اٹھانا اشد ضروری ہے اور نکاح سادگی سے معمولی مہر کے اوپر تمام مسلم برادریوں میں جاری ہونا لازم ہے، بڈھے اور عورتیں اس میں ضرور حارج ہوں گے، مگر برادری کے جوانوں کی پارٹی بنانی اور اس غلط کاری کے خلاف مورچہ قائم کر کے برادریوں کی ان ناقابل عمل رسموں کو اٹھا دینا اور ان کے خلاف جہاد کرنا ازبس ضروری ہے، اگر اس میں ماں باپ حارج ہوں تو ان کی اطاعت ضروری نہیں لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، ان کی بات نہ ماننی چاہئے، ہاں ان سے ہاتھا پائی، گالی گلوچ، مار پیٹ، بے ادبی اور گستاخی بھی نہ کرنی چاہئے، اور عدم تشدد کی نان ...... پالیسی جاری کر کے جوانوں کو ان غلط رسوم کو مٹا دینا چاہئے، ان غلط رسوم کی وجہ سے حرام کاری، اغلام، زنا، جلق وغیرہ اخلاق اور صحت کو برباد کرنے والی، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور معصیتوں میں مبتلا کر دینے والی صورتیں پیش آرہی ہیں جس سے دین اور دنیا کی عزت اور ناموس سب برباد ہوتے جارہے ہیں، نوجوانوں کو غیرت میں آنا چاہئے، اور مضبوطی سے اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ (مکتوبات ص۱۴۱ ج۴)

احکام شرع اور والدین کی اطاعت کا حکم

والا نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، جوانمردی اور اتباع خدا اور رسول علیہ السلام کی یہی شان ہے کہ انسان اپنے عزائم اور خواہشات کو اللہ ورسول کے حکم کے سامنے سربسجود کر دے اور خواہ کتنی بھی نفس پر مشقت اور ناگواری پیش آئے اس کی پروانہ کرے اور اللہ ورسول کا تابعدار بنا رہے،

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ یہ قول سرور کائنات علیہ السلام کا ہے لوگوں کے طعنوں اور والدین واعزہ واقرباء کی دل خراش باتوں کی وجہ سے نفس اگر کسی ایسی خواہش کا متقاضی ہو جو کہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہے تو نفس کی گوشمالی اور مخالفت کرنی چاہئے نہ کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، یہی ایمان ہے، یہی اسلام ہے، یہ دنیا ''دار کدر'' یہ دنیا ''دار امتحان'' ہے، یہ دنیائے دوں ''دار ابتلأ'' ہے، طرح طرح سے یہاں امتحانات ہوتے ہیں، سمجھ بوجھ کر نہایت ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ اس امتحان گاہ میں کامیابی حاصل کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری امداد فرمائے، آمین۔

میرے محترم بھائی! اگر چہ والدین اپنی ناواقفیت یا جہالت کی بنا پر خلاف طبع دلخراش آزردہ کلمات یا اعمال استعمال فرمائیں ان پر مردانہ وار تحمل اور صبر کیجئے، کسی بات پر الٹ کر جواب نہ دیجئے، اور نہ ان کا مقابلہ کیجئے اور نہ ان کو برا بھلا کہئے، اور ان کی ان مشقتوں اور مہربانیوں کو یاد کیجئے جو کہ انہوں نے آپ کے بچپن میں (جبکہ آپ پیدا ہوئے اور جبکہ آپ ضعیف وناتواں گودوں میں پلتے تھے) کی تھیں، اور آپ کے قوی ہونے تک کرتے رہے، اور ہر قسم کے ناز وانداز کو تحمل کرتے رہے: اما یبلغن عندک الکبر احد ھما او کلا ھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما، واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً (سورۃ بنی اسرائیل) اگر (ماں باپ) دونوں یا ان میں سے ایک تمہارے پاس بڑھاپے میں داخل ہو جائیں تو ان کو کبھی ہوں (گھبراہٹ کا کلمہ) مت کہہ، اور نہ ان کو جھڑک، اور ان سے کریمانہ باتیں کہا کر، اور رحمت وشفقت سے نیاز مندی کے بازوؤں کو ان کے سامنے پست کردے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہ کہ اے پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحمت اور شفقت فرما جیسا کہ یہ دونوں میرے بچپن میں مجھ پر شفقت کرتے تھے۔

میرے محترم! ماں اور باپ ہر ایک ان میں سے آپ کیلئے جنت ہیں، بجز خالق کی نافرمانی کے سب باتوں میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری آپ پر ضروری ہے، خواہ کتنی بھی

نفس پر شاق ہو، اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ان کی اطاعت کرتے ہوئے جس قدر ممکن ہو علم دین اور بصیرت فی الشرع پیدا کریں، فارغ اوقات میں اسی کی جدوجہد کریں، خواہ پڑھیں یا مطالعہ کریں یا عبادت میں مشغول ہوں۔ (مکتوبات ص۶ ج۴)

حکم والدین سے طلاق زوجہ کا حکم

والدین کی اطاعت ہر اس چیز میں واجب ہے جو کہ از قسم معصیت نہ ہو، لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ، نیز والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کی خدمت گذاری اور حسن معاشرت ضروری ہے: وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ اگر خلاف طبع ابن مفارقت زوجہ کا حکم کریں تو ابن کو زوجہ کا طلاق دینا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت عمرؓ نے فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باپ کے امتثال حکم کا ارشاد فرمایا۔ بہرحال مکرہ اور منشط میں والدین کو راضی رکھنا اور خدمت کرنا ضروری ہے، الا فی المعصیة۔ (مکتوبات ص۳۵۸ ج۴)

زوجہ سے حسن معاشرت

دوسرے امر کی نسبت آپ کو وہ حدیث شریف یاد دلاتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے: ان المرأة خلقت من ضلع ایسر وان اعوج شیٔ من الضلع اعلاہ (الحدیث) بے شک عورت (آدمؑ کی) بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہے، اور بہت ٹیڑھی چیز پسلی میں اوپر کی پسلی ہے۔

یہ صنف ہی طبعی طور پر اعوج ہے اور چونکہ اعالی ضلع سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس میں اعوجاج بھی زیادہ تر ہے، اب دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی ضروری ہے، یا تو پوری طرح اس کو سیدھا کیا جائے تب تو توڑنا پڑ جائے گا جو کہ بہت سی دینی اور دنیوی مصالح کے خلاف ہے، یا اسی اعوج کے ساتھ ساتھ منافع دینی اور دنیوی کو حاصل کر لیا جائے اور اس اعوجاج پر صبر کیا جائے، آنحضرت علیہ السلام دوسری شق کا ارشاد فرماتے ہیں، اگر عورتیں اعوجاج سے پاک ہوتیں تو ازواج مطہرات ہوتیں، لہٰذا استقامت کاملہ کو تلاش کرنا اور بالخصوص نوعمر، ناتجربہ کار لڑکی

میں اور وہ بھی دیہات کی رہنے والی میں بہت زیادہ بے موقع بات ہے، شہروں کی لڑکیوں میں بہت سی باتیں حسب طبع پائیں گے مگر ان میں دوسری خرابیاں اتنی اور ایسی ہیں جن کے سامنے موجودہ خرابی کی کوئی وقعت نہیں، آخر کار کانپور کے متعلق آپ کو کچھ انکشافات ہوئے ہی تھے، اور پھر اگر یہ لڑکی بالکل مستقیم ہوتی تو آپ کے نفس کی اصلاح کس طرح ہو سکتی؟ آپ اپنے نفس کو جنیدؒ وشبلیؒ کا نفس سمجھتے ہوں گے، حالانکہ ان کا نفس بھی نفس ہی تھا، حضرت یوسف علیہ السلام تو فرماتے ہیں: وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔ ایسے ظلوم وجہول کو جب ہر وقت چونکے اور تیز چونکے نہ پڑیں گے کب درست ہو سکے گا؟ خدا کا شکر کیجئے کہ آپ کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے سامان کیا ہے جس میں آپ کو ایک گونہ مجبوری ہے، ملازم اگر خلاف طبع کام کرتا کان پکڑ کر نکال دیا جاتا، مگر یہاں نہ نکال سکتے ہیں اور نہ چونکوں سے محفوظ رہتے ہیں، علیحدہ رکھ کر اگرچہ بغیر طلاق ہو زندگی بسر کرنا سخت نامردی اور جبن ہے اور اصلاح نفس سے بہت دور کرنے والا ہے، یہ بہت عمدہ ذریعہ آپ کی درستی کا ہے، تحمل کیجئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل کو سامنے رکھئے، یہاں تو شرارت کا مادہ نہیں ہے، وہاں فقد صغت قلوبکما ہے، وہاں تو عورتیں سوت موجود ہیں، یہاں ایک ہی بچاری ہے۔ ؎

بھونرا بولے پھول کا کلی کلی رس لے　　　کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیووے

ساتھ رکھئے اور بوجھ اٹھایئے اور صبر کیجئے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پیجئے اور اس کو نعمت سمجھئے، یہاں حوروں کے ملنے کا امکان نہیں ہے، اُن کیلئے یہ ذریعہ ہے، والدہ ماجدہ درست کرتی رہیں گی اور ان شاء اللہ آہستہ آہستہ درستی آتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں اس کی اصلاح کی بھی دعا کیجئے، وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا الآیۃ۔ اور گذران کران عورتوں کے ساتھ اچھی طرح، پھر اگر وہ تم کو نہ بھادیں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

اس میں ان شاء اللہ خیر وبرکت ہے، ان کے حقوق مضاجعت وغیرہ میں بھی کمی نہ کیجئے،

اگر غصہ کی وجہ سے ناگوار امور پر جلنا بھننا بھی پڑے تو ازواج مطہرات نے بھی آنحضرت علیہ السلام کو اس قدر ستایا تھا کہ دو دو تین تین دن تک غصہ کی بنا پر بات نہیں کرتے تھے، نہ آپ کا نفس نفوس نبویہ سے پاک تر ہے کہ اس کی اصلاح کی ضرورت نہ ہو، اور نہ آپ کیلئے ازواج نبویہ سے بالاتر عورت ڈھونڈی جاسکتی ہے، صبر نہیں بلکہ شکر کا موقع ہے، واللہ ولی التوفیق (مکتوبات ص ۱۵۵ ج ۱)

زوجہ کی خواہش پوری کرنا

بال رکھنا یقیناً سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) ہے، والد ماجد کی اطاعت بھی ضروری ہے، اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی جب تک کہ حدود شرع سے باہر نہ ہو پوری کرنی مستحسن اور مطلوب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تحب ان اتزین لھا کما احب ان تتزین لی (ترجمہ) میری زوجہ چاہتی ہے کہ میں اس کیلئے زیب وزینت کروں جس طرح میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے لئے زینت کرے۔ خلاصہ یہ کہ زینت بھی اول حقوق میں سے ہے جن کا پورا کرنا زوجین پر ایک دوسرے کیلئے مطلوب ہے، قرآن شریف میں ہے: ولھن مثل الذی علیھن، اس میں بہت سے مصالح بھی ہیں۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (مکتوبات ص ۳۶۶ ج ۴)

عورت کیلئے شرعی پردہ

(الف) نماز میں عورت کو اپنے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے بجز چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے، اگر نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ اتنی دیر کھلا رہے گا جتنی دیر میں وہ کوئی فریضہ نماز ادا کرتی تو نماز باطل ہو جائے گی، حتی کہ اگر سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ یا گردن یا بانہہ کا چوتھائی حصہ کھل جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ یہ کھلنا گھر میں ہو یا باہر، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔

(ب) عورت کے تمام اعضاء خاوند کیلئے دیکھنے جائز ہیں، کسی حصہ جسم کو اس سے چھپانا ضروری نہیں ہے اور اسی طرح مرد کا تمام جسم بیوی کو دیکھنا جائز ہے۔

(ج) ایسا رشتہ دار جس سے نکاح جائز نہیں ہے جیسے باپ، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی یا اخیافی

بھائی، چچا، ماموں، بیٹا، داماد وغیرہ ان سے پیٹھ، پیٹ، ناف سے لے کر گھٹنے تک کا جسم چھپانا فرض ہے، سر، بال، گردن، بانہہ وغیرہ ان کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں۔

(د) جن لوگوں سے نکاح جائز ہے خواہ رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ داران سے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے، خواہ چہرہ ہو یا ہاتھ، پیر یا سر کے بال وغیرہ، بالخصوص جبکہ فتنہ کا خوف ہو، البتہ بوقت ضرورت بمقدار ضرورت اجنبی کے سامنے بدن کھول سکتی ہے جیسے بیمار کو حکیم وطبیب کے سامنے نبض دکھانا، درد کی اور زخم کی جگہ کھولنا وغیرہ، یا قاضی اور گواہ کے سامنے چہرہ کھولنا، یا ضرورت خرید وفرخت کیلئے جبکہ اس کا کوئی کارکن نہ ہو ہاتھ سے لین دین کرنا وغیرہ۔ (مکتوبات ص ۸۷ ج ۴)

جن عورتوں سے پردہ ضروری ہے

ہر ذی رحم محرم عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہے آپ اس کے ساتھ کھا سکتے ہیں، اسی طرح غیر مشتہاۃ لڑکی کے ساتھ کھا سکتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہو، چچازاد بہن، ماموں زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، خالہ زاد بہن اگر وہ رضاعی بہن نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اس لئے اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاسکتا جو ذی رحم محرم (اپنی حقیقی یا رضاعی بہن یا بیٹی) کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، یہی حال مصافحہ، دست بوسی وغیرہ کا ہے۔ (مکتوبات ص ۸۵ ج ۴)

عورت کا اونچی ایڑی والا جوتہ پہننا

لیڈی پمپ اونچی ایڑی کا چپل وغیرہ عورتوں کے مخصوص لباسوں میں سے ہیں، اگر ان میں مشابہت غیر مسلم قوموں کی عورتوں سے نہ ہو یعنی یہ لباس مسلمان عورتوں میں بھی مستعمل ہو رہا ہو یا ان کے پہننے پر ضرورت مجبور کرتی ہو، مثلاً عورت کو سفر درپیش ہے اور ہندوستانی بھدے جوتے یا زیرپائی سے سفر میں دقتیں آمدورفت میں پڑتی ہیں تو لیڈی پمپ کا استعمال جائز ہوگا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اپنا دیسی لباس کھڑی ایڑی کا جوتہ استعمال کریں۔ (مکتوبات ص ۸۶ ج ۴)

عورت کیلئے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

اگر یہ سب عورتیں ذی رحم ہیں تو پردہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر بعض ایسی ہیں جن

سے یہ علاقہ مذکورہ نہیں ہے تو ان میں اور امام میں پردہ حائل ہونا چاہئے، عورت مسجد میں جا کر نماز با جماعت پڑھ سکتی ہے، سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ گھر میں پڑھے اور جس قدر پردہ داری کے ساتھ پڑھے گی اسی قدر نماز افضل ہوگی، بیوی کو بھی اپنے شوہر کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، داہنے نہ کھڑی ہو۔ (مکتوبات ص ۸۷ ج ۴)

عورت سے مصافحہ کا حکم

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان سے مصافحہ اور دست بوسی کی جا سکتی ہے، شہوت نہ ہونی چاہئے۔ (مکتوبات ص ۸۷ ج ۴)

مرد کیلئے شرعی لباس

مردوں کیلئے شرعی لباس کی کوئی وضع قطع معین نہیں ہے بجز اس کے کہ کشف عورۃ یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا کھلنا نہ ہو، اگر یہ حصہ کل یا بعض کسی لباس میں کھلتا ہے تو نا جائز ہوگا، جیسے دھوتی اور ایسا لباس جو کہ کسی غیر مسلم قوم کا مخصوص ہو اور اس کے پہننے سے ان کو تشبہ ہوتا ہو وہ بھی حرام ہے، اسی طرح عورتوں کا لباس مردوں کو پہننا حرام ہے، اسی طرح ریشمی کپڑا جس میں ریشم بالکل یا غالب ہو حرام ہے، اسی طرح ایسا پائجامہ یا لنگی جس سے ٹخنہ ڈھک جائے، اسی طرح ایسا لباس جس کو متکبرانہ طریقہ پر استعمال کیا جائے اور اس سے غرباء کی تذلیل وتوہین اور اپنی بڑائی مقصود ہو، اسی طرح وہ لباس جس کی طہارت میں شبہ ہو یا عدم طہارت کا یقین ہو، کسی متبع شریعت اور نمازی کو جب تک کہ اس کو پاک نہ کر لیا جائے یا اس کی پاکی کا ظن غالب نہ ہو جائے اس کو استعمال نہ کرنا چاہئے۔ غیر ممالک کے کپڑے بناتے وقت میں ماوا دیئے جاتے ہیں اور اس میں چربی ڈالی جاتی ہے جو کہ ان ممالک میں پاک نہیں ہوتی، یہی حکم ان ممالک کے کپڑوں کا بھی ہوگا جو کہ تجارتی طریقوں سے کامیاب ہو کر اسلام اور ممالک اسلامیہ کو برباد کر رہے ہیں، کیونکہ اس میں اہل حرب دشمنان اسلام کی امداد ہوگی، برخلاف اس کے اپنے ملک کے کپڑوں کے استعمال میں اپنے پڑوسیوں اور اپنی قوم کے غریبوں کی امداد ہوگی جو کہ بہت ضروری ہے اور بعض اوقات میں فرض ہے۔

عورت کیلئے شرعی لباس

عورتوں کو ایسا لباس نہ چاہئے جس میں ان کا ایسا جسم ظاہر ہو جو کہ کھلنا نہ چاہئے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں باعتبار نماز اور ہے اور باعتبار خارج نماز، اجنبیوں، ذی رحم محرم، دیگر رشتہ داروں سے اور ہے۔ ایسا لباس نہ ہونا چاہئے جس میں مردوں کی مشابہت ہوتی ہو، ایسا بھی نہ ہونا چاہئے جس میں کفار عورتوں کی مشابہت ہوتی ہو، ایسا بھی نہ ہونا چاہئے جس میں نیچے کا بدن نظر آتا ہو، ایسا چست اور کسا ہوا نہ ہونا چاہئے جس میں اندرونی بدن کی کیفیت نظر آتی ہو، چوڑی دار پائجامہ اگر ایسا کسا ہوا نہ ہو جس سے بدن کی کیفیت نظر آئے بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو تو جائز اور مناسب ہے، قمیص کا بھی یہی حال ہے۔ (مکتوبات ص ۸۵ ج ۴)

کذب صریح کی اجازت

آپ نے جو صورت دعویٰ کے دفع ظلم اور جلب مصلحت کیلئے لکھی ہے اس کے متعلق میں عبارت شامی کی پیش کرتا ہوں: (الدر المختار جلد ۵ ص ۳۷۷)

الکذب مباح لاحیاء حقه و دفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام قال وهو الحق ، الخ . وقال الشامی فی الحاشیة واعلم ان الکذب قد یباح وقد یجب، والضابط فیه کما فی تبیین المحارم وغیره عن الاحیاء ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیه بالصدق والکذب جمیعا فالکذب فیه حرام، وان امکن التوصل الیه بالکذب وحده فمباح ان ابیح تحصیل ذلک المقصود وواجب ان وجب تحصیله، کما لو رای معصوما اختفی من ظالم یرید قتله او ایذاء ه فالکذب ههنا واجب، وکذا لوساله عن ودیعة یرید اخذ ها یجب انکارها، ومهما کان لا یتم مقصود حرب او اصلاح ذات البین الخ.

شامی کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تعریض بلکہ کذب صریح بھی خاص خاص صورتوں میں جائز ہے، یہ عبارت بغور پڑھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں دروغ گوئی کی اجازت ہے۔ (مکتوبات ص ۲۰۸ ج ۴)

بوجہ مجبوری کذب اور رشوت کا گناہ نہ ہوگا

اپنے حق کے حصول کیلئے اگر بغیر جھوٹ بولنے کے کام نہ چل سکے تو یقیناً جائز ہے، اسی طرح رشوت دینا بھی اس وقت جائز ہے جبکہ اپنا کوئی حق رشوت دینے کے بغیر حاصل نہ ہوسکتا ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی تصریحات فرمائی ہیں اور فقہاء کرام بھی تصریح فرمارہے ہیں، البتہ یہ دونوں چیزیں کسی دوسرے کے حق تلف کرنے کیلئے جائز نہیں ہیں، اس لئے آپ کو تر ددنہ کرنا چاہئے۔ جیسے اصل اور جائز حقوق کیلئے مدعی کو بوقت ضرورت جھوٹ کا جواز ہے ایسے ہی شہود کیلئے بھی بقدر ضرورت جواز ہوگا۔ (مکتوبات ص ۲۱۰ ج ۴)

مدح سرائی کا حکم

آپ کو چاہئے کہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی مدح سرائی کرنا چھوڑ دیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احثوا فی فم المداحین التراب (بہت تعریف اور مدح سرائی کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو) ایک شخص نے دوسرے کی تعریف اس کے سامنے کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسرت ظھر اخیک (تو نے اپنے بھائی کی پشت اور کمر توڑ دی) ایک دوسرے شخص کو کسی کی تعریف کرتے سنا تو ارشاد فرمایا کہ کسی کی تعریف اور پاکیزگی اللہ تعالیٰ پر نہ کرو، اگر ضروری ہو تو یہ کہو کہ میرا گمان ہے کہ فلانا ایسا اور ویسا ہے، یعنی یقینی طور پر کسی کی پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تمہارا کسی کے متعلق یقینی طور پر مدح سرائی کرنا اللہ تعالیٰ کے اوپر جسارت کرنا ہے، الغرض اسی قسم کی بہت سی حدیثیں مدح سرائی کی ممانعت میں وارد ہیں، مگر آپ ہر تحریر میں ایسی جھوٹی تعریفیں کرتے رہتے ہیں، اس خط میں بھی لکھتے ہیں ''علامۃ المحققین، امام المتقین، حکیم العالمین'' کیا یہ سب جھوٹ نہیں ہے؟ آپ کو کیا معلوم کہ میں کیسا ہوں؟ اور آپ کو میرے عیوب اور بد باطنیاں جبکہ معلوم نہیں بلکہ صرف حسن ظن ہی ہے تو غایت مافی الباب آپ کو مولوی لکھ دینا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت ہو تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟ اور اگر میرا نفس ان الفاظ کی وجہ سے تکبر اور غرور میں مبتلا ہو گیا تو میں تو برباد

ہوہی گیا، مگر کیا آپ اس گناہ میں شریک نہ ہوں گے؟ اب اس کی مکافات میں مجھ کو بھی چاہئے کہ میں آپ کو ایسے ہی القاب لکھا کروں، غور کیجئے کہ معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔

سورۃ نجم میں فرماتے ہیں: ھو اعلم بکم اذ انشأکم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امھاتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی (اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے اس وقت سے جبکہ تم کو مٹی سے بنایا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے، تو تم اپنے نفوس کی پاکیزگی مت ظاہر کرو، وہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو کہ پرہیزگار ہوا) سورۃ نساء میں ہے: الم تر الی الذین یزکون انفسھم بل اللہ یزکی من یشاء (کیا تو نہیں دیکھتا ان لوگوں کو جو کہ اپنی پاکیزگی کا اظہار اور دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے)

میرے محترم! یہ طریقہ غلط ہے اور ہم لوگ بے سوچے سمجھے اس غلط طریقہ پر چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم میں غرور اور تکبر کا مہلک مرض روز افزوں ہوتا جاتا ہے، ہم تواضع اور انکساری کے الفاظ اپنی زبان سے منافقانہ طریق پر لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ذرہ بے مقدار ہیں، ہم عاصی گنہگار ہیں، ہم سب سے بدتر ہیں، ہم ناچیز ہیں، ہم فدوی ہیں، ننگ خلائق ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر ہم کو اگر کوئی شخص جاہل یا بددین یا گدھا یا کتا یا سور یا بے ایمان یا منافق یا بدمعاش یا چور یا جھوٹا وغیرہ کہہ دیتا ہے تو ہمارے غصہ کا پارہ اس قدر چڑھ جاتا ہے کہ مارنے اور مرنے بلکہ اس سے بھی تجاوز کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، کیا یہ سب جھوٹ اور نفاق نہیں؟ اعاذنا اللہ وایاکم عنھا وعن امثالھا۔ (مکتوبات ص ۵٦ ج ۴)

صبر کی تاکید اور خودکشی کا حکم

کسی مصیبت دنیاوی کی وجہ سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو خودکشی کرنی اور اس پر عزم وارادہ کر لینا انتہائی بزدلی، انتہائی ظلم اور انتہائی گناہ ہے، امر اول تو اس لئے کہ قرآن مجید میں صبر کی جس قدر تاکید کی گئی ہے کسی عمل کی اس قدر تاکید مکرر وسہ کرر نہیں آئی ہے، بعض اکابر نے تو فرمایا کہ تقریباً ایک سو بیس سے کچھ زائد آیتیں صبر کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور بڑے

بڑے ثواب کا ان پر وعدہ کیا گیا ہے۔انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر مصیبتیں ڈھائی گئیں وہ کسی فرد بشر پر نہیں آئیں، مگر آپ نے بار بار صبر فرمایا اور اللہ کی طرف سے بار بار اسی کی تاکید آتی رہی اور فرمایا گیا: فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم الآية (سورۃ احقاف) اس طرح صبر کر جس طرح پیغمبروں میں سے ہمت اور عزم والوں نے صبر کیا، اور دشمنوں کیلئے جلدی مت کر الخ۔

میرے بھائی! بہادری اور شجاعت اسی صبر ہی کا نام ہے، نامرد اور بزدل وہی ہے جو صبر نہیں کرتا اور بھاگ جاتا ہے، انبیاء علیہم السلام اور ائمہ کبار پر جو جو مظالم کئے گئے ان کا سواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی آپ پر نہیں پیش آیا ہے اور آپ اس طرح بے خود ہو رہے ہیں، لاحول پڑھئے اور جواں مرد بنئے اور دین وایمان کی خدمت اور حق کی راہ میں مردانہ وار تگاپو کیجیے اور صبر واستقلال پامردی اور جفاکشی سے مشکلات کو دور کیجئے، اور اگر اس میں خدانخواستہ موت بھی آجائے تو درجۂ شہادت حاصل کیجئے، مگر ہرگز ہرگز خودکشی اور حرام موت کا خیال تک بھی پاس نہ آنے دیجئے۔

دوسرے اس لئے کہ کوئی انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اور نہ اس کا خالق ہے، یہ جسم خدا نے پیدا کیا ہے اور روح کو اس پر حاکم چند دنوں کیلئے اسی طرح بنا دیا ہے جیسے امانتدار کو امانت کا حاکم بنا دیا جاتا ہے، کسی روح انسانی کو اپنے جسم میں ایسے تصرفات کی اجازت نہیں ہو سکتی جو خالق کی اجازت کے خلاف ہیں، کسی انسان کا اپنے جسم کو برباد کرنے کا عمل یا ارادہ کرنا خداوندی مملوک میں بلا اجازت بلکہ اس کے حکم کے خلاف تصرف کرنا ہے، اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہوگا؟

اسی بنا پر قرآن مجید پارہ پانچ کے آغاز میں فرمایا گیا: ولا تقتلوا انفسكم الآية، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجاہد کو جس نے غزوۂ خیبر میں انتہائی بہادری دکھلائی تھی اور تمام صحابہؓ اس کی بہادری اور مجاہدانہ سرگرمی کے سامنے اپنی عملی کارروائی کو ہیچ سمجھ رہے تھے، اسی خودکشی کی وجہ سے اہل نار میں سے فرمایا تھا، چنانچہ یہی ہوا کہ وہ شخص (قزمان) مجاہدانہ انتہائی سرگرمیوں کی وجہ سے سخت زخمی ہوا، تکالیف زخم پر صبر نہ کر سکا اور خودکشی کر بیٹھا۔

ہرگز ہرگز ایسا شیطانی خیال دل میں آنے بھی نہ دیجئے، دنیا کی بے عزتی اور دنیا کی تکالیف خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں آخرت کے عذاب کے سامنے خواہ وہ ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کیلئے ہو اتنی بھی نسبت نہیں رکھتیں جو کہ ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہے، پھر ان تکالیف دنیاویہ کی وجہ سے آخرت کا عذاب دائمی خودکشی کے ذریعہ سے سر کر لینا کس قدر جہالت اور حماقت ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ توبہ کیجئے اور ایسے شیطانی وسوسہ کو دل اور دماغ کے پاس بھی آنے نہ دیجئے۔

تیسرا امر یعنی انتہائی گناہ ہونا بھی دوسری وجہ سے سمجھ میں آ گیا ہوگا، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی نفس کو قصاص اور فساد کے علاوہ قتل کیا تو گویا اس نے تمام عالم انسانی کو قتل کر ڈالا (دیکھو سورۃ مائدہ آخر نصف اول) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کا زائل اور ہلاک وفنا ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے گھٹا ہوا اور اہون ہے۔ خبردار خبردار ایسا ارادہ کبھی نہ کیجئے بلکہ اس کا خیال تک بھی پاس آنے نہ دیجئے، صبر کیجئے تحمل کیجئے، معاذ اللہ اگر ایسا کیا تو اپنی موت سے آپ اپنے کو بھی ہلاک کریں گے اور اس بڑھاپے میں اپنے والدین کی زندگی نہ صرف تلخ کریں گے بلکہ ان کو بھی ہلاک کریں گے، یہ دنیا راحت کی جگہ نہیں ہے بالخصوص اللہ والوں اور اہل حق کیلئے، اور یہاں جو شخص زیادہ تر مقرب الٰہی ہے اسی قدر مصیبتوں کا شکار ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اشد الناس بلاءً الا نبیاء ثم الامثل فالا مثل (سب سے زیادہ سخت بلائیں انبیاء پر آتی ہیں پھر درجہ بدرجہ ان کے مماثلین اور مشابہین پر آتی ہیں) اس لئے اس امتحان گاہ میں پاس ہونے کی فکر کیجئے اور حق پرستی اور صبر وتحمل کا وہ نمبر پیش کیجئے کہ میدان آخرت میں اعلیٰ درجہ کا انعام ملے اور اللہ کی خوشنودی اور رضا کا سرٹیفکیٹ حاصل ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جئے، دنیا نے تہمت، ظلم، حسد، افتراء وغیرہ سے کس کو معاف رکھا ہے؟ جب انبیاء علیہم السلام اس سے نہیں بچ سکے تو میں اور آپ کیا ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، الحذر الحذر۔ یکم شوال ۱۳۶۲ھ (مکتوبات ص ۵ ج ۴)

حرام آمدنی سے چندہ کا حکم

جن لوگوں کی آمدنی سب کی سب یا اکثر اور غالب حصہ حرام کا ہے اور یقیناً معلوم ہے تو ائمہ، مؤذنین وغیرہ کو ان کے چندہ یا ان کی دی ہوئی تنخواہ یا کھانا جائز نہیں، اگر اکثر حصہ حلال ہے جو کہ حرام سے مخلوط ہو گیا ہے یا علم نہیں ہے تو جائز ہے۔(مکتوبات ص ۸۳ ج ۴)

حرم کی چیز بطور تبرک ساتھ لانا

شوافع کے یہاں حرم کی کوئی چیز جنس ارض کی حتی کہ صراحیاں بھی حرم سے نکالنی جائز نہیں، مگر حنفیہ غیر ضروری اور زائد کی یا ان چیزوں کی جو انسانی ضرورتوں کیلئے بنائی گئی ہوں اجازت دیتے ہیں۔(مکتوبات ص ۱۰۰ ج ۳)

دیسی کپڑے کا کفن بنانا

سوال: کیا آپ اس میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے جس پر لٹھے کا کفن ہو؟

جواب: بالکل صحیح ہے یہ میرا عمل اس وقت سے ہے جبکہ ترک موالات کی وجہ سے ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کیا گیا، اس وقت سے میں نے آج تک دیسی ہی کپڑے پہنے اور کھدر ہی کا استعمال کیا، جنازہ کی نماز جبکہ اس کا کفن غیر کھدر ہوتا پڑھانا چھوڑ دیا تھا تاکہ لوگوں کو اس سے نفرت اور دیسی مصنوعات سے الفت اور انس پیدا ہو، مگر کفن اگر غیر کھدر ہوتا ہے تو میں نماز نہیں پڑھاتا ہوں پڑھ لیتا ہوں نماز نہیں چھوڑتا۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ملوں کے کپڑوں میں خواہ یورپ کے ہوں یا ہندوستان کے چربی ضرور استعمال کی جاتی ہے، کورے کپڑوں میں ضرور اس چربی کا میل ہوتا ہے، البتہ دھلنے کے بعد وہ زائل ہو جاتی ہے، یہ چربی یورپ اور ہندوستان میں کہیں بھی پاک نہیں ہوتی، بلکہ اس میں خنزیر اور مردہ جانوروں اور غیر مذبوح جانوروں کی چربی ہوتی ہے، یورپ میں جانوروں کو مشین سے ذبح کیا جاتا ہے، ہندوستان کی ملوں میں بھی کوئی احتیاط چربی میں نہیں ہوتی، اس لئے کورے کپڑے ملوں کے یقیناً مشتبہ ہیں، البتہ دیسی کپڑوں میں چربی کا استعمال نہیں ہوتا ان میں ماڑی استعمال کی جاتی ہے، پھر آپ ہی فرمائیے کہ ہم کو

ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ آپ خود بھی ملوں میں جا کر تحقیق کر لیجئے۔ اب اگر چہ تبدیل صورت اور خاصیت کی وجہ سے فتویٰ پاک ہونے کا دیا جاتا ہے، نیز عموم بلویٰ بھی ہے مگر کیا اس میں احتیاط مناسب نہیں ہے؟ خصوصا جبکہ اپنے دیس کے غریب مزدوروں اور کپڑا بننے والوں کی امداد واعانت بھی ہو، غور فرمائیے کہ ان یورپین اور ہندوستانی ملوں والے سرمایہ داروں نے ہندوستانی غریب دستکاروں کو انتہائی درجہ میں مفلوک اور محتاج بنا دیا ہے، ایسی حالت میں غیرتمند ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کو کیا کرنا چاہئے، واللہ اعلم ۔ ۱۱صفر ۷۷ھ۱۳ (مکتوبات ج ۳ ص ۱۹۴)

ایصال ثواب کا طریقہ

بخشش قرآن میں اختیار ہے کہ جس کو چاہے بخشے، جس کا نام لے گا اس کو ثواب پہنچے گا، اگر چند آدمیوں کا نام لے گا تو تقسیم ہو کر حصہ رسد پہنچے گا، اگر بخشنے والے نے یہ کہا کہ اس کا ثواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پہنچے اور ان کے طفیل میں تمام مومنین اور مومنات کو پہنچے تو ثواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے گا اخیر کلام بے کار ہوگا، اور اگر یہ کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سب مؤمنین اور مومنات کو ثواب پہنچے تو قبولیت کی زیادہ امید ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کو ثواب نہ پہنچے گا، بلکہ پورا ثواب تمام مومنین ومومنات میں تقسیم ہو جائے گا، بخشنے والے کو ثواب قرآن میں سے کسی امید کا حق نہیں ہے، جب وہ اپنی چیز دے چکا تو اس میں سے اس کو کیا مل سکتا ہے۔ ہاں جن حضرات کو وہ ثواب پہنچے گا وہ حسب ارشاد: اذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها (الآیة) دعا اور سفارش بارگاہ الٰہی میں کریں گے تو ممکن ہے کہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اس قدر فائدہ ہو جائے جو کہ بخشنے والے کو اصل ثواب میں حاصل نہ ہوتا۔ تمام اولین وآخرین مسلمانوں کو ثواب پہنچنے میں کوئی اشکال نہیں، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ (مکتوبات ص ۲۳ ج ۴)

(نوٹ: اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب پہنچتا ہے جیسا کہ رحمت باری تعالیٰ کا تقاضا بھی یہی ہے، علامہ شامیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، نیز بعض

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی ،اس کی تفصیل کیلئے امدادالاحکام جلد ا صفحہ ۲۴۸ ملاحظہ فرمائیں ۔احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ، یکم رجب ۱۴۲۴ھ)

ایصال ثواب کا مسنون طریقہ

سوال: ارواح بزرگان کو طریقہ ایصال ثواب کا کیا ہے ،کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر بتی جلا کر ،عود وغیرہ سلگا کر چند سورت قرآن پڑھنا یہ مسنون طریقہ ہے؟ اور اس کھانے میں سے اور اس شیرینی میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غرباء ومساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور دادا پیر حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے؟ (از حاشیہ)

جواب: ایصال ثواب کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے ،عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئیں ہیں جو کہ ایصال ثواب کیلئے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں ،مثلاً اس کو تبرک سمجھنا اور خود کھانا ،بچوں کو کھلانا، احباب میں تقسیم کرنا ،اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد کرنا کہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال کیا گیا ہے ،قراءت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا ،اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لیپنا ،خوشبو سلگانا، پڑھنے والے امام یا مؤذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا ،عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا ،اور عموماً یہ چیزیں محض نام ونمود اور شہرت کی غرض سے ریاءً وسمعۃً کی جاتی ہیں یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے ،اخلاص ہوتا ہی نہیں ،علی ہذا القیاس بسا اوقات حلال مال ہی نہیں ہوتا ،بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی ،بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نابالغ ہوں ،مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنیٰ قسم ،عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں ،حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہے۔

حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں:

وآدابیکہ بحضور طعام فاتحہ دربار بجامی آرند پس ایں ہم اتباع خیالات فاسدہ خود است، چہ فاتحہ بسبب آں طعام بجائے صاحب فاتحہ نشدہ، پس چرا آدابیکہ دراستحسان آں بہ نسبت صاحب فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل باید آورد، وملک وے نگردیدہ، چہ اگر ملک اوست پس چرا فاتحہ کنندگان دخل درآں میکنند بموجب خواہش خود می خورند می خورانند، بلکہ آں رابوارثان صاحب فاتحہ رسانند، نیاز حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا رابسادات دہند و نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ باولاد امجاد ایشاں حوالہ نمایند، وعلیٰ ہذا القیاس۔ واگرایں آداب بگماں حلول روح صاحب فاتحہ درآں طعام یا لمس وے است آں طعام رایا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ اوشد ایں ظنون فاسدہ ایشاں است کہ ہرگز معلوم ایشان نیست، واگر بالفرض والتقدیر چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ درآداب طعام ازاں تجاوز نکردہ پس حاصل ازآداب آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بکفرہ ہنود کہ احیانا حبوب وغلات واجناس اطعمہ را پرستش می کنند الخ (صراط مستقیم ص ۵۶ تا ۵۸)

ترجمہ: جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانے پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے، کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کیلئے نہیں ہوتا، پس وہ آداب کیوں بجالائے جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے، اور وہ کھانا اس کی ملکیت نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کی ملکیت ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اس کے اندر کیوں دخل دیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں، بلکہ صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں، اور حضرت فاطمہؓ کی نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبدالقادر جیلانی کو ان کی اولاد کے حوالہ کرتے ہیں، اسی پر اور قیاس کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کے سرایت کرنے یا اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں یا یہ کہ یہ کھانا ان کا کھایا ہوا اور ان کا جھوٹا ہے تو یہ خیالات باطل اور لغو ہیں جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں، اگر مان لیا جائے کہ کچھ معلوم بھی ہے پس جو تعریف کہ آداب طعام کیلئے ضروری ہے وہ اس

کھانے کے آداب سے حاصل نہیں ہوتی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہندوؤں کے طریقہ کی مشابہت ہوتی ہے جو کبھی کبھی دانہ اور غلہ اور کھانے کی چیزوں کو سامنے رکھ کر پرستش کرتے ہیں۔

چونکہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے دادا پیر ہیں اس لئے ان کی تحریر پیش کر رہا ہوں۔

خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فیصلہ ہفت مسئلہ میں صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

''اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ (فاتحہ) میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا'' (ص ۷) اور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص وتعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے، اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے تو کوئی حرج نہیں، سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی، متأخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب ولسان کیلئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے، اسی طرح اگر زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے الخ

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قیود اور تخصیصات لازم نہ تھیں بلکہ کلی کے تحقق کی شخصیات تھیں جب تک کسی کو کلام نہ تھا، مگر جبکہ عوام کے اعمال واقوال سے حکماء امت نے اندازہ کر لیا کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہوگئی ہیں ان کو منع فرمانے لگے، کیونکہ تخصیص مطلق اور تقیید ناجائز ہوگئی ہے جس کو حضرت رحمہ اللہ خود فرما رہے ہیں کہ ناجائز ہے، اسی کو صراط مستقیم میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۵۶ کے آخر میں ہے:

مصرف طعام ہر گرسنہ ومحتاج است، آرے پرہیزگار بہتر از غیر پرہیزگار است، پس

صحنک وتوشہا کہ ساختہ پرداختہ پیشنان است وبتلاحق افکار رو بہ حقیقتے نہایت دور از حق پیدا شدہ واکابر بزرگان حال آنرا دراوقات تربیت وارشاد ضمن کلیات بیان فرمایند، وتخصیص ومجاہرات انکار درعین وقت مقابلہ ایں رسوم غیر مفید انگاشتہ خاموش می شوند، ازخاموشی آنہا فریب نخوردہ، در محو آں سعی باید کرد چہ ایں قیود شدہ شدہ بقبائح انجامید وآں قیود ضرور تر از قیود شرعیہ در اذہان جہلاً قراریافتہ کہ التزام آنرا جزء اسلام وایمان می پندارند، وتارک ساعی را در ہدم اساس آں خارج از ایمان می شمارند۔ چوں التزام رسوم بایں حد رسد بالکل قلب مطلوب وعکس مقصود گردیدہ، واجب الترک می گردد وبنا برتمیز سنن از فرائض تاکید یکہ درحدیث می شود یاد کردہ دریں محل بکار باید برد، ورواج نذر ونیاز بایں حد رسیدہ کہ از نذر طعام وغیرہ گذشتہ جانہائے جانوراں کہ نیاز می کنند ودر ذبح آں خوشنودی غیر خدا جل شانہ قصد کردہ مطابق حدیث شریف لعن اللّٰہ من ذبح لغیراللّٰہ ملعون شوند، وبقول اکثر علماء ایں لعنت بجہت کفر است، پس امرے کہ کفر شد آں را عبادت پنداشتن بکدام مرتبہ زشتی وزبونی خواہد بود؟ وحقیقت آن است کہ کسانیکہ درنذر ونیاز ارتکاب معاصی وکفر می کنند ایشاں را ایصال ثواب منظور نیست، بلکہ شرک می کنند ومی دانند کہ ایں کار برائے بزرگان می کنیم معنی عبادت خدا ہرگز در ذہن شاں نمی باشد دلیلش آن کہ ہر کہ در توشہا ونیاز ہائے بزرگان مبلغان کثیرہ صرف کردہ باشد اگر از وے پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ؟ خواہد گفت کہ نہ، بالجملہ خدا را وآنہا را بعضے در مرتبہ مساوی تقرب ورضا جوئی می نہند بیان حال ہمیں بعض است ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادا یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حباللّٰہ (بقرہ)۔

وبعضے ترجیح می دہند، وبعضے آنہا را کافی حاجات خود بالاستقلال دانستہ از التجاودعا بجناب حضرت حق جل شانہ بے نیازی شوند، پس چارہ کار طالب حق وصواب، تتبع مرضیات خداورسول دریں جزایں نیست کہ بروح ہر شخصے کہ ایصال ثواب منظور باشد بلاقید وضع وجنس طعام وتناولان آں ہر چیز یکہ انفع وبہتر درحق فقراء ومحتاجین آن وقت باشد وبصفائی نیت مقروں تر بود صرف نماید واز طرف آن شخص نیت کردہ بعمل آرد، واگر دعا ہم کنند بہتر است، وتمام قیود ورسوم یک قلم

دور کنند و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست، غرض آن ست کہ مقید برسم نباید شد، بے تعین تاریخ وروز وجنس وقسم طعام ہروقت وہرقدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرا، ہرگاہ ایصال نفع بنیت منظور دارد موقوف براطعام نگذارد، اگر میسر باشد بہتراست والاصرف ثواب سورۃ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہاست، درتعین تاریخ وروز وقسم ووضع طعام ضیق پیش می آید، واعتناء واہتمام آن موجب اضاعت اوقات می گردد، ودیگر کارہائے اہم معطل می ماند، یگانہ وبیگانہ، آشنا ونا آشنا بروز تاریخ منتظر ومترقب می ماند واقرباء فراہم می آیند، وانسان را خواہ نخواہ آنچہ کردن دشوار می بود سرانجام آن ضروری افتد۔

ترجمہ: کھانے کا مستحق ہر بھوکا اور محتاج ہے، ہاں پرہیز گار آدمی غیر پرہیز گار سے بہتر ہے، پس صحنک اور توشے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ خیالات فاسدہ کی آمیزش سے حق بات سے کوسوں دور ایک حقیقت پیدا ہوگئی ہے جس کا حال بڑے لوگ تربیت وارشاد کے اوقات میں کلیات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، اور تخصیص اور کھلم کھلا بیان کرنے کو ان رسوم کے مقابلہ کے وقت غیر مفید سمجھ کر خاموش رہ جاتے ہیں، ان کی خاموشی کے فریب میں نہیں آنا چاہئے، بلکہ ان کے مٹانے کی ہر ممکن سعی کرنی چاہئے، کیونکہ یہ قیود آہستہ آہستہ برائی بن جاتے اور جاہلوں کے نزدیک قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری ہو جاتے ہیں جس کو بجالانا ایمان واسلام کا ایک جز سمجھتے ہیں، اور جو اس کا تدارک کرتا اور اس کی بنیاد مٹاتا ہے، اس کو ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔ جب ان رسومات کا التزام اتنا ضروری ہو گیا تو گویا مقصد کے برعکس ہوا، اور مطلب جاتا رہا، اس لئے ان کا چھوڑ دینا واجب ہو گیا، لہٰذا احادیث میں سنتوں کو فرائض سے ممتاز کرنے میں جو تاکید آئی ہے اس جگہ اس کو کام میں لانا چاہئے، اور نذر ونیاز کی رسمیں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ کھانے وغیرہ کی نذر سے گذر کر جانوروں کو نیاز کرتے اور ان کے ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا ارادہ کرتے ہیں بمصداق حدیث ”لعنت ہے اللہ کی اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے“ ملعون ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک لعنت بوجہ کفر کے ہے، پس

جو چیز کفر ہوگئی اس کو عبادت سمجھنا کس درجہ بڑا اور خراب ہوگا؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز میں گناہ اور کفر کے مرتکب ہوتے ہیں ان لوگوں کو ثواب پہنچانا منظور نہیں ہے، بلکہ یہ حضرات شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے واسطے ہم کر رہے ہیں اللہ کی عبادت کا معنی ہرگز ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا، اس پر دلیل یہ ہے کہ جو شخص توشوں اور بزرگوں کی نیازوں میں بہت سارو پیہ خرچ کرتا ہے اگر اس سے پوچھا جائے کہ کہیں خدا کیلئے بھی کچھ دیا ہے؟ کہے گا نہیں، اس صورت میں خدا کو اور ان بزرگوں کو قربت اور رضا جوئی میں برابر مرتبہ پر رکھتے ہیں جن کے مناسب حال یہ آیت ہے "اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی، اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی" اور بعضے لوگ تو انہی کو ترجیح دیتے ہیں، اور بعض تو اپنی حاجتوں کا مستقلاً پورا کرنے والا سمجھ کر خدا سے دعا اور التجا کرنے میں بے نیاز ہو جاتے ہیں، لہٰذا حق اور صواب کے طلبگار اور خدا اور رسول کی رضا جوئی کے پیرو کیلئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جس شخص کی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو بلا قید دن اور خاص ہیئت، اقسام کھانا اور کھانے والوں کے، جو چیز اس وقت فقیروں اور محتاجوں کے حق میں بہتر اور زیادہ نفع پہنچانے والی ہو خلوص نیت سے صرف کرے، اور اس شخص کی طرف سے نیت کر کے کرے، اگر دعا بھی کرے بہتر ہے، اور تمام قیود و رسوم کو یک لخت دور کر دے، اور یہ گمان نہ کرے کہ مردوں کو نفع پہنچانا کھانا اور فاتحہ خوانی کے ساتھ اچھا نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ بنے، اور بے تعیین تاریخ و دن و جنس و اقسام کھانا ہر وقت اور جس قدر بھی ثواب کا باعث ہو عمل کرتا رہے، اور جب کسی مردہ کو نفع رسانی منظور ہو صرف کھانا ہی پر موقوف نہ رکھے، اگر بآسانی ہو جائے بہتر ہے نہیں تو سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد بہترین ایصال ثواب ہے، نیز تاریخ اور دن وغیرہ کے تعین میں دشواری پیش آیا کرتی ہے، اور اس کا اہتمام وغیرہ کرنا تضییع اوقات کا باعث ہوتا ہے، اور بہت سے اہم کام چھوٹ جاتے ہیں، اسی طرح اپنے اور بیگانے آشنا اور پرائے تاریخ وغیرہ پر منتظر رہتے اور اقرباء بھی

اکٹھے ہو جاتے ہیں، انسان کو خواہ مخواہ جس کا کرنا دشوار ہوتا ہے پورا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی کو نقل کرنا غلط ہے، والد صاحب مرحوم مدتہائے دراز ان کی خدمت میں رہے تھے جو کہ تقریباً سات آٹھ برس یا زائد ہوتی ہے، ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس طریقہ سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کیلئے فاتحہ دے لیتے ہیں (او کما قال) بہر حال کوئی تقیید وہاں نہ تھی اور ہوتی کیونکر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''اربعین'' میں ان قیود ورسوم پر انکار فرمایا ہے، والد صاحب مرحوم اپنے پیر ومرشد میں فنا تھے، اگر وہاں کا طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے، میں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مرادآبادیؒ کو دیکھا ہے مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی، بہت آمد ورفت ان کی خدمت میں رہی اور بہت زیادہ خلط ملط کے ساتھ رہا، موصوف بہت عنایت فرماتے تھے، مگر میں نے کبھی ان کے ہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے، ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں (مکتوبات ص ۲۸۰ ج ۱)

ایک مکتوب گرامی بسلسلۂ تعزیت

مردہ بچہ کی ولادت کی کیفیت معلوم کر کے صدمہ ہوا۔

میرے محترم! اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے، مگر یہ طبعی بات بھی عقل کے ذریعہ سے زیادہ تر اثر پذیر ہوتی ہے، چونکہ اولاد سے مختلف قسم کے منافع دنیویہ کی امید ہوتی ہے اس لئے ان کے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، مگر غور وعقل کو کام میں لایا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، زندہ رہنے والی اولاد بہت سے بہت دنیاوی زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے، یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اولاد صالح اور قابل ہو (جو کہ اس

زمانہ میں بہت شاذ ونادر ہے) دیکھا یہی جاتا ہے کہ اولاد بڑے ہونے کے بعد بھی ماں باپ کیلئے سوہان روح رہتی ہے، مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھایئے، حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث اور صریح آیات کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے، نابالغ مرجانے والے بچے ماں باپ کیلئے دوزخ سے بچالینے والے اور حجاب ہوں گے، یہاں تک فرمایا گیا کہ جو حمل ساقط ہوگیا ہو وہ بھی اپنے ماں باپ کیلئے خداوندکریم سے جھگڑا کرے گا اور بالآخر رحمت الٰہی حاصل کر کے اس خطاب کا مستحق ہوگا ایھا السقط المراغم ربہ اخرج ابویک من النار یعنی اے ساقط ہوجانے والے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والے جا اور اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے۔

اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے۔ اب خیال کیجئے کہ آخرت کی زندگی ایک پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس کے حصول کیلئے یہ مرجانے والی اولاد بالخصوص جبکہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو تریاق کا کام دینے والی ہے، اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف اس پر بالا ہو جائے گی، اور یہ مرجانے والی اولاد آخرت کے جملہ عذابوں سے بچانے والی ہے، لہٰذا میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو دنیا میں بچپن میں ایک یا زیادہ اولاد کے مرجانے کی صورت پیش آ گئی ہو تو اس کو بہت خوش ہونا چاہئے کہ الحمدللہ ہماری مغفرت کا سامان خداوندکریم نے پیدا کردیا، اور یہ اولاد ہماری پیش خیمہ بن کر ہم سے پہلے بارگاہ الٰہی میں پہنچ گئی، ہمارا خاتمہ خداوندکریم ایمان پر کردے تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی نعمت نہیں ہوسکتی، ایسی نعمت پر اولاد کو دنیا میں باقی رہنے کی نعمت ہزار مرتبہ قربان ہے، الحاصل عقلمند مسلمان کو تو یہاں فقط خوش ہونے کا مقام ہے۔

انسان کے پاس دنیا کی ہر چیز امانت ہے

بات غور کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت لاکر رکھتا ہے تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری

پڑجاتی ہے، اور جب تک اس کی امانت اس کو ادا نہیں کر دی جاتی اس وقت تک بوجھ ہلکا نہیں ہوتا، جب ادا ہو جاتی ہے تو سمجھ دار اور امانت دار طبیعتیں بہت زیادہ خوش اور ہلکی ہو جاتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ آج ہمارے سر سے بہت بڑے پہاڑ کا بوجھ اتر گیا، اسی بنا پر وہ حمد وثنا بھی کرتی ہیں، ہاں دروغ گو، بے اطمینان، خائن طبیعتیں رنجیدہ ہوتی اور آہ وواویلا کرتی ہیں۔ ہم کو جو کچھ اس دارفانی میں عطا کیا گیا ہے وہ سب خداوند کریم کی امانت ہے، خصوصاً اولاد جن کی پرورش، تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہے اور کمی کرنے کی صورت میں مؤاخذہ کا کھٹکا ہر وقت سر پر ہے، اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لے لیتا ہے تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہوں تو آپ ہی فرمائیں کہ خائن کہلانے کے مستحق ہوں گے یا امانتدار، اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہوں گے یا ثواب کے؟

افسوس ہے کہ ہم کس شدید اور قبیح غلطی میں مبتلا ہیں، ہم امانتوں کو اپنی ملک اور کفران نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھ رہے ہیں، غرضیکہ ہمارے لئے اولاد کے مرنے پر خوشی کا مقام تھا رنج کرنا سراسر غلطی اور قبیح ہے، امانت رکھنے والے نے جو امانت باقی رکھی ہے اس کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا اور جس امانت کو ہم سے واپس لے کر ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہئے۔

رضا بر قضا ضروری ہے

بندہ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ اپنے آقا کی خوشی اور اس کی رضا میں فنا ہو، دن رات یہی دھن رہنی چاہئے، اور جس بات میں اس کا آقا خوش ہو اسی کی دن رات کوشش کرنی چاہئے، ورنہ برابری اور ہمسری کا دعویٰ شمار ہوگا، کسی اعتراض کو جگہ دینا یا دل کا غم آلود ہونا بندگی اور عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، پس جبکہ کسی بچے یا کسی نعمت کو آقا نے ہم سے لے لیا تو اس کے اس فعل سرتاپا حکمت پر صدمہ یا ناراضی کا اظہار ہونا نہایت زیادہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے، ہمارا فرض یہی ہے کہ دل اور زبان سے یہی کہیں۔

راضی ہیں ہم اس میں خدا جس میں کہ ہے تیری رضا

ہم کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا مصائب کے وقت میں خاص طور سے اتباع کرنا ضروری ہے، انہوں نے اس وقت میں نہایت صبر واستقلال سے کام لیا ہے، آپ دونوں صاحبوں کو بھی یہی چاہئے، ان اسلاف کرام کا اتباع باعث رحمت ہے۔ (مکتوبات ص ۸۷ ج ۱)

شب براءت کے اعمال

آپ شب براءت کے متعلق مجھ سے سوال فرماتے ہیں، مجھ کو افسوس ہے کہ میرے پاس وہ کتب حدیث موجود نہیں ہیں جن سے حاصل کر کے میں آپ کو تفصیلی جواب لکھتا، فقط محفوظ مضامین پر کفایت کرتا ہوں۔

اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فرشتوں کو جو کہ اس عالم کے انتظام پر مقرر ہیں براءتیں یعنی حکم نامے دیئے جاتے ہیں جن میں انتظامی معاملات، آجال، ارزاق، امراض وغیرہ سال بھر کیلئے ذکر ہوتے ہیں، لفظ براءت عربی میں ایسے ہی کاغذات کو کہتے ہیں جن میں حکومتوں کی طرف سے لوگوں کیلئے ایسے احکام ہوں۔ چونکہ یہ رات اس نظام کی وجہ سے خصوصیت رکھتی ہے اس میں جناب باری عزاسمہ کی توجہ اس عالم اور اس کے رہنے والوں کی طرف بہ نسبت اور راتوں کے زیادہ مبذول ہوتی ہے، اس لئے اس میں مناسب سمجھا گیا کہ بہ نسبت اور راتوں کے انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ حصہ لیں اور اس کی رحمت کو جس قدر بھی ہو سکے جذب کریں، اس لئے اگر ہو سکے تو اس رات کو نوافل، قراءۃ قرآن، ذکر ودعا سے معمور کریں، تمام رات ہو یا اکثر حصہ یا کچھ حصہ، کوئی خاص عبادت معین نہیں اور نہ کوئی وقت معین ہے، اس شب میں اپنے لئے اور اپنے بڑوں کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کرنی چاہئے۔ اور اگر ممکن ہو تو بغیر تزک واحتشام اور اجتماع کے قبرستان میں جا کر تمام مردوں کیلئے مغفرت کی دعا کرنی چاہئے اور جو کچھ ہو سکے پڑھ کر ان کو بخشنا چاہئے، جو طریقہ لوگوں نے میلہ لگانے کا، قبروں پر چراغاں کرنے کا، جماعت جماعت جانے کا جاری کیا ہے یہ بالکل غلط ہے، اور جو لوگ قبرستان وغیرہ میں جا کر آتشبازی کرتے ہیں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، علی ھذا القیاس

حلوا وغیرہ پکانا اور اس کو مذہبی رسم شمار کرنا بالکل غلط چیز ہے، اگر مردوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو اول تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبرستان میں جا کر صرف دعا منقول ہے، دوم یہ کہ مال خرچ کر کے ہر وقت میں جبکہ وہ فقیروں اور حاجتمندوں کو دیا جائے اور نام ونمود مطلوب نہ ہو تمام اوقات میں ہو سکتا ہے، وہ چیز دینی چاہئے جو کہ فقیروں کی حاجت روائی کرے، حلوے سے پیٹ نہیں بھر سکتا، اس کی بھوک دور نہیں ہو سکتی، بیوقوف لوگوں نے یہ یقنہ ہندوؤں کے تہواروں سے دیکھ کر اختیار کیا ہے، نہ کتب دینیہ معتبرہ سے اس کی کوئی سند ہے اور نہ اسلامی ممالک میں اس کا رواج ہے۔ نیز اگر ہو سکے تو ۱۴، ۱۵ کو دو روز روزے نفل رکھے جائیں اور رات میں بھی اور دن کو بھی اپنے مقاصد دینیہ اور دنیاویہ کیلئے دعا کی جائے، عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے یہی اعمال ہیں، ہاں عورتوں کو مقابر میں نہ جانا چاہئے بلکہ گھر ہی میں بیٹھ کر اپنے بڑوں کیلئے کچھ پڑھ کر ثواب بخش دینا چاہئے، کوئی خاص مقصد دعا کیلئے معین نہیں ہے، ہاں عمدہ بات یہ ہے کہ انسان دعا میں اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اس کے بعد درود شریف پڑھے اس کے بعد یہ دعا کرے ''جن جن بھلائیوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے مانگا وہ سب مجھ کو بھی عطا فرما، اور جن جن برائیوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے پناہ مانگی ہو ان سب سے مجھ کو بھی پناہ دے'' اس مقصود کو بار بار مانگے اور پھر درود شریف سے دعا ختم کرے، دعا میں عربی عبارت ہونی ضروری نہیں۔ (مکتوبات ص ۷۸ ج ۴)

لیلۃ البراءۃ کی تحقیق اور اس کے اعمال

(۱) ونیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند، وگفتہ اند کہ دریں شب ارزاق وآجال ومصائب واعمال ودیگر حوادث عالم کون وفساد مقدر می شود واز لوح محفوظ بملائکہ نسخہائے امور متعلقہ بآنہا نقل کردہ حوالہ می گردد، تا بر طبق آن در تمام سال عمل نمایند لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان است کہ آنرا شب براءت نامند، اگر چہ بعضے ائمۂ تابعین چنیں گفتہ اند کہ نقل نسخہا دران شب شروع میشود ودریں شب بمتصدیان تسلیم می نمایند، پس ابتدائے تقدیر در شب براءت

است وانتہائے آن دریں شب است، وتحقیق ہماں است کہ مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورۃ قدر ص ۲۵۸)
ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی موت، مصیبت، اعمال اور دوسرے حوادثات جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے اور لوح محفوظ سے ملائکہ کو ان کے متعلق کاموں کی نقل کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں تا کہ اسی کے مطابق تمام سال عملدرآمد کرتے رہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرہویں میں ہوتی ہے جس کو شب براءت کہتے ہیں، اگر چہ بعض تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ پرچوں کی نقل اُس رات کو شروع ہوتی ہے اور اِس شب میں پیشکاروں کو حوالہ کر دیتے ہیں، پس شروع تقدیر شب براءت میں ہے اور اس کا آخر اس رمضان کی رات میں ہے، اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔
(۲) ودر قرآن مجید نزول قرآن را مؤرخ فرمودہ اندبسہ وقت شہر رمضان، وشب قدر وشب مبارک کہ نزد اکثر علماء عبارت است از شب براءت کہ پانزدہم شعبان است، پس تطبیق دریں امر واقعی وایں تعبیرات متخالفہ چگونہ درست آید، آنچہ بعد از تنقیح معلوم شد آن است کہ نزول قرآن از لوح محفوظ در مقام بیت العزت کہ بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوف است بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان واقع است، وتقدیر نزول قرآن وحکم فرمودن حافظان لوح را کہ نسخہ آں را نقل کردہ بآسمان دنیا رسانند در شب براءت ہماں سال بود، پس ہر سہ تعبیر درست افتادہ، نزول حقیقی در شب قدر از ماہ رمضان واقع شدہ، ونزول تقدیری پیش ازان در شب براءت ونزول قرآن برزبان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در ماہ ربیع الاول سر سال چہلم است، واتمام نزول آن در بقیۃ العمر، پس تعارضے نماند۔ (تفسیر عزیزی سورۃ قدر ص ۲۶۰)
ترجمہ: مؤرخین نے نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر علماء کے نزدیک شب برات سے تعبیر کی جاتی ہے جو پندرہویں شعبان ہے، پس اس امر واقعی اور ان مختلف تدبیروں میں توفیق کی کیا صورت ہے اور توجیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک ہو سکتی ہیں، تتبع اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ

ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت میں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہے، اورنزول قرآن کی تقدیر اورلوح محفوظ کے محافظین کو حکم دینا کہ اس نسخہ کو نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب براءت میں ہوا جو اس سال تھی، پس تینوں تعبیرات صحیح ہوگئیں، لہٰذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر میں ہوا، اورنزول تقدیری اس سے پہلے شب براءت میں ہوا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول کے مہینہ میں جو چالیسواں سال کا شروع ہے اور پھر پورا نزول قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ماندہ عمر میں ہوتا رہا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا۔

(۳) دریں جا ہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را مراتب ایست ودر آن افراط وتفریط واقع می شود، ہر چند دراں افراط وتفریط قبحے نہ بود لیکن ہر چہ بر جادۂ اعتدال است بلا ریب افضل است از جانبین افراط وتفریط، پس ادعیہ کہ درحق اموات دروقت حضور قبور یا غیبت آن بوضعے کہ از جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مروی وثابت شدہ بہماں وضع اگر بوقوع آید افضل است از اوضاع دیگر، مثلاً آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم درشب براءت تنہا بے اطلاع واعلام احدے در بقیع تشریف بردند ودعا فرمودند، کسے را از صحابہ امر نہ فرمودند کہ دریں شب بر مقام باید رفت ودعا باید کرد چہ جائیکہ تاکید کردہ باشند، پس الحاصل اگر کسے اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم منظور داشتہ درشب براءت مقبرہ مجمع صلحا نمودہ ادعیہ وافرہ کند او را مخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں امر شدہ شدہ برسم انجامیدہ حقیقت کار درآن باقی نہ خواہد ماند، ومثال موضع ایں بیان است مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر تداعی باشد مکروہ است (صراط مستقیم ص ۵۴،۵۵)

ترجمہ: غور سے سننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے درجے ہیں جن میں کمی اور زیادتی ہو جاتی ہے، اگر چہ یہ افراتفری زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کے ساتھ ہوگی وہ یقیناً اس افراتفری سے افضل ہوگی، پس وہ دعائیں جو مردوں کے بارہ میں قبروں کے سامنے یا قبروں کی

عدم موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح ان کو عمل میں لایا جائے تو یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہوگا، مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب براءت میں چپکے سے اٹھ کر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لے جانا اور دعا فرمانا اور پھر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان میں جانا چاہئے اور دعا کرنا چاہئے چہ جائیکہ تاکید فرمائی ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص اتباع نبوی کو مدنظر رکھ کر شب براءت میں قبرستان کے اندر صلحاء کا مجمع کر کے زیادہ دعائیں کرے تو مانا کہ اس کو مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائے گا، لیکن اتنا ضرور سمجھنا چاہئے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بن جائے گی اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی، اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن اگر التزام کر کے ادا کی جایا کرے تو فقہاء اس کو مکروہ کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہو گیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے کہ سورۃ دخان کی آیت: انا انزلنٰه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین، فیها یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا مرسلین، رحمة من ربک انه هو السمیع العلیم (ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں، ہم ہیں کہہ سنانے والے، اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے رحمت سے تیرے رب کی، وہی سننے اور جاننے والا ہے) سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب براءت ہے، اس رات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لے جا کر اہل بقیع کیلئے دعا فرمائیں، چنانچہ حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے دبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کیلئے دعا فرمائی۔ اس دن کیلئے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، اس لئے اگر ہو سکے تو ۱۴ اور ۱۵ کو روزہ رکھیں، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جایا کریں، اہل قبور کیلئے دعا کریں، ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ اور قبائح ہیں۔ (مکتوبات ص ۲۲۲ ج ۱)

درود شریف پڑھنے کے آداب

• درود شریف پڑھنے کیلئے قیام وقعود کی کوئی تخصیص نہیں ہے جیسے کہ اس کیلئے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، مگر جس طرح امکنہ نجسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاۃ اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اساءۃ ادب وقلت مبالاۃ ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسے کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولی میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے، اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالاۃ یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہوگی، اس کی تفصیل شامی (ردالمحتار حاشیہ درمختار لابن عابدین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ) اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

بہر حال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنا فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے آداب زیارت میں کھڑے ہو کر ہی بتلایا ہے اور سلف سے بھی یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محظور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی، ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الاخیرۃ ہے اور مثال اول کی قیام فی المولد ہے۔ (مکتوبات ص ۲۳۱ ج ۱)

قیام برائے صلوٰۃ وسلام کی تحقیق

(الف) مجالس مولد میں قیام برائے صلوٰۃ وسلام ہونا خلاف واقع ہے (کما سنذکر) مگر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ باتفاق فقہاء درست نہیں۔

(ب) واقعہ یہ ہے کہ قیام ذکر ولادت کیلئے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر اس کے تارک کو تارک تعظیم جناب سرور کائنات علیہ السلام سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے

کیلئے قیام کوئی نہیں سمجھتا، مولود برزنجی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں، اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے:

اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرت ؎

اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنابریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے اس لئے تعظیماً کھڑا ہونا چاہئے، اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے، تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہ کے بطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجالانی چاہئے، یعنی وہ معاملہ کرنا چاہئے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہرحال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورت ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہئے، ہردو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کیلئے ہے، یہ توجیہ القول بما لا یرضٰی قائلہ ہے، ان دونوں امور کی سخافت ظاہر ہے، یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے۔ یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجالائی جائے، اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں۔

(ج) پھر اگر جملہ عوارض سے قطع نظر کی جائے تو غایت مافی الباب اباحت یا استحسان کہا جاسکتا ہے، مگر ایسے امور پر نفس مداومت ہی شرعاً مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء تصریح فرمارہے ہیں کہ ان صورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائیکہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوچ، مار پیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت

واستحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہو جائے گا۔

(د) ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، درود شریف میں، مجالس وعظ میں، مجالس قراءۃ قرآن وغیرہ میں بار بار ہوتا رہتا ہے، مگر کہیں قیام نہیں کیا جاتا، یہ محض تاویلات رکیکہ ہیں کہ بوقت تذکرہ یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کر کے سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں۔ اصل بات وہی ہے جو نمبر ب میں ذکر ہوئی۔

(ہ) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لئے منع فرماتے ہیں، ترمذی وغیرہ کی روایت ہے: عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذاراوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک او کما قال (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے باوجود اس کے صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے نہیں اٹھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے، از حاشیہ)

دوسری روایت میں ہے: لا تقوموا لی کما یقوم الا عاجم لرؤساء ھم کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوا کرتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے: من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیامافلیتبوأ مقعدہ من النار کہ جو شخص اپنی تعظیم کیلئے دوسروں کے کھڑے ہونے وغیرہ سے خوش ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی قدوم میمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے، امتثال المحکم خیر من سلوک الادب مشہور مقولہ ہے، حضرات صحابہ کرامؓ جو یقیناً افضل الامت ہیں انہوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے، پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطاوار ہوں گے۔ (مکتوبات ص ۲۳۲ ج ۱)

درود شریف کا حکم

(۱) صلوٰۃ وسلام علی النبی علیہ السلام تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے حسب ارشاد یایھا الذین

امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔

(۲) جبکہ کسی مجلس میں ذکر جناب سرور کائنات علیہ السلام آئے تو ایک مرتبہ واجب ہے کہ صلوٰۃ وسلام زبان سے ادا کیا جائے بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب الارشاد البخیل من ذکرت عنده فلم یصل علی ومثله من الروایات العدیدة (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا نام جس کے سامنے لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا وہ بخیل ہے۔از حاشیہ)

(۳) نماز میں بعد التحیات فی القعدۃ الاخیرہ سنت مؤکدہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔

(۴) دوسرے اوقات میں مستحب ہے، بعض اوقات میں مکروہ اور بعض میں حرام ہے، تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمائیے۔(مکتوبات ص ۲۳۵ ج ۱)

درود ماثور میں اہل بیتؓ کے مصداق

سوال: ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اور ذریت طیبہ وطاہرہ رضی اللہ عنہم کے ذکر کے بعد اس درود ماثور میں اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ مشکوۃ شریف میں ہے: عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سره ان یکتال بالمکیال الاوفی اذاصلی علیناأهل البیت فلیقل اللهم صلی علی محمد ن النبی الامی و ازواجه امهات المؤمنین وذریته و اهل بیته کما صلیت علی آل ابراهیم انک حمید مجید۔ابوداؤد (از حاشیہ)

جواب: درود ماثور ابوداؤد میں لفظ اہل بیت ذکر ازواج اور ذریت کے بعد صرف واو کے ساتھ، شرح مشکوۃ میں طیبی سے نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عطف عام علی الخاص ہے جیسے کہ آیت: ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم میں واقع ہوا ہے (مرقاۃ جلد ۲ ص ۱۰) اور شرح ابوداؤد جلد ثانی ص ۱۲۴ میں ہے: وهذا بیان لما قبله من الازواج والذریة یعنی اس کو عطف تفسیری قرار دیا ہے، اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داخل فرمانے کے بعد یہ لفظ زیادہ کرلیا گیا ہو، جیسا کہ حدیث عباس میں وارد ہے کہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت نزول آیت: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیۃ میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا تھا: اللھم ھؤلاء اھل بیتی الحدیث ، یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ازواج اور ذریت سے خارج ہیں، واللہ اعلم، اس صورت میں عطف متغایرین کا ہوگا جو کہ اصل قاعدہ عطف کا ہے۔ (مکتوبات ص ۳۶۰ ج ۲)

مجالس ذکر کا حکم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا الی ان قال فیقول فانی اشھدکم انی قد غفرت لھم، قال یقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انماجاء لحاجۃ، قال ھم الجلساء لایشقی جلیسھم (حدیث بخاری جلد ثانی ص ۹۴۸)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ (تعالیٰ) انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی، فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم، وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ...... الحدیث (خ، م، ت، س، ماجہ)

عن عبد اللہ بن عمروؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلا ھما علی خیر واحد ھما افضل من صاحبہ، اما ھؤلاء فیدعون اللہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واماھؤلاء فیتعلمون الفقہ والعلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانمابعثت معلما ثم جلس فیھم (دارمی)

یہ روایات اوران کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں، ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایت جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کیا حیثیت رکھتی ہے جبکہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں، اگر چہ ثقاۃ ہیں اس لئے اگر معارضہ کیا جائے تو احادیث مذکورہ بالا

ہی کو ترجیح ہوگی خصوصاً جبکہ اطلاق آیات ذکران کے مؤید ہے، فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم الآیۃ (النساء) یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے، اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانۂ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط وتفریط کا شائبہ تھا، اس بنا پر اس کو منع کیا نہ کہ نفس اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو، خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے۔ اس روایت میں قراءت قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہوسکتی ہے؟ اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا؟ اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کی جائے جو کہ محط انکار ہوسکتی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی، واللہ اعلم۔ ۲۲/ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ (مکتوبات ص۶۴ ج ۲)

(نوٹ: ذکر وغیرہ مستحب عبادات کیلئے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، اس لئے اجتماعی مجالس ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا، صوفیاء کرام کے ہاں اگر تعلیم کیلئے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفس اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں جیسا کہ حضرت اقدس مدنیؒ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد قیودات زائدہ نہ تھیں اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروجہ اجتماعی مجالس ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

پہلے مکہ مکرمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ مگر آیت ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور قاعدۂ شفاعت اسی کا مقتضی ہے کہ پہلے شفیع کی خلوت میں حاضر ہوں اور اسی کو لے کر شہنشاہ کی

بارگاہ میں حاضر ہوں، اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ اولاً حاضر ہوں آئندہ اختیار ہے۔ مطوفین اس کے خلاف زور دیتے ہیں اس میں ان کے مصالح ہیں۔ (مکتوبات ص ۱۰۰ ج ۳)

سفر حج اونٹ پر کرنا مقصود بالذات نہیں

اونٹوں کا سفر کوئی مقصود بالذات نہیں، جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے تو جہاز اور ریل کی طرح اس کو بھی فضیلت ہی ہوگی، اسی کو اختیار فرمایئے۔

سفر مدینہ منورہ اور زیارت روضۂ اقدس

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے، مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے، آپ علیہ السلام کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین وشہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے، محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ علیہ السلام ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہوسکتی ہے، اسی وجہ سے میرے نزدیک (افضل) یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہئے اور آپ علیہ السلام کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، مسجد کی نیت خواہ تبعاً کرلی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ لا تحمله الا زيارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔ (مکتوبات ص ۱۵۵ ج ۱)

مسئلہ حج بدل

حج بدل میں اس شخص کیلئے جو کہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر چکا ہے خلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین ناجائز بتلاتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکروہ فرماتے ہیں، تحریماً اس کیلئے جو کہ پہلے سے مالک زاد وراحلہ تھا اور تنزیہاً اس کیلئے جو کہ پہلے سے غیر مستطیع

تھا، مگر ہر دو حالت میں فریضۂ آمر ادا ہو جائے گا، البتہ ماموفقیر جب میقات پر حدود حرم میں پہنچ گیا تو اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا، اب یا تو وہیں ایک سال رہ کر اگلے سال کا حج کر کے لوٹے ورنہ وطن واپس آ کر حج اسلام ادا کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ (مکتوبات ص ۲۹۷ ج ۲)

(نوٹ: اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے علامہ شامیؒ نے عدم فرضیت کو راجح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو شامی ج ۲ مطلب فی حج الصرورۃ۔ احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ)

آداب ہجرت مدینہ منورہ

محترما! آپ کا ارادہ حضوری حرمین شریفین اور قیام مدینہ منورہ زید شرفاً بہت ہی نیک فال اور مبارک امر ہے، کون مسلمان ہے جو ایسی مبارک بات پسند نہ کرے گا، مگر ضروری ہے کہ انجام اور احوال پر غور کر لیا جائے، ہندوستان میں رہتے ہوئے شوق مدینہ منورہ میں بے قرار رہنا اور اسی عشق میں مرنا ہزار مرتبہ بہتر اس سے ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہندوستان کیلئے بے چینی ہو۔

میرے محترم! مدینہ منورہ میں بہت سی سختیاں پیش آتی ہیں جن پر صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے، عالی ہمت اور مستقل الارادہ حضرات پھسل جاتے ہیں، پھر عورتوں اور بچوں کا قائم رہنا نہایت ہی دشوار اور مشکل امر ہے، آج وہاں کی سختیوں کی یہ حالت ہے کہ پشتہا پشت سے وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، آپ کی جائیداد مقروض ہے اور پھر وہ قرضہ سودی ہے، اس کا ادا کرنا بہر حال نہایت ضروری ہے اور جلد از جلد جس طرح بھی ممکن ہو عمل میں لانا چاہئے، اور آئندہ عہد کر لینا چاہئے کہ کیسی بھی ضرورت ہو گی قرضہ اور خصوصاً سودی قرضہ ہرگز نہ لوں گا، اس کے بعد اگر حج فرض ہے تو حج کے ادا کرنے کا ارادہ کیجئے، یعنی اگر جائیداد کی آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین کے سالانہ اخراجات سے زائد ہوتی ہے یا آپ کے پاس اتنا نقد یا زائد سامان موجود ہے کہ جس سے مکہ معظمہ کا سفر ہو سکتا ہے تو زائد جائیداد کو بیچ کر یا زائد نقود کو لے کر حج کر آئیں، اور وہاں جا کر چند مہینہ قیام کر کے نشیب و فراز پر غور کیجئے، احوال کو خوب سمجھ کر ملاحظہ کیجئے، پھر اگر ہمت پڑے تو وہاں جا کر قیام کا ارادہ کیجئے۔ پھر بھی

ہجرت کی نیت مت کیجئے، مگر تمام جائیداد کو بیچ کر جانا یا متوکلانہ زندگی وہاں بسر کرنے کا خیال کرنا میری سمجھ سے باہر ہے، آپ بذات خود اگر ایسا یقین وایمان رکھتے ہیں کہ ذرا سا قدم پھسل نہیں سکتا تو مجھ کو ہرگز اطمینان نہیں کہ عورتیں اور بچے ایسا یقین رکھیں گے کہ:

؎ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجاورت مدینہ چھوڑ دی، ہزاروں صحابہ کرامؓ اور کروڑوں اولیاء اللہ غیر عرب میں ہوئے اور وہیں مرے کیا ان کو عشق نبوی نہ تھا؟ کیا ان کو ایمان اور غیرت ایمانی نہ تھی؟ وہاں رہنا فرض نہیں، واجب نہیں، مقصود اصلی رضاء الٰہی ہے جہاں بھی حاصل ہو جائے وہیں کارآمد ہے، اور اگر ہمارا مرقد حجرہ شریفہ مطہرہ میں ہے اور خدانخواستہ رضاء الٰہی اور مغفرت کا سامان نہ ہو تو وہ ذرہ برابر قابل اعتبار نہیں۔

میرے محترم! اس فضیلت یا سنت کو حاصل کر کے فرائض اور واجبات کو ترک کریں یا محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کریں، کس شریعت میں جائز ہے؟ لوگوں کی طرف ہاتھ پھیلانا، ریاستوں یا اہل دنیا سے قرض لینا، جائیداد کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنا وغیرہ امور کسی طرح بھی میری سمجھ ناقص میں نہیں آتے، نہ حیدرآباد میں مہتمم صاحبان سے کوئی امید ہوسکتی ہے اور نہ دوسرے رؤساء یا ارباب ہمم سے کوئی فائدہ حاصل ہونا ممکن معلوم ہوتا ہے ؎

کعبہ چہ می روی چہ کشی رنج بادیہ
کعبہ است کوئے دلبر قبلہ است روئے دوست

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ماں کی اطاعت وخدمت میں حضور گاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ترک کر دیتے ہیں، اور عشق وجذبۂ نبوت کی واقعی داد دیتے ہیں، سید الاولیاء والاصفیاء ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو ان سے دعا حاصل کرنے کا ارشاد ہوتا ہے، حالانکہ رؤیت نبوی سے ممتاز نہ ہوئے تھے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است ... از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

میرے محترم! خانہ کعبہ کی زیارت مقصود اور مقدم نہیں، صاحب خانہ کی زیارت مقصود اور مقدم ہے اس میں کوشاں ہو جیئے ؎

ناز پروردہ تنعم نہ بردراہ بدوست عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد

کوشش کیجئے اصلاح باطن میں دن رات صرف کیجئے، پھر دار ودیار کا بھی قصد کر لیجئے، وساوس میں مت پڑیئے، وقت اور عمر عزیز ضائع نہ کیجئے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست گرنداری پاس او از جہل تست

این چنیں انفاس خوش ضائع مکن غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

ع من نکردم شما حذر بکنید (مکتوبات ص ۸۳ ج ۱)

سید کا مفہوم اور مرتبہ

حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادہ کو فرمایا ابنی ھذا سید ولعل اللہ یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ اور دونوں صاحبزادوں امام حسنؓ اور حسینؓ کیلئے فرمایا سیدا شباب اھل الجنۃ (اہل جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہیں) اس کی وجہ سے صاحبزادوں کو سید کہا جانے لگا، پھر ان کی اولاد کو بھی یہی لقب دیا گیا، جیسے قاضیوں کی اولاد کو قاضی اور راجاؤں کی اولاد کو راجہ اور بادشاہوں کی اولاد کو شاہزادہ کہا جاتا ہے، شیوخ کی اولاد کو شیخ کہتے ہیں، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور قاعدہ ہے کہ ماں باپ کو چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی جتنی کہ اور صاحبزادیوں سے نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاطمۃ بضعۃ منی یرینی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا (فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس چیز سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے، اور جو چیز ان کو ستاتی ہے مجھ کو بھی

ستاتی ہے) یہ ارشاد اس وقت فرمایا جبکہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کا ارادہ ترک کردیا تھا اور جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی، مسلمان ہمیشہ اسی بنا پر حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے محبت کرتے رہے اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے، سیدوں کا رتبہ آج یہ ہے کہ اگر کوئی سید صحیح النسب اور متقی و پرہیزگار، شریعت پر مضبوطی سے چلنے والا ہے تو سب کی عزت سے زیادہ عزت اور احترام کا مستحق ہے۔ اور اگر صحیح النسب نہیں ہے یا متقی و پرہیزگار، شریعت کا تابعدار نہیں ہے تو نہ مستحق مسلمانوں کے احترام کا ہے اور نہ اس کیلئے نجات اخروی کا اطمینان ہے، بلکہ اس کیلئے آخرت میں زیادہ خطرات ہیں، اگر اس نے جھوٹ نسب سادات اختیار کیا ہے تو لعنت خداوندی کا مستحق ہے اور اگر باوجود صحیح النسب ہونے کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور حکم قرآن وحدیث سے بغاوت کی ہے تو بہت زیادہ عتاب کا مستحق ہے ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی'' بڑوں کی اولاد کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے جیسا کہ تابعداری کرنے پر ان کے مرتبے بھی بہت بڑے کئے جاتے ہیں۔ (مکتوبات ص۳۴۱ ج ۲)

الٰہی بحرمت یا بحق فلاں کہنے کی تحقیق انیق

آپ کا پہلا سوال حسب ذیل ہے:

الٰہی بحرمت یا بحق فلاں و بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم جواز میں مودودی نے لا حق للمخلوق علی الخالق بحوالہ ہدایہ دلیل پیش کی ہے کیا ٹھیک ہے یا ان کا اجتہاد ہے؟ ہدایہ بحمد اللہ سبقاً سبقاً چاروں جلدیں پڑھا محشی بحواشی لکھنؤ موجود ہے الخ۔

محترما! مودودی صاحب کا یہ فتویٰ صاحب ہدایہ کے قول سے نہایت تعجب خیز ہے، وہ تو ہدایہ، شرح وقایہ اور دیگر کتب فقہ حنفیہ کی سخت تذلیل وتوہین جگہ جگہ کرتے ہیں اور تقلید جامد، تقلید کورانہ وغیرہ کو انتہائی غلط طریقہ بتلاتے ہیں، اب اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ کی تقلید فرماتے ہوئے ایسا فتویٰ کیوں دیتے ہیں؟ خصوصاً جبکہ صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد کسی آیت یا

حدیث یا اثر سے ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ویکرہ ان یقول الرجل فی دعائه بحق فلان اوبحق انبیائک لانه لاحق للمخلوق علی الخالق الخ (فتح القدیر جلد ۸ ص ۱۳۲ کتاب الکراہیۃ)

صاحب ہدایہ عدم جواز کا حکم نہیں دیتے مگر مودودی صاحب عدم جواز کا حکم دیتے ہیں، صاحب ہدایہ کراہت کا حکم دیتے ہیں پھر کوئی تصریح کراہت تحریمی یا تنزیہی کی نہیں فرماتے، دلیل میں ایسی چیز ذکر فرماتے ہیں جو بظاہر صحیح حدیث کے معارض ہے۔

صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب احادیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال کنت ردف النبی صلی الله علیه وسلم علی حمار لیس بینی وبینه الامؤخرة الرحل، فقال یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وماحق العباد علی الله، قلت الله ورسوله اعلم، قال فان حق الله علی العباد ان یعبدوه ولایشرکوا به شیئا، وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لایشرک به شیئا، قلت یا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلوا (متفق علیہ)

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب جامع صحیح میں پانچ جگہ اس کو ذکر کیا ہے کہ وہ شرک سے بچنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دے گا، اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں اور مودودی صاحب بندوں کے حق کا انکار فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ سے نقل کر کے فتویٰ دیتے ہیں کہ دعا میں بحق فلاں یا بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جائز نہیں ہے۔

حدیث صحیح کے خلاف یہ فتویٰ کس طرح قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟ خصوصاً مودودی صاحب کو یہ فتویٰ دینا کس طرح شایاں ہے جبکہ وہ "سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی انسان کو معیار حق قرار نہیں دیتے اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں

مبتلا ہونا جائز رکھتے ہیں'' (دستور جماعت اسلامی ص ۵)

انہوں نے تو اپنے دستور کی اس دفعہ سے تمام انبیاء ومرسلین اور تمام صحابہ اور حواریین اور تمام ائمہ ومجتہدین اور تمام اولیاء اللہ اور علماء سلف وخلف کو علاوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیاریت حق اور تنقید سے بالائیت اور ان کی ذہنی متبوعیت سے نکال دیا ہے، تو اب بچارے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کس شمار وقطار میں رہ جاتے ہیں، فیا للعجب۔

لفظ ''حق'' کی توضیح

حقیقت حال یہ ہے کہ لفظ ''حق'' متعدد معنوں میں آتا ہے:

(۱) واجب عقلی: جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور اس کا خلاف مستحیل اور ممنوع عقلی ہو۔

(۲) واجب شرعی: جس کا ثبوت اور لزوم نص شرعی اور وعدۂ خداوندی کی بنا پر ہوا ہو اگرچہ عقلاً اس کا وجود ضروری نہ ہو۔

(۳) مستحق وثابت: یعنی وہ چیز جو کہ وجود اور ثبوت رکھتی ہو اگرچہ ضروری نہ ہو۔

(۴) جدیر اور لائق: یعنی وہ چیز جس کا موجود ہونا بہتر اور اعلیٰ ہو اگرچہ ضروری نہ ہو۔

(۵) مشابہ بالواجب: یعنی وہ چیز جو کہ ضروری چیز کے مماثل اور مشابہ ہے اگرچہ واقع میں لازم اور ضروری نہیں ہے جیسے زید اسد۔

(۶) موجود صوری: یعنی مشاکلۃً اور صورۃً عبارت میں جو کسی چیز کو دوسرے کے برابر قرار دی گئی ہو جیسے جزاء سیئة سیئة مثلها اگرچہ وہ حقیقت میں موجود نہ ہو۔

(۷) احترام اور بڑائی: یعنی وہ چیز جو کہ مرتبہ اور شرف رکھنے والی ہو اور قبولیت سے نوازی گئی ہو۔

(۸) مہتم بالشان: یعنی وہ چیز جس کو نہایت اہم اور قابل اعتناء کوئی قرار دے اگرچہ واقع میں وہ لازم نہیں ہے جیسے حدیث شریف میں حق على كل مسلم ان يغتسل في كل سبعة ايام۔

الغرض استعمال عربی اور لغت عرب میں لفظ ''حق'' ان متعدد معانی وغیرہ میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ شراح حدیث عینیؒ، قاریؒ، عسقلانیؒ وغیرہ اور قاموس، لسان العرب، مجمع البحار وغیرہ علماء لغت ذکر فرماتے ہیں، مگر سب سے پہلے معنی میں سلف میں اختلاف واقع ہوا ہے، معتزلہ چونکہ عدل اور اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں، اس لئے [illegible] اہل توحید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم باللزوم العقلی قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے اس لئے یہ دعا کرنا ''اللھم انی اسئلک بحق فلان یا بحق الانبیاء والمرسلین'' اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا، اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا۔

قرون تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں معتزلہ کا بہت زور وشور تھا اس لئے فقہاء کرام نے سداً للذریعہ منع فرمایا تھا، اب جبکہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہو گیا تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی لئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

(۱) شرح نقایہ جلد ثانی کتاب الکراہیۃ (ص ۳۳۶) میں فرماتے ہیں:

قیل ویحرم ان یقول فی دعائہ بحق فلان نبیا کان او ولیا او بحق البیت او العشر الحرام لانہ لاحق للخلق علی اللہ، لکن قد یقال لاحق لھم وجوباً من اصلہ ولکن اللہ سبحانہ جعل لھم حقاً فضلاً، او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللہ سبحانہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ، وقد عد من آداب الدعاء التوسل بالانبیاء والاولیاء علی ما فی الحصن الحصین وجاء فی روایۃ اللھم انی اسئلک بحق السائلین علیک وبحق...... الیک فانی لم اخرج اشرا ولابطرا (الحدیث)

(۲) ردالمحتار حاشیہ درمختار للعلامۃ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ میں ہے:

(قولہ وکرہ قولہ بحق رسلک الخ) ھذا لم یخالف فیہ ابویوسفؒ بخلاف

مسئلة المتن السابقة كما افاد الا تقانی، وفی التا تارخانية وجاء فی الآ ثار ما دل علی الجواز (قوله لانه لاحق للخق علی الخالق)قد يقال انه لاحق لهم وجوبا علی الله تعالٰی لكن الله سبحانه وتعالٰی جعل لهم حقا من فضله، اويراد بالحق الحرمة والعظمة فيكون من باب الوسيلة وقد قال وابتغوا اليه الوسيلة الخ ......وقال السبكی بحسن التوسل بالنبی صلی الله عليه وسلم الی ربه ولم ينكره احد من السلف ولا الخلف الا ابن تيمية فابتدع ما لم يقل عالم قبله اھ۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں بحق فلاں یا بحرمۃ فلاں کہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ وارد اور مستحسن ہے، مودودی صاحب منع کرتے ہیں غلطی پر ہیں اور ہدایہ کی عبارت سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، ہدایہ میں ''حق'' بمعنی واجب العقلی کو منع کیا گیا ہے اور اہل سنت جب دعاء میں یہ کلمہ کہتے ہیں تو واجب عقلی مراد نہیں، بلکہ ایسے معانی لیتے ہیں جن سے توسل سمجھا جاتا ہو جو کہ ارجی للا جابة ہے، واللہ اعلم۔ (مکتوبات ص ۱۳۷ ج ۴)

حقوق العباد کی ادائیگی

اصحاب حقوق کی مالیت کی مقدار میں خیرات کی جائے اور ان کی حق کی وصولی کی نیت ہو، یعنی یہ کہ اس کا ثواب صاحب حق کو پہنچے، اور ان لوگوں کیلئے استغفار اور دعا کی جائے کہ اللہ تعالٰی ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے انعامات ان کو دے کر مجھ سے راضی کرادے تا کہ وہ اپنے اپنے حقوق معاف کردیں۔ (مکتوبات ص ۱۸ ج ۴)

سونے کا مسنون طریقہ

شب کو اور قیلولہ کے وقت میں اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمّم کر کے سوئیں، لیٹنے کیلئے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں، یہ حالت ابتدائی ہے، پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لے گا جائز ہو جائے گا۔ (مکتوبات ص ۶۷ ج ۱)

ولادت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم
اور
مسلمانوں کی مشکلات کا حل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله النبي الامي الكريم وعلى اله واصحابه اجمعين.

اگر چہ یہ مسلم مذہبی اور واقعی حقیقت ہے کہ زمانہ کا کوئی ٹکڑا چھوٹا ہو یا بڑا گزر جانے کے بعد لوٹ نہیں سکتا اور اس کے استحالہ کیلئے کسی استدلال یا تنبیہ کی ضرورت بھی نہیں ہے، مگر زمانہ کی دورانی حرکت ہمیشہ ایسے متماثل ٹکڑے پیش کرتی رہتی ہے جن سے یہی خیال بندھ جاتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ اجزاء موجودہ وہی گزر جانے والے اجزاء ہیں اور پھر ان اجزاء کا اس عالم مشاہدہ میں انہی سابقہ اجزاء کی کیفیتوں سے متکیف ہونا اور بھی اس خیال کو قوت دیتا ہے، ہر چوبیس گھنٹہ میں گزشتہ اجزاء کے مماثل صبح، شام، دوپہر، رات، دن، سردی، گرمی، اندھیرے، اجالے وغیرہ کا اپنے اپنے اوقات پر ہونا اسی طرح گزشتہ اجزاء کے لوٹ کر آنے کا خیال پیدا کرتا ہے جس طرح ہر ہفتہ میں دنوں کا لوٹ پھیر اور ہر سال میں موسموں کا آنا جانا فصلوں اور موسموں کا چکر لگانا۔

یہی نہیں کہ وہ محض عالم شہادت اور مادی انقلابات اور جسمانی صفات کے کرشمے ہیں، بلکہ اسی کے مثل یا اس سے زائد عالم روحانی کے بھی کوائف اور حالات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

اگرا خیرات کا حصہ ہمیشہ مطلع برکات رحمانی ہوتا رہتا ہے تو ہر فجر کا وقت مہبط سرشتگان ربانی بنتا رہتا ہے ان قرآن الفجر کان مشھودا، اگر وقت استواء آفتاب مظہر جلال وغضب بن کر جہنم کے جھونکنے اور بھڑکانے کا ذریعہ بنتا رہتا ہے تو وقت طلوع وغروب وسیلۂ انتشار آثار شیطانیہ، اگر جمعہ کو رحمات الٰہی کی دھواں دھار بارش ہوتی رہتی ہے تو ہر دوشنبہ اور جمعرات کو صحائف اعمال کی پیشی، اگر رمضان میں طرح طرح کی رحمتیں اور نعمتیں باعث فلاح ونجات ہوتی رہتی ہیں تو قوانین احکام تشریعیہ بھی انہی مادی اور روحانی انقلابات کے تابع ہو کر چکر لگاتے رہتے ہیں، کون نہیں جانتا کہ ہر فجر اور ظہر اور عصر کے احکام اسی طرح نوبت بہ نوبت آتے رہتے ہیں جس طرح ہر جمعہ اور ہر رمضان وذی الحجہ وغیرہ ہفتہ وار اور سالانہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

احکامی دنیا میں جہاں گزشتہ اجزاء کا مماثل نمودار ہوا غلامان بارگاہ صمدیت میں وہی بے چینی پیدا ہوگئی جو پہلے اجزاء میں نمودار ہو چکی ہے، ماہ شوال نے چہرۂ ہلال نمودار کیا تو عشاق بارگاہ جمال حقیقی میں قلق واضطراب کا دوردورہ نمودار ہو گیا، عشق کی بیتابی اور محبت کی بے قراری نے راحت وآرام سے بیگانہ بنادیا، الحج اشھر معلومات کی صدا اور اذن فی الناس بالحج یأتوک رجالا وعلی کل ضامر کے روحانی اعلان نے کوچۂ محبوب حقیقی یعنی بیت عتیق کے گرد اگرد افتاں وخیزاں چکر لگانے (طواف کرنے) پر آمادہ کر دیا، دیوانہ وار دار ودیار، بیوی بچوں، زیب وزینت وغیرہ اسباب تجمل اور خوبصورتی کو تجے ہوئے ننگے سر، ننگے پیر، کفنی زیب بدن کئے ہوئے، بلبل کی طرح بے قرار، نام محبوب لیتے ہوئے چیختے چلاتے جائے وعدۂ وصال کی طرف روانہ ہو گئے، نہ عقل وہوش کی پرواہ ہے، نہ ناصح مدعی عقل وتہذیب کا خیال، نہ عزت دنیاوی کا فکر ہے، نہ سردی اور گرمی کا خوف، دل میں محبوب حقیقی اور اس کے کوچہ کا خیال ہے تو زبان پر اس کے نام کا ورد جاری ہے، وحشی جانوروں سے رشتہ مودت ہے اور آبادی وطن سے نفرت ودوری۔

پھر بہار آئی چمن میں زخم دل کھلنے لگے

کہیں مجنونانہ طریقہ پر دوڑ رہے ہیں تو کہیں آستانہ بارگاہ محبوبی کے بوسے لیتے ہیں

زبان حال سے یہ اشعار پکار رہے ہیں ؎

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذا الجدار و ذا الجدار

میں لیلیٰ کے شہروں پر گذرتا ہوا کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو۔

وماحب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من نزل الدیار

میرے دل کو ان شہروں اور دیواروں کی محبت نے بے قرار نہیں کیا، بلکہ اس معشوق کی محبت مجھ کو بے قرار کر رہی ہے جو ان شہروں میں ٹھہرا ہوا ہے۔

غرضیکہ ہر طریقہ پر مادی ہو یا روحانی، تکوینی ہو یا تشریعی اور ہر مذہب وملت، ہر قوم وملک میں گذرنے والے اجزاءِ زمانہ کے متماثل اجزاء جب ظاہر ہوتے ہیں تو اسی قسم کی یاد اور اسی قسم کی خیرات وبرکات، اسی قسم کے احوال واحکام کم وبیش نمودار ہوتے ہیں، جن کا انکار تقریباً آفتاب کا نصف النہار کے وقت انکار کرنا ہوگا اور یہی فلسفہ عیدوں اور تہواروں وغیرہ کے سالانہ اور ماہوار ظہور کرنے کا ہے۔

دریائے رحمت کا جوش

آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر ماہ ربیع الاول میں دریائے رحمت خداوندی کے ایسے جوش وخروش اور ایسے تلاطم اور تموجات کا ظہور ہوا تھا جس کی نظیر نہ زمانہ سابقہ میں پائی جاتی ہے اور نہ آئندہ کو امید ہے، نہ صرف انسانی دنیا کی فلاح ونجات کی صورتیں اس وقت ارادہ قدیمہ نے نکالیں، بلکہ تمام عوام کیلئے بہبودی اور ابدی زندگانی کا سامان کر دیا، اس ناسوتی دنیا اور عالم شہادت میں اپنا خاص پیارا اور مخصوص خلیفہ پیدا کیا، جس کا ہر قول خباثات سے طہارت کا ذریعہ ہے، اور ہر عمل ترقی درجات اور کفارۂ سیئات کا وسیلہ، اور ہر خلق تزکیۂ روحانی اور تقرب خداوندی کا کفیل۔ اس کے تابعین پر رضوان الٰہی کا سایہ نچھاور ہوتا ہے، اس کے مددگاروں اور غلاموں کیلئے دونوں جہاں میں سرخروئی اور کمال برستا ہے، اس کے معالجہ اور قوانین پر عمل کرنے والوں کیلئے ہر ہر قدم پر شفاء اور سربلندی ہے، اس کے مخالفین اور معاندین کیلئے ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی ہے۔

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

اس کے نقش قدم پر چلنے والے لاہوتی چوٹیوں سے سر ہلاتے ہیں، اس کے طریقہ پر فدا ہونے والے کروبیاں کے ہم نشین بلکہ اس کے محسود کہلاتے ہیں، اس آفتاب ہدایت نے کتاب اللہ کی شعاعوں سے کفر وضلالت کی تاریکیوں کو ملیامیٹ کر دیا اور اس بادشاہ روحانیت نے گذشتہ اشراقیت اور جوگیت کے دفاتر کو افسوں بے معنی بنا دیا، تمام عالم کیلئے وہ مشعل ہدایت لاکر رکھ دی جس کی تمنا مشہور ومعروف اسرائیلی مقدس پیغمبر اپنے دل ہی میں لے کر گیا، فاران کی چوٹیوں سے وہ روشنی ظاہر کی جس نے تمام براعظموں ہی کو نہیں بلکہ عوام، جن وملک وغیرہ کو بھی روشن کر دیا۔ اگر جملہ یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً اس کا شاہد حال ہے تو جملہ ھو الذی ینزل علی عبدہ ایات بینات لیخرجکم من الظلمت الی النور وان اللہ بکم لرء وف رحیم اس کی رسالت کا کاشف اسرار، اگر جملہ ما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین اس کی رسالت کی حقیقت غائیہ کو ظاہر کر رہا ہے تو جملہ انک لعلیٰ خلق عظیم اور فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم الآیۃ اور فلعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا اس کی روحانی علت مادیہ وصوریہ اور اس کی رحمت مجسمہ اور شفقت محضہ ہونے کا برہان ہے۔

یہ آفتاب ہدایت اسی مبارک مہینہ میں روحانی دنیا سے منتقل ہو کر جسمانی اور مادی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اور روز ہدایت وخیر کا زمانۂ صبح صادق (چالیس برس) پورا کر کے افق ام القری میں غار حرا سے طلوع کرتا ہے، فاران کی چوٹیوں سے طاغوتی تاریکیوں کو محو کرتا ہوا تمام جزیرۂ عرب کو اپنی قوت عزم اور نہ جھکنے والی ہمت سے مصلحان عالم کا مرکز اور معدن بنا دیتا ہے، ہر قسم کی روحانی بیماریوں اور جسمانی برائیوں کا عالم انسانی سے اپنے لائے ہوئے کیمیاوی نسخہ کے ذریعہ سے ازالہ کرتا ہوا متبعین کو حیات ابدی عطا کرتا ہے۔

آج اسی آفتاب ہدایت کی اس دنیائے دوں میں روشنی اور نور پھیلانے کی یادتازہ کرنے والا زمانہ سایہ گستر ہورہا ہے ایک جماعت اس یادگار میں موتیوں کو چھوڑ کر حباب پر ریجھ جاتی ہے اور اس مجسمۂ ہدایت ورحمت کی تشریف فرمائی کی یادگاری میں مجالس زیب وزینت سرور وروشنی وغیرہ منعقد کرتی ہوئی امم غیراسلامیہ کی تقلیدی تاریکی اختیار کرتی ہے اور فقط اس ظاہری نمود واحتشام اور زبانی کارروائیوں کو ادائے حقوق کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

؎ قوم نیام تسلوا عنه بالحلم

یہ سونے والے لوگ ہیں کہ محوخواب ہوکر بےغم ہوگئے، دردمحبت سے خالی ہوگئے ہیں۔

ارباب بصیرت اپنی خداداد قابلیت کو کام میں لاتے ہیں اور اس آفتاب ہدایت کی لائی ہوئی سچی روشنی اور حقیقی ہدایت پر پوری توجہ اور مکمل عنایت صرف کرتے ہوئے اپنی عملی اور ارادی قوتوں کو از سرنو فیضیاب اور فائدہ مند ہونے کیلئے تیار کرتے ہیں، احیائے سنت اور نشر علوم نبویہ کیلئے دوگنی چوگنی قوت صرف کرنے کیلئے کھڑے ہوجاتے ہیں، جوجو اور جس جس طرح عالم انسانی کی خدمتیں اس حکیم روحانی اور مصلح حقیقی نے انجام دی ہیں ان کیلئے ہرقسم کی سرگرمی کو دہرانا ضروری سمجھنے لگتے ہیں، غرضیکہ یہ مہینہ ہمیشہ ان کے قوائے علمیہ اور عملیہ میں وہ حرارت اور شادابی پیدا کرتا ہے جو مارچ واپریل درختوں میں، اور اساڑھ وساون کاشت کی زمینوں میں، اور فصل بہار بلبلوں کے دل ودماغ میں، اور ماہ رمضان عالم علوی میں۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد

چونکہ جناب سرورکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد اس عالم انسانی میں حکومت کا قائم کرنا، بادشاہت کا حاصل کرنا، دنیاوی رعب داب کا پیدا کرنا، خزانوں کا جمع کرنا، دوسری قوموں اور ملکوں کو غلام بنانا، قوموں کی تجارت، زراعت، صنعت وحرفت پر قبضہ جمانا وغیرہ وغیرہ نہ تھا، بلکہ ایسا مقدس اور برتر مقصد تھا کہ جس سے عالم انسانی اور تمام مبعوث الیہم کی دینی اور دنیاوی اصلاح ہوجائے، ان کی روحانی اور جسمانی بیماریاں دور ہوجائیں، ان کیلئے دونوں جہاں

کی ترقیاں اور راحتیں بہم پہنچ جائیں، وہ ہر دو تعلقات (یعنی تعلق خلق با خالق اور تعلق خالق با خلق) میں پورے پورے مکمل بن جائیں، ان کی ہر قسم کی کمزوریاں اور تکلیفیں دور ہو جائیں، ان کی یہ زندگانی اور مستقبل کی زندگانی جو کہ اس دار فانی کی مفارقت کے بعد شروع ہونے والی ہے نہایت راحت و آرام کی ہو جائے، ان کیلئے وہ کمالات روحانیہ وجسمانیہ جن کی بنا پر وہ نعمت خلافت عظمٰی سے تکریم کیا گیا ہے حسب استعداد حاصل ہو جائیں، اس لئے اس آفتاب ہدایت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے ایسے وسائل وذرائع لوگوں کی اصلاح وتفہیم کیلئے اختیار کئے جن میں سراسر شفقت ورحمت، ہمدردی وغمخواری، حلم وتحمل، استقلال وہمت، صبر واحسان وغیرہ مربیانہ اور حکیمانہ اخلاق بھرے ہوئے تھے۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وہ محض تبلیغ کیلئے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ انسان جو کہ طبعی طور پر مقلد واقع ہوا ہے اس (آفتاب ہدایت علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اور اس کے کارناموں کو بغور دیکھے اور اپنے آپ کو بھی اسی رنگ وروپ میں رنگ لے، گویا کہ وہ ایک نمونہ ہے جس کی صورت وسیرت پر بن جانا مالک حقیقی عز شانہ کی طرف سے طلب کیا جاتا ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو خدا کی محبت ہے تو میرے پیچھے چلو یعنی میرے جیسے بن جاؤ خدا تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول علیہ السلام کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

پھر یہاں تک بھی اکتفا نہیں ہے بلکہ اس مجسمۂ رحمت وہدایت کی روح پاک اپنی تیز وتند قوتوں کے ذریعہ سے لوگوں کے قلبی اور روحانی میل کچیل، نجاست وخبائث کو اسی طرح دور کرتی تھی جس طرح مادر مہربان اپنے ننھے ننھے بچوں کے جسم اور کپڑوں سے ظاہری نجاستوں کو دور کرتی

ہے،اگر یہ جملہ: یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة (پڑھتا ہے وہ (رسول علیہ السلام) بندگان خدا پراس کی آیتیں اوران کو خدا کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے) قرآن شریف کے الفاظ اوراس کے معانی کی تعلیم اوراحکام شرعیہ کے علل واسباب کی تدریس پر دلالت کرتا ہے تو جملہ یزکیهم (اور پاک وصاف ان کو کرتا ہے) اسی باطنی تزکیہ اورروحانی تجلیہ پر شاہد عدل ہے،اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصد ہیں جن پر روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے۔

سچے متبعین اورارباب عقل وفہم پراس خاص مہینہ کے ظہور کرتے ہوئے جو کہ نہ صرف ولادت باسعادت کا مبارک وقت ہے، بلکہ ہجرت بھی جس کے ذریعہ سے شوکت اسلام کا آفتاب روزافزوں ترقی کرتا ہوا نمودار ہوا اسی مبارک مہینہ میں واقع ہوئی ہے،اوروفات مبارک بھی جو کہ امت کیلئے عالم برزخ اور بارگاہ رب العزت میں ذریعہ صد ہزار مغفرت ہے اسی مہینہ میں واقع ہوئی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا اراد رحمة امة من عبادہ قبض نبیه قبلها ،جعله لها فرطا وسلفاً بین یدیها واذا اراد هلکة امة عذبها ونبیها حی فاهلکها وهو ینظر فاقر عینیه بهلکتها حین کذبوه وعصوا امره (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر اپنے بندوں میں سے رحمت کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پیغمبر کو امت سے پہلے وفات دے کر اس کو امت کا پیش خیمہ (سامان قیام وطعام وغیرہ درست کرنے والا) اور آگے جانے والا بنادیتا ہے۔اور جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو قوم کو پیغمبر کی زندگی میں ہلاک کردیتا ہے، کہ پیغمبران کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اوراس کے احکام وامر کا خلاف کیا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کا وہی جذبہ منعکس ہوجانا چاہئے جس کا روشن چراغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اورروح پرفتوح میں ہمیشہ نورافشاں رہا، امورزائد جودوسروں کی دیکھادیکھی کبھی مسلمانوں میں رونما ہوگئے ہیں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں، ہماری ہمت تمام عالم

انسانی کی اصلاح اور خیر خواہی کی طرف متوجہ ہونی چاہئے، ہم کو اس مبارک مہینہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی باتوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ اور تعلیم وغیرہ پر کاربند ہونا چاہئے اور جناب کے نمونہ پر بن جانے کیلئے عزم مصمم میں تجدید پیدا کر لینا چاہئے۔ غرضیکہ ہم تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کا نشاط اور اس کی گرمی اور قوت عزم اس ماہ میں اسی طرح پیدا کریں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی، اور جیسی ایک سچے فدائی اور مخلص تابعدار میں ہونی چاہئے، غیروں سے بھی ویسا ہی طرز عمل اختیار کریں اور اپنوں سے بھی وہی صورت پیدا کریں۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی مقاصد عالیہ کی غرض اور تمام عالم انسانی کی بہبودی دنیا و آخرت کی وجہ سے ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائیں، اپنی راحت و آرام کو ترک کر دیا، لوگوں کی سخت اور سست باتوں کی پرواہ نہ کی اور سہتے رہے، عزت و ناموس ظاہری کو خاک میں ملا دیا، اہل وعیال، رشتہ دار سب کو خیر باد کہہ دیا مگر اپنے کام اور ارادہ میں فتور نہ آنے دیا، دشمنوں کی گالیوں کا بدلہ صلح جمیل سے دیا، ان کے مظالم کا مقابلہ صبر جمیل سے کیا، ان کی خود غرضیوں اور جہالتوں کا عوض ہجر جمیل اور خاموشی کو بنایا، دشمنوں نے ہر قسم کی وحشیت و بربریت کو اختیار کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف وعدالت و خیر خواہی اور ہمدردی کو سامنے لانا ضروری سمجھا، انہوں نے رشتہ داری کو قطع کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتوں کی رعایت اور صلہ رحمی میں سرمو فرق نہ آنے دیا، انہوں نے نت نئے مظالم توڑے، وحشت و بربریت کے مظاہرے کئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مروت، سیر چشمی، عالی حوصلگی، بہادری، انسانیت، اخلاق حسنہ کو آخر تک نباہا، مکارم اخلاق کا وہ عملی گلدستہ پیش کیا کہ وہ وحشی قوم جو اپنی جہالت اور بداخلاقیوں میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی، مردم آزاری اور نخوت وغرور وغیرہ میں اس کا پلہ تمام اقوام دنیا سے زیادہ بھاری تھا، وہ سب کی سب نہایت تھوڑی مدت میں جان و مال، عزت، اولا دسب

کچھ قربان کرنے کیلئے صرف تیار ہی نہیں ہوئی بلکہ اس نے ایسا ثبوت دے دیا کہ جس کی نظیر ابتدائے دنیا سے آج تک کوئی تاریخ پیش نہیں کرسکتی، اس کے قلوب وارواح خدائے وحدہ لاشریک لہ کی محبت اور خوف سے بھر گئے، اس کے ہاتھ پاؤں اور جملہ اعضاء خداوندی خوشنودی کے بندے بن گئے، ان میں علمی تموج اور اخلاقی انقلاب ایسا رونما ہوگیا کہ وہ تمام اقوام عالم کے معلم اور رہنما ہو گئے، ان میں اصول جہاں بانی اور قوانین اصلاح عالم انسان کے ہر ہر شعبہ نے اس طرح جگہ کرلی کہ نہایت قلیل مدت میں بحر اٹلانٹک سے لے کر ہمالیہ کی چوٹیوں تک اور کوہ ارال سے لے کر صحرائے افریقہ تک امن وامان، عدل وانصاف، معرفت اور علم، تمدن وسیاست، عروج وترقی پھیلا دیا۔ اور اقوام عالم اس صداقت اور حقانیت کو دیکھ کر برضا ورغبت اسلام کی حلقہ بگوش ہوکر یدخلون فی دین اللہ افواجاً کے سماں میں آ گئیں، اور پھر ان حدود سے بھی متجاوز کر کے بحر پاسفک اور بحر منجمد شمالی تک بھی اسلام کا دریا موجیں مارنے لگا۔

ہندوستان میں جو حالت ہم مسلمانوں کیلئے موجودہ حکومت اور برادران وطن کے معاملات کی وجہ سے نزاکت اختیار کرتی جارہی ہے اس کیلئے بھی ہم کو آج یہ متبرک مہینہ وہی روشنی یاد دلا رہا ہے اور اسی چمک میں آنے کیلئے بلا رہا ہے، ہمارے لئے جو شاہراہ عمل اسلام اور اس کے مقدس بانی نے تیار کردی ہے اسی کا اختیار کرنا ہمارے لئے ہر طرح موجب فلاح و بہبودی ہوسکتا ہے۔

اسلام کا مقصد اصلاح خلق ہے

جبکہ اسلام کا نشو ونما اور اس کا اطراف عالم میں پھیلنا محض بیماران عالم انسانی کی مدارات کی غرض سے ہوا ہے، اس کی اصل غرض اور غایت اور توجہ محض اصلاح خلق ہے، ملک گیری، خزانوں کا جمع کرنا، اقوام عالم کو غلام بنانا، شہنشاہی قائم کرنا وغیرہ وغیرہ وہ نجس اور منحوس مقاصد نہیں ہیں جو اسکندر، رومی، چنگیز خان، ہلاکو خان، یورپین طاقتوں وغیرہ کے رہا کئے ہیں، وہ اپنی فوجی طاقتوں کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہتا، وہ اپنی مالی اور تجارتی قوتوں سے اقوام عالم کی اقتصادی قوت اور معیشت کو برباد کرنا نہیں روا رکھتا، وہ کسی قومیت اور شخصیت کا بندگان خدا کو پرستار بنانا

نہیں چاہتا، وہ کسی رنگ، کسی ملک، کسی زمین کو انسانی دنیا میں فوقیت دینا گوارا نہیں کرتا، وہ ہر ایک اس انسانی فرد کو برتری اور بزرگی کا گراں بہا تمغہ عطا کرتا ہے جو اصلاح کو قبول کرتا ہوا متقی اور پرہیزگار بن جائے خواہ کسی قوم کا ہو، کسی رنگ کا ہو، کسی زبان کا ہو۔ یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثیٰ وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ...... انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم . اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (حضرت آدم علیہ السلام) اور ایک عورت (حواء علیہا السلام) سے پیدا کیا ہے اور تم کو تمیز اور پہچاننے کیلئے مختلف خاندان بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑائی اور بزرگی تم میں سے زیادہ پرہیزگاروں کی ہے، ایمان لانے والے سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے تم بھائیوں میں صلح کراؤ۔

اسلام کو حقیقت میں اقوام عالم اور مذاہب دنیا کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ ایک شفیق حکیم کو مریضوں کے ساتھ، اور ایک سمجھدار اور مہربان مربی کو اپنے بچوں اور اہل خاندان کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا اسلام کو ضرور بالضرور ان ناسمجھ، نادان مریضوں اور بچوں اور جاہل بیوقوف اہل خاندان سے طرح طرح کی تکلیفوں اور ناانصافیوں سے دوچار ہونا لازم ہے وہ جو کچھ جور و جفا، بے عقلی اور بے انصافی کریں ان کی طبعی اور لازمی بات ہوگی، اور اس مصلح حکیم کو جس قدر فراخ دلی اور عالی حوصلگی، ہمدردی، تحمل و برداشت وغیرہ کرنا پڑے اس کا فرض منصبی ہوگا، ہاں جس طرح ایک طبیب حاذق اور شفیق ڈاکٹر کا فرض ہے کہ اگر مریض میں مادہ فاسد نہایت شدومد سے جاگزیں ہو کر تمام جسم کو خراب کر رہا ہو، آئندہ کو اس سے طرح طرح کے اندیشے ہوں اور کسی صورت سے اس کا دبانا اور تحلیل کرنا ممکن نہ ہو، تو مسہل کے ذریعے یا نشتر کے وسیلے سے اس کا اس قدر اخراج کردے کہ جسم کی اصلاح ممکن ہو جائے، اسی طرح کبھی کبھی مخصوص صورتوں اور احوال میں اسلام کو بھی محض اصلاح عالم انسانی کی غرض سے تلوار اٹھا کر شخص اکبر (عالم شہادت) کو مسہل دینا اور اس کے دنبل میں نشتر لگا کر فاسد کو نیست و نابود کردینا ضروری ہوگا جس کو جہاد کہتے ہیں۔

جب عقلمند اور بیوقوف، متمدن اور وحشی، متبع قانون اور آزاد، عالم اور جاہل کا مقابلہ

ہوگا تو ہمیشہ سے صنف اول پر ان ان مظالم کی بوچھاڑ ہوگی کہ وہ خود ان کے کرنے سے عاجز ہوگی اس کو عقل وتمدن، قانون اور علم، میدان انتقام میں بیوقوفی، وحشت، آزادی اور جہالت کی کارروائیوں سے روکیں گے اور مجبور کریں گے کہ وہ اس جگہ میں انسانیت اور قانون کو ہاتھ سے نہ جانے دے، مگر صنف ثانی حق کو چھپائے گی، سچائی کو دبائے گی، خودغرضی کی داد دے گی اور تعصب پر کاربند ہوگی، باطل پرستی اپنا شعار بنائے گی، نہایت شرمناک پروپیگنڈہ کر کے اہل حق کو اور صنف اول کو بدنام کرے گی اور اپنے آپ کو بے قصور دکھلاتی ہوئی ہر قسم کی قوتوں سے کام لے گی۔ یہ معاملہ اسلام کے ساتھ دوسری قوتوں اور اغیار کا ہمیشہ سے رہا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے، مگر ہر زمانہ میں مقدس بانی اسلام اور اس کے متبعین مسلمانوں نے حق وصداقت، عدل وتہذیب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، ان کی جہالت وگمراہی کا جواب جہالت وگمراہی سے نہیں دیا۔

یٰا یھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولایجرمنکم شناٰن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ، اے ایمان والو ہو جاؤ تم اللہ تعالیٰ کیلئے اس کی خوشنودی کی غرض سے پوری پابندی کرنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی ادا کرنے والے، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ اور برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف نہ کرو، عدل کیا کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

ولایجرمنکم شناٰن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ، تم کو کسی قوم کی دشمنی اور بغض اس بنیاد پہ کہ انہوں نے تم کو خانہ کعبہ سے روک دیا اس پر برانگیختہ اور آمادہ نہ کردے کہ تم حد سے آگے بڑھ جاؤ اور تعدی کرنے لگو، اور بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ وتعدی پر ایک دوسرے کی مذمت کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ خداوند کریم سخت بدلہ لینے والا ہے۔

انہی احکام کی بنا پر آنحضرت علیہ السلام اور اسلاف کرام ہمیشہ موافق اور مخالف، دشمن اور دوست کو عدل اور انصاف کی نظروں سے دیکھتے رہے، دشمنوں کی جفا کاریوں کو ہمیشہ قانون الٰہی کی پابندیوں کی بنا پر اور اپنے ارادہ اور نصیحت وخیر خواہی کی وجہ سے پس پشت ڈالتے رہے، کبھی عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات اوران کا حل

مسلمان اپنے ہراس اور بے چینی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ برادران وطن ہمارے کسی نفع کے روادار نہیں، وہ سرکاری محکموں میں بھی مسلمانوں کو گھسنے نہیں دیتے اور جو کوئی گھس آتا ہے اس کو تنگ کر کے نکلوا دیتے ہیں، میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ میں مسلمانوں کے نکالنے یا کمزور کرنے کی نہایت زیادہ منظم سنگھٹن قائم ہے جو ریلوے کے محکموں، تار کے دفتروں وغیروں میں بھی ہے، ہر قسم کی تجارت پر خود قبضہ کئے ہوئے ہیں، کونسلوں وغیرہ میں جو فرقہ وار نیابت قائم ہوگئی ہے اس کو بھی ہر جگہ سے مٹانا چاہتے ہیں، صنعتوں اور زراعتوں کے بھی مراکز یہی ہیں، مردم شماری اور زمینداری میں بھی ان کا پلہ ہر طرح بھاری ہے بایں ہمہ مسلمانوں کی رہی سہی حالت ان سے دیکھی نہیں جاتی، کسی قسم کی خیریت کے روادار نہیں، تنگ دلی ایسی ان پر سوار ہے کہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان قوم زندہ بھی رہ جائے۔ میں ان سب گفتگوؤں کا انکار نہیں کرسکتا کیونکہ آج عام طور سے اس قسم کے اعمالنامے اور تقریریں میدان میں آچکی ہیں، مگر میرا سوال یہ ہے کہ آیا اس قسم کی کارروائی غیر مسلم قوموں سے آج نئی بات ہے یا ان کا ظرف تنگ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا رہا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم (الآیۃ)** آسمانی کتابوں کے ماننے والے مشرک لوگ یہ نہیں چاہتے کہ تم کو تمہارا پروردگار کسی بھلائی میں سے حصہ دے۔ **لایزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا (الآیۃ)** یہ غریب مذہب والے برابر تم سے جنگ

کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کو طاقت ہو تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔

یہ تنگی ان لوگوں کی نہ صرف قرن اول کے مسلمانوں ہی سے رہی بلکہ ہر قرن اور ہر ملک میں ہمیشہ یہی قصہ پیش آتا رہا، تاریخ کے واقعات موجود ہیں، کہا جاتا ہے کہ اہل سنگھٹن اور جملہ برادران وطن اپنے اتفاق سنگھٹ، مال، ہتھیاروں، کثرت تعداد، اخباروں، محاکم پر غلبہ اور کثرت تعلیم وغیرہ کی وجہ سے مظاہرہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے وجود اور ہستی اور قوت کو مٹا دیں، اور ہر جگہ اشتعال انگیز کارروائیاں کی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مسلمان مجبور ہو جاتے ہیں اور سر بکف ہو کر میدان میں نکل پڑتے ہیں اور پھر ان کو اپنی منظم قوت سے پامال کیا جاتا ہے، صاف صاف کہا جاتا ہے کہ یا تو مسلمان مرتد ہو جائیں، ہندو بن کر یہاں رہیں یا کم از کم ہندوانہ رسوم وعادات وغیرہ اختیار کرلیں ورنہ ہمارے وطن سے (ہندوستان سے) باہر چلے جائیں۔

اور پھر حکومت ان کی ہر طرح طرفداری کرتی ہے، ان کی آواز سے ڈرتی ہے، ان کو سزائیں جان بوجھ کر دینے سے گھبراتی ہے۔

میں عرض کروں گا کہ یہ امور بھی اسلام کے خلاف نہیں ہیں، ہمیشہ ایسے مظالم اسلام پر ہوتے رہے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر برابر ایسے پہاڑ توڑے گئے، اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، مکہ معظمہ کے مشرک اور مدینہ منورہ کے منافقین ویہود اور گردونواح کے اعراب اور پھر بعد زمانہ نبوت دیگر ممالک میں غیر مسلم اقوام ہمیشہ اسی قسم کے اعمال کرتی رہیں جن کی نسبت پہلے ہی سے اشارہ نہیں بلکہ تصریح کر دی گئی تھی لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور، تم ضرور بالضرور آئندہ کو اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے (ان دونوں کو نقصان پہنچایا جائے گا) اور ضرور تم آئندہ ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے آسمانی کتاب دی گئی ہے اور ان لوگوں سے جو کہ مشرک اور بت پرست ہیں بہت سی باتیں سنو گے اور اگر ان مواقع پر تم صبر کرتے رہو اور پرہیز کرتے

رہو (یعنی حکم الٰہی کی خلاف ورزی سے) تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

اس قسم کی آیتیں قرآن میں موجود ہیں جن پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ تم یہ مت خیال کرنا کہ تم بغیران آزمائشوں کے جو پہلوں پر آچکی ہیں چھوڑ دیئے جاؤ گے یا نجات حاصل کرسکو یا جنت میں داخل ہوسکو (دیکھئے سورۃ عنکبوت اور دوسرا رکوع سورۃ توبہ اور آخری حصہ سورۃ آل عمران وغیرہ)

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم ، ان تمسسکم حسنۃ تسؤ ھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کید ھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط تم سے یہودی (موسوی لوگ) اور نصاریٰ (عیسائی) کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے مذہب کے تابعدار نہ ہو جاؤ اگر تم کو کوئی اچھی بات حاصل ہو جاتی ہے (یعنی آپس میں اتفاق کا ہو جانا کسی عمدہ دنیاوی عہدہ اور عزت و مال وغیرہ کامل جانا) تو ان کو (غیر مسلموں کو) برا معلوم ہوتا ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار اور بری بات پیش آتی ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر واستقلال اور پرہیزگاری کے ساتھ رہو تو ان کا مکر تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، خداوند کریم ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔

وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لا تخذوک خلیلا ولولا ان ثبتنک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اور یہ لوگ (غیر مسلم قومیں) ان احکام سے جن کو ہم نے تم پر وحی کے ذریعہ بھیجا ہے قریب تھا کہ بچلا دیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اوپر غلط بات افترا کر دیں، ایسی حالت میں وہ تم کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے، اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے۔

وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا اولتعودن فی ملتنا فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظلمین ولنسکننکم الارض من بعدھم ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ، اور کافروں نے پیغمبروں سے کہا کہ ہم ضرور تم کو اپنی

زمین اور وطن سے نکال دیں گے مگر یہ کہ تم پھر لوٹ کر ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ تو ان کے پروردگار نے وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تم کو اس سرزمین میں ان کے بعد بسا دیں گے یہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو کہ میرے روبرو کھڑے ہونے سے اور میری وعید سے ڈرے ہر فریق نے دوسرے پر غلبہ چاہا اور جتنے ضدی سرکش تھے وہ سب ناکام ونامراد ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر تمام ایمان لانے والوں کو یہی کہا گیا کہ یا تو تم اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں ہمارے مذہب میں پھر لوٹ آ ؤ ورنہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں کو بھی ڈرایا گیا جس کا متعدد مقامات میں تذکرہ کیا گیا ہے، اور پھر اتنا مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ حبشہ کی ہجرت واقع ہوئی اور پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کی نوبت آئی۔

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ، اور اسی طرح ہم نے پیدا کئے ہر پیغمبر کیلئے بہت سے دشمن شیطانوں اور جنوں میں سے ہر ایک دوسرے کو بنائی ہوئی اور زینت دی ہوئی چکنی چپڑی باتیں بتاتا تھا اور سمجھاتا رہتا تھا تا کہ دھوکہ میں ڈالے۔ یعنی اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کیلئے ہر قسم کے دشمن ہیں اور وہ ہر قسم کے پروپیگنڈے اور بہتان زینت دی ہوئی باتوں سے کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو جو مظالم آج برادران وطن اور دوسرے ملکوں کے غیر مسلم لوگ اسلام پر ڈھا رہے ہیں وہ ہر زمانہ میں خدا کے سچے اور حقانی بندوں کے ساتھ کئے گئے ہیں اور خصوصاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور قرون سابقہ میں مسلمانوں کے ساتھ نہایت ہی زیادہ پیش آئے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اوذیت ما لم یؤذ نبی (الحدیث) جس قدر مجھ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔ باوجود ان سب امور کے ہمیشہ حق غالب ہو کر رہا۔

آج ہم کو بھی وہی طرز اختیار کرنا ضروری ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا اور جو ایک مشفق ہمدرد و خیر خواہ کیلئے ضروری ہے، اہل مکہ سب سے زیادہ جور و جفا کرنے والے تھے جن کے مظالم کی داستان دفتروں میں بھی بمشکل آ سکتی ہے، کوئی ناروا اور بری کارروائی انہوں نے اٹھا نہیں رکھی، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے صلح کر لی تو ایسے ایسے شرائط بھی تسلیم کر لئے جو کسی طرح بھی اسلامی خودداری کیلئے بظاہر مناسب نہ تھے، صلح اور آشتی کیلئے، فساد اور خون سے بچنے کیلئے، آواز حق بلند کرنے کیلئے، رواداری اور اخلاق کا ثبوت دینے کیلئے، اصلاح اور امن کیلئے، خدا اور کعبہ کیلئے اپنی ہیٹی اور بظاہر بے عزتی اور کمزوری پر دستخط کر دیئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کا عام طبقہ جو جان دینے تک فقط تیار ہی نہ تھا بلکہ بیعت اور عہد و پیمان بھی کر چکا تھا اس صلح پر کسی طرح راضی نہ تھا، مگر یہی صلح پیش خیمہ جملہ فتوحات کی ہوئی اور اسی نے اسلام کی دھاک تمام عرب میں نہایت زور و شور سے بٹھادی۔ قریش کی تلوار میں اسی سے دندانے پڑ گئے، نہایت زیادہ کند ہو گئی، سورت فتح اسی سے واپسی پر نازل ہوئی جس پر حضرت عمرؓ جیسے بڑے بڑے سمجھ دار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت تعجب کرتے ہوئے پوچھنے لگے او فتح ھو یا رسول اللہ (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

حلم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا کامیاب ثمرہ

اس سے تقریباً دو سال کے بعد جبکہ خود نادان قریش اور ان کے بعض خلفاء کی جانب سے بدعہدی ہوئی اور انہوں نے معاہدہ کی شرائط کو توڑ دیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار نوجوانان جنگ آزمودہ کے ساتھ فوج کشی کی اور مکہ معظمہ پر چڑھائی کا بازار گرم ہو گیا، قریش اور اہل مکہ کے سیاہ کارنامے جو کہ بے حد اور بے پایاں تھے ظاہر بینوں کی نظر میں، اپنی قوت اور سطوت کا مظاہرہ کرنے والوں کی نظر میں، اپنی خودداری اور انتقامی کارروائیوں کے جاری کرنے والوں کی نظر میں، ملوکیت اور شوکت و دبدبہ قائم کرنے والوں کی نظر میں، تو یہ لازم

تھا کہ ایک آدمی بھی مکہ والوں کا زندہ نہ چھوڑا جاتا، کم از کم یہ تو ضرور ہوتا کہ ان کے جنگجو اور جوان آدمی بالکل قتل کر دیئے جاتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی عفو وکرم اور مشفقانہ ہمدردی سے کام لیا، عالی حوصلگی اور بے تعصبی کا ثبوت دیا، اعلان کر دیا کہ جس نے اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اس کو امن ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا اس کو امن ہے، جو ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امن ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مکہ معظمہ پر قابض ہو گئے تو کسی کو غلام باندی بھی نہ بنایا جو کہ سب سے کم درجہ کا اس زمانہ رسم ورواج کے مطابق انتقام تھا، بلکہ سب کو آزاد چھوڑ دیا اور یہی وجہ ہے کہ تمام اہل مکہ کو طلقاء کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ باوجودیکہ زمانہ گذشتہ میں تقریباً ۲۰ برس تک پیہم شرمناک اور سخت سے سخت آزاردہ جرائم ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حق میں صادر ہوتے رہے تھے، کسی قسم کی اذیت ہم نے اٹھا نہ رکھی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے قادر ہونے پر ہم سے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ سب کے جرائم کو عفو کر دیا، اس لئے عام لوگوں کو دین اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر اور مقرب خداوندی ہونے کا یقین ہو گیا، اور باستثنائے چند اشخاص سب کے سب سچے دل سے مسلمان ہو گئے (وہ مستثنیٰ اشخاص بھی چند دنوں کے بعد اسلام کی حقانیت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے)

عرب کے اطراف وجوانب کے جملہ قبائل نے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی کریمانہ ومشفقانہ کارروائی کو مجرموں کے ساتھ دیکھا وہ بھی سب کے سب فوجاً فوجاً دین اسلام کے گرویدہ اور حلقہ بگوش ہو گئے، اسی لئے نواں سال ہجرت کا سال وفود کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کہ اس میں قبائل عرب نے وفود (ڈیپوٹیشن) بھیج کر اسلام کی تعلیم حاصل کی اور اس کی حلقہ بگوشی کا اعلان کیا۔ غرضیکہ اس عالی ظرفی اور عالی ہمتی کی کارروائی اور بہادرانہ اخلاق نے اس طرح قلوب انسانی کو مسخر کر لیا کہ تمام قلمرو عرب میں بجز چند قبائل ضدی یہود کے

(جو کہ خیبر، تیمار، صنعاء وغیرہ میں آباد تھے) تمام عرب مسلمان ہو گئے اور تمام سرزمین عرب سے توحید کے نعرے بلند ہونے لگے۔

مدینہ منورہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جس کا نفاق اظہر من الشمس ہو چکا تھا اور بہت سی آیتیں اس کے منافق اور دشمن ہونے کے ثبوت میں نازل ہو چکی تھیں، اس کے سیاہ کارناموں سے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال اور رفقاء کو بہت تکلیفیں اور صدمات اٹھانے کی نوبت آ چکی تھی، جب ۸ یا ۹ ھ میں مرتا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لڑکے کو اپنا کرتا اس کا کفن بنانے کیلئے دیتے ہیں، اس کے جنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر خبر کے جب اس کو لحد میں رکھ دیا جاتا ہے تو لحد میں سے نکال کر اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھتے ہیں اور اس کے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈالتے ہیں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز رفیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امر میں جھگڑا کرتے ہوئے مانع ہوتے ہیں اور اس کی دشمنی کے کارناموں کی داستانیں پیش کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جھڑک دیتے ہیں۔ اس عالی حوصلگی اور بے نظیر عالی ظرفی اور بہادری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی دن تقریباً ایک ہزار آدمی قبیلہ خزرج کے حلقہ بگوش اسلام سچے دل سے ہو جاتے ہیں۔

قبائل عرب اور سرداران عرب کے ساتھ ایسے ایسے کارنامے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کیے، اور صلیبیوں کی تفصیلی کارروائیوں کو خود عیسائی مؤرخوں سے پوچھ لیجئے، سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کے کارنامے اور عیسائی بادشاہوں اور قوموں کے کارنامے ذرا غور سے ملاحظہ کر لیجئے، اسپین، مالٹا، سسلی وغیرہ میں عیسائیوں نے غالب ہو کر کیا کیا کہ آج وہاں اسلام کا نام لیوا نظر نہیں آتا؟ کریٹ، مقدونیہ، یونان، بلغاریا، سربیا، تانٹ نگر وغیرہ میں یونانیوں نے کیا کیا؟ استنبول، ایڈریا، نوپل کی عیسائی آبادی کے ساتھ کیا کیا؟

سلطان عالمگیر اورنگزیب کی بے تعصبی

دور کیوں جاتے ہو؟ خود سلطان عالمگیر اورنگ زیب غازی پاشا مرحوم ومغفور جس کو اپنے مقاصد

اور پروپیگنڈے کیلئے یورپین تاریخیں نہایت سنگدل اور متعصب بتلاتی ہیں، اس کے ہی سچے کارناموں کو سچے لکھنے والے انگریز مؤرخین وغیرہ سے پوچھ لیجئے۔ کپتان الیگزینڈر ہملٹن کا سفرنامہ جوکہ اس زمانہ میں تقریباً ۲۵ برس ہندوستان میں رہا اور پھرا ہے دیکھ لیجئے، کس طرح حکومت کی طرف سے آزادی مذاہب کی تعریف کرتا ہے؟ اور بادشاہی بے تعصبی اور دریا دلی کی تعریف کرتا ہے؟ شیوا جی نے مسلمانوں اور اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کے جرنیل افضل خان مرحوم کے ساتھ حکومت کے مقابلہ میں کیا کیا کارروائیاں نہیں کیں؟ اور جب اورنگ زیب کے سامنے پکڑا ہوا آیا اور معافی کا خواستگار ہوا تو اس کی عالی ظرفی اور وسیع حوصلگی کا ہی شکار کیا گیا، معاف کرکے چھوڑ دیا گیا، عدل وانصاف کو بالائے طاق رکھا گیا۔ ہم اگر مسلمان بادشاہوں کی رواداری اور بے تعصبی کی تفصیل اس جگہ پیش کریں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے، اور علیٰ ہذا القیاس ان کے مقابلے میں ضد اور تعصب، انواع واقسام کے مظالم وحشیانہ کی فہرست غیر مسلم قوموں کی بھی بڑے بڑے دفاتر کی محتاج ہے مگر ''مشتے نمونہ از خروارے'' سلطان اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر سا فرمان نقل کرتے ہیں، اورنگزیب مرحوم کی متعدد ہندو مندروں کی جاگیروں کی سندیں دھات کے پتروں پر ثابت ہوکر معتبر اخبارات ورسائل میں چھپ چکی ہیں، اردو اخبار مطبوعہ ۱۹۱۱ء میں مندرجہ ذیل ایک فارسی فرمان حضرت اورنگزیب مرحوم کا جس کو راجہ نرجن سین نے ایشیاء ٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا شائع ہوا تھا، یہ فرمان شہنشاہ اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ابوالحسن حاکم بنارس مرحوم کو سلطان محمد بہادر کی معرفت بھیجا گیا تھا، اس فرمان کا مضمون حسب ذیل تھا:

فرمان عالمگیر اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ

ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے، ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں،

اوران برہمنوں کوجن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کوان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے، نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کرے۔ ۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۰۶۵ھ

(خاتمہ پر دستخط اور مہر شہنشاہ اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ ثبت ہے)

پرانے بادشاہوں اور مسلمان حکمرانوں کے کارنامے اور فرمانات اس قسم کے بے شمار ہیں، طول کی وجہ سے چھوڑنا مناسب ہے، مگر ایک فرمان نمونہ کے طور پر نقل کرتا ہوں، ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور نے مندرجہ ذیل فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر تلاش کی ہے۔

ایک حاکم مسلم کی وصیت

خفیہ وصیت ظہیر الدین محمد بادشاہ غازی مرحوم بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں اطال اللہ عمرہ (مرحوم) محررہ برائے استحکام واستقامت سلطنت۔

اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے، الحمد للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھوڈالو اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے، اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا امت قوانین حکومت کی مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں، عدل وانصاف کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ وسنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو، تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ وماموں رہے، سرگذشت تیمور کو جو اتحاد واتفاق کا مالک تھا ہر وقت پیش نظر رکھو، تاکہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔ (روزنامہ خلافت)

اسلام پھیلانے کی کوششیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل اسلام نے ہرگز تنگدلی، تعصب و بزدلی وفساد وغیرہ اخلاق قبیحہ کو اپنا معمول بہ قرار نہیں دیا، اور نہ جاہل، وحشی، تنگدل، متعصب، مخالفان اسلام کا جواب ترکی بہ ترکی دینے کی کوشش کی، بلکہ انہوں نے قوانین الہیہ کو پیش نظر رکھا۔ اصلاح عالم انسانی اور ہمدردی بنی آدم کو، خدا کی رضا جوئی اور خوشنودی کو ہمیشہ مقصود اصلی سمجھتے رہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فقط ایک رفیق جان قربان کرنے والا تھا، اور جب سات برس کے بعد مکہ معظمہ پر چڑھائی فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار آزمودہ کار جاں نثار سپاہی تھے، اور جب وفات کے قریب تبوک پر چڑھائی کرتے ہیں تو تقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار جاں نثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر وضلالت کے مقابلہ کیلئے نور الٰہی اور سچے دین وحقانیت کے پھیلانے کیلئے تین تلواریں تیار کیں اول خداوندی اور آسمانی تلوار یعنی پوری کوشش فرماتے رہے کہ پروردگار عالم کے سچے مطیع ہو کر اس کو اپنے سے خوش اور اپنا دونوں جہاں میں مددگار اور آقا بنالیں اور اس کی توجہ اور عنایت کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اس کیلئے تعلق خلق با خالق کو ہمیشہ منظم فرماتے رہے جس کی وجہ سے آیت: ذلک بان اللہ مولی الذین امنوا وان الکفرین لا مولیٰ لھم (یہ اس لئے کہ خدا ایمان والوں کا آقا اور مددگار ہے اور کافروں کا کوئی آقا اور مددگار نہیں) فاعلموا ان اللہ مولکم نعم المولی ونعم النصیر (اے مسلمانو جان لو کہ خدا تمہارا آقا اور مددگار ہے پس اچھا آقا اور مددگار ہے) یہ اور اس کی مثل نازل ہوئیں جن میں پورا یقین دلایا گیا کہ خداوند کریم تم لوگوں کا مددگار اور ہر طرح معاون ہے۔

دوسری تلوار اخلاقی اور روحانی تھی جس کے ذریعہ سے صرف اپنے متبعین کی اخلاقی کیفیت درست نہیں کی گئی بلکہ جملہ ہمسایہ اور مخالفین کو اپنا محب اور مطیع بنایا گیا اور بہت تھوڑی سی

مدت میں پورب، پچھم، اتر، دکھن جہاں جہاں وہم وگمان بھی نہ ہوتا تھا وہاں وہاں اسلام کا پرچم لہرانے لگا، ہم سمجھتے ہیں کہ ظالم کو معاف کردینے اور برائی کا بدلہ برائی اور سختی سے نہ دینے سے ہماری ذلت اور کمزوری ہوجاتی ہے اور دشمن قوی ہوجاتا ہے، مگر قرآن پاک وہ تعلیم دیتا ہے جو اس کے ماسوا ہے: ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم (بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، برائی کو بھلائی سے دفع کیجئے (اور سختی کا بدلہ نرمی سے دیجئے) تو جس شخص کی تم سے سخت عداوت تھی وہ مثل خالص دوست اور مددگار کے ہوجائے گا)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ما نقصت صدقة من مال و ما زاد الله عبدا لعفو الا عزاً وما تواضع احد لله الا رفعه الله (رواہ مسلم) خیرات مال کو کم نہیں کرتی اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کو فقط عزت میں بڑھاتا ہے اور کسی شخص نے اللہ کیلئے فروتنی اختیار نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے۔

الحاصل عفو اور کرم ذلیل کرنے والی چیزوں میں سے نہیں ہے، اگرچہ سردست اس میں ذلت معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ اس کا نہایت شاندار اور عزت افزا ہوتا ہے۔

ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونمونے ایک اہل مکہ کے ساتھ اور دوم رئیس المنافقین کے ساتھ جو کہ بعد فرضیت جہاد ہوئے پہلے ذکر کردیئے ہیں، اور کتب تاریخ میں ایسے ایسے وقائع بے شمار ہیں، ان سب میں ہمیشہ عزت زیادہ ہی ہوئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ غیر اقوام اور مخالفین کی اشتعال انگیز کارروائیوں کے جواب میں اگر ہم نے سختی اور تشدد سے کام نہ لیا تو ہماری خودداری اور قوت رفو چکر ہوجائے گی، اور اسی بناء پر ہم اپنے قبضہ اور اختیار سے باہر ہو جاتے ہیں، غیظ وغضب میں حسن تدبیر اور حلم وتدبر کو سلام کر بیٹھتے ہیں، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس کے خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (رواہ البخاری) وہ لوگ قوی نہیں ہیں

جوکہ اپنے حریف اور مقابل کو پچھاڑ دیتے ہیں اور گرادیتے ہیں، قوی وہ شخص ہے جوکہ اپنے نفس کو غصہ کے وقت قابو میں رکھے۔

یہ روحانی تلوار تھی جس نے ادھر اپنوں کو مہذب، خداپرست، قابل حکومت وریاست بنادیا اور ادھر غیروں کو اسلام کا نام لیوا اور حلقہ بگوش کردیا، ہم اس میدان میں اگر دسواں یا بیسواں حصہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکرم کا حال لکھیں تو نہایت طویل دفتر تیار ہوجائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی حدیث اور قرآن شریف کی آیتیں اس پر پوری روشنی ڈال رہی ہیں۔

تیسری تلوار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادی تھی جس میں نہایت متانت اور استقلال کے ساتھ ہر قسم کی تقویت کی کوشش کی گئی، اقوام اور قبائل، افراد اور اشخاص کو مجتمع کیا گیا ان کی آپس کی دشمنی اور عداوت دور کی گئی، ان میں اتحاد اور اتفاق کی روح پھونکی گئی، ایسے ایسے قوانین اور احکام بنائے گئے جن سے شقاق ونفاق دور ہو، محبت اور ہمدردی بڑے پیمانہ پر رونما ہو، صنعت اور تجارت، تعلیم وتربیت وغیرہ کو ترقی دی گئی، فنون جنگ کی تعلیم اور آلات جنگ کی افزونی کی کوشش کی گئی، کہیں فرمایا گیا: ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم آپس میں جھگڑے مت کرو ورنہ تم نامرد اور بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا بگڑ جائے گی۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم واخرين من دونهم تم اپنے مخالفین اور دوسری اقوام کیلئے جہاں تک تم سے ہوسکے قوت کی چیزیں اور سواریوں کی اشیاء تیار کرو، جن کے ذریعہ سے تم خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں اور دوسری قوموں کو ڈراتے رہو۔ کہیں فرماتے ہیں: ينايها الذين امنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا الآية اے ایمان والو جب تمہاری کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہوجائے اور جنگ میں مقابلہ پڑ آجاؤ تو ثابت قدم ہوجاؤ اور وہیں ڈٹ جاؤ۔

اور اس کے بعد دوسری ضروریات جنگ اور طرق فتح یابی ذکر کئے گئے ہیں۔

غرض کہ ایسی ایسی مادی قوتوں کی بہت سی تعلیمات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ رعب خداوند کریم نے مسلمانوں کا پیدا کر دیا تھا کہ حدود اسلام سے ایک ایک ماہ پر رہنے والی بادشاہتیں ڈرتی تھیں، نصرت بالرعب مسیرۃ شھر میں ایک مہینہ تک کی دوری تک رعب اور ہیبت پڑنے کے ذریعہ سے مدد کیا گیا ہوں۔

ظفر مندی کے طریقے

آج ہم مسلمانوں کو ضرورت قوی ہے کہ ان تینوں قوتوں کو پیدا کریں اور فضول و بے معنی ہنگامہ آرائیوں کو یک قلم ترک کر دیں، جو چیزیں دین میں سے نہیں ہیں ان کو دینی بنا کر اس کی آڑ میں اپنے آپ کو اور اپنی پوزیشن کو برباد نہ کریں، تعزیہ کی دھجیاں یا علم کے بانس یا محرم کے جلوس یا باجہ سے مسجد کی نام نہاد تذلیل وتوہین وغیرہ پر جنگ وجدال ترک کر دیں اور اپنی عزت وخودداری کے قیام اور اثبات کیلئے حقیقی قوت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے اعمالنامہ کو ذریعۂ کار بنائیں، اشتعال میں نہ آئیں، غیظ وغضب میں عقل کے حکم سے باہر نہ ہوں، اخلاق اور وسیع حوصلگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، اور اپنے آپ کو اسی طرح تینوں تلواروں سے مزین کرلیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا تھا، لہٰذا مندرجہ ذیل تجاویز پر بہت جلد عمل درآمد ہونا ضروری ہے:

(۱) نماز اور جماعت کی پوری پابندی کی جائے اور نہایت شدت کے ساتھ کی جائے۔

(۲) ہر محلہ اور ہر بستی میں کوشش کی جائے کہ کوئی شخص بے نمازی باقی نہ رہ جائے۔

(۳) شریعت کی جملہ امور میں پابندی کی جائے اور لوگوں کو پابند بنایا جائے۔

(۴) تعلیم کو جس میں مذہبی ضروریات اور دنیاوی لوازم ہوں نہایت عموم کے ساتھ اشاعت دی جائے اور کم از کم بکثرت ابتدائی مکاتب قائم کئے جائیں۔

(۵) بیاہ شادی کی فضول خرچیاں یک قلم بند کر دی جائیں اور ایسے قوانین مراسم شادی کیلئے بنائے جائیں جن کے ادا کرنے میں ہر قوم اور ہر خاندان کے غریب آدمی قرضدار نہ ہوں۔

(۶) غمی کیلئے ایسے قوانین بنائے جائیں کہ ان میں قرضداری کی نوبت نہ آئے اور اسی طرح ختنہ اور عقیقہ وغیرہ کے مصارف تقریباً بالکل بند کردیئے جائیں۔

(۷) مقدمہ بازی اور اس کی فضول خرچیاں بند کردی جائیں اور جہاں تک ہو سکے ہر محلّہ اور ہر قوم کے پنچ فیصلے کردیا کریں یا صلح کروادیں۔

(۸) لڑکوں اور لڑکیوں کو جوان ہوتے ہی جلد از جلد بیاہ دیا جائے۔

(۹) رانڈ عورتوں کو حتی الوسع بلا شادی نہ چھوڑا جائے۔

(۱۰) بچپن کی شادی ترک کردی جائے۔

(۱۱) ہر قسم کی تجارت کے شعبوں میں مسلمان مکمل حصہ لیں، کوئی شعبہ ایسا نہ رہے جس میں مسلمانوں کی تجارت پورے پیمانہ پر نہ ہو۔

(۱۲) مسلمان افراد حتی الوسع کوشش کریں کہ وہ اپنی جیب کے پیسہ سے مسلمانوں ہی کو نفع پہنچائیں انہی سے مال خریدیں۔

(۱۳) سودی قرضہ یک قلم بند کردیا جائے۔

(۱۴) مسلمان حتی الوسع کوشش کریں کہ جو فنون سپہ گری قانوناً جائز ہیں ان میں پورے مشاق ہوں۔

(۱۵) مسلمانوں میں آپس کے اختلافات بالکل دور کردیئے جائیں اور مذہب کی حفاظت اور مسلمانوں کی کمزوری کے دور کرنے میں باہم پورے متحد ہو جائیں، خواہ ان کا اختلاف مذہبی ہو یا سیاسی، دنیاوی یا دینی، شخصی ہو یا قومی وغیرہ وغیرہ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے عقائد مختلفہ کا ازالہ کردیا جائے جو تقریباً ناممکن ہے، بلکہ اگر وہ دور نہ ہوسکیں تو باوجود ان کے موجود ہونے کے آپس میں پورا اتفاق کرلیا جائے اور رواداری کو کام میں لایا جائے، تاکہ اسلام کی کمزوری دور ہو جائے۔

(۱۶) فضول جھگڑے نہ اٹھائے جائیں اور ہنگامے برپا نہ کئے جائیں، اگر غیر مذہب والے

ایسی چیزوں میں جو کہ ہم کو مذہباً لڑائی اور جنگ پر مجبور نہیں کرتی ہیں رواداری یا انصاف یا ہماری دلجوئی کا ثبوت نہ دیں تو ہم برسر پیکار نہ ہوں۔

(۱۷) اگر مذہب کی ضروریات پر جن پر جان دے دینا ضروری ہے کوئی غیر مذہب دخل دے تو پوری اجتماعی اور اتحادی قوت کے ساتھ مدافعت کی جائے۔

(۱۸) چونکہ اقوام غیر اشتعال پیدا کر کے عام مسلمانوں کو ہر طرح کے ضرر پہنچاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات بھیس بدل کر اور غلط افواہوں کے ذریعہ سے عام مسلمانوں میں غم وغصہ اور ہنگامہ آرائی پھیلاتے ہیں، جیسا کہ کلکتہ اور دوسرے مقامات میں مشاہدہ ہوا ہے، اس لئے باقاعدہ انتظام کیا جائے اور جب تک سمجھدار لوگ حکم نہ دیں کوئی کارروائی نہ کی جائے، ہر فرقہ اور ہر قوم میں انتظام کیا جائے اور ان کو منظم طریق پر ہر کام کیلئے تیار کیا جائے۔

(۱۹) ہر جگہ والنٹیر کور قائم کی جائیں اور باقاعدہ ان میں ہر قسم کا انتظام کیا جائے۔

(۲۰) اگر غیر مسلم اقوام مسلمانوں پر دست اندازی کریں تو حتی الوسع عفو اور عالی حوصلگی سے کام لیا جائے، مگر اپنی قوت ہر ضلع اور ہر صوبہ میں مکمل طریقہ پر منظم ہو، اور جب تک سخت مجبوری لاحق نہ ہو جنگ کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے اور اپنی تنظیم ایسی کی جائے کہ غیر مرعوب ہو جائے۔

(۲۱) اسلام کی اشاعت میں پوری کوشش کی جائے اور نہایت مشفقانہ اور ناصحانہ طریق پر لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا جائے۔

(۲۲) جو لوگ مسلمانوں میں مشرکانہ رسوم کے پابند ہیں اور غیروں کے پڑوس کی وجہ سے قواعد اسلام میں کمزور ہیں ان کو راہ راست پر لایا جائے اور نہایت نرمی اور محبت سے ان کو درست کیا جائے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

قتل مسلم

(ایک نادر علمی تقریر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من حمل علینا السلاح فلیس منا (الحدیث) سورۃ نساء میں ہے: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (۹۳/۴) (جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرڈالے تو اس کی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے، اللہ کا غضب ہے، اس کی پھٹکار ہے، اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو ایسوں کیلئے تیار ہو چکا ہے) یہ آیت اس بارہ میں نص قطعی وظاہر ہے کہ جو مسلمان دانستہ بلاکسی حق شرعی کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا اللہ کے غضب ولعنت کا مورد ہوگا اور عذاب الیم کا مستحق۔

بخاری ومسلم میں ہے: سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر، ورواہ الترمذی وصححہ ولفظہ قتال المسلم اخاہ کفر وسبابہ فسوق یعنی مسلمان کو دشنام دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی لڑنا کفر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر جو یادگار عالم خطبہ دیا تھا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اس میں ہمیشہ کیلئے تمام امت کو وصیت فرمائی لا ترجعوا (فی روایۃ لا ترجعون) بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری) میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن اڑائے۔

مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا جائز نہیں

اور بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: لا یشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزع ما فی یدہ وفی روایۃ ینزع بالعین فیقع فی حفرۃ من النار

(وايضا اخرجه مسلم عن ابن رافع وابو نعيم فى المستخرج من مسند ابن راهويه)

یعنی فرمایا کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو، ممکن ہے کہ ہتھیار لگ جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو، یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کر گئی اور مسلمان کا خون ہو گیا تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے گا جس کی پاداش عذاب جہنم ہے۔

اور ابن ابی شیبہؒ نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: الملا نكة تلعن احدكم ان اشار الى الآخر بحديدة وان كان اخاه لا بيد و امد ، اور امام ترمذیؒ نے ایک دوسری سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے: من اشار الى اخيه بحديدة لعنه الله و الملا نكة (قال حسن صحيح غريب وكذا صححه ابو حاتم من هذا الوجه) یعنی فرمایا جب کبھی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، فتح الباری میں ہے: قال ابن العربى اذ استحق الذى بغيره بالحديدة اللعن فكيف الذى يصيب بها؟ وانما استحق اللعن اذا كانت اشارة تهديدا سواء كان جادا ام لاعبا (جلد۱۳/۲۱) یعنی ابن العربی نے کہا جب صرف ہتھیار اٹھا کر اشارہ کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے لعنت بھیجتے ہیں تو اس بد بخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے بلکہ سچ مچ اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے؟ اور یہ جو فرمایا کہ اشارہ کرنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے تو اس سے مقصود وہی شخص ہوگا جو ڈرانے کیلئے ایسا کرے خواہ غصہ سے ہو خواہ ہنسی سے، انتہی۔

۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی، دل لگی سے بھی کوئی شخص ہتھیار اٹھا کر کسی مسلمان کو ڈرائے تو وہ لعنت کا مستحق ہوگا، یعنی کسی حال میں بھی یہ بات مسلمانوں کیلئے جائز نہیں اور یہ فعل اس درجہ شریعت کے نزدیک مبغوض ہے کہ اس کی ہنسی، دل لگی بھی لعنت کا موجب ٹھہری۔

قتل مسلم پر وعید

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے: زوال الدنيا كلها اهون على الله عن قتل رجل مسلم (اخرجه الترمذى وقال حديث حسن واخرجه النسائى بلفظ لقتل

المؤمن اعظم عند الله من زوال الدنیا ، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظروں میں تمام دنیا کے زائل ہوجانے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے، اور اسی بنا پر فرمایا: اول ما یقضی بین الناس فی الدما رواہ البخاری عن ابن مسعود وزاد اومسلم فی یوم القیامة ، قیامت کے دن سب سے پہلے جس معاملہ کا فیصلہ چکائے گا وہ انسان کا خون ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپ نے فرمایا: تزود من الماء البارد فانک لن تدخل الجنة (رواہ البیہقی) بن پڑے تو اچھی طرح ٹھنڈے پانی کی تیاری کرلے کیونکہ تیرا ٹھکانا دوزخ ہے، تو یقیناً جنت میں نہ جائے گا۔

حقیت یہ ہے کہ ایک مسلمان کیلئے شرک کے بعد اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر نہیں ہوسکتا کہ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے۔

مسلمان قومیت کی بنیاد

شریعت نے مسلمانوں کی جمعیت وقومیت کی بنیاد باہمی مؤاخات پر رکھی ہے، یعنی ہر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ہے: فاصبحتم بنعمته اخوانا اور انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس جب دو بھائیوں میں رنجش ہوجائے تو صلح کرادو۔ مسلمانوں کی قومی سیرت جا بجا یہ بتلائی: اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین (۵/۵۴) اشداء علی الکفار رحماء بینھم (۴۸. ۲۹) ان میں جس قدر بھی نرمی ہے مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس قدر بھی سختی ہے غیروں کے ساتھ، وہ سب سے زیادہ نرم بھی ہیں اور سب سے زیادہ سخت بھی، نرم اپنوں کیلئے سخت غیروں کیلئے، ان کے پاس محبت بھی ہے عداوت بھی، لیکن محبت پرستارانِ حق کے ساتھ کرتے ہیں عداوت دشمنان حق کے ساتھ۔

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات وتمثیلات ملتی ہیں وہ مشہور ومعلوم ہیں اور مہاجرین وانصار اور عام صحابہ کرامؓ نے ان کی عملی تصویر بن کر ہمیں بتلادیا ہے کہ اخوت دینی کے معنی کیا ہیں؟ ہر مسلمان پر اس کی نماز اور روزہ سے بھی بڑھ کر جو چیز فرض کردی گئی وہ یہی

ہے کہ مسلمانوں سے محبت کرے، جہاں تک بن پڑے ان کی بھلائی چاہے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے، اگر یہ چیز نہیں ہے تو ایمان واسلام بھی نہیں، پہاڑوں جتنا بھی زہد وعبادت ہو اور سمندر جتنی بھی دولت خرچ کر ڈالی جائے لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بے کار وعبث ہے۔ فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (رواہ الشیخان) کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی مسلمان کیلئے بھی پسند کرے۔ فرمایا: لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا (شیخان) تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نہ کرو۔ اور فرمایا: لا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنا جشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا تنابزوا وکونوا عباد الله اخوانا (شیخان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو باہم حسد وکینہ اور عناد نہ رکھو بدگوئی نہ کرو اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ حضرت جابرؓ کو وصیت کی: ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد (مسلم) تجھ پر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اس کی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو اور شام آئے تو اس طرح کہ کسی طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہ ہو۔ اور فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری) مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اور فرمایا: المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولا یحقره (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے پس اپنے بھائی پر نہ تو ظلم کرتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اور فرمایا: لایحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث (شیخان) کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے۔ اور فرمایا: ملعون من ضار مؤمنا اومکر به (ترمذی) اللہ کی اس پر پھٹکار ہے جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اس کو دھوکہ دیا۔

ایک حدیث میں یہاں تک زور دیا: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یحد النظر الی اخیه (رواہ الحاکم وصحه) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو نہ چاہئے کہ اپنے

بھائی مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے، یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھے۔ پس جب اللہ کی شریعت حقہ نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی باہمی محبت وبرادری پر رکھی اسی کو ایمان کی جڑ قرار دیا، وہی اسلام کی اصلی پہچان ہوئی، اسی پر ایمان کی تکمیل موقوف ٹھہری، تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوئے رشتہ کو توڑ دے اور اپنے ہی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیری ومددگاری کیلئے بنائے گئے مسلمانوں کی گردنیں کاٹے اس سے بڑھ کر خدا کی زمین پر اس کی شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بدعملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں تو اس فعل سے بڑھ کر اور کون سا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال وغیرت کو ہلا دے اور اس کی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں؟ جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب ومحترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اس کی ہلاکت کے مقابلہ میں ہیچ بتلائے، اسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں ہو اس سے بڑھ کر شریعت الٰہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے؟ اور ان سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کر سکتے ہیں کونسا گناہ ہے جو اس سے زیادہ ملعون ومردود ہوسکتا ہے؟ دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمہ لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں مل جاتی؟ پس جس بد بخت کا احساس ایمانی یہاں تک مسخ ہو جائے کہ باوجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے، وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا بلکہ اللہ کے کلمہ توحید کو ذلیل وخوار کرتا اور اس کی عزت وجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت اسامہؓ کی روایت ہے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دے کر بھیجا تھا، لڑائی میں اسامہؓ نے ایک آدمی پر حملہ کیا، ساتھ ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا، اسامہؓ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اس کے سر پر چمکی تو وہ پکار اٹھا لا الہ الا اللہ، میں نے کچھ پرواہ نہ کی اور قتل کر ڈالا، لیکن کلمہ کی صدا سن کر انصاری نے تلوار

روک لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوئے اور فرمایا اقتلته بعد ماقال لااله الاالله؟ تو نے اسے قتل کر دیا باوجود یکہ اس نے لااله الاالله کہا تھا؟ میں نے عرض کیا انما كان متعوذا وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلئے کہہ دیا تھا فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا فما زال يكررها على حتى تمنيت انى لم اكن اسلمت قبل ذلك اليوم لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہی جملہ دہراتے رہے (تو نے قتل کر ڈالا باوجود یکہ اس نے لااله الاالله کہا تھا) یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال اور اس واقعہ کا تأثر دیکھ کر مجھے اس قدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا، ایک روایت میں ہے: افلا شققت عن قلبه حتى تعلم تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ واقعی دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اس کا احترام واجب ہو گیا، خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو، دل کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

یہی واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے اور اس میں بعض زیادات ہیں: فيه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال له فكيف تصنع بلا اله الاالله اذاجاء ت يوم القيامة؟ فقال يارسول الله استغفرلى قال فكيف تصنع بلا اله الاالله اذاجاء ت يوم القيامة؟ قال فجعل لا يزيده على ان يقول كيف تصنع بلااله الاالله اذاجاء ت يوم القيمة یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ سے کہا قیامت کے دن جب وہ لااله الاالله کے ساتھ تیرے سامنے آئیگا تو اس وقت کیا کرے گا؟ یعنی اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اسامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اب تو مجھ سے یہ قصور ہو گیا میری بخشش کیلئے دعا کیجئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن لااله الاالله کا جب دعویٰ ہو گا تو تم کیا جواب دو گے؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی۔

بخاری میں ہے کہ آپؐ سے مقداد بن عمرو الکندی نے پوچھا: ان لقيت كافرًا فقاتلنى فضرب احدى يدى بالسيف فقطعها ثم لاذ منى بشجرة فقال اسلمت لله افاقتله بعد ان قالها؟ اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کریں اور وہ تلوار میرے ہاتھ پر اس طرح مارے کہ ہاتھ

کٹ جائے پھر الگ ہو کر کہے میں اللہ پر ایمان لایا تو یہ کہنے کے بعد اسے قتل کروں یا نہ کروں؟ فرمایا: لا تقتله مت قتل کرو قال انه قد قطع احدی یدی ثم قال ذلک بعد ما قطعها مقدادؓ نے عرض کیا اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اس کے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا پھر کیوں نہ میں اس سے اپنا بدلہ لےلوں؟ فرمایا: لا تقتله فان قتلته فانه بمنزلتک قبل ان تقتله وانت بمنزلته قبل ان یقول کلمة التی قال جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن جب کلمہ توحید کا اقرار کر لیا تو پھر قتل نہ کر، اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا اور تو مسلمان، لیکن اگر تو نے اقرار کے بعد اسے قتل کر دیا تو وہ تیری جگہ ہو جائے گا اور تو اس کی جگہ۔

یہ دو روایتیں اس بارہ میں نہایت ہی عبرت انگیز ہیں، جب اللہ کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کی حالت میں بھی قتل ہو جانا گوارا نہ ہوا، کیونکہ اس نے خوف جان سے ایک مرتبہ لا الـہ الا اللہ کہہ دیا تھا۔ اور اس پر اس قدر رنج وافسوس فرمایا کہ عرصہ تک صدائے الم زبان مبارک سے نکلتی رہی، تو پھر غور کرو کہ جو مسلمان ان مسلمانوں کو قتل کرے جن کی ساری زندگیاں اسلام وایمان میں بسر ہوئی ہیں اور جنہوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ دل کے یقین وایمان سے لاکھوں مرتبہ لا الـــہ الا اللہ کا اقرار و ورد کیا ہے اس کی شقاوت وخسران کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھ کر اور کونسا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلئے عذاب الیم کا موجب ہو؟

قتل مسلم پر وعید شدید

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس فعل کیلئے وہ وعید فرمائی جو کسی معصیت کیلئے نہیں فرمائی، یعنی فـجزاؤہ جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه اس میں خلود فی النار، غضب، لعنت، تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور تمام قرآن وسنت میں یہ تینوں کلمات وعید کفار کیلئے مخصوص ہیں مسلمانوں کی نسبت کہیں استعمال نہیں کئے گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام معاصی وفسوق سے اس فعل کی برائی کہیں زیادہ ہے، کفر صریح وقطعی کے بعد اور عام معاصی سے اشد کوئی فعل ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے اور اسی لئے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا کہ وقتاله کفر اور لا ترجعو بعدی

کفارا معصیت وفسوق کالفظ اس کی ناپا کی وملعونیت ظاہر کرنے کیلئے کافی نہ تھا۔ جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق ہوا کہ سباب المسلم فسوق تو پھر اس کو قتل کردینا صرف فسق ہی کیوں ہو؟

ایمان وکفر کے شعبے

ثانیاً: جس طرح ایمان واسلام کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اوران میں ہی سے ہر شاخ ایمان واسلام ہے: **الایمان بضع وسبعون شعبة فا فضلها لااله الاالله وادنا ها اماطة الاذی عن الطریق (رواه مسلم واصحاب السنن الثلاثة، ورواه البخاری بضع وستون)** اسی طرح کفر کی بھی شاخیں ہیں اوراعلیٰ وادنیٰ مراتب ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے اوراسی لئے صحابہؓ وسلفؒ سے مروی ہے: **کفر دون کفر وظلم دون ظلم۔**

اور پھر جس طرح ایمان واسلام اعتقادی بھی ہے اور عملی بھی، یعنی اعتقادیات میں بھی ہے اور عملیات وظواہر میں بھی، فکر میں بھی ہے اور فعل میں بھی ہے، ایمان باللہ ورسول بھی اسلام ہے اور نماز بھی اسلام ہے، ٹھیک اسی طرح کفر ونفاق کی بھی دوقسمیں ہیں اعتقادی اور عملی، ایک کفر ونفاق اعتقادیات وافکار کا ہے ایک اعمال وافعال کا، شرک کفر اعتقادی ہے اور ترک صلوٰۃ متعمداً کفر عملی ہے پس یہ جو فرمایا کہ: **سباب المسلم فسوق وقتاله کفر** اور **جزاؤه جهنم خالدا فیها** اور **لا ترجعون بعدی کفارا** اور **فلیس منا** تو ان میں اور عموم احکام کفر واسلام میں کوئی تعارض نہیں، نہ لفظ کفر کی یہاں کوئی تاویل کرنی چاہئے اور نہ نفی اسلام کو نفی کمال پر محمول کرنے کی ضرورت، شارع نے جس فعل کو کفر کہا وہ کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اور جب تک دنیا باقی ہے وہ کفر ہی ہے اور کفر ہی رہے گا۔ البتہ یہ کفر مثل دیگر اعمال کفریہ کی طرح عملی کفر ہے نہ کہ کفر اعتقادی ومخرج عن الملۃ، اس کا کرنے والا ویسا ہی فعل کفر کا مرتکب ہوگا جیسا کہ نماز چھوڑ دینے والا مسلمان جس کے کفر پر صحابہ کرامؓ کو اتفاق تھا، **وکان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یرون شیأ من الاعمال ترکه کفر غیر الصلوٰة (ترمذی) من الاعمال** کی قید اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عمل کی باتوں میں جو بات کفر ہوسکتی ہے وہ بات ترک صلوٰۃ

سمجھی جاتی تھی، لیکن بلاشبہ یہ وہ کفر نہیں ہے جو مخرج عن الملۃ ہے جب تک ایک شخص اعتقاد کے اس دروازہ سے پلٹ نہ جائے جس دروازہ سے اسلام میں داخل ہوا تھا اور اس وقت تک اس معنی میں کافر نہیں ہوسکتا ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اور حدیث ابوسعید خدریؓ کہ: فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجوہ (رواہ البخاری)

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانا شریعت کے نزدیک انتہائی معاصی میں سے ہے جو عملی کفریات کا حکم رکھتی ہیں، اس لئے اس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر ومرتد کردیتا ہے اس کفر سے بڑھ کر عنداللہ کوئی برائی نہیں اور قریب ہے کہ اس کا مرتکب اس کفر کی رو میں بھی داخل ہوجائے، کتاب وسنت نے جن جن لفظوں اور وعید وامتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا ہے وہ عام معاصی وفسوق کیلئے بھی اختیار نہیں کئے گئے۔ اور وہ ایسے سخت وشدید ہیں کہ جس دل میں رائی برابر بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو اس کو لرزادینے اور خوف الٰہی سے بدحال کردینے کیلئے کافی ہیں، بس اگر مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں ہوگیا ہے تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کئے جاسکتے ہیں اس سے سرزد ہوسکتے ہیں مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھی دھیان بھی نہیں کرسکتا۔

قرآن میں لعنت اور غضب کا لفظ کفار ومنافقین کیلئے مخصوص ہے، لعنت کے معنی یہ ہیں کہ رحمت الٰہی سے مہجور اور ہر طرح کی کامیابیوں اور فلاح سے محرومی، یہودی ملعون ومغضوب ہوئے اور عزت وحکومت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے، سورہ احزاب میں منافقین پر لعنت وارد ہوئی: ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ الخ. چنانچہ وہ سب نیست ونابود مخذول ہوگئے، چونکہ ایمان واسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد ہیں، وہ رحمت الٰہی کا مورد اور فلاح ومراد کا سرچشمہ ہے، اس لئے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جہاں ایمان ہو وہاں لعنت الٰہی کا بھی ورود ہوسکے، احادیث میں جابجا ایسے واقعات ملیں گے کہ سخت سے سخت معاصی وفسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب ہوگیا تھا ان پر بھی ''لعنت'' کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔

امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے: ما یکره من لعن شارب الخمر یعنی جو مسلمان شراب پینے کی معصیت میں مبتلا ہو جائے اس پر لعنت کی ممانعت، اس میں عبداللہ ملقب بہ الحمار کا واقعہ بروایت حضرت عمرؓ لائے ہیں، یہ شخص بار بار شراب نوشی کے جرم میں ماخوذ ہو چکا تھا، سزائیں پاتا تھا، توبہ کرتا تھا، پھر مبتلا ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ جب ماخوذ ہوا تو بعض مسلمان بول اٹھے: اللهم العنه ما اكثر ما يوتى به اس پر خدا کی لعنت ہو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے روکا: لا تلعنوه (وفی لفظ لا تلعنه) فوالله ما علمت انه يحب الله ورسوله (وفی روایة تلعنه يحب الله ورسوله) اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، حافظ عسقلانیؒ نے حافظ ابن عبدالبرؒ کا قول نقل کیا ہے: انه اتى به اكثر من خمسين مرة فتامل۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت مندرجہ کتاب الدیات بخاری، کہ ایک شخص اسی جرم میں ماخوذ ہوا اور اس کو بیٹھنے کا حکم دیا گیا کسی نے کہا اخزاک الله خدا تجھے رسوا کر دے، فرمایا: لا تقولوا هكذا لا تعينوا عليه الشيطان، اور سنن ابی داؤد میں ابن وہبؒ کے طریق سے ہے: ولكن قولوا اللهم اغفرله اللهم ارحمه بددعا نہ دو بلکہ یوں کہو! خدایا اس پر رحم کر خدایا اسے بخش دے قلت وما املح في هذا المقام قول الشاعر العارف ؎

فدائے شیوہ رحمت کہ درلباس بہار بعذر خواہی رندان بادہ نوش آمد

لیکن صرف قتل مسلم ہی ایک ایسی معصیت ہے جس کیلئے قرآن نے لعنت اور غضب کے الفاظ استعمال کئے اور احادیث میں بھی جابجا لعنت وملعون کا لفظ وارد ہوا۔ صرف اسی ایک بات سے فیصلہ کرلو، خواہ یہ فعل کفر قطعی ومخرج عن الملۃ ہو یا نہ ہو، لیکن اللہ کی شریعت کے نزدیک اس کا ارتکاب کس درجہ مبغوض وملعون ہے؟ اور جو مسلمان اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ اللہ کے حضور کس طرح اپنے اسلام وایمان کی ساری رحمتیں اور برکتیں کھو دیتا ہے؟

قاتل کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ثالثاً: اس باب میں فیصلہ کن حدیث وہ ہے جس کو ہم نے اتباع تبویب بخاری اس

فصل کا عنوان قرار دیا ہے اور جس کو امام موصوفؒ اور امام مسلمؒ نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے یعنی من حمل علینا السلاح فلیس منا (رواہ ابن عمر وسلمة وابو موسی الاشعری وفی روایة سلمة من سل علینا السیف) جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھایا، یعنی حملہ کیا یا لڑائی کی وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے، ومعنی الحدیث حمل السلاح علی المسلمین لقتالھم بہ بغیر حق (فتح ۱۳، ۲۰) یہ حدیث نہایت اہم ہے اور منجملہ قواعد کلیات شریعت کے ہے، اسی لئے امام بخاریؒ نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا اور امام مسلمؒ کتاب الایمان میں لائے تاکہ حقیقت ایمان وکفر کی تحقیق میں اس سے مدد لیں، اور حافظ نوویؒ نے ایک مستقل عنوان قرار دے کر باب باندھا ہے۔

”لیس منا“ کا معنی

لیس منا کے معنی ہیں ”ہم میں سے نہیں ہے“ یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز تکلم وخطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لیس منا وعید کا ایسا جملہ تھا جو ان موقعوں پر آپ استعمال فرماتے جہاں صریح وقطعی کفر کی جگہ کفر سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا، عام معاصی وفسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی۔ جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے ان سب پر غور کیا جائے اور ایمان وفکر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گذر چکی تو یہ بات واضح ہو جائے گی، پس کچھ ضروری نہیں ہے کہ لیس منا کے یہ معنی کئے جائیں کہ لیس علیٰ ھدینا یا ظاہر منطوق کو چھوڑ کر کوئی اور تاویل کی جائے یا نفی کو نفی کمال پر محمول کیا جائے۔

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلئے جو احکام دیئے ہیں اور جو الفاظ استعمال کئے ہیں حق نہیں ہے کہ تاویل توجیہ کر کے ان کے لغوی مفہوم کا اصلی زور واثر گھٹانے کی کوشش کریں، ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں انہوں نے مسلمانوں کو اسلام یا ایمان کی عملی زندگی سے محروم کر دیا۔ یہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تقریباً دو تہائی مسلمان عملاً ایک قلمرو میں مرجی وجہمی زندگی

بسر کر رہے ہیں اگر چہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کی تعریف میں ''عمل بالارکان '' کا لفظ صرف درسی کتاب عقائد کے صفحات پر رہ گیا ہے عمل میں اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا، تو اس کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے، اسی بدعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت ومطلوبیت بالکل جاتی رہی اور ادعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ ونزاع پر رہ گیا۔

یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق وفاجر ہو لیکن اگر چند نزاعی عقائد میں ہمارا ہم داستاں ہوتا ہے تو ہم اس کو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل وصلاح ہو لیکن اگر چند اخلاقی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں تو پھر اس سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا؟ وہی عملی مرجیہ وجہمیہ اگر چہ زبان سے ادعاء اتباع سنت وسلف کرتے ہوں، یہی وجہ ہے ائمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا اور ان تمام راہوں سے بچتے رہے جو رائے اور تعمق کی بدعتوں تک لے جانے والی تھیں۔

اسی حدیث کی نسبت امام نوویؒ اور حافظ عسقلانیؒ وغیرہ لکھتے ہیں: **وکان سفیان بن عیینة رحمه اللّٰه تعالیٰ یکره قول من یفسره بلیس علیٰ هد ینا ویقول بئس هذا القول یعنی بل یمسک عن تاویله** (شرح مسلم مطبوعہ احمدی: ۲۹، فتح الباری ۱۲/۱۳) یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ لیس منا کی تفسیر یوں کی جائے کہ لیس علیٰ هدینا اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے تھے کہ کیا ہی برا قول ہے، مقصود ان کا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہئے۔

اسی طرح شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے میزان میں امام سفیان ثوریؒ کا قول نقل کیا ہے:

ومن الارب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علیٰ ظاهرها من غیر تاویل فانها اذا ولت خرجت من مراد الشارع کحدیث من غشنا فلیس منا ولیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعی بدعوی الجاهلیة فان العالم اذاولها بان المراد لیس منا فی تلک الخصلة فقط ای وهو منا فی غیرها هان علی الفاسق الوقوع فیها وقال مثل المخالفة

فی خصلة واحدة امر سهل ۔ لیس منا کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ۔اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت پر بطور جنگ وقتال کے ہتھیار اٹھانا ایک ایسا فعل ہے جس کے کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں رہتا۔

قتل مسلم اور حمل سلاح کی چند صورتیں

البتہ واضح رہے کہ قتل مسلم وحمل سلاح کی متعدد صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم شرعی دوسری سے مختلف ہے ۔ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے، اس کی حرمت کا معترف ہو اور اس کے ارتکاب پر شرمندہ ومتاسف، تو اس کا حکم وہی ہے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا ہے یعنی وہ عملی کفر ہے، مگر اس کا کرنے والا ملت سے خارج نہیں ہو جائے گا، دنیا میں اسلام کے قوی احکام ومعاملات اس پر جاری ہوں گے، عاقبت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

قاتل کی توبہ کا حکم

باقی رہی یہ بات کہ قاتل مسلم کی توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں خود صحابہؓ وسلفؒ سے اختلاف منقول ہے، ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ سورۂ فرقان میں ہے :والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً اٰخر ولایقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ پھر فرمایا: الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی کی طرح قتل نفس کے مرتکب کی توبہ بھی مقبول ہوسکتی ہے۔لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری ومسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے اس کی توبہ مقبول نہیں وہ فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا الخ کے یہی معنی کرتے ہیں کہ لا توبة له۔ اور صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ سے الا من تاب الخ کی نسبت پوچھا گیا تو کہا ھذہ مکیة نسخھا آیة مدنیة التی فی النساء یعنی اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت من یقتل مؤمنا نے منسوخ کر دیا، پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔

مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: لما انزلت التی فی الفرقان قال مشر کوا مکۃ قد قتلنا النفس ودعونا مع اللہ الھا آخر واتینا الفواحش فنزلت الا من تاب وامن الخ،قال فھذہ لاولئک وما التی فی النساء فھو الذی قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم لا توبۃ لہ یعنی جب سورۂ فرقان کی یہ آیت: والذین لا یدعون مع اللہ الھا آخر ولا یقتلون النفس اتری تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تو یہ سب کام کر چکے ہیں اب مسلمان ہوئے بھی نجات کب ملے گی؟ اس پر یہ آیت اتری کہ الا من تاب وامن الخ یعنی ہاں لیکن جس شخص نے توبہ کی، ایمان لایا، اچھے کام کئے تو اللہ اس کی برائیوں کو محو کر دے گا، لیکن من یقتل مؤمنا والی آیت مشرکین کیلئے نہیں ہے مسلمانوں کیلئے اتری ہے یعنی جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے اور اس کیلئے توبہ نہیں، انتہی۔ اور امام احمدؒ وطبرانیؒ نے سالم بن ابی الجعد سے بطریق یحی الجابر، اور نسائی وابن ماجہ نے بطریق عمار ذہبی روایت کی ہے، ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا: لقد نزلت فی آخر ما نزل وما نسخھا شئ حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما نزل وحی بعد رسول اللہ اس پر سائل نے کہا: افرأیت ان تاب وامن وعمل عملا صالحا ثم اھتدیٰ؟ کہا وانی لہ التوبۃ والھدیٰ؟ یہ لفظ یحیٰ الجابر کا ہے، نسائی وابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں۔

حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباسؓ سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور اس بارے میں آخر تنزیل سورہ نساء کی آیت فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا ہے اور اس لئے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلئے توبہ نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوی نظر آتا ہے،

اولاً: تو اس بناپر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلئے ظاہر ونص ہے خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، اور منطوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اس کے خلاف کوئی سبب قوی موجود نہ ہو کما تقرر فی الاصول۔

ثانیاً: یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ آیت فرقان مکی ہے اور آیت نساء مدنی، خود ترجمان القرآن اور حبر الامۃ یعنی ابن عباسؓ شہادت دے رہے ہیں کہ نزلت فی آخر ما نزل و ما نسخھا شیٔ اور معلوم ہے کہ ناسخ کیلئے تقدم زمانی ضروری ہے۔

ثالثاً: دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متاخرینؒ کا مصطلحہ نسخ مانا جا سکے، دونں کا مورد الگ الگ ہے، پس اگر نسخ ہوسکتا ہے تو سلف کی اصطلاح میں ہوسکتا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ نے کہا یعنی عام وخاص کا نسخ۔ سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ انہی کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں اور چونکہ الا یمان یھدم ما قبلہ ہے، یعنی اسلام تمام پچھلی برائیوں کو نابود کر دیتا ہے اس لئے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہ ہو؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے ان میں کون تھا جس نے خود مسلمان سے قتال نہیں کیا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ الا من تاب کے بعد وامن کا لفظ بھی موجود ہے یعنی ''توبہ کی اور ایمان لایا'' جس سے واضح ہو گیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام، سورۂ فرقان کا آخری رکوع وعباد الرحمٰن سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل ومورد واضح ہو جائے گا، وہاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی وایمانی اوصاف کا ہے انہیں میں ان اوصاف کو بھی داخل کیا ہے کہ نہ تو شرک کرتے ہیں نہ کسی نفس کو قتل کرتے ہیں، نہ زنا کا ان سے ارتکاب ہوتا ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں یہ وہ برائیاں ہیں جن کا نتیجہ عذاب جہنم ہے، اس کے بعد فرمایا الا من تاب وامن ہاں لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں تو انہوں نے کفر کی حالت میں اس طرح کے جس قدر افعال کئے ہوں ان کا مؤاخذہ نہ ہوگا، اسلام ان کی برائیوں سے آلودہ زندگی کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دے گا۔

پس اس آیت میں توبۂ کفر کی قبولیت کا ویسا ہی ایک حکم ہے جیسا کہ صدہا مقامات میں وارد ہے، اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب حمل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق؟ اور اگر اس کا ذکر کسی دوسری آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ ومنسوخ ہونے کی ضرورت پیش آئے؟

دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں، لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے یعنی اگر ایک مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اس کا کیا حکم؟ فرمایا جزاؤہ جھنم خالدا فیھا چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الاخطأ الخ ، پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام وخاص کا تعلق ہے یعنی اس آیت نے آیت فرقان کی تخصیص کردی اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے کہا نسخھا آیة مدنیة التی فی النساء کیونکہ سلف کی اصطلاح میں ''نسخ'' کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص وتقیید پر ہوتا تھا، وہ معنی نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیئے۔ اوراسی اختلاف حالت وحکم کو واضح کرنے کیلئے انہوں نے کہا فھـــذہ لاولـــئـــک یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلئے ہے، اورامام بخاریؒ کی روایت ابن جبیرؒ بطریق شنبہ مندرجہ کتاب التفسیر میں کہا کانت ھذہ فی الجاھلیة یہ حکم مشرکین جاہلیت کیلئے تھا نہ کہ مسلمانوں کیلئے۔ اور یہ جوانہوں نے کہا والـذیـن لا یـدعـون مـع اللہ الھا اخر ولا یقتلون النـفـس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے اس لئے الامـن تاب اتری تو اس کی تائید مفسرین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نـزلـت فـی قوم لیسوا من التوبة یعنی ان لوگوں کے حق میں اتری جو زمانۂ کفر کی بدعملیوں کی بخشش سے مایوس ہوگئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت اورسورۂ نساء کی آیت ان اللہ لا یـغـفـر ان یشـرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اورسورۂ زمر کی آیت رحمت یـاعـبـادی الـذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحـمة اللہ الـخ وحشیؓ قاتل حمزہؓ کے بارے میں اتریں، وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساری عمر کٹی، پیغمبر کے چچا کو قتل کیا، فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا، الٰہی تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے اب اگر میں مسلمان بھی ہوگیا تو کیا فائدہ؟ مجھے تو نجات مل ہی نہیں سکتی، اس پر الا مـــن تـــاب وامـن اتری، اور پھر مزید بشارت امید کیلئے سورۂ نساء اورسورۂ زمر کی آیات نازل ہوئیں، تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابن عباسؓ کی شرح وتطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں؟ ان کا بیان تو بالکل صاف اورواضح ہے۔

رابعاً: احادیث سے بھی اس مذہب کی تائید ہوتی ہے، مثلا امام احمد نسائیؒ کی روایت معاویہ بطریق ادریس خولانی مرفوعاً: كل ذنب عسى الله ان يغفره الا الرجل يموت كافرا او الرجل يقتل مؤمنا متعمدا یعنی تمام گناہ اللہ بخش سکتا ہے لیکن وہ شخص جو حالت کفر میں مرے، یا وہ جس نے جان بوجھ کر مومن کو قتل کر ڈالا۔

باقی رہیں وہ احادیث جن میں وسعت رحمت وعموم مغفرت وبخشش وعدم جواز یاس و قنوط وغیرہ کا ذکر ہے تو اس مذہب کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی مثل تمام عمومات قرآن کے ہیں جن کی تخصیص آیت نساء اور اس کی مؤیدات فی السنۃ نے کردی، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔قبل از اسلام معاصی کی بخشش تو مسلم ہی ہے، بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں ہے، اسی طرح اگر حدیث اسرائیلی الذى قتل تسعة وتسعين نفسا ثم اتى تمام الما نة ثم تاب پیش کی جائے تو جواب یہ ہوگا کہ اس کا محل بھی توبۂ اسلام ہے نہ کہ توبہ مسلم، اور وہ بھی مثل عمومات بشارت رحمت وبخشش کے ہے، مخصصات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

غرضیکہ اس مذہب کی قوت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا یعنی قبولیت توبہ کو اور خوارج ومعتزلہ کے غلو کی وجہ سے اہل سنت کا رجحان اسی کی طرف بڑھتا گیا وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا معاملہ بڑا سخت ہے لیکن توبہ قبول ہوسکتی ہے، اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے بخش دے چاہے نہ بخشے، اس میں شک نہیں کہ احتیاط حکم امید ہی میں ہے نہ کہ پیام یاس وقنوط میں ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء کے حکم کا عموم بڑا ہی امید افزا ہے، اور اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو کچھ شک نہیں کہ دوسرا مذہب ہی محتاط معلوم ہوتا ہے۔

قتل مسلم کی دوسری صورت

قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے اور اس پر نادم ومتاسف نہ ہو، مثلاً کوئی مسلمان فوج ہو وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا تو ہمارا کام ہی ہے مسلمان سامنے ہوں گے تو انہیں سے لڑیں گے، یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں، یا یوں سمجھیں کہ ہمارے

مالکوں کا یہی حکم ہے، ہم نے ان کا نمک کھایا ہے اس لئے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے، یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلا کر حکم دے کہ مسلمانوں کو قتل کر دو تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تو اس صورت میں تمام امت کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً وحتماً کافر ہے، یعنی اس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اس کا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار ومشرکین کا ہے دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی، کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے اور اس سلوک کا حق دار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہئے، یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے ہر محلل حرام غیر مالکوں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

قتل مسلم کی تیسری صورت

تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ ہو کر ان کی فتح ونصرت کیلئے مسلمانوں سے لڑے یا لڑائی میں ان کی اعانت کرے، اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ غیر مسلموں کا ساتھ دے، یہ صورت اس جرم کے کفر وعدوان کی انتہائی صورت ہے، اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہو جانے کی ایک ایسی اشد حالت جس سے زیادہ کفر وکافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے وہ سارے گناہ، ساری معصیتیں، ساری ناپاکیاں، ہر طرح ہر قسم کی نافرمانیاں جو ایک مسلمان اس دنیا میں کر سکتا ہے یا ان کا وقوع دھیان میں آ سکتا ہے سب اس کے آگے ہیچ ہیں، جو مسلمان اس کا مرتکب ہو وہ قطعاً کافر ہے اور بدترین قسم کا کافر، اس کی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔ اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے، بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت ونصرت کی ہے، اور یہ بالاتفاق وبالاجماع کفر صریح وقطعی مخرج من الملۃ ہے۔ جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان واسلام باقی رہ سکتا ہے۔

(ماخوذ از ارشادات مدنیؒ ص ۲۰۵)

مقدمۂ کراچی

دستاویز ثبوت نمبر ۱۴

تقریر جناب مولانا حسین احمد صاحب

بتائید ریزولیشن نمبر ۵۶ (نقل رپورٹ سی۔ آئی۔ ڈی)

حضرات! جس مقصد کیلئے مجھ کو حکم فرمایا گیا ہے، اس تجویز کے پیش کرنے کیلئے مجھے حکم دیا گیا ہے، اس کے متعلق میں مختصر الفاظ میں کچھ قرآن اور حدیث کے احکام آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ اس کو میں صراحۃً آپ کے سامنے عرض کروں، اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف تمام مسلمانان عالم کے درمیان میں کس قسم کا رابطہ اور تعلق بیان کرتا ہے، قرآن کہتا ہے (عربی.........) مسلمان کہیں ہوں، کسی رنگت کے ہوں، کسی نسل سے ہوں، مشرق کے رہنے والے ہوں، مغرب کے رہنے والے ہوں ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے غافل ہو سکے یا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی ایسی حالت میں چھوڑ سکے جس میں اس پر یا اس کی عزت پر یا مال پر صدمہ پہنچتا ہو۔ غرض یہ ہے کہ یہ نص یعنی یہ آیت صاف طور سے دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے میں ایسا تعلق اور ارتباط ہونا چاہئے جیسا کہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ہوتا ہے۔

اس آیت کا جو کہ حکماً نازل فرمائی گئی ہے اس سے مقصد کیا ہے؟ آیا فقط خبر دینا مقصود ہے یا کسی حکم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، جن صاحبان نے زبان عربی کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہوگی اور عادت عرب سے واقف ہوں گے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ بھائیوں کے درمیان عرب میں ایک نشان اور ایک ایسا علاقہ رکھا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے بھائیوں کی ایک

خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کہ جیسی دوسری قرابت میں نہیں ہوتی ہے، اس واسطے شاعر کہتا ہے (عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنے بھائی کو مضبوط پکڑنا چاہئے کیونکہ جس کے پاس بھائی نہیں ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے کوئی جنگ میں بغیر ہتھیار کے جائے، مقصد یہ ہے کہ قرآن نے تمام مسلمانوں میں مددگاری کے واسطے اور خیر خواہی کے واسطے اور ہر قسم کی خبر گیری کیلئے ایک ایسی برادری قائم کردی ہے اور ان میں اتنی محبت ہوتی ہے جو کہ ایک باپ اور ایک ماں کی چند اولاد کے اندر ہوتی ہے۔ قرآن اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بھی خاص طور سے پیش کرتا ہے (عربی......) مسلمان مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مضمون کا بہت سی احادیث میں صاف طور سے ذکر فرماتے ہیں، کہیں فرمایا جاتا ہے (عربی......) یعنی مسلمان تمام، سب کے سب روئے زمین پر کہیں ہوں، مگر سب کے سب ایک جسم کے اعضاء کی طرح سے ہیں، جیسے کہ آنکھ میں اگر درد ہوتا ہے تو باقی جسم میں بھی تکلیف ہوتی ہے اور اگر پیر میں درد ہوتا ہے تو سر میں، تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے، نیند نہیں آتی، اسی طرح سے مسلمانوں کی حالت آپس میں ہونی چاہئے یعنی فرماتے ہیں (عربی......) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس کو رسوانہ کرو، غرض یہ ہے کہ اسلام نے تمام مسلمانوں میں ایک ایسا رشتہ اور رابطہ قائم کردیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے۔

غرض یہ ہے کہ اسلام نے اور قرآن اور حدیث سے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا رابطہ اور اتحاد قائم کردیا ہے کہ جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر خواہ کہیں کے ہوں، ہر ایک مسلمان کے حقوق کی بہت قوت کے ساتھ اعانت کرنا ضروری ہے، جبکہ یہ بات مختلف احادیث اور آیات میں نہایت قوت کے ساتھ بیان کردی ہے تو اب ہم کو اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آج مسلمانوں کو روئے زمین پر کیا کرنا چاہئے؟ اور جس حالت میں کہ اسلام دوسری جگہوں میں پھنسا ہوا ہے، خلافت جس حالت میں پھنسی ہوئی ہے، جو علماء اسلام اور

مذہب اسلام کی حالت آئے دن ہو رہی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہونا چاہئے؟ اس کو بھی قرآن ہی سے دریافت کرنا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے (عربی......) اے مسلمانو تمہارے ساتھ جو لوگ قتال کرتے ہیں، جو لوگ تمہارے ملک پر ہجوم کرتے ہیں، جو لوگ تمہاری عظمت، تمہارے ملک، تمہاری دولت اور تمہاری عزت برباد کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ تمہارے مذہب کو دنیا سے ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ تم لوگ مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ مقابلہ کرو۔

یہ ایک حکم شرعی طور سے فرمایا جاتا ہے اور فرض کر دیا جاتا ہے کہ اگر مخالفین اسلام ہجوم کریں شہر ہائے اسلام پر تو فرض ہے تمام مسلمانوں پر کہ ان کا مقابلہ کریں، اس میں کوئی خصوصیت کسی خاص قوم کی نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی جانب پر اسلامی شہروں میں سے ہجوم ہو تو تمام مسلمانوں پر بتدریج فرض ہو جاتا ہے۔ اول اس شہر کے رہنے والوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ کفار کا مقابلہ کریں اور دفع کریں، اور اگر وہ سستی کریں تو اس شہر کے اردگرد کے رہنے والوں پر یہ حکم فرض ہو جاتا ہے، اسی طرح سے بتدریج آہستہ آہستہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر یہ حکم فرض ہو جائے گا اور یہ حکم واقع ہو جائے گا کہ تمام سب کے سب اپنی جان سے اور مال سے اور روپیہ پیسہ سے ان کا مقابلہ کریں۔ اس بناء پر اس کی ضرورت ہوئی کہ شہر ہائے اسلام پر، روئے ممالک پر، جو ملک کہ بادشاہ اسلام کے قبضہ میں ہیں ان کے اوپر ہجوم کیا گیا تو اس کی وجہ سے خواہ کہیں کے مسلمان ہوں، خواہ ہندوستان کے مسلمان ہوں یا چین کے مسلمان ہوں یا بخارا کے مسلمان ہوں سب کے اوپر فرض ہے کہ ان کی مدد کریں اور کافروں کو ان کے شہروں سے نکالیں۔ فقط یہی نہیں بلکہ دوسری جگہ یہ بھی فرمایا گیا ہے (عربی......) کہ مخالفین اسلام تم سے مجتمع ہو کر، اکٹھے ہو کر مقابلہ کرتے ہوں، تم سے لڑائی کرتے ہوں، تمہارے ملک کو اور عزت کو برباد کرنا چاہتے ہوں تو اس طرح سے تم سبھوں پر فرض ہے کہ سب کے سب مل کر ان سے مقابلہ کرو اور لڑائی کرو۔

ان دونوں آیتوں کے مفہوم پر غور فرمائیے، ان کے معانی کو ملاحظہ کیجئے، ان دونوں

آیتوں کا خلاصہ خاص طور سے یہ نکلتا ہے کہ تمام مسلمانان عالم پر ایسی حالت میں جبکہ اتحادی مل کر اور یورپین قومیں مل کر جبکہ اسلامی دولت کو برباد کرنا چاہتے ہیں، اور طرح طرح کے مظالم کرتے ہوئے ایسی صورتیں اختیار کرتے ہوں عمل کی کہ جس کی وجہ سے اسلام کی دولت ہی فقط زائل نہ ہو بلکہ اسلام دنیا سے مٹ جاوے، تو اس وقت میں آپ خود جان سکتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے کیا مفہوم ہوتا ہے؟ اور کیا آپ کے ذمہ حکم شرعی عائد ہوتا ہے؟ حکم شرعی یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر، ہر مسلمان پر فرض ہے اس وقت میں کہ مجتمع قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جاوے، پھر جبکہ یہ فرض تھا کہ ان کا مقابلہ کیا جاوے اور ایسی صورت میں اگر مسلمان کسی قسم کی سستی کریں یا کاہلی کریں تو اس سے آپ جان سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اعلیٰ درجہ کے گنہگار ہوں گے، کیونکہ فرض کا ترک حرام ہے، جو گناہ بڑے بڑے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ کبیرہ ہے، ایسی صورت میں جبکہ کسل کرنا، سستی کرنا گناہ کبیرہ تھا تو اب جو مخالفین اسلام ہیں ان کی مدد کرنا کس طرح سے جائز ہوگا؟ اسی واسطے قرآن شریف میں بہت سی آیتوں میں اس کی خاص طور سے مخالفت کی گئی ہے، کہیں فرماتے ہیں کہ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان بھلائی اور اتقاء اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہوں اور ظلم اور تعدی پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔ جو لوگ کہ اتحادیوں کی مدد کرتے ہیں چاہے وہ پیسے سے کریں، چاہے وہ جان سے مدد کریں، جس طرح مدد کریں گے وہ اسی جز میں داخل ہوں گے۔ وہ کونسی جز ہے یعنی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ آج یورپ یہ چاہ رہا ہے، اتحادی یہ چاہ رہے ہیں کہ حکومت اسلامی روئے زمین پر باقی نہ رہے، سب سے بڑی قوت اسلامیہ سلطنت روم تھی جس کا بادشاہ وہ خلیفۂ اسلام کہا جاتا تھا، وہ ہر طرح سے حمایت اسلام کی کرتا تھا، جبکہ اس کے برباد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو اب جو شخص اتحادیوں کا ساتھ کسی بات میں بھی دے گا چاہے وہ فوج میں بھرتی کرائے یا خود فوج میں داخل ہو کر جائے یا وہ اپنے عمل سے، کلام سے، اپنی تقریر سے، اپنی تحریر سے ساتھ دے گا وہ حقیقۃً مخالف اسلام ہے اور اسلام کی جڑ کھودنے والا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی صورتوں میں فرماتے ہیں (عربی......)
جس شخص نے ہم پر یعنی مسلمانوں پر ہتھیار کو اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

جو لوگ کہ فوج میں بھرتی ہو کر اس طرز پر اتحادیوں کی اور مخالفین اسلام کی مدد کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ آیا وہ مسلمان باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟ میں اس کے متعلق واقعات جو کہ بہت کچھ واقع ہو چکے ہیں دکھلانا نہیں چاہتا، فقط ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جس کا مجھ سے ایک آسٹریلین مسلمان نے ذکر کیا تھا، اور نہایت وثوق کے ساتھ میں ذکر کرتا ہوں، اور اس نے ایک عیسائی آسٹریلین سے جو کہ درہ دانیال پر خود موجود تھا اس سے یہ نقل کیا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ ایک عیسائی کے بیان سے ہے، عیسائی جو کہ مخالف تھا اسلام کا وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے، اس لئے ایک قابل عبرت واقعہ ضرور ہوگا، اور لوگوں کو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آج ہم مخالفین اسلام کی مدد کر کے کیا ہم اسلام پر باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟

یہ آسٹریلین مسلمان کہتا ہے کہ جس وقت میں التوائے جنگ کے بعد آسٹریلین فوجیں واپس آئی ہیں میں آسٹریلیا میں موجود تھا۔ ایک قہوہ خانہ میں، ایک ہوٹل میں ان کا اجتماع ہوا، وہ آپس میں باتیں کرنے لگے تو ایک واقعہ انہوں نے ذکر کیا، اس سے ایک بات خاص اور بھی معلوم ہو جائے گی کہ ہندوستانیوں نے اس جنگ میں اپنے لئے کیا حصہ لیا اور کیسی سرخروئی یا سیاہ روئی کمائی ہے۔ آسٹریلین عیسائی بیان کرتا ہے کہ میں بھی خندق میں موجود تھا اور میرے ساتھ خندق میں چند ہندوستانی سپاہی تھے جن میں دو مسلمان تھے، اور میں دیکھتا تھا کہ دو تین روز سے آپس میں جھگڑا ہوتا تھا اور باتیں ہوتی تھیں، میں سمجھتا نہ تھا مگر اندازہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ان میں سے چاہتا ہے کہ ہتھیار چھوڑ کر ترکوں سے جا ملے مسلمان ہونے کی وجہ سے اور دوسرا ساتھی یہ چاہتا تھا کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس کو روکتا تھا۔ ایک یا دو روز یہ جھگڑا ہوتا رہا، آخر میں ایک شخص ان میں سے ہتھیار چھوڑ کر وہیں پھینک کر کے ترکوں کی خندق کی طرف بھاگا، وہ چند قدم آگے بڑھا ہوگا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے شور مچایا اور دوسرے سپاہیوں سے کہا کہ یہ

ترکوں سے ملنے جاتا ہے تم اس کے اوپر گولی پھینکو، گولی ماری گئی وہ بیچ میں پہنچا تھا کہ اس کے گولی لگی اور وہ مرگیا، اب اس واقعہ کو سنئے وہ آسٹریلین کہتا ہے کہ بیچ میں جہاں وہ آدمی گرا تھا کوئی آدمی نہ جاسکتا تھا، اس لئے کہ اگر ترکوں میں سے کوئی آدمی پہنچے تو ہم گولی مارتے، اور اگر ہم میں سے کوئی آدمی پہنچے تو وہ گولی مارتے، پھر گرمی کا وقت تھا اگر کوئی میت، کوئی مردہ وہاں پر باقی رہتا تو چند گھنٹے کے بعد اس کا جسم کالا پڑ جاتا تھا اور بدبو واقع ہو جاتی۔ مگر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ رات کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش کے پاس ایک شمع روشن ہے، ایک چراغ جل رہا ہے، ہم نے Light کے ذریعہ سے پورے طور پر دیکھنا چاہا کہ کوئی آدمی اس کے پاس آیا ہو یا کسی نے چراغ دکھایا ہو، کوئی شخص معلوم نہیں ہوا اور معلوم ہوا کہ روشنی میدان جنگ میں Light اس طرح سے ڈالی جاتی ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہتی، بلکہ معمولی طور پر جنگ میں ہر وقت میں رات کو یہ روشنی روشن کی جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ دو تین روز تک وہ روشنی وہاں پڑی رہی مگر ہر رات کو ہم دیکھتے تھے کہ ایک شمع وہاں موجود ہے۔

یہ کوئی واقعہ نیا نہیں ہے بلکہ بخاری شریف جن حضرات نے پڑھی ہے ان کو معلوم ہوگا کہ بعض حضرات جو شہید ہوئے تھے ان کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہے اور ان کی لاش کے قریب روشنی ایک مدت تک پائی گئی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب دو تین روز کے بعد میں اجازت مردوں کے اٹھانے کی ہوئی تو اس وقت جب اس کی لاش اٹھائی گئی تو اس کی لاش میں نہ رنگت میں کوئی فرق واقع ہوا تھا گویا کہ ابھی وہ شخص مرا تھا، نہ اس کے جسم میں کوئی بدبو پیدا ہوئی تھی، نہ اس کی کسی چیز میں کوئی تغیر پیدا ہوا۔

یہ تو اس شخص کی حالت ہوئی، مگر وہ کہتا ہے کہ جس نے گولی مروائی تھی دوسرے ساتھی کی حالت یہ ہوئی کہ چند گھنٹوں کے بعد ایک گولی اس کی پیشانی پر لگی تو اس کی ہڈی جبڑے کی اس طرح سے باہر نکل آئی جیسے کہ سور کا منہ ہوتا ہے، رنگت سیاہ ہوگئی۔ وہ کہتا ہے کہ جس شخص نے گولی ماری تھی اس شخص کے گولی لگی پیشانی پر اور جبڑے کی ہڈی اس طرح سے آگے نکل آئی

کہ منہ نہایت لمبا ہو گیا اور صورت نہایت جلد سیاہ ہو گئی، بالکل سور کی سی صورت ہو گئی۔

یہ بیان کسی مسلمان کا خاص کر نہیں ہے، عیسائی بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس میں تمہارے مذہب کی حقانیت کے یہ دلائل ظاہراً موجود ہیں۔ اور فقط اس واقعہ کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، ایسے واقعات بہت سے ہیں عراق اور درہ دانیال میں اور بصرہ میں فوجیوں کے سامنے پیش آئے ہیں، مگر ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کر کے یاددلانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے آپ ان عیسائیوں کی، ان کافروں کی، جن دشمنان خدا اور رسول کی مدد کرنے کیلئے تیار ہوئے ہیں، خواہ آپ اس کے دفتر میں نام لکھائیں جہاں دشمنوں کا نام لکھا ہے اور جو کہ دشمنوں کا دفتر ہے یعنی غلام سبھا کا دفتر، خواہ آپ اس میں چندہ دیں، خواہ اس میں فوجیں بھرتی کروائیں، تھوڑی مدد ہو یا بہت ہو۔ تو دیکھئے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (عربی حدیث پڑھی......) جس نے کسی قوم کی جماعت کو بڑھادیا، یعنی وہ اس جماعت میں شریک نہیں تھا حقیقۃً نہ ان کی مدد کرنا چاہتا تھا، مگر تماشہ دیکھنے کے واسطے یا کسی وجہ سے اس جماعت میں آ کر بیٹھ گیا ہے تو وہ اس جماعت میں سے ہوگا۔ جب آپ نے دشمنان خدا اور رسول کے دفاتر میں اپنا نام بڑھایا تو ان کی جماعت کو بڑھادیا، جب آپ نے فوج میں کسی کو بھرتی کرادیا یا یہ کہ خود بھرتی ہوئے اگرچہ آپ کے دل میں ایمان تھا اور آپ لا الـہ الا اللہ مـحـمـد رسول اللہ کہتے تھے، مگر خیال کیجئے کہ اس وجہ سے آپ نے دشمنان اسلام کو تقویت دی، آپ کا کیا حال ہوگا؟ قرآن کہتا ہے کہ (عربی......) جو کسی مسلمان کو قتل کرے گا جان بوجھ کر، قصداً تو اس کی جزا کیا ہے؟ جہنم، ہمیشہ رہے گا اس جہنم میں، اور اللہ کا غصہ ہوگا اس پر اور اس کی لعنت ہوگی اس پر، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر کیا کسی مسلمان کو یہ بات جائز ہے کہ وہ ایسی فوجوں میں بھرتی ہو جس کے اندر علانیہ طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کا حکم دیا جاتا ہے، کیا آپ فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت میں گورنمنٹ کسی مسلمان قوم کے مقابلہ میں بھیجے کہ ہم وہاں نہیں جائیں گے، بہت سے لوگوں نے مصر میں

کہا، عراق میں کہا اور انکار کیا جانے سے تو ان کو گولی ماردی گئی۔

مجھ سے خود جرنیل احسن پاشا نے مالٹا میں ذکر کیا، جس وقت میں حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے ملنے کیلئے گیا تو وہ باتیں اس نے بیان کیں، تو وہ بہت افسوس، نہایت الم اور درد ظاہر کرتے تھے اہل ہند پر۔ وہ کہتے تھے کہ اہل ہند سے ہم کو بہت زیادہ شکایت ہے، ہم نے ہند پر چڑھائی نہیں کی تھی، ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں یا ہندوؤں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا تھا، ہم نے ملک نہیں چھینے تھے، ان کی دولت، عزت اور آبرو کو برباد نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے ماسوا ہمارے علائق قلوب اور دین کے ان کے ساتھ مترتب تھے۔ ہم اور ہندوستانی لوگ ایک مذہب کے ہیں، ایک نسل کے اور ایک براعظم کے رہنے والے ہیں، ہم کو بہت کچھ اتحادات تھے، ہم کو اس بات کی امید تھی کہ جس وقت ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمام مشرق مغربی برائیوں سے آزاد ہو جائے، ہماری اصلی غرض یہی تھی کہ ہم مسلمانوں کو آزاد کرائیں، تو ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ہماری مدد کرتے، مگر مدد تو درکنار انہوں نے ہمارے مقابلے میں فوج کشی کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسلمان لوگوں کو جو اسیر ہو کر ہمارے سامنے آئے ہم نے ان سے دریافت کیا کہ تم بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہو ہم بھی کہتے ہیں تو پھر کیوں تم نے ہمارے اوپر بندوقیں اٹھائیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم بندوقیں نہ اٹھاتے تو ہمارے گلے کاٹے جاتے، گلے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا، یہ کس وجہ سے؟ کہ مسلمان کو بھرتی کر کے لے جاویں اور مسلمان یہ کہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ میں مقابلہ نہیں کر سکتے، تو ان کے گولی ماری جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کو گولی ماری گئی۔

حضرات! میں یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ جب آپ کسی قسم کی کوئی مدد دشمنان اسلام کی کرتے ہیں تو آیا آپ کو اس بات کی امید ہے کہ آپ کا خاتمہ ایمان پر ہو سکے گا؟ اور کیا آپ کو امید ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن آپ کامیاب ہو سکیں گے؟ کیا آپ کو امید ہے کہ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کل کو سرخروئی کسی قسم کی حاصل ہو جائیگی؟

میں اس مضمون کو مختصر طور پر عرض کرنے کے بعد ایک خاص مضمون کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور میں عنقریب اس بیان کو ختم کردوں گا، زیادہ طویل بیان نہیں کرنا چاہتا، وہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں (یعنی عربی آیتیں پڑھی) سے معلوم ہوا کہ جیسے مشرکین جمع ہوکر اور ایک اتحادی اور اجتماعی قوت سے تمہارے ساتھ میں مقابلہ اور لڑائی کرتے ہیں اور جنگ کرتے ہیں، اسی طرح سے تم پر اے مسلمانو فرض ہے کہ خواہ چین کے ہو، خواہ ہندوستان کے ہو، خواہ عرب کے ہو، عراق کے ہو، روم کے ہو، سب کے سب اجتماعی صورت سے ان کا مقابلہ کرو۔ آج حالت یہ ہے کہ امریکہ کے عیسائی، انگلینڈ کے عیسائی، فرانس کے عیسائی، اٹلی کے عیسائی اور دوسری جگہوں کے عیسائی مجتمع ہوئے اسلام پر حملہ کر رہے ہیں۔ اس جنگ میں جو کچھ ہوا وہ آپ حضرات نے بہت اچھی طرح سے سنا، پھر ایسی صورت میں کیا فرض ہوگا مسلمانان ہند کا اور دوسری جگہ کے مسلمانوں کا؟ وہی فرض ہوگا جو قرآن ابھی بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ تم مجتمع ہوکر ان کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی اور جنگ کرو، اور اسلام کو فتحیاب کرنے کی ہر طرح سے صورت کی جائے۔ اگر اس سے مسلمان غافل رہے تو بیشک انہوں نے ایک بہت بڑا انتقام اپنے لئے کمایا ہے جو کہ آخرت میں ان کیلئے کسی طرح سے سرخروئی کا ذریعہ نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ پورے طریقہ سے مقابلہ کیا جائے، مگر اس کا مطلب یہ نہ خیال کیا جائے کہ ہر شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی جاوے گی، کیونکہ (عربی آیت پڑھی) بلکہ یہ بات ضروری ہوگی کہ ہر شخص اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کرے، جیسا کہ ترکوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کریں، اسی طرح ہندوستان والوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق مقابلہ کریں، اسی لئے یہ صورت ابتداء سے اختیار کی گئی ہے کہ نہایت ہی امن اور شائستگی کے ساتھ ہندوستان میں قانون کی حد کے اندر مقابلہ کیا جاوے اور اس کیلئے صورتیں پیدا کی جاویں۔ چنانچہ اب تک جو کچھ سعی کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے وہ اس بات کی تھی کہ قانون کی حد کے اندر رہ کر نہایت امن اور شائستگی سے مقابلہ کیا جائے، اور اس کی صورتیں تجویز کی گئیں

جو کہ آپ حضرات نے مختلف جلسوں میں سن لی ہوں گی۔ مگر آج یہ صورت پیش آ گئی ہے کہ خوف کیا جاتا ہے اور اعلانات انگلینڈ سے سنا جاتا ہے کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو جو ایک اکیلی گورنمنٹ مسلمانوں کی باقی رہ گئی ہے اور اس کے ہاتھ میں کسی قدر قوت ہے، جس کو ایک مدت سے یونان ہر طرح سے پیس رہا ہے، جس میں یونانیوں کے مظالم اس درجہ کو اور اس حد تک پہنچ گئے ہیں جس کو وحشیوں کی قومیں بھی کسی طرح سے روا نہیں رکھ سکتی ہیں، اس میں برطانیہ اور اس کی متحدہ دولیں کسی قسم کی احتجاج کی آوازیں بلند نہیں کرتی تھیں۔ مگر آج اس کے سوا بھی خوف کیا جاتا ہے کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو اعلان جنگ دینا چاہتی ہیں، پھر کیا اس صورت میں مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ جیسا پہلے سے معاملہ کرتے چلے آئے ہیں اسی طرح سے معاملہ کرتے رہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ قرآن کے حکم کے موافق تو لازم تھا کہ وہ پورے طور سے جنگ کرتے، مگر جبکہ ان کے اندر قوت نہیں ہے اس واسطے اس درجہ میں ایسا کرنا لازم ہوگا، مگر وہ امن اور شائستگی کے ساتھ میں، امن کو نہ توڑیں، مگر یہ لازم ہے کہ جس طرح سے اب تک قانون کی پابندی کی گئی ہے اسی طرح پابندی نہ کی جاوے، بلکہ قانون شکنی کے جو قواعد ہیں اس کے مطابق مقابلہ کیا جاوے، اور یہ جنگ بھی اسی طرح پر امن اور شائستگی کے ساتھ میں رہے گی، فقط اسی معاملہ میں مقابلہ میں زیادتی کی جاوے کہ وہ قانون کی حد میں نہ رہیں بلکہ حد سے بھی باہر ہو جاویں اس لئے میں ان آیات اور ان احادیث کے موافق جو کہ اس باب میں وارد ہوئی ہیں اس مضمون کی جو ابھی پڑھا گیا ہے تحریک کرتا ہوں کہ ضروری ہے مسلمانوں پر کہ تمام فوجوں کو اور تمام لوگوں کو اس بات سے روکیں کہ وہ اتحادیوں کی کسی قسم کی مدد نہ کریں۔ اور اگر انگورا گورنمنٹ پر برطانوی فوجیں حملہ کریں تو وہ قانون شکنی کے ساتھ نہایت امن اور شائستگی کے ساتھ مقابلہ کریں اور جس قدر قوت صرف ہو سکے اس کو صرف کریں، اس لئے میں اپنے اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ اکبر

لخت حسنین انسپکٹر سی۔آئی۔ڈی

(از مقدمات وبیانات اکابر ص ۷۱ تا ۸۱)

بیان تقریری

جناب مولوی حسین احمد صاحب دیوبندی مہاجر مدنی (ملزم نمبر۲)

بعدالت سٹی مجسٹریٹ کراچی مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء

سوال منجانب عدالت: مولوی حسین احمد صاحب آپ کانفرنس میں موجود تھے؟

جواب: میں اپنے بیان میں سب کچھ عرض کر دوں گا۔

سوال: آپ نے گذشتہ کانفرنس میں تقریر کی تھی؟

جواب: اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے سوال کا تھا؟

سوال: کانفرنس میں کوئی اس قسم کی تجویز پاس ہوئی تھی جس کا تعلق فوج سے ہو؟

جواب: وہی اس کا جواب ہے جو پہلے سوالات کا ہے۔

سوال: آپ کو گواہوں کے متعلق کچھ کہنا ہے؟

جواب: اس کا بھی وہی جواب ہے؟

بیان

میں سب سے پہلے اپنے محترم دوست مسٹر محمد علی کے بیان کی موافقت کرتا ہوا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ یہ مسئلہ مذہبی ہے اس واسطے اس میں خاص طور سے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں، ہندوستان کے پہلے زمانہ کے تاریخی واقعات جو آج تک ہوئے ہیں انکی تفصیل میں آگے اپنے تحریری بیان میں دوں گا، وہ دکھا رہے ہیں کہ ہندوستان ایک مذہب پرست ملک ہے، یہاں کے باشندے مذہبی تعصب میں دوسرے ملکوں سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کی حکومت کیلئے مذاہب کی رعایت کرنی بہت ضروری سمجھی گئی ہے، مدبرین برطانیہ اور ملکہ وکٹوریہ نے اس راز کو سمجھا اور یقیناً جان لیا کہ ہندوستان میں امن وامان قائم کرنا

مذہبی آزادی پر مبنی ہے، اسی لئے ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے وہ اعلان شائع کیا گیا جس کا حوالہ مسٹر محمد علی نے دیا ہے اور جس میں مذہبی آزادی پورے طور پر تسلیم کی گئی ہے، اور اس میں کسی قسم کی مداخلت کسی وقت بھی جائز نہیں رکھی گئی ہے، اس میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ کسی مذہبی کام کرنے والے کو ستایا نہ جائے گا، اسی وجہ سے اب تک امن وامان قائم رہا ہے۔ میں اس اعلان کی طرف توجہ دلانے کے بعد اپنی شخصیت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، میں دو حیثیتیں رکھتا ہوں، میری ایک حیثیت یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ میں عالم دین ہوں۔

(اس جگہ مجسٹریٹ نے کہا میں تقریر نہیں سننا چاہتا، بیان دیجئے، جس کا مولانا صاحب نے جواب دیا کہ میں تقریر نہیں کر رہا ہوں، ریزولیشن کے متعلق جواب دے رہا ہوں)

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں قرآن مجید کے تمام ٹکڑوں، حرفوں اور کلمات پر ایمان رکھوں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ احکام پر یقین رکھوں، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر کوئی دنیوی طاقت قرآن مجید کے کسی حرف یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم سے اس کو روکے تو وہ نہ رکے، جبکہ ہر مسلمان کا فرض یہ ہے تو اس کو قرآن کے تمام احکام پر یقین کرنا اور عمل کرنا ضروری ہوگا، قرآن شریف میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اس کے متعلق بہت سے ارشادات موجود ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اطاعت کرنا ہر مسلمان پر بادشاہ کی ضروری ہے، چاہے خواہش کے موافق ہو یا نہ ہو، جب تک خدا کی نافرمانی کا حکم نہ ہو، اور اگر خدا کی نافرمانی کا حکم ہو تو اطاعت نہیں کرنی چاہئے اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اطاعت کسی کی نہیں سوائے خدا اور رسول کے حکم کے (بخاری ومسلم) تیسری حدیث میں ہے کہ کسی مخلوق کی تابعداری اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہونی چاہئے۔ اسلام کے پہلے زمانہ میں خلفاء کے قصے تاریخ میں مذکور ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور بڑے بڑے خلفاء سے جب پوچھا جاتا تھا کہ کیا تم مسلمانوں کے بادشاہ ہو، تو وہ جواب دیتے تھے کہ ہم

اسی وقت تک بادشاہ ہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے موافق حکم دیتے ہیں، لیکن جس وقت ہم نے خدا کے حکم کے خلاف حکم دیا اس وقت بادشاہ نہ سمجھے جائیں گے۔

میری دوسری حیثیت عالم اور مذہب اسلام کے محافظ ہونے کی ہے، اور چونکہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر عرصہ دراز یعنی تقریباً دس برس تک مدرسی کر چکا ہوں اس لئے میرے لئے فریضۂ علمیہ کی ذمہ داری اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے، قرآن شریف میں ہر عالم پر قرآنی احکام کو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ہر شخص تک پہنچا دینا ضروری کر دیا گیا ہے، چنانچہ دوسرے پارے میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون (البقرہ آیت ۱۵۹) یعنی جو لوگ ہماری اتری ہوئی روشنیوں اور ہدایتوں کو ہمارے لوگوں کیلئے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں اور لوگوں سے بیان نہیں کرتے ان پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہے، قرآن میں اس قسم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار جس سے کوئی علم کی بات دریافت کی جائے اور وہ اس کو جانتا ہوا چھپائے تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یا تو امر بالمعروف کرو اور بری بات سے روکو ورنہ اللہ کا عذاب سب پر نازل ہوگا، اس کے علاوہ اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث موجود ہیں، اس لئے ہر مسلمان اور عالم کا فرض ان احکام کو لوگوں تک پہنچانا ہے جو پیغمبروں کا طریقہ تھا اور جو چھٹے پارے میں ذکر کیا گیا: رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر اس لئے بھیجے کہ قیامت کے روز کسی کو خدا پر کوئی دلیل اور حجت پیغمبروں کے بعد باقی نہ رہ جائے، پیغمبروں کے بعد علماء کا یہی طریقہ ہے، کوئی توجہ کرے یا نہ کرے ان کو پہنچا دینا ضروری ہے۔

اس کے بعد میں اس ریزولیوشن کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں، قرآن شریف میں

مسلمان کے قتل کرنے کی سزا جس قدر سخت ذکر کی گئی ہے کفر کے بعد کسی گناہ کی اس قدر سزا ذکر نہیں کی گئی، سورۂ نساء میں ہے: ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذاباً عظیماً (النساء) کسی مسلمان کو ارادہ سے قتل کرنے کی پانچ سزائیں ہیں (۱) جہنم (۲) ہمیشہ جہنم میں رہنا (۳) اللہ کا غضب (۴) اللہ کی اس پر لعنت (۵) عذاب عظیم جو اس کیلئے تیار ہے۔

دوسری آیت: سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ اپنے اچھے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: والذین لا یدعون مع اللہ الھاً اخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاماً یضعف لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مھاناً اچھے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل نہیں کرتے، اور زنا نہیں کرتے، اور جو ایسا کرے گا اس کو چار سزائیں ملیں گی (۱) دوزخ کا وہ طبقہ جس کا نام اثام ہے (۲) قیامت کے دن عذاب دوگنا ہوگا (۳) ہمیشہ عذاب میں رہے گا (۴) ذلیل کیا جائے گا۔

تیسری آیت میں ہے: یٰایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً ومن یفعل ذلک عدوانا وظلماً فسوف نصلیہ ناراً وکان ذلک علی اللہ یسیراً (نساء ع۵) اے ایمان والو سوائے ایسی تجارت کے جو کہ آپس کی خوشنودی سے ہو کسی برے طریقہ سے آپس کے مال کو نہ کھاؤ، اور اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو جو کہ اپنا ہی قتل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے، اور جو کہ سرکشی اور تعدی کی بناء پر ایسا کرے گا اس کو ہم عنقریب آگ میں جھونک دیں گے، اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

چوتھی آیت میں ہے: وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الاخطاءً (سورۃ نساء) کسی مسلمان کو بغیر خطا کے کسی مسلمان کا قتل کرنا روا نہیں ہے۔

پانچویں آیت میں اگلی امتوں کی نسبت ہے: من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرآئیل

انہ من قتل نفساً بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً(مائدہ ع۵) (قابیل اور ہابیل کے شنیع واقعہ اور اس کی سزا کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے پاس احکام میں یہ لکھ دیا کہ جس نے کسی جان کو بغیر جان کے بدلے اور بغیر زمین میں شرعی فساد کرنے کے قتل کیا، تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کرڈالا، اور جس نے ایک جان کو بچایا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو زندہ کیا۔

چھٹی آیت پارہ پندرہ سورۂ اسراء میں ہے: ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی محترم جان کو بغیر حق شرعی کے قتل نہ کرو۔ یہ چھ آیتیں مسلمان کے قتل کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات اس بارے میں بکثرت اور بہت سخت ہیں، ان میں سے جو اس وقت یاد آئے یا کتاب میں ہاتھ لگے وہ ذکر کرتا ہوں، چونکہ سب کتابیں حدیث کی موجود نہیں ہیں اس لئے ۳۴ حدیثیں ذکر کرتا ہوں۔

صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذوالحجہ کو بقرعید کے دن وفات سے ۹۲ دن پہلے (یعنی تین مہینے دودن) شنبہ کے روز سہ پہر کو بعد نماز ظہر مسجد خیف میں قصبۂ منیٰ میں تقریباً ایک لاکھ چھتر ہزار کے مجمع میں امت کو رخصت کرتے ہوئے، اور خود رخصت ہوتے ہوئے جو آخری نصیحتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے۔

(۱) الا ان دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا الا لا ترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض یعنی خبردار ہوجاؤ اے مسلمانو کہ جس طرح تم اس شہر، اس مہینے، اس دن کی حرمت کرتے ہو، اسی طرح تم پر تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر حرام ہیں، خبردار میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(۲) دوسری حدیث میں جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے یہ

ہے: لایحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلا ث النفس بالنفس وزنا بعد احصان والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے سوائے تین صورتوں کے (۱) جان کا بدلہ (قصاص) (۲) نکاح کرنے کے بعد غیر عورت سے زنا کرنے کی وجہ سے (۳) دین کو چھوڑنے اور جماعت سے جدا ہونے پر۔

(۳) تیسری حدیث جس کو بخاری، ترمذی، ابوداؤ دوغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوا عصموا منی دماء ھم واموالھم الابحق الاسلام یعنی مجھ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں جب تک کہ لاالہ الا اللہ نہ کہہ دیں، لیکن جس وقت انہوں نے اس کلمہ کو کہہ دیا تو انہوں نے اپنی جان اور مال کو محفوظ کرلیا، اب بغیر حق اسلام یعنی حکم شرعی کے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(۴) چوتھی حدیث میں ہے جس کو مسلم، نسائی، ترمذی، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے: لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم تمام دنیا کا نیست ونابود ہوجانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے مقتول ہونے سے آسان ہے۔

(۵) سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۶) المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ شخص ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

(۷) (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اجتنبوا السبع الموبقات الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق و اکل الربٰو واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات سات چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں ان سے بچو، ان میں سے ایک مسلمان کا قتل بھی ہے۔

(۸) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا

فذلک المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته (بخاری وغیرہ)
یعنی جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیرا اور ہمارے ذبح کئے ہوئے حیوان کو کھایا، وہ وہی مسلمان ہے جس کیلئے ذمہ داری اللہ کی اور ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے پس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو، یعنی مسلمان کے خون اور مال اور آبرو میں کوئی تعرض نہ کرو۔

(۹) ترمذی، بیہقی، طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لو ان اهل السموات والارضین اشتركوا فی قتل رجل مسلم لاكبهم الله فی النار اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں دھکیل دے گا۔

(۱۰) من اعان علی قتل مؤمن بشطر كلمة لقی الله مكتوب بين عينيه آئس من رحمة الله جس شخص نے مسلمان کے قتل میں آدھے لفظ سے بھی اعانت کی، وہ اللہ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر کیا جائے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی، اصبہانی)

(۱۱) مسلم وغیرہ میں ہے: عن اسامة بن زيدؓ قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اناس من جهينة فاتيت على رجل منهم فذهبت اطعنه فقال لااله الا الله فطعنته فقتلته فجئت الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال اقتلته وقد شهد ان لا اله الا الله قلت يا رسول الله انما فعل ذلك تعوذا قال كيف تصنع بلا اله الا الله اذاجاء ت يوم القيمة قال مرارا،
اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کے بعض آدمیوں سے جنگ کرنے کو بھیجا، میں ایک شخص کے مقابلہ میں آیا، جب میں نے اسے نیزہ مارنے کا ارادہ کیا اس نے لاالہ الااللہ کہا، مگر میں نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اسے قتل کر ڈالا حالانکہ وہ گواہی دے رہا تھا توحید کی، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنے بچاؤ کیلئے ایسا کیا تھا، فرمایا کہ

قیامت کے دن جبکہ کلمہ توحید اس کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا تو تو کیا جواب دے گا، اس کو کئی مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے فرمایا۔

(۱۲) ترمذی اور طبرانی میں ہے: **یاتی المقتول متعلقا رأسه باحدی یدیه متلبیا قاتله بالید الاخری تشخب او داجه دما حتی یاتی به العرش فیقول المقتول لرب العالمین هذا قتلنی فیقول الله تعست ویذهب به الی النار** مقتول قیامت کے دن اپنے سر کو اپنے ایک ہاتھ میں لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا، اس کی رگوں سے خون کے فوارے جاری ہوں گے، اسی طرح اس کو کھینچتا ہوا تخت خداوندی تک پہنچے گا اور پروردگار سے عرض کرے گا کہ اس شخص نے مجھ کو قتل کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان قاتل کیلئے صادر ہوگا کہ ہلاک ہوگیا تو، اور اس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

(اس جگہ مجسٹریٹ نے مولانا سے کہا کہ کیا ابھی بہت زیادہ باقی ہے، میں نے آپ کا وعظ خوب سن لیا بس اب ختم کیجئے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے نوٹ لکھ لئے ہیں اور ان کے مطابق عرض کر رہا ہوں اور یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ ریزولیوشن مذہبی ہے، مجسٹریٹ نے کہا کہ اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ آپ پورا قرآن شریف سنا دیں)

(۱۳) (بخاری، ابن ماجہ) **لن یزال المؤمن فی فسحة من دینه ما لم یصب دما حراما** مسلمان پر اس کا دین جب تک آسان رہتا ہے جب تک کہ وہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو۔

(۱۴) (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) **اول ما یحاسب به العبد الصلوٰة و اول ما یقضی به بین الناس الدماء** سب سے اول بندہ کا حساب نماز میں ہوگا اور آدمیوں کے حقوق میں سب سے اول خون کے فیصلے ہوں گے۔

(۱۵) (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) **من حمل علینا السلاح فلیس منا** جس شخص نے ہم پر (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱۶) (بخاری، مسلم وغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کمانڈر کو جنگ کیلئے

بھیجا، اثناء جنگ میں اس نے ایک شخص پر حملہ کیا اوراس کو کوئی صورت بچاؤ کی ہاتھ نہ آئی تو اس نے کلمہ لا الہ الااللہ کہا، اس کمانڈر نے اس خیال سے کہ اس نے بچاؤ کیلئے کہا ہے حقیقت میں مسلمان نہیں ہے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور جب لوٹ کر آئے اور قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا تو آپ نے بہت سرزنش فرمائی، انہوں نے جواب دیا کہ اس نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا، آپ نے غصہ سے کئی مرتبہ فرمایا فهلا شققت قلبه تم نے اس کے دل کو کیوں نہ چیر کر دیکھ لیا، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس قدر سرزنش فرمائی کہ ان کو یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں اس قصہ کے بعد مسلمان ہوا ہوتا کہ یہ گناہ مجھ سے دھل جاتا یا صادر ہی نہ ہوتا۔

(۱۷) (بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ) اذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول كلاهما في النار قالوا يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول، قال لانه كان يريد قتل صاحبه جب کہ دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ڈالے جائیں گے، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قاتل کی وجہ تو معلوم ہے مقتول کیوں دوزخ میں گیا؟ فرمایا کہ اس نے قصد کر رکھا تھا کہ اپنے ساتھی مسلمان کو قتل کرے۔

(۱۸) (الف) قتل المؤمن اعظم عند الله من زوال الدنيا مسلمان کا قتل ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے نیست و نابود ہو جانے سے بڑا ہے۔

(ب) جن امور میں سے انسان کو بچ کر نکلنا مشکل ہے وہ محترم خون کو بہانا ہے۔

(۱۹) عن ابن عمرؓ قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة وبقول ما اطيبک وما اطيب ريحک مااعظمک واعظم حرمتک والذى نفس محمد بيده لحرمة المؤمن اعظم عندالله حرمة منک ماله ودمه (ابن ماجہ) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ شریف کا طواف فرما رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اے کعبہ کیا ہی اچھا ہے تو اور کیا ہی اچھی ہے تیری ہوا، تو کس قدر بڑا ہے اور تیرا احترام کس قدر بڑا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ

مومن کے مال اور جان کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے۔

(۲۰) من استطاع منکم ان یحول بینہ وبین الجنۃ ملأ کف من دم امریٔ مسلم ان یھریقہ کما یذبح بہ دجاجۃ کلماتعرض لباب من ابواب الجنۃ حال اللہ بینہ وبینہ فلیفعل (ابوداؤد، ابن حبان، نسائی، حاکم) جس سے ہو سکے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہتھیلی بھر بھی مسلمان کا بہایا ہوا خون، مرغی کے خون کی مقدار میں حائل نہ ہو تو وہ ضرور اس سے بچے، کیونکہ ایسا کرنے والا شخص جب کسی جنت کے دروازے کے سامنے آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہو جائے گا۔ یعنی اگر اس کے دوسرے اعمال جنت کا تقاضا بھی کرتے ہوں گے تو یہ مسلمان کا ہتھیلی بھر خون جو اس نے بہایا ہے اس کو جنت میں داخل نہ ہونے دے گا اور خدا اس کے درمیان حائل ہو جائے گا۔

(۲۱) کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا لرجل یموت کافرا او الرجل یقتل مؤمنا متعمداً (ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، حاکم) ہر گناہ کی نسبت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، مگر کفر کی حالت میں مرنا اور مسلمان کو ارادہ سے قتل کرنا ایسے گناہ ہیں کہ بخشے نہ جائیں گے۔

(۲۲) من قتل مؤمنا فاعتبط بقتلہ لم یقبل اللہ منہ صرفا و لاعدلا (ابوداؤد) جس شخص نے بلاتمیز حق اور باطل کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول کرے گا نہ نفل۔

(۲۳) لجھنم سبعۃ ابواب باب منھا لمن سل السیف علی امتی دوزخ کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کیلئے ہے جس نے میری امت پر تلوار اٹھائی۔

(۲۴) نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعاطی السیف مسلولا (ترمذی، ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار دینے کو منع فرمایا (اسی وجہ سے کہ کہیں مسلمان کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے)

(۲۵) من اشار الیٰ اخیہ بحدیدۃ فان الملائکۃ تلعنہ حتی یضعھا وان کان اخاہ لا بیہ وامہ (بخاری، مسلم وغیرہ) جس شخص نے اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کیا تو اس پر فرشتے

اس کے رکھ دینے تک لعنت کرتے ہیں چاہے، وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۶) لایشیر احدکم الی اخیه بالسلاح فانه لایدری احدکم لعل الشیطان ینزع فی یده فیقع فی حفرة من النار (بخاری، مسلم) تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا شاید شیطان اس کے ہاتھ سے دوسرے کو نقصان پہنچا دے، تو یہ اشارہ کرنے والا دوزخ کے گڑھے میں جا پڑے۔

(۲۷) اذا مر احدکم فی مسجد نا وفی سوقنا ومعه نبل فلیمسک علی نصالها ان یصیب احدا من المسلمین منها بشیء (بخاری، مسلم، وغیرہ) تم میں سے جب کوئی تیر لے کر ہماری مسجد یا بازار سے گذرے تو اس کی بھال کو پکڑ لے، کہیں کسی مسلمان کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

(۲۸) لایزال المؤمن معنقا صالحا ما لم یصب دما حراما فاذا اصاب دما حراما بلح (ابوداؤد) ہمیشہ مسلمان دینی باتوں میں تیز رفتار اور خوش حال رہتا ہے جب تک کہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو، لیکن جبکہ حرام خون کا مرتکب ہو جاتا ہے تو نہایت ثقیل اور گراں ہو جاتا ہے، پھر دینی امور میں نہ اس کو انشراح خاطر ہوتا ہے، نہ تیز رفتاری حاصل ہوتی ہے۔

(۲۹) الکبائر الاشراک بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس (بخاری، مسلم وغیرہ) کبیرہ گناہ یہ ہیں (۱) شرک (۲) والدین کی نافرمانی (۳) محترم جان کا قتل (۴) جھوٹی قسم،

(۳۰) لایحل لمسلم ان یروع مسلما (ابوداؤد، طبرانی) مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔

(۳۱) لاتروعوا المسلم فان روعة المسلم ظلم عظیم (بزار، طبرانی) مسلمان کو مت ڈراؤ کیونکہ مسلمان کو ڈرانا بہت ظلم ہے۔

(۳۲) من اخاف مؤمنا کان حقا علی الله ان لایؤمنه من افزاع یوم القیٰمة (طبرانی) جس شخص نے مسلمان کو ڈرایا تو اللہ پر واجب ہو گیا کہ اس کو قیامت کے دن گھبراہٹوں سے محفوظ نہ رکھے۔

(۴۳) من خرج علیٰ امتی بسیفه یضرب برها وفاجرها ولا یتحاشی من مؤمنها ولایفی الذی عهد عهده فلیس منی ولست منه (مسلم) جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا، بھلے اور برے کو مارنے لگا، نہ مومنوں سے بچا، اور نہ عہد والوں کے عہد کو پورا کیا (یعنی وہ غیر مسلم جو مسلمان کے معاہدۂ صلح میں ہیں ان کو بھی قتل کر دیا) تو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں (یعنی میں اس سے بری ہوں اور وہ مجھ سے)

(۴۴) کل المسلم علی المسلم حرام دمه وعرضه وماله (مسلم) مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، اس کی آبرو، اور اس کا مال۔

میں نے مختصراً چھ آیتیں اور چونتیس حدیثیں بیان کی ہیں جن کی رو سے بغیر شرعی اجازت کے مسلمان کا خون، مال اور آبرو اور اس پر ہتھیار اٹھانا اور اس کے قتل میں شریک ہونا، اس پر ہتھیار سے اشارہ کرنا سب کچھ حرام ہے اور جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا اس پر خدا کا سخت غضب نازل ہوگا گورنمنٹ کی فوج اور پولیس کی نوکریاں بھی چونکہ اسی لئے ہیں اس لئے وہ بھی حرام ہیں۔

کتب علم کلام

اب میں علم کلام کا حوالہ دیتا ہوں، علم کلام کی معتبر کتابیں مثل جوہرہ، شرح عقائد نسفی، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے کہ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ بغیر حق شرعی کے مسلمان کو قتل کرنا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان صفحہ نمبر ۵۳۰ کتاب الاکراہ فصل فیما یحل للمرء ان یفعل میں لکھا ہے کہ کوئی بادشاہ کسی مسلمان سے کہے کہ تو سور کھالے، شراب پی لے، مردار کھالے ورنہ تجھے قتل کردوں گا، تو اس مسلمان کو چاہئے کہ وہ ضرور سور کھالے، شراب پی لے، مردار کھالے، اگر اس نے ایسا نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو وہ گنہگار مرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بادشاہ کہے کہ تو کلمۂ کفر کہہ ورنہ تجھ کو قتل کر دوں گا، تو اس کو چاہئے کہ ایمان کو دل میں محفوظ رکھ کر کلمۂ کفر کہہ دے، لیکن بہتر یہ ہے کہ نہ کہے اور اگر مقتول ہو جائے شہید ہوگا، اس صورت میں ماننا نہ ماننا دونوں جائز ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بادشاہ ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دے

یااس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دے تواس کوقتل ہو جانا چاہئے لیکن مسلمان پر ہتھیار نہ اٹھانا چاہئے۔اگراس نے بادشاہ کا حکم مان لیا تو سخت گنہگار ہوگا،اس پر فرض ہے کہ صبر کرے اور مقتول ہوجائے ،اس صورت میں بادشاہ کا حکم ماننا جائز نہیں ہے،یہی مسئلہ عالمگیری جلد نمبر۵ ص۴۴ اور در مختار اور شامی وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے ،بزازیہ جلد۲صفحہ۱۱۲ میں بھی مذکور ہے، نورالانوار،توضیح تلویح، کشف بزدوی وغیرہ کے مبحث ''عزیمت ورخصت'' میں بھی یہی مذکور ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں تجھ کوقتل کردوں گا ورنہ تو اس مسلمان کا ہاتھ کاٹ دے یاقتل کردے تواس کو چاہئے کہ قتل ہوجائے لیکن مسلمان کا ہاتھ نہ کاٹے اور نہ اس کوقتل کرے۔

جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا یہ سب مذہبی کتابیں ہیں ہمارے مذہب میں سب سے اول درجہ قرآن شریف کا ہے،دوسرا حدیث کا،تیسرا علم کلام کا،اور چوتھا فقہ کا،اسی اعتبار سے یہ تمام حوالہ جات درجہ بدرجہ دیئے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ جدید کتب میں بھی یہی احکام پائے جاتے ہیں،چنانچہ جوعلماء انگریزی زمانہ میں ہوئے ہیں ان کی سنئے ،حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کے فتاویٰ جلد ثانی،مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ ج ۳ میں بھی صاف طور سے لکھا ہے کہ انگریزی فوج کی نوکری حرام ہے۔اس زمانہ کے علماء میں مولانا اشرف علی صاحب کا فتویٰ بھی ان کی کتاب میں یہی ہے کہ انگریزی فوج کی نوکری حرام ہے۔

اس سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ جمعیت علماء ہند کا فیصلہ اور یہ ریزولیوشن کوئی نئی بات نہیں ہے،ہمیشہ سے مذہب اسلام کا یہی فیصلہ چلا آتا ہے،اس لئے اس وقت اس کی اشاعت کو روکنا مذہب میں مداخلت کرنا ہے،اس کی اشاعت کی ضرورت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اس کی متقاضی ہے،جس طرح ایک طبیب مریض کی سخت حالت کودیکھ کر پرہیز اور دوا تجویز کرنے میں زیادہ سختی اور اہتمام کامل کرتا ہے،اسی طرح علماء کا بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کوان کی مذہبی حالت زیادہ گرتے ہوئے دیکھ کر جملہ اسباب نزول کے ازالہ کی بہت زیادہ فکر

کریں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ فتح بیت المقدس کے وقت مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اس جنگ کو صلیبی جنگ کے نام سے موسوم کیا اور مسٹر چرچل نے بھی اس کو صلیبی جنگ کہا، ایسی حالت میں جو مسلمان عیسائیت کا ساتھ دے گا وہ نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ کافر کہلائے گا۔

مجسٹریٹ: میں نے بہت غور سے آپ کی تقریر سنی، اب ختم کر دیجئے۔

مولانا: میں نے ابھی خلافت اور ترک موالات کا مسئلہ نہیں چھیڑا ہے صرف فتویٰ کا ذکر کر رہا ہوں، اچھا میں اپنے بیان کو چند کلمات عرض کرنے کے بعد ختم کرتا ہوں۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان بادشاہ کے فرمان کی اطاعت احکام اسلام کے اندر رہ کر کر سکتا ہے، اب تک جو کچھ کیا گیا ہے وہ سب دائرۂ اسلام میں داخل ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے بھی اعلان کی حد کے اندر ہے، لہٰذا اگر ہم کو اسلام کی وجہ سے ایذاء پہنچائی گئی تو اس کی ذمہ دار حکومت ہوگی ہم نہیں ہوں گے۔

اگر گورنمنٹ کا منشأ مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کرلیں کہ ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا، اسی طرح ۲۲ کروڑ ہندو بھی غور کرلیں کہ ان کو کیا کرنا ہے، کیونکہ جب مذہبی آزادی ہی چھینی گئی تو سب کی چھینی جائے گی۔

اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلادیں، حدیث شریف کو مٹادیں اور کتب فقہ کو برباد کردیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں۔

(اس آخری جملہ پر مولانا محمد علی صاحب نے جـــزاک اللہ کہہ کر مولانا حسین احمد صاحب کی قدم بوسی کی) (ماخوذ از مقدمات وبیانات اکابرص۱۲۳تا۱۳۸)

اسلام اور فریضہ تبلیغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کا اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ اگر کسی دوسرے انسان کو کسی سخت نقصان سے دوچار ہوتا ہوا دیکھے تو اس کی مدد کرے اور حتی الوسع اس کی دستگیری کرتا ہوا مصائب وآفات کے پنجہ سے نجات دلوائے۔ اسی بناء پر گڑھے اور کنوؤں میں گرنے والوں، درندوں اور زہریلے جانوروں کا شکار ہونے والوں اور ظالم اور خونخوار حیوانوں کے پنجوں میں پھنسنے والوں، فاقہ اور افلاس وامراض میں مبتلا ہونے والوں وغیرہ وغیرہ کی مدد ہر قوم اور ہر مذہب میں ضروری خیال کی جاتی ہے۔ جبکہ دنیاوی چندروزہ مصائب اور فنا ہونے والے جسم کو تکالیف سے بچانا انسانی فریضہ شمار کیا جاتا ہے تو اخروی دائمی مصائب اور ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو تکلیف سے بچانا کیا اس سے بدر جہا زائد لزوم والا فریضہ شمار نہیں کیا جائے گا؟ اس لئے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی اخروی زندگی اور روحانی امراض سے شفایابی کی طرف توجہ کرے،

دوسری وجہ: جبکہ حسب تعلیمات اسلامیہ تمام افراد انسانی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مقتضیات طبعیہ اور صورت وسیرت میں سب ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اس لئے جس طرح اپنے حقیقی بھائی کے ہم پر حقوق ہیں اور انہیں کی بنا پر ہمارا طبعی اور عقلی فرض ہوگا کہ اپنے ہر بھائی انسان کی ہمدردی کریں اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانے کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خوشنودی تک پہنچانے کی، نعم ابدی اور روحانی زندگی کے حاصل کرانے کی ہر ممکن کارروائی سے دریغ نہ کریں۔

تیسری وجہ: اگر ہر ڈاکٹر، ہر حکیم ہر دید کا فرض ہے کہ کسی مبتلائے امراض جسمانی کو دیکھ

کر اس کا علاج کرے تو ہر حکیم روحانی کا فرض ہوگا کہ روحانی مریضوں کے علاج معالجہ میں کوتاہی نہ کرے مگر جس طرح جسمانی امراض کے مراتب کی حیثیت سے جسمانی ڈاکٹروں اور حکیموں وغیرہ کے فرائض میں فرق مراتب ہوتا ہے اسی طرح روحانی امراض کے مراتب کی حیثیت سے روحانی حکیموں کے فرائض میں فرق ہوگا، جو روحانی امراض روحانی زندگی کو فنا کرنے میں ویسا ہی مرتبہ رکھتے ہیں جو کہ طاعون، ہیضہ، سل وغیرہ جسمانی امراض مہلکہ جسمانی زندگی کے فنا کرنے میں رکھتے ہیں ان کے دفع کرنے میں ان کا فریضہ نہایت ہی اکید اور شدید ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے اسلام جو کہ حقیقی معنوں میں کامل اور مکمل مذہب ہے اس اعلیٰ درجہ کی عام ہمدردی کا بہت زور وشور سے مؤید ہے۔ فرمایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئک هم المفلحون چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت (ہمیشہ کیلئے) ہو جائے جو کہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور عمدہ باتوں کا لوگوں کو حکم کرے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: کنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله تم لوگ (امت محمدیہ) ان تمام امتوں میں بہتر ہو جو کہ لوگوں میں پیدا کی گئی ہیں کیونکہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس قسم کے احکام قرآن شریف میں متعدد مقامات میں ذکر فرمائے گئے ہیں، احادیث میں بھی اس پر نہایت پرزور الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے، کہیں فرماتے ہیں: لايؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں ہوگا جب تک اپنے بھائی کیلئے ویسی چیز دوست نہ رکھے جیسی اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ کہیں علامات ایمان بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''آدمیوں سے صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے دوستی رکھے'' یعنی یہ کہ وہ خدا کی مخلوق ہیں اور اس کے پیارے۔ اسی ہمدردی کی بناء پر فرمایا جاتا ہے: خير الناس من ينفع الناس لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو کہ سب لوگوں کو نفع پہنچائے۔

حسب ارشاد سابق جبکہ خیریت کا مدار لوگوں کو نفع پہنچانے پر ہوا تو جس قدر نفع عظیم الشان ہوگا خیریت بھی ویسی ہی عظیم الشان ہوگی، پس عذاب آخرت سے نجات دلانا، روحانی ابدی زندگانی حاصل کرنا، امراض روحانی کا دور کر دینا وغیرہ وغیرہ چونکہ نہایت اعلیٰ درجہ کے منافع ہیں جن کے برابر کوئی شخصی یا کوئی مادی نفع نہیں ہوسکتا، اس لئے جو شخص جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام افراد انسانی میں اعلیٰ اور اکمل ہوتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ عموم پر ہوتی ہے خصوص سے وہ بالاتر ہوا کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات وہ اپنی ذات اور اعزہ واقارب کو بھی طرح طرح کی تکالیف میں عام خلائق کے نفع کیلئے مبتلا کر دیتے ہیں اور پھر پرواہ تک نہیں کرتے اور جس طرح وہ عموم کے منافع کے درپے ہوا کرتے ہیں اسی طرح وہ کم نفع دینے والی چیزوں اور بے قدر امور کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے ان کا نصب العین روحانی زندگی، روحانی شفاء، اخلاقی تہذیب، آخرت کی بھلائیاں، خداوند عالم کا قرب، اس کی خوشنودی، قومی ترقیات وغیرہ وغیرہ اعلیٰ درجے کے امور ہوتے ہیں، البتہ انبیاء علیہم السلام میں بھی عموم کے درجات متفاوت ہیں کوئی نبی فقط اپنی قوم کا مصلح اور طبیب ہوتا ہے کوئی اپنے تمام ملک کا ہمدرد اور ریفارمر ہوتا ہے اور کوئی تمام عالم انسانی اور عام خلائق کا حکیم اور بہی خواہ بنایا جاتا ہے، جس پیغمبر میں یہ آخری درجہ عموم کا ہوگا اور جس کی نظر رأفت وشفقت اس طرح عام فیض رساں ہوگی بلاشک وشبہ وہ تمام پیغمبروں میں اعلیٰ اور سب کا خاتم ہوگا، اس کے مرتبہ کو نہ کوئی پیغمبر پہنچ سکے گا اور نہ اس کے حکم سے کسی کو روگردانی کی اجازت ہوگی وہ تمام پیغمبروں میں ایسا عہدہ رکھتا ہوگا جیسا تمام ملازمان شاہی میں صدر اعظم کا عہدہ ہوتا ہے جو کہ تمام شاہی قلمرو پر اور تمام شعبہ ہائے حکومت پر حکمران ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کا زمانہ بھی تمام پیغمبروں کے زمانہ سے اسی طرح آخر میں ہوگا جیسے کہ اپیل صدر اعظم کے دربار میں سب سے آخر میں ہوتی ہے اور اس کے بعد اگر کوئی مرتبہ اپیل کا رہ جاتا ہے تو فقط شہنشاہ کی بارگاہ میں اپیل کا رہا کرتا ہے۔

عموم تبلیغ میں مسلمانوں کی خصوصیت

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانی، طبعی، عقلی، شرعی، جملہ حیثیتوں سے ضروری ہے کہ عام خلائق

کی بہبودی کی فکر کی جائے اور پھر اس بہبودی اور ہمدردی کو سب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے جو کہ نہایت گراں قدر ہو اور جس قدر ان دونوں امور میں اضافہ ہوگا اسی قدر خیریت بڑھے گی اور اسی قدر پروردگار عالم کے یہاں اس کیلئے انعام اور اجر کا استحقاق ہوگا اور یہ فریضہ مسلمانوں ہی کا سب سے بڑا فریضہ ہے کیونکہ جس طرح آخری گورنر اور وائسرائے کا حکم ماننا ضروری سمجھا جاتا ہے پہلے گورنروں اور قدیم وائسرائیوں کا حکم آخری گورنر اور آخری وائسرائے کے حکم سے سرتابی کرنے والا امپائر (شہنشاہیت) کا باغی شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ گذشتہ گورنروں کی تابعداری کا دم بھرتا ہو اسی طرح نبی آخرالزماں کے آنے کے بعد پہلے پیغمبروں کے تمام احکام منسوخ ہوں گے اس کے حکم سے سرتابی کرنے والا خداوند کا باغی اور مجرم قرار دیا جائے گا، اگرچہ وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں پرانے پیغمبر کا تابعدار ہوں۔ لہٰذا مسلمان چونکہ اس پیغمبر آخرالزماں کے تابعدار ہیں اس لئے حقیقی اصلاح اور واقعی شفاء فقط ان کے پاس ہے، ان کا فریضہ تمام اقوام سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ وہ اقوام عالم اور تمام بنی نوع انسانی کی اصلاح اور شفاء میں سب سے زیادہ اسی طرح کوشش کریں جس طرح ڈاکٹر اور حکیم کا سب حکیموں سے قوی فریضہ ہوتا ہے جو کہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس زمانہ میں موجود امراض میں صرف میری ہی دوا نفع دینے والی ہے، دوسرے ڈاکٹروں اور حکیموں کی دوائیں ان امراض کیلئے شفاء بخش نہیں۔

مسلمانوں کے مستحق تبلیغ ہونے کی دوسری وجہ

علاوہ ازیں چونکہ مسلمانوں کے پیغمبر تمام روئے زمین کے بسنے والے اور عام اقوام کیلئے ریفارمر اور مصلح بنائے گئے ہیں جیسا کہ فرمایا جاتا ہے: **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا** ہم نے تمام آدمیوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: **تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا** نہایت برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان حمید کو اپنے خاص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس لئے اتارا کہ تمام عالموں کیلئے خدا کی پکڑ اور ناراضی سے ڈرانے والے ہو جائیں، اس لئے

مسلمانوں کا اصلی فریضہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی اور قائم مقامی کر کے تمام اقوام عالم کو آنحضرت علیہ السلام کے دین اور شریعت سے آگاہ کریں، اوران کے سامنے حقانیت اسلام کے آفتاب کو روشن کردیں، ان کو صحیح راستہ کی طرف بلائیں اور حقیقی شفاء اور دواء پر مطلع کریں، مگر دوسروں کو جن کے پیغمبر ایسے نہیں بوجہ مذکورہ بالا یہ حق نہیں پہنچتا۔

اس لئے مسلمانوں کے آقائے نامدار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: لیبلغ الشاهد منكم الغائب جولوگ میری مجلس میں موجود ہیں وہ غائب ہونے والوں کو (یعنی جو موجود نہیں ہیں ان کو) میری تعلیمات پہنچادیں، دوسری جگہ فرماتے ہیں: بلغوا عنی ولو آية میری طرف سے لوگوں کو (احکام اور شریعت حقہ) پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔ تیسری جگہ فرماتے ہیں: یا علی لان يهدی الله بک رجلا خير من ان تكون لک الدنيا ومافيها اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایک مرد کو بھی ہدایت کردے تو وہ تمہارے لیے تمام دنیا اور اس کے خزانوں وغیرہ سے بہتر ہے۔ قرآن شریف میں فرماتے ہیں: هو الذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے پیغمبر کو سچا دین اور ہدایت دے کر اس لئے بھیجا کہ وہ تمام دینوں کو اس پر غالب کردے اگر چہ کافر اس کو پسند نہ کریں۔

اشاعت اسلام میں صحابہ کرامؓ کا کردار

یہی وہ فرائض تھے جنہوں نے مسلمانوں کو بے چین کردیا تھا اور جس کی وجہ سے ان کی نینداور آرام حرام ہوگیا تھا، ان کو اپنے پیارے اوطان میں ٹھہرنا اور اپنی زندگانی کی خدمتیں کرنی وبال جان ہوگئی تھیں اسی عام خیر خواہی نے ان کو اہل وعیال، زن وفرزند، عزیز واقارب، تن، من دھن سب سے جدا کردیا، اسی حقیقی اصلاح کے وجوب نے ان کو مجبور کردیا کہ وہ اطراف عالم میں سچی روشنی کی مشعلیں لے کر پھیل پڑے اور کوئی قوت خواہ کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو اگر مانع آئے تو اس سے ٹکر کھا جائیں۔ تبلیغ سے منع کرنے والے، لوگوں کو اصلی مداواۃ اور حقیقی شفاء سے

روکنے والے، خدا کی عام مخلوق کو گمراہی میں پڑے رکھنے کی کوشش کرنے والے یا تو اپنے اعمال قبیحہ سے باز آجائیں ورنہ پھر قوت کا قوت سے مقابلہ کرنا ضروری ہوگا۔ جس وقت مسلمان اپنی اس سچی روشنی کو لے کر نکلے ہیں ان کے پاس مکمل فوجیں نہ تھیں، مکمل ہتھیار نہ تھے، مکمل خزانے نہ تھے، ان کے پاس کوئی ایسی ظاہری قوت نہ تھی جو کہ قیصر اور کسریٰ اور مقوقس کا انفرادی طور پر بھی مقابلہ کرسکتی چہ جائیکہ اجتماعی طور پر کرتی، مگر چونکہ دنیا مطلوب نہ تھی حکومت کی ہوس نہ تھی، خزانوں کا لالچ نہ تھا، اقوام عالم کی تجارت اور دستکاری کی خواہش نہ تھی، جوع الارض کی بیماری نہ تھی اقوام عالم کو غلام بنانے کی آرزو نہ تھی، فقط حقیقی اصلاح اور خوشنودی پروردگار کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی جس کیلئے تقویٰ اور زہد نے دھونکنی کا کام دے رکھا تھا اس لئے جو بھی ان کے سامنے آیا خواہ وہ پہاڑ ہی کیوں نہ تھا پاش پاش ہوگیا اس کی ہستی مٹ گئی اور خدا کی سچی روشنی اطراف عالم میں پھیل گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیس ہی برس کے عرصہ میں بحر اٹلانٹک کے کنارے سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ڈنکا بجنے لگا، افریقہ کے صحرائے اعظم سے لے کر کاکیشیا اور ارال کے دامنوں تک اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

اسلام کیلئے جبر واکراہ نہیں ہے

اگرچہ ایک ماہر ڈاکٹر اور حاذق حکیم کا فرض یہ بھی ہے کہ اگر نادان مریض اپنے مرض پر اصرار کرے اور دوا کے استعمال سے جان چرائے یا عناداً اس کو استعمال نہ کرے تو وہ اس کو جبراً اسی طرح دوا پلادے جس طرح ماں باپ بچے کو ہاتھ پیر پکڑ کر منہ کھول کر دوا پلا دیتے ہیں اور اس بناء پر وہ مستحق ملامت نہیں قرار دیئے جاتے بلکہ ہر طرح قابل ستائش قرار دیئے جاتے ہیں بلکہ ملامت ان مریضوں پر عائد ہوتی ہے، اور جس طرح حاذق جراح کا فرض ہے کہ وہ دنبل میں نشتر لگا کر مادہ فاسد نکال دے اگرچہ مریض چیختا چلاتا رہے، اسی طرح اگر اسلام جبراً لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بناتا اور ان کی روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی اصلاحات اپنے قوانین تریاقیہ سے کرتا تو ہرگز مستحق ملامت نہ ہوتا مگر اس نے آزادی خیالات اور انسانی اختیارات پر پانی نہیں

پھیرا اور جبر، تعدی، اکراہ اور بے اختیاری کی اجازت نہیں دی، اس نے صاف الفاظ میں اعلان کردیا وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظا لمین نارا (سورۂ کہف پارہ ۱۵) کہہ دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حق بات تمہارے پروردگار کی طرف سے (ظاہر ہو چکی) اب جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کے واسطے عذاب تیار کر رکھا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی الآیۃ دین میں کوئی اکراہ اور جبر نہیں ہدایت گمراہی سے کھل گئی اور ظاہر ہو گئی، اب جو شخص بتوں کو چھوڑے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اس نے نہایت مضبوط ذریعہ حاصل کرلیا (سورۂ بقرہ پارہ ۳) تیسری جگہ فرماتے ہیں: افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین (انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم لوگوں پر اکراہ کروگے تاکہ مومن بن جائیں۔ چوتھی جگہ فرماتے ہیں: انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر تم اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو صرف یاد دلانے والے اور سمجھانے والے ہو تم ان پر گماشتہ اور جبر کرنے والے نہیں ہو۔

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا

خلاصہ یہ کہ ایمان اور اسلام کیلئے جبر و اکراہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اگرچہ یہ حکم دینا بھی قرین قیاس تھا، ہاں جو لوگ فریضۂ تبلیغ اور اصلاح حقیقی سے مانع ہوئے یا مانع ہونے کی تیاری کرنے لگے ان کے سامنے آنا اور مقابلہ کرنا ناگزیر تھا، یہی وجہ ہے کہ جن خطوط کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پادشاہان عجم کے پاس بھیجا اور ان کو اسلام کی طرف بلایا تھا کسی میں تلوار اور لڑائی کی دھمکی نہیں دی گئی، اور یہی وجہ تھی کہ جزیہ کی مشروعیت غیر مسلمون کیلئے قرار دی گئی اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا جیسا کہ پادری یا آریہ اپنے پروپیگنڈوں میں اسلام سے نفرت پھیلانے کیلئے کہہ رہے ہیں تو آج صنعاء اور یمن میں ہزاروں کی مقدار میں یہودی نظر نہ آتے، اسی طرح عراق (ماسوپوٹامیا) شام (سیریہ) فلسطین، مصر وغیرہ میں لاکھوں کی مقدار میں غیر مسلم جو کہ

پشتہا پشت سے یہاں بستے ہوئے چلے آتے ہیں پائے نہ جاتے۔ خود ہندوستان کے ان مقامات پر غور کیجئے جو کہ صدیوں مسلمانوں کی قوتوں کی جولانگاہ رہے ہیں غیر مسلموں سے بھرے ہوئے ہیں، ضلع دہلی میں جو کہ پایۂ تخت شاہان اسلام رہا ہے اور جہاں فوجی قوتوں کا ہر قسم کا مکمل مظاہرہ رہتا تھا سولہ فی صد مسلمان اور باقی غیر مسلم ہیں، صوبہ یوپی میں جو کہ تقریباً ایک ہزار برس سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا ہے پندرہ فیصد مسلمان ہیں، بہار میں جو کہ بختیار خلجی کے زمانہ سے ہیسٹنگز کے زمانہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا دس فیصد مسلمان ہیں، اگر جبر واکراہ سے مسلمان کیا جاتا تو جبکہ مسلمانوں کی فوجی قوتیں انتہائی عروج پر تھیں کونسی قوت ان کو بجز مسلمان بنانے سے روک سکتی تھی، ہاں عیسائیت اپنی سیاہ تاریخ اٹھا کر دیکھے کہ اس نے یہودی مذہب کو یورپ کے ممالک سے کس طرح فناء کیا اور پھر اسپین، سسلی، مالٹا، یونان، کریٹ، بلغاریہ وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے، آرین قومیں اپنے گذشتہ کارناموں پر غور کریں کہ انہوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں بھیلی، گونڈ، کولی، چمار وغیرہ اچھوت قوموں کے ساتھ کیا معاملات کئے اور اب تک کیا کر رہے ہیں؟ چین میں آج سات کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک مسلمانوں کی مردم شماری بتائی جاتی ہے وہاں کس روز مسلمان حکومت قائم ہوئی تھی؟ جزائر، سماٹرا، اجاوا، وغیرہ میں پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کی مردم شماری مذکور ہے وہاں کونسا عالمگیرؒ یا تیمور لنگ یا محمود غزنویؒ حملہ آور ہوا تھا؟ ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے تلوار اٹھائی تھی ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟ یہ سب محض غلط اتہامات ہیں جو کہ دشمنوں نے اسلام کو بدنام کرنے کیلئے لگائے ہیں، ہمیشہ بادشاہان اسلام اس کے خلاف احکام جاری کرتے رہے اور انہوں نے رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت دینے میں نہایت روشن پوزیشن پیش کی ہے، جھوٹ اور افتراء کا تو کوئی جواب نہیں۔

شاہ وقت کی ایک خفیہ وصیت

ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولھاپور نے مندرجہ ذیل فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر تلاش کر کے پائی تھی جس سے مخالفین کی ہرزہ سرائی کا پورا پتہ چلتا ہے۔ ظہیر الدین محمد بابر

شاہ غازی اپنے بیٹے شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کو اپنی خفیہ وصیت میں لکھتا ہے ترجمہ بذیل ہے:

اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے، الحمد للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھوڈالو اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا ملت قوانین حکومت کی فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ وسنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتفاق واتحاد کا مالک تھا ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو (اگست ۱۹۲۶ء)

شاہ جہانگیر نے اپنے تمام قلمرو میں جو احکام امراء اور سرداروں پر نافذ فرمائے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل احکام بھی تھے: جھروکے میں نہ بیٹھا کریں، ہاتھی نہ لڑایا کریں، سیاست کے واسطے آنکھیں نہ پھوڑا کریں، ناک کان نہ کاٹیں، بزور کسی کو مسلمان نہ کریں الخ (ترجمہ تزک جہانگیری ص ۸۲) اورنگزیب مرحوم کا مندرجہ ذیل فرمان فارسی زبان میں راجہ نرجن سین نے ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا جو کہ جون ۱۹۱۱ء میں اردو اخبار میں شائع ہوا تھا۔ فرمان مذکورہ کا مضمون حسب ذیل ہے:

ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہمنوں کو جن کا

تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کو ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کریں اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کریں (دستخط اور مہر شہنشاہ اورنگزیب) (حمایت اسلام خلافت نمبر ۱۹۰ ص ۱۸۵، اگست ۱۹۲۶ء)

حقانیت اسلام کی تاثیر

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی اور حقانیت اور اپنے اصولوں اور تعلیم کی خوش اسلوبی وغیرہ کمالات کی بنا پر قلوب اور دماغوں پر ہمیشہ سے مقناطیسی اثر کرتا رہا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اپنی تنگدستی اور بے سروسامانی کے اسلام کی دعوت شروع فرمائی اور تمام اہل عرب خصوصاً اہل مکہ اور قریش آپ کے سخت درپے آزار ہو گئے ظاہری کوئی سبب ایسا نہ تھا جس سے یہ امید کی جاسکتی کہ آپ کی کوششیں بار آور ہوں گی مگر یہ اسلام کی حقانیت اور اس کی آسمانی طاقت ہی تھی جس سے قلوب کا مسخر ہونا شروع ہو گیا اور جوق در جوق لوگ قرب وجوار اور دور دراز ملکوں سے آ آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے تیرہ برس اسلام مکہ معظمہ کے جو کہ نان وائلنس (عدم تشدد) میں گذرے کئی سو آدمیوں کو اسلام کے دلدادہ بنا چکے تھے حالانکہ اس مدت میں مخالفین اسلام نے انتہائی مظالم اسلام اور مسلمانوں پر ڈھا رکھے تھے، پھر مدینہ منورہ پہنچے اور امن وسلامتی حاصل ہونے کے بعد تو ترقی کی کوئی انتہا ہی نہیں رہی، اہل مدینہ جنہوں نے آخری دم تک انتہائی سرفروشی کا ثبوت دیا ہے خود بخود اسلام کی حقانیت معلوم کر کے اسلام کے پروانے بنے اور دوسروں کو بناتے رہے باوجودیکہ ابتداء میں لڑائی قریش اور ان کے حامیوں سے ان کے مظالم کی بنا پر رہی مگر دور دراز کے قبائل سے خود بخود لوگ آتے اور مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

وفد عبدالقیس کا بحرین سے آنا، ثمامہ بن اثال حنفیؓ کا اسلام لانا، ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کی جماعت کا خود بخود یمن سے کشتیوں میں سفر کرنا، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی کا اپنے تمام کاروبار کو تجتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچنا، وائل بن حجر حضرمی کندیؓ کا حضرموت سے قصد کرنا وغیرہ وغیرہ اتنے واقعات ہیں کہ خود ان کی تفصیلات بہت زیادہ طول کی محتاج ہیں۔

اہل مکہ معظمہ جنہوں نے انتہائی مظالم کے پہاڑوں کا سلسلہ تقریباً بیس برس تک برابر جاری رکھا تھا اور وہ بیدردی اور جفا کاری ظاہر کی تھی جو کہ وہم وگمان سے باہر تھی، مگر اسلام نے ان پر فتحمندی حاصل کرنے کے بعد سب کو چھوڑ دیا، نہ قتل کیا اور نہ اسیر کیا اور نہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا، مگر یہی احسان گراں ایک ایسی فتح کرنے والی تیز تلوار کے قائم مقام تھا کہ اس نے سب کی گردنیں اسلام کی حقانیت کے سامنے جھکا دیں، وہ سب کے سب خود مسلمان ہوئے اور اس خوش معاملگی اور عفو وکرم کو دیکھ کر تمام عرب کے قبیلوں کو اسلام کی سچائی کا زوردار یقین ہو گیا، فوجوں کی فوجیں ۹ ہجری میں خود بخود حاضر ہو کر مسلمان ہوئیں اور اسی طرح اسلام روز افزوں ترقی کرتا رہا، تواریخ فتوح شام اور فتوح عراق اور مصر وغیرہ کے مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح رومیوں اور مصریوں اور پارسیوں کے بڑے بڑے سردار خود بخود اسلام کے گرویدہ ہوتے رہے ہیں اور کس زور وشور سے عجمی اور رومی قوموں اور ایشیائی اور افریقی باشندوں نے اسلام کو برضا ورغبت قبول کیا ہے۔

۱۰۰ھ کا زمانہ ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا آفتاب تمام عالم کو جگمگائے ہوئے ہے امن وامان کا چاروں طرف اس طرح ڈنکا بج رہا ہے کہ حقیقی معنوں میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں اس وقت میں گورنر خلافت عدی بن ارطاۃ کا عریضہ آتا ہے اور وہ لوگوں کو بکثرت اسلام میں داخل ہونے سے گھبرا کر الفاظ ذیل میں لکھتا ہے: لوگ اسلام میں بہت زیادہ داخل ہوتے جاتے ہیں مجھ کو خوف ہے کہ آمدنی (خراج) میں کمی نہ پڑ جائے۔ خلیفہ وقت جواباً فرماتے ہیں: میں نے تمہارا خط سمجھا خدا کی قسم میری تمنا تو یہ ہے کہ تمام آدمی مسلمان ہو جائیں اور یہ نوبت پیش آجائے کہ آمدنی کی قلت کی وجہ سے تم اور میں کھیتی کر کے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہوا غلہ کھائیں۔

اسی زمانہ میں خراسان میں بھی ایسا واقعہ پیش آیا وہاں بھی لوگ اسلام میں بہت کثرت سے داخل ہوتے جارہے تھے اور چونکہ حکم یہ تھا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ اٹھا دیا جائے کیونکہ یہ فوجی خدمتوں کے عوض میں غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور وہ ان عسکری خدمتوں سے بالکل آزاد رکھے جاتے تھے اس لئے گورنر خراسان (جراح) کو بعض لوگوں نے بھڑکایا کہ یہ لوگ محض جزیہ سے

بچنے کیلئے مسلمان ہوتے ہیں اسلام درحقیقت ان کے قلوب میں جاگزین نہیں ہوا، ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے آمدنی بہت گھٹ گئی ہے جب تک یہ ختنہ نہ کرائیں ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے، گورنر مذکور نے اس کو پسند کیا اور حکم نافذ کردیا کہ جب تک کوئی نومسلم ختنہ نہ کرائے گا اس کا اسلام قبول نہ ہوگا، اور پھر خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع دی وہ بہت خفا ہوئے اور یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کیلئے بھیجا تھا ختنہ کرنے کیلئے نہیں بھیجا تھا فوراً اس حکم کو منسوخ کردیا اور پھر اس گورنر کو معزول کردیا۔

۱۰۲ھ میں افریقہ کے گورنر (یزید بن ابی مسلمؒ) نے جب دیکھا کہ عام باشندگان افریقہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے دیہاتوں کو چھوڑ کر شہری آبادی میں داخل ہوتے جاتے ہیں جزیہ کی مقدار آمدنی کی حیثیت سے کم ہوتی جارہی ہے تو اس نے حکم کردیا کہ یہ تمام دیہاتی نومسلم اپنے اپنے دیہاتوں کو واپس کردیئے جائیں اور جو مقدار جزیہ کی ان پر پہلے سے تھی بحال رہے اس حکم کی بنا پر لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا لوگوں نے بغاوت کر کے گورنر کو قتل کردیا اور خلیفۂ وقت یزید بن عبدالملک کو مضمون ذیل کی عرضی لکھی ''ہم نے آپ کی تابعداری سے روگردانی نہیں کی چونکہ گورنر حال نے خدا اور اسلام کے ناراض کرنے والے مظالم کو جاری کیا تھا اس لئے ہم نے اس کو قتل کردیا اور پہلے (قدیم) گورنر معزول کو اس کی جگہ قائم مقام کردیا'' خلیفہ نے ان کے عمل کو اسی طرح باقی رکھا اور یہ لکھ دیا کہ ''میں گورنر سابق (مقتول) کے ان اعمال سے جو کہ خلاف خدا اور اسلام تھے راضی نہیں ہوں''۔

۱۱۰ھ میں خراسان کے گورنر اشرس نے سنٹرل ایشیا کے حصہ ماوراء النہر (جیحون کا شمالی حصہ) میں دعوت اسلام اور تبلیغ کیلئے علامہ صالح بن طریفؒ اور علامہ ربیع بن عمران کو مقرر کیا انہوں نے شرط لگائی کہ نومسلموں سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ یہی حکم شرعی تھا گورنر مذکور نے اس کو قبول کرلیا جب ان دونوں اماموں نے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ پوری جدوجہد سے کرنی شروع کی تو قوموں کی قومیں اور قبیلوں کے قبیلے سمرقند اور اس کے اطراف وجوانب میں مسلمان ہونے لگے، اسلام کا

نہایت زور شور سے شیوع ہوا یہاں تک کہ خزانہ کے واردات میں بہت زیادہ کمی واقع ہونے لگی، سمرقند کے دفتر دار نے گورنر مذکور (اشرس) کو اطلاع دی کہ مسلمان بہت زیادہ ہوتے جارہے ہیں اس لئے خزانہ کی آمدنی بہت کم ہوگئی ہے گورنر مذکور نے لکھا کہ "ان لوگوں کا بہت زیادہ مسلمان ہونا اسلامی رغبت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ فقط جزیہ کی وجہ سے ہے اس لئے تم جزیہ فقط ان لوگوں سے معاف کردو جن کی ختنہ ہوئی ہو، نماز پڑھتے ہوں قرآن میں سے کم سے کم ایک سورت کے حافظ ہوں" پھر اس کے بعد سمرقند کے حکام نے گورنر خراسان اشرس مذکور کو لکھا کہ نومسلموں نے مسجدیں بنالی ہیں اور وہ بکثرت پائے جارہے ہیں ہم ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں، گورنر مذکور نے حکم دیا کہ جن سے پہلے جزیہ لیا جاتا تھا اب پھر لینے لگو، اس بناء پر باوجود مخالفت حکم شریعت نومسلموں سے پھر جزیہ وصول کیا جانے لگا اس لئے نہایت زیادہ شور وشغب ہوا سات ہزار نومسلموں نے جزیہ دینے سے انکار کردیا اور بغاوت شروع ہوگئی آخر کار اشرس کو معزول کیا گیا اور نصر بن سیار اس کی جگہ مقرر ہوا اور جب حکم سابق منسوخ کیا گیا تب سکون پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ مبلغین اسلام کی انفرادی اور کبھی اجتماعی کوششوں کی روز افزوں ترقی سے اسلام سنٹرل ایشیا میں پھیلتا رہا اسی عرصہ میں شبق (قراخاں) مع اپنی جماعت کے مسلمان ہوا اور اس نے بلا ساغون، قرارقورم، فاراب، اسبیجا، طراز وغیرہ میں اسلامی حکومت بناڈالی اس دولت کا نام خانیہ رکھا گیا اور ان لوگوں کے مبلغین کی کوششوں سے بڑی دور تک ترکستانی قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے، یہاں تک کہ ۳۴۹ھ میں غوز قبیلہ کا ایک سردار سلجوق دو لاکھ ترکی خاندان لے کر مسلمان ہوا اور ترکستان کے وسط سے ہجرت کر کے بخارا کے علاقے جند میں آکر سکونت گزیں ہوا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے اسی خاندان کے معزز افراد نے ایشیائے کوچک میں پہنچ کر دولت سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی جو کہ شروع ایام دولت عثمانیہ تک ان اطراف میں حکمران رہی ۴۳۳ھ تک انتہائی ترکستان یعنی آخری حدود تک اسلام پہنچ گیا اور قبیلہ بلغار جو کہ آخری حدود کا رہنے والا تھا وہ بھی سب کا سب مسلمان ہوگیا۔ (ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

تعلیم قرآن مجید اور انعامات خداوندی

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے اپنی حیات کے آخری سال ۱۹۵۳ء میں قرآن پاک کا ترجمہ جو مدرسہ شاہی میں نماز صبح کے بعد فرمایا کرتے تھے ختم کیا تو ایک جلسہ کا انتظام کیا اس جلسہ میں حضرت اقدسؒ نے جو تقریر فرمائی ضروری ہے کہ ہم اس کو یاد رکھیں اور اس پر عمل کریں (وباللہ التوفیق) اس تقریر کی جمع وترتیب کی سعادت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی کا مخصوص حصہ ہے، جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ: یہ جلسہ برسوں سے ہورہا ہے اور کئی تقریریں ہوچکی ہیں، خود مولانا عبدالحق صاحب (مدنی) نے مبسوط تقریر فرمائی ہے، اب میری کیا ضرورت ہے اور میں کیا عرض کرسکتا ہوں؟ جو کچھ عرض کروں گا (اس کو سن کر) آپ کہیں گے کہ یہ چیزیں تو وہ ہیں جو ہم نے بار بار سنی ہیں، تحصیل حاصل کی کیا ضرورت تھی؟ میں حیرت میں ہوں کہ کیا عرض کروں گا سوائے اس کے کہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے پھر عرض کردوں۔

انعامات خداوندی

میرے بزرگو اور بھائیو! جو کچھ بھی ہے عرش سے فرش تک وہ اللہ کا انعام ہی انعام ہے، ہمارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطیہ ہیں، چاہے نفوس ہوں، خواہ اعضاء ہوں یا اور کوئی چیز ہو، آپ کے سر سے پاؤں تک جو جوڑ اور اعضاء ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور تمام عالم میں اللہ ہی کا فضل وانعام ہے۔ جب کسی چیز کی کمی ہوتی ہے تو سب کے سب اسی سے مانگتے ہیں اور تضرع وزاری کرتے ہیں، جب انتہائی مصیبت آتی ہے تو بے دین بھی اس کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جنگ عمومی اول ۱۴ء اور جنگ عمومی ۳۹ء میں انگریز نے اپنی فتحیابی کیلئے دعائیں کرائی تھیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان سے ہم کو انسان بنایا، انسان سب سے زیادہ شریف مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ کو جس قدر محبت انسان سے ہے کسی مخلوق سے نہیں، فرمایا جاتا ہے: ان اللہ بالناس لرء وف رحیم یعنی تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ شفقت اور رحم کرنے والا ہے۔ جو عربی سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس قرآنی جملے میں کس قدر تاکید اور قوت ہے، جملہ اسمیہ لایا گیا، اِنَّ ابتداء میں لایا گیا، پھر رء وف پر لام داخل کیا گیا، رء وف صیغہ مبالغہ کا لایا گیا (اتنی تاکیدوں کیساتھ انسان پر اپنی رأفت ومہربانی کا اظہار فرمایا جارہا ہے) سورۃ والتین میں خداوند قدوس چار قسمیں کھاتا ہے والتین والزیتون الخ پھر چار قسمیں کھا کر کہتا ہے: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا فضل وکرم انسان پر ابتداء ہی سے بے حد و بے شمار ہے، آگے فرمایا پھر ہم نے انسان کو (بسبب نافرمانی) سب سے نیچے گرادیا، جس کے اوپر شہنشاہ کا زیادہ کرم ہوتا ہے اگر وہ سرتابی کرتا ہے، شہنشاہ کے حکم کو توڑتا ہے، ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں برابر توڑتا رہتا ہے، تو اس کو سزا بھی سخت دی جاتی ہے، وزیر اگر بغاوت کرتا ہے تو ایسی سخت سزا دی جاتی ہے کہ معمولی مجرموں کو ایسی سزا نہیں دی جاتی۔

انسان پر خداوند تعالیٰ کی چند نعمتیں

دیکھئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے کتنا نوازا ہے خود فرماتے ہیں: وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا تم اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے، انسان کیلئے تمام چیزوں کو مسخر و تابعدار بنادیا ایسا تابعدار بنادیا، کہ وہ اپنی مزدوری اور تنخواہ بھی طلب نہیں کرتے۔ چاند، سورج، ستارے تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، فرشتے تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں وہ تسبیح میں مشغول ہیں اور ایماندار انسانوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، یہ زیادہ قرب رکھنے والے فرشتے نیکوکاروں کیلئے، ان کے بچوں کیلئے، ان کی بیویوں کیلئے دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مکمل احسان ہے کہ اس نے اپنی ظاہری و پوشیدہ نعمتوں سے تم کو ڈھانپ رکھا ہے جیسا کہ فرمایا: واسبغ علیکم الایة۔

قرآن تذکیر بآلاء اللہ (خدا کی نعمتوں کی یاددہانی) جگہ جگہ کر رہا ہے، اگر تم میں مروت ہو، اگر شرافت ہو تو احسان کرنے والے کے احسان کو یاد کرو اور اس کے سامنے اپنا سر جھکاؤ اور اس کے شکریئے میں اپنے دل کو، اپنے ہاتھ پیر کو استعمال کرو، ایسا نہ کرو گے تو چوپایوں سے بدتر ہو جاؤ گے اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ کتے کو دیکھو کہ تمہارے دو ٹکڑے کھا کر تمہارا کتنا وفادار ہے، پھر انسان تو سر سے پاؤں تک داخلی اور عرش سے فرش تک خارجی نعمتوں سے گھرا ہوا ہے، جو کچھ دنیا میں ہے تمہارے لئے ہے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا زمین اور آسمان کے درمیان بادل بنائے پانی برسا کر ہر قسم کے پھول اور ہر قسم کے پھل پیدا کئے۔

عالم آخرت کی فکر

وہ عالم جو تمہارے آگے آنے والا ہے اور اس وقت آنکھوں سے اوجھل ہے اس جگہ بہت سے کوچ کر چکے ہیں اور بہت سے کوچ کرنے والے ہیں، نبی ہوں، ولی ہوں، بادشاہ ہوں کسی کو بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس عالم کے راحت وآرام کا بھی سامان کیا ہے، تمام لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کی ربوبیت کا عہد کر کے آئے ہیں الست بربکم قالوا بلی (ازل میں) اللہ تعالیٰ نے سب کو حاضر کیا وہاں پر اپنی ربوبیت کا سبق دیا، اور اس وقت سب نے خدا کی شہنشاہیت، ربوبیت اور مالکیت کا اقرار کیا مگر یہاں آکر بھول گئے قیامت میں سب کو یاد آجائے گا۔ آج ہم اس مادی جسم کے عاشق ہو کر سب کچھ بھلا چکے، ہیں جب کوئی کسی پر عاشق ہوتا ہے تو پھر دوسری چیزیں بھلا دیتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

سمایا ہے جب سے تو آنکھوں میں میری جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: زین للناس الایة یعنی لوگوں کیلئے یہ سات چیزیں سجادی گئیں (عورت، اولاد، سونا، چاندی، گھوڑے، چوپائے، کھیتی) کسی اچھی چیز کو نہیں سجایا جاتا، موتی،

یاقوت وغیرہ کو جو خود ہی خوبصورت ہیں سجانے کی کیا ضرورت ہے؟ خوبصورت عورت کیلئے تزیین کی ضرورت نہیں ہے بدصورت کو ضرورت ہے ؎

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

(دیکھو) شہد ہے وہ مکھیوں کی قے ہے، ریشم ہے وہ کیڑوں کا فضلہ ہے، مشک ہے وہ ناف آہو کا خون ہے، عنبر ایک خاص قسم کی مچھلی کی قے یا اس کا فضلہ ہے، جتنے اناج تمہارے یہاں پیدا ہوتے ہیں اگر کھاد نہ ڈالو تو پیداوار نہ ہو کھاد ڈالنے سے گیہوں، چنا پیدا ہوتا ہے، گلاب کتنا خوشبودار پھول ہے مگر گلاب کی کاشت کرنے والوں سے پوچھو کہ کس طرح بار بار کھاد ڈالنا پڑتا ہے، الغرض دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے اس لئے فرماتے ہیں ان مذکورہ بالا چیزوں کو مزین کیا ہے تمہارے آزمانے کیلئے۔ خلق الموت والحیاۃ الآیۃ تمہارے آزمانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا کیا ہے، حقیقت میں نہ تو دنیا محبوب چیز ہے اور نہ اس کے ساتھ ہمیشہ نفع اٹھانا ہے دنیا تھوڑے دنوں کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں امتحان کیلئے دی ہیں آیا تم اس منعم حقیقی کو جس نے سب کچھ دیا ہے یاد کرتے ہو یا اس دنیا کو محبوب رکھتے ہو؟ جس عالم میں تم کو، ہم کو جانا ہے اس کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے، پیغمبروں کو مبعوث کیا شریعت کو بنایا کتابوں کو نازل کیا تا کہ تم وہاں کی تکالیف سے بچے رہو، جس طرح یہاں کا انتظام کیا کھیتی باڑی، تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے، اسی طرح وہاں انتظام کیا گیا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ کے ذریعہ سے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری عبادت کی کوئی حاجت نہیں وہ بے پرواہ ہے جو کام کرو گے وہ اپنے ہی لئے کرو گے، کھیتی کرو گے اپنے لئے، تجارت کرو گے اپنے لئے، اسی طرح نماز پڑھو گے تو اپنے لئے، اگر سب کے سب خدا کے باغی ہو جائیں تو اس کی شہنشاہیت میں مچھر کے پر کے برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور سب کے سب تقویٰ شعار بن جائیں تو مچھر کے پر کے برابر اس کی خدائی میں اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر سب کی مرادیں وہ پوری کر دے تو اس کے خزانے میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں آئے گی۔ خداوند کریم نے اپنے فضل وکرم سے ماں کے پیٹ میں ہمیں دل،

زبان، آنکھ، کان، ناک سب اعضاء بے مانگے دیئے، ایک فلسفی کہتا ہے کہ ”انسان کے بدن کے اندر چار ہزار حکمتیں پوشیدہ ہیں“ بعد کو نہ معلوم کتنی اور حکمتوں کا انکشاف ہو۔

قرآن کریم اللہ کی نعمت عظمیٰ ہے

ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن شریف ہے جو امت محمدیہ کو دی گئی ہے، قرآن سے پہلے جتنی کتابیں اتاری گئیں کسی میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ایسی کتاب لے کر آؤ، قرآن میں تمام دنیا کو چیلنج دیا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہو تو ایسا کلام بنا کر لاؤ۔ فرمایا گیا کہ ”اعلان کر دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام عرب کے سامنے، اہل مکہ کے سامنے کہ اگر تمام جنات، تمام انسان جمع ہو کر یہ کوشش کریں کہ ایسا کلام بنا کر لائیں جیسا قرآن ہے تو نہیں بنا سکیں گے“ کتنا زوردار کلام ہے، مشرکین عرب کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے کیلئے یہی کافی تھا کہ وہ ایسا کلام بنا لاتے۔ وہ اہل زبان تھے، خاص کر مکے والے بڑے فصیح و بلیغ تھے، ان کی ایک ادبی انجمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے قائم ہو چکی تھی۔ ہر قوم کے شعراء، ادباء اور بلغاء جمع ہوتے تھے اور اپنے اپنے قصیدے مجمعوں میں پیش کرتے تھے جس کا قصیدہ اچھا ہوتا تھا اس کا قصیدہ خانہ کعبہ پر لٹکا دیا جاتا تھا، اس شاعر کا سال بھر تک چرچا ہوتا، سبعہ معلقات جو آپ کے درس میں داخل ہے اس میں سات قصیدے اسی قسم کے درج کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے سامنے قرآن پیش فرماتے ہیں، پہلے کہا گیا کہ پورا قرآن اس جیسا بنا لاؤ، اس کے بعد فرمایا کہ اچھا دس سورتیں اس جیسی بنا لاؤ، اس کے بعد ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا، بڑی سورت نہیں فرمایا گیا سورہ کوثر جیسی ہی کوئی چھوٹی سی سورت لے آتے۔ بعضوں نے بنایا بھی مگر ایسا ناقص کہ خود ان کے آدمیوں نے اس پر نفرتیں کیں، مرتے مر گئے، شکستوں پر شکستیں کھائیں، مثلاً غزوۂ خندق میں بارہ ہزار آدمیوں کو جو جنگ جو تھے ہر قبیلے کے افراد ان میں تھے اس دعوے کے ساتھ چڑھا لائے کہ ہم مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، ستائیس اٹھائیس روز مدینے کا محاصرہ کئے پڑے رہے اور ایڑی سے چوٹی

تک کا زور لگالیا مگر نا کامی پر نا کامی ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج (جماعت) چار ہزار تھی اوران کی بارہ ہزار، کفار پورا سامان لے کر آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دربار الٰہی میں دعا فرمائی، فروری کا مہینہ تھا، چلے کے جاڑے پڑ رہے تھے، بڑے زور سے آندھی آئی، آندھی نے دشمنوں کے تمام خیموں کو اکھاڑ دیا، دیگوں میں کنکریاں پڑ گئیں، آگ نے اڑ کر خیموں کو جلادیا، ان کی تمام چیزیں برباد ہو گئیں، اب کیا کریں؟ دشمن کہنے لگے کہ بھاگو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا پر جادو کر دیا آندھی چلوادی۔

کس قدر خرچہ ان پر پڑا ہوگا؟ بارہ ہزار آدمیوں کو ستائیس دن تک کھانا کھلایا، مجبور ہو کر وہاں سے لوٹے، منہ کی کھائی، اس قدر پسپا ہوئے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار کی ایسی کمر ٹوٹی ہے کہ وہ مدینے پر چڑھائی کا آئندہ نام تک نہیں لیں گے (یہ سب باتیں کفار نے برداشت کیں لیکن قرآن کا جواب ایک چھوٹی سورت کے برابر بھی نہ لا سکے)۔

صفات باری تعالیٰ بے مثل ہیں

جناب باری تعالیٰ کی ذات جیسے بے نظیر و بے مثل ہے اس کی صفات بھی ایسی ہی بے نظیر و بے مثل ہیں، لہٰذا اس کا کلام بھی بے نظیر و بے مثل ہونا چاہئے، عصائے موسیٰ، ید بیضاء، ناقۂ صالح، حضرت عیسیٰ کا نابیناؤں کو بینا کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب اعلیٰ درجے کے معجزے ہیں مگر حادث ہیں قرآن خدا کی صفت ہے، صفات کے بغیر کوئی فعل صادر نہیں ہوسکتا، اگر کسی کے اندر صفت سخاوت ہے تو وہ کرم کرے گا اور اگر سخاوت کی صفت نہیں ہے تو ہرگز خرچ نہیں کرے گا، اسی طرح اگر شجاعت کی صفت ہے میدان جنگ میں آئے گا، ہاتھ چلے گا اگر شجاعت کی صفت نہیں ہے تو میدان میں نہیں آئے گا، غرضیکہ صفت اصلی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی، کسی پیغمبر کو یہ نعمت عطا نہیں کی گئی، مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک تو بادشاہ اپنے خزانے میں سے کسی کو جواہرات دے دے اور کسی کے ساتھ یہ سلوک کرے کہ اس کو اپنا ہاتھ دیدے (دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے)

حافظ قرآن کی عظمت

آج ہماری مساجد خالی پڑی ہیں، مدارس عربیہ جو ہیں ان کے اندر امیروں کی اولاد نہیں پڑھتی، غریب اپنی اولاد کو لاتا ہے امیر اپنی اولاد کو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو مدرسہ عربی میں داخل کردو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا لڑکا یہاں پڑھ کر کیا کرے گا؟ زیادہ سے زیادہ کسی مسجد میں مؤذن یا امام ہوجائے گا، حالانکہ مؤذن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی گردنیں قیامت میں سب سے اونچی ہوں گی ۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

تم بھی پھٹے پرانے کپڑے والے طالب علم کو حقارت سے نہ دیکھو، جو لڑکا قرآن حفظ کئے ہوئے ہے اور قرآن پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا اقرأ وارتق ورتل الخ میرے بندے قرآن پڑھتا جا اور جنت کی سیڑھیوں پر چڑھتا جا جہاں قرآن ختم ہوگا وہاں تیری محل سرا بنے گی۔ تم نے اپنے بچوں کیلئے جنت کا کوئی انتظام نہیں کیا، اللہ تعالیٰ حافظ قرآن سے فرمائے گا کہ اپنے کنبے کے دس آدمیوں کی سفارش کر، وہ کنبے کے دس ایسے آدمیوں کو جن کیلئے جہنم واجب ہوچکی تھی دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جائے گا۔

خدا کا ہم پر احسان

میرے بزرگو! خدا کا یہ فضل ہمارے اوپر ایسا ہے جو اوروں پر نہیں ہوا کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف دیا گیا، آقا سے غلام کی عزت ہوتی ہے اگر آقا بڑا ہے تو غلام بھی بڑا ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم کو تمام پیغمبروں کے سردار خاتم النبیین کی غلامی کا شرف دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہم پیدا کئے گئے، ہمارا کوئی احسان اللہ ورسول پر نہیں، اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی   منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

اسی کا احسان ہے کہ ہم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا، اسی کا احسان

ہے کہ ہم مسلمان ماں باپ سے مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے (ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ) ہم نہ تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور نہ اس کا شکرادا کرتے ہیں، خدا کا فضل ہے کہ ہم کو ہلکی شکر گذاری کا حکم کیا گیا، صبح کو، شام کو، رات کو، دن کو، کسی وقت تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کیا کیا انعام ہے؟ ذکر نعمت بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لئن شکرتم الایة" یہاں بے قید فرمایا گیا کہ تم شکر یہ ادا کرو گے، یعنی اگر کسی درجے میں بھی شکر کرو گے تو میں ضرور بالضرور اپنی نعمتوں کو زیادہ کرتا رہوں گا، آپ کو زیادہ دعا مانگنے اور وظیفہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو کہ اس میں سب کچھ ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم کفران نعمت کرو گے تو جان لو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

قرآن کریم خدا کا بڑا انعام ہے

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ہم کو بڑے بڑے انعام دیئے ہیں ان میں سب سے بڑا انعام قرآن ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ہمیں یہ انعام ملا ہے اس کی قدر کیجئے، بعضے بیوقوف کہتے ہیں کہ "بے معنی قرآن پڑھنا فضول وقت ضائع کرنا ہے" یہ غلط بات ہے، بے سمجھی کی بات ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کے ہر ہر حرف پر اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں دے گا، پھر فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّ میں دس نیکیاں ملیں گی، بلکہ الف پر دس، لام پر دس، اور میم پر دس، مجموعے میں تیس نیکیاں ملیں گی۔ الٓمّ کے معنی صحیح طور پر کوئی نہیں بتلا سکتا، بڑے بڑے مفسرین الٓمّ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ اعلم بمرادہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ معنی جانے یا نہ جانے تلاوت قرآن سے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی، اگر اس کے ساتھ معنی بھی سمجھے تو بہت ہی اچھا ہے جیسا کہ اب آپ کے یہاں مرادآباد میں انتظام ہے، بہت سے شہر اس ترجمۂ قرآن سے محروم ہیں، مرادآباد کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا عبدالحق مدنی یہاں موجود ہیں، انہوں نے مدت ہوئی کراچی چھوڑ کر یہاں کا قیام اختیار کیا اور جب سے آئے ہیں خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو بار بار قرآن کا

ترجمہ سناتے ہیں، یہ بھی خدا کا انعام ہے۔ان کو خود مدینے والے طلب کرتے ہیں، مدرسہ شرعیہ (مدینہ منورہ) اس بات کا طالب ہے کہ یہ وہاں پڑھائیں، لیکن آپ کی محبت وخیر خواہی کا جذبہ ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں، مدینے میں ان کا گھر بھی موجود ہے، وہاں اہل شہر عام طور پر ان سے واقف ہیں، یہ مدینے میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اللہ کا فضل ہے کہ دینی وتعلیمی خدمت کے واسطے اس نے ان کو یہاں بھیج دیا۔ ؎

غنیمت جان لے مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

عظمت قرآن کریم

میرے بھائیو! دین کو حاصل کیجئے، قرآن کو حاصل کیجئے، قرآن بڑی دولت ہے، اس کے پڑھنے میں، تلاوت کرنے میں، حفظ کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس سینے میں قرآن ہوگا اس کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔حدیث میں قرآن کی سورتوں کے فضائل آئے ہیں (مثلاً) سورۂ ملک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے، سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمایا گیا ہے۔قرآن عظیم الشان نعمت ہے، اس کی قدر کیجئے خصوصاً رمضان کے اندر، رمضان کو قرآن سے بڑی نسبت ہے، اسی مہینے میں قرآن اتارا گیا اور اسی مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے ایک مرتبہ اس کا دور فرمایا کرتے تھے، عمر کے آخری سال میں دو مرتبہ دور فرمایا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے اندر دن اور رات میں دو قرآن ختم کرتے تھے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل اللہ سے ایسا ہی منقول ہے، قرآن کے معنی سمجھ میں آئیں فبہا اگر سمجھ میں نہ آئیں تب بھی تلاوت کیجئے، یہ قرآن شریف قیامت میں کام آنے والا ہے۔

(ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)

فضائل حفظ قرآن مجید

میرے محترم! قرآن مجید ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں، اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس عالم ظاہری میں اس طرح لکھی ہوئی موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کلام قدیم کو ان الفاظ اور عبارات کے لباس میں ظاہر فرمایا ہے۔ اس سے پہلے پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کی کتابیں اتاری گئیں مگر وہ کلام خداوندی نہیں تھیں اور یہ کلام اور کتاب دونوں ہے، یہ حصہ فقط ہمارے آقا حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا، اسی وجہ سے اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی خود اللہ تعالیٰ ہوا: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، جیسے دنیاوی بادشاہ اپنے خاص ملازموں اور خاص خاص سپاہیوں سے کام لیتا ہے اور پھر اس کو اپنا کام بتاتا ہے، کہتا ہے، ہم نے فلاں ملک فتح کیا، ہم نے فلاں قلعہ بنوایا، ہم نے فلاں دشمن کو شکست دی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے ملازمین خاص کے ذریعہ سے اس قرآن کی حفاظت کراتا ہے اور ان کی حفاظت کو اپنا فعل قرار دیتا ہے، اس سے آپ حافظان قرآن کی خصوصیت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی کا اندازہ کرسکیں گے، فرمایا: وانا له لحافظون، دوسری جگہ ہے: ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا الآية، پھر اپنی کتاب کا وارث ہم نے ان لوگوں کو کیا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چھانٹ لیا تھا۔

میرے محترم بھائی! کیا یہ نعمت کوئی کم ہے جو کہ ازل سے آپ کیلئے مقرر کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور مصطفیٰ لوگوں میں آپ کا شمار ہو، اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کا آپ کا سینہ خزانہ بنے، اس کے بنائے ہوئے الفاظ اور حروف آپ کی زبان پر جاری ہوں، خداوند کریم رب العالمین کے ملازمین خاص میں آپ کو جگہ ملے، بتائیے کیا اس کے برابر تمام دنیا اور اس کی نعمتیں ہوسکتی ہیں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ حافظ قرآن جس

نے اس کو بخوبی یاد کیا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا اس کی شفاعت اس کے خاندان کے ایسے دس آدمیوں کیلئے منظور کی جائے گی جو کہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخی ہو چکے ہوں گے، اس کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حافظ قرآن کو جنت کے نیچے کے دروازہ پر کھڑا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں قرآن پڑھا کرتا تھا اسی طرح قرآن پڑھتا ہوا جنت کی سیڑھیوں پر چڑھ جہاں تیرا قرآن ختم ہوگا وہاں تیری منزل جنت میں ہوگی۔ ذرا غور فرمایئے کہ دونوں بشارتیں جو کہ نہایت قوی حدیثوں سے ثابت ہیں ان کے سامنے دنیا کی بادشاہت اور دنیا کی کسی نعمت کی کوئی قدر شمار کی جاسکتی ہے؟ اسی واسطے ارشاد ہے:

ولقد اتینـاک سبعا من المثانی والقرآن العظیم لا تمدن عینیک الیٰ مامتعنابه ازواجا منهم الآیة ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا، مت اٹھا اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کے کئی طرح کے لوگوں کو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو پھر کسی کی اور نعمت کو دیکھ کر جو ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔

احادیث صحیحہ اور آثار نیز دلالات قرآنیہ اس نعمت کی بڑائی اور بزرگی میں بے شمار ہیں، نہ ان سب کا پیش کرنا مقصود ہے اور نہ اس کا موقعہ ہے، مگر جو امور میں پیش کر چکا ہوں یہ میرے مقصد کیلئے کافی ہیں، ان سے چند نتائج نکلتے ہیں:

(۱) اس عظیم الشان مقصد کیلئے جو کچھ بھی قربانی کی جائے وہ تھوڑی ہے، خواہ وقت کی ہو، خواہ عمر کی ہو، خواہ مال کی ہو، خواہ راحت وآرام کی ہو، خواہ دنیاوی عزت وجاہ کی ہو۔

(۲) قرآن مجید کے یاد کرنے اور اس کے بار بار تلاوت کرنے میں پوری جد وجہد کرنی چاہئے اور حتی الوسع کوشش ہونی چاہیے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے تھے اس طرح پڑھا جائے یعنی تجوید بھی ہو، ترتیل بھی ہو، معانی کا دھیان بھی، حضور قلب

بھی ہو، مقدار تلاوت کی زیادتی بھی ہو، مداومت بھی ہو۔

(۳) قرآن کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کتاب کی حفاظت کیلئے یاد کرنا اور پڑھنا ہو، دنیا حاصل کرنے کیلئے نہ ہو، اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھایا جائے، نفس کی خرابیوں اور کثافتوں کو دور کیا جائے، اس کو آلۂ حطام دنیا (دنیا کا ایندھن) نہ بنایا جائے جیسا کہ بہت سے بیوقوف حفاظ آج عمل کر رہے ہیں۔

(۴) اس نعمت کو تمام دنیا اور آخرت کی نعمت سے بالاتر سمجھا جائے، اور اس کی قدر و منزلت کی جائے، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا جائے، اور اگر دنیاوی مشکلات پیش آئیں تو صبر کیا جائے، اور ایسے کلمات اور اعمال ہرگز نہ کئے جائیں جن سے اس نعمت کی بے قدری اور دوسری نعمتوں کی بالخصوص دنیاوی اور مالی نعمتوں کی عزت سمجھ میں آئے۔

(۵) اگر کسی شخص کو اشرفیوں یا ہیرے، جواہرات، موتیوں کی بڑی تھیلی مل جائے تو وہ کوڑیوں، پیسوں، روپیوں کی تھیلیوں بلکہ ڈھیر کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتا، ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا یا ان کی طرف راغب ہونا تو درکنار، اسی طرح جس کو اتنی بڑی عظیم الشان نعمت مل جائے حطام دنیا، مال، عزت، گھربار، باغ، زمین وغیرہ کی طرف اس کا توجہ کرنا اور ان چیزوں میں سرگرداں رہنا اور دل و دماغ میں اس کو بسانا وغیرہ درست نہ ہوگا۔ ہاں عقل اور سمجھ سے خالی ہو جاوے اور بالکل بچوں کی طرح بے سمجھ اور بے عقل ہو جائے جو کہ ریوڑی کے ڈھیر پر اشرفیوں اور روپیوں کو قربان کر دیتے ہیں تو البتہ اس سے یہ فعل سرزد ہوگا اور اس کی انتہائی بے عقلی اور جہالت اور کفران نعمت میں سے شمار کیا جائیگا۔

(۶) اگر کسی شخص کو شہنشاہ زماں نے پسند کر کے اپنے خصوصی غلاموں اور خادموں میں جگہ دے دی تو وہ شخص ماوشما تو درکنار بڑے بڑے نوابوں، راجاؤں اور وزیروں تک کو خیال میں نہیں لاتا ہے بلکہ سب اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور وہ اپنی عزت اور مرتبہ سب سے اونچا (سمجھتا) ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ازل سے چن کر اپنے کلام قدیم کا محافظ بنایا اور اپنے خاص

مصطفیٰ بندوں میں اس کو جگہ دی حیف بلکہ صد حیف ہوگا اگر اس نے اہل دنیا اور اہل ثروت کو اپنے سے بالاتر سمجھ کر ان کی ثروت اور دنیا کی خواہش اور طمع کی اور اس میں اپنی عزت اور وقعت سمجھی۔

میرے محترم! مذکورہ بالا مقدمات اور نتائج پر غور کیجئے اور اگر میں غلط کہتا ہوں تو مجھ کو بتلایئے، یقیناً آپ کو خوش وخرم رہنا چاہئے اور ہمیشہ شکر کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نوازا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ اس دنیا میں کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، رہنا، سہنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے نہ دین کا کام ہوسکتا ہے نہ دنیا کا، پھر اگر ہم قرآن اور دین کی خدمت ہی میں لگے رہیں اور ان ضروریات زندگی کا سامان نہ کریں جو کہ بغیر پریشانی اور جدوجہد حاصل نہیں ہوتیں تو کس طرح کام چل سکتا ہے؟

میرے محترم! میں طلب رزق میں کوشش کرنے کو منع نہیں کرتا، میں دنیا اور اس کی عزت کو آپ کے قلب اور دماغ میں جگہ دینے، اور اس میں قلب اور دماغ کو پریشان رکھنے، اور اپنی حاصل کردہ نعمت کو حقیر بلکہ لایعنی سمجھنے، اور اہل ثروت کی نعمتوں کو عزیز ترین سمجھنے، اور اس کیلئے سرگرداں ہونے کو منع کرتا ہوں۔ جس طرح مکان میں پاخانہ ضروری ہے اس میں روزانہ تھوڑا وقت صرف کرنا ضروری ہے، جو مکان اس سے خالی ہو وہ مکان ناقص ترین مکان سمجھا جاتا ہے، جس شخص کو روزانہ کچھ وقت بھی پاخانہ میں صرف کرنے کی حاجت نہ ہو تو وہ بیمار شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح دنیاوی جدوجہد اور اس کے ذرائع واسباب ہیں، بقدر ضرورت ان میں وقت خرچ کیجئے اور دل ودماغ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور کلام میں لگایئے۔

ذرا غور کیجئے اور اپنی معیشت موجودہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کا مقابلہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہننے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سازوسامان کو۔ مجھ کو یقین کامل ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان دنیاوی ضروریات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدرجہا افادیت میں پائیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عمر بالخصوص زمانۂ رسالت میں جو کی روٹی بھی ایک وقت پیٹ بھر کر نہیں ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر فاقوں پر فاقے کرنے پڑتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دو دو مہینے کامل آگ نہیں جلتی تھی، گیہوں کے آٹے کی روٹی تو درکنار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان بلکہ سب حجرے کچی اینٹوں کی دیوار والے تھے، چھت پر صرف کھجور کے پتے رکھے ہوئے تھے، پانی برستا تھا تو اندر آتا تھا، چھت اتنی اونچی تھی کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مراہق (قریب البلوغ) تھا آنحضرت علیہ السلام کے حجروں میں جب جاتا تھا تو میرے سر سے اس کی چھت لگتی تھی، بستر موٹے ٹاٹ یا چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے جالے بھرے ہوئے تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کا مکان، آپ کا کھانا پینا وغیرہ اسی قسم کی تنگی رکھتا ہے یا اس سے زیادہ پیمانہ پر ہے۔ صحابہؓ اور اصحاب صفہؓ کی تنگی معیشت کا یہاں تذکرہ ہی نہیں کیا جا سکتا، جن میں بعض بعض کو بھوک کی وجہ سے غشی پر غشی آتی تھی اور ممبر شریف سے محراب شریف تک چلنے میں گرتے پڑتے تھے جس طرح مرگی والا گرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث ہیں ان کا یہ حال تھا: اگر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے اولیاء اللہ اماموں کے احوال ذکر کروں تو بہت بڑا دفتر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو دنیاوی تنگی میں مبتلا کیا جاتا ہے یہ خوشی کی بات ہے دل تنگی اور رنج کی نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل** سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں پھر درجہ بدرجہ ان کے مثلوں اور تابعداروں پر آتی ہیں۔ اگر کوئی شخص دیندار ہے اور پھر دنیاوی تنگیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے تو اس کیلئے خوشخبری ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے حصہ دار ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو دنیاوی تکالیف میں ڈالتا ہے اور اس کے ذریعہ سے ان کے ذنوب اور گناہوں کو دور کرتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من یرد اللہ بہ خیرا یصیب منہ** اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو مصائب میں مبتلا فرماتا ہے۔

آپ فرمائیں گے پھر ماں باپ کا کیا کروں؟ وہ اس عیش اور زندگی پر قانع نہیں ہوتے، وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو میں ان کو کما کر لا لا کر دوں۔ تو میرے محترم یہ ان کی نادانی ہے اور حقیقی کامیابی اولاد کی اور اپنی نہیں سمجھتے، آپ کے حفظ قرآن اور دیندار ہونے سے ان کی آخرت کی زندگی جس کی کوئی حد اور مدت نہیں ہے یقیناً سنور گئی، ان کو اس پر انتہائی خوش رہنا چاہئے اور موٹے جھوٹے رزق پر قناعت کرنی چاہئے، افسوس ہے کہ وہ نہیں سمجھتے۔ آپ کو ان کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے اور ان کو خوش رکھنا چاہئے اور اپنے متوسط درجہ کے طلب رزق سے ان کی خدمت کرتے رہنا چاہئے، خدا کو ناراض کر کے ماں باپ کو راضی کرنے کا حکم نہیں ہے، کیا آپ کیلئے جائز ہوگا کہ چوری، ڈکیتی یا حرام طریقہ پر مال حاصل کر کے ماں باپ کو خوش کریں؟

بہرحال آپ حفظ قرآن اور استقامت علی الدین میں کوشاں رہیں اور بڑی مستعدی سے کوشاں رہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی نعمت سمجھیں اور حطام دنیا کی کمی پر دل تنگ نہ ہوں، معاش کے واسطے ممکن اور جائز درجہ تک ظاہری جدوجہد بھی جاری رکھیں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، ماں باپ کا دل کبھی نہ دکھائیں، وہ برا کہیں، گالیاں دیں، ماریں، پیٹیں تو آپ مردانہ وار صبر کریں، مقابلہ ہرگز نہ کریں۔ آپ کی جو مشکلات معاشیہ ہیں خواہ مکان کے متعلق ہوں یا خورد ونوش وغیرہ کے حسب بیان بالا ان میں آپ کو صبر وشکر، قناعت وتحمل سے کام لینا چاہئے، قلب ودماغ کو ان میں پریشان نہ کرنا چاہئے، دن ورات اسی دھن اور فکر میں نہ رہنا چاہئے، توسط اور تقویٰ کے ساتھ عملی کارروائی کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل چاہئے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ الآیۃ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا اس کیلئے اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ کردے گا، اور ایسی جگہ اور طریقہ سے رزق پہنچائے گا کہ جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہ تھا اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہوگا۔ صلوٰۃ الحاجہ پر بلا ناغہ مداومت کیجئے، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ مشکلات حل ہوتی جائیں گی۔ ۸ رجب ۱۳۶۳ھ (مکتوبات ص ۲۷ ج ۴)

دینی مدارس اوران کا نصاب تعلیم

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا دینی مدارس کے نصاب تعلیم اور طریق تدریس اور ضرورت دینی مدارس کے متعلق ایک مضمون ماہنامہ ''تذکرہ'' میں شائع ہوا تھا جس کو دینی مدارس کی توجہ کیلئے ماہنامہ ''الارشاد'' کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے (مرتب)

مولانا عبدالحمید فراہی سے میری ملاقات کلکتہ میں ہوئی، میں آسام سے آرہا تھا اور وہ برما سے آرہے تھے، آپ مدرسہ سرائے میر کے ناظم تھے، میں نے ان سے پوچھا! سنا ہے کہ آپ نے مدرسہ سے انگریزی نکال دی فقط عربی رکھی؟ تو مولانا نے جواب دیا: انگریزی رکھی جاتی ہے تو غالب آجاتی ہے عربی پر، طلبہ کے دماغ سے عربی تو نکل جاتی ہے اور انگریزی اس کی جگہ لے لیتی ہے، میں نے تجربہ کر کے دیکھا ہے اس لئے انگریزی کو نکال دیا۔

میرے بزرگو! جن جگہوں میں دین اور دنیا کو جمع کیا گیا ہے جہاں دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کو بھی رکھا گیا ہے وہاں انسانوں کی رغبت دنیا کی طرف ہوگئی، طبعی طور پر انسان دنیا کی طرف راغب ہوجاتا ہے، بڑی مشکل سے دین کی طرف رغبت ہوتی ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں پیغمبروں کے نام لینے والے کم ہیں لوگ دنیا میں غلطاں بہت ہیں۔ جس زبان سے پیٹ، روپے، پیسے کی آمدنی زیادہ ہو اس کی طرف لوگ زیادہ جھکیں گے اور اس کے حصول کیلئے کوشش کریں گے، جس چیز کے اندر ایسے فوائد (ظاہری) نہ ہوں اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی، اگرچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کیلئے فائدے دین میں ہیں، مگر انسان اس طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ دین کے فائدے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں، یہی انسان کی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ ظاہر کی طرف بہت جلد متوجہ ہوجاتا ہے۔ ہم کو دنیا کے واسطے مدرسے قائم کرنے، اسکول قائم کرنے اور کالجوں کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں اور خاص کر مسلمانوں

کی طرف سے اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حکومت وقت کی طرف سے اس کیلئے کام کیا جارہا ہے، اس کے باوجود ایسے مدرسوں یا کالجوں وغیرہ کے قیام کی طرف مسلمانوں کی توجہ بہت زیادہ ہے، مگر دینی علوم کیلئے مدارس کے قیام کی طرف ان کی توجہ نہیں، انہماک نہیں۔ دنیا کے علوم کیلئے کتنی کوششیں کی جاتی ہیں مگر یہ بتایئے کہ روحانیت کے واسطے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے عمل کے واسطے دنیا کی تعلیم دینے والے اسکولوں کے مقابلہ میں کتنے مدرسے ہیں؟ ان کی تعداد مقابلۃً کتنی ہے؟ اور مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ان کی تعداد اور ان میں کتنی دلچسپی ہے؟ دنیا کی تعلیم دینے والے اسکولوں کیلئے تو ہر قسم کی آسانیاں ہیں، وہاں فیس بھی دینی پڑتی ہے، داخلہ کی فیس علیحدہ، اگر قیام گاہ ہو تو کمرہ کی فیس علیحدہ ہے، ہر سال کورس بدلا جاتا ہے، مصارف بہت ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان اسکولوں اور کالجوں میں ہجوم رہتا ہے پڑھنے والوں کا، ان کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دینی مدارس ان کے مقابلے میں تعداد کے لحاظ سے بھی کم ہیں اور ان میں پڑھنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے، دنیا کے اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کی تعداد کے مقابلہ میں دینی مدارس میں پڑھنے والوں کی تعداد صفر ہوتی ہے، اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ کیا حالت ہے لوگوں کی؟ دین کی طرف ان کی توجہ کتنی کم ہے؟

بزرگو! کیا ہم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بالکل پس پشت ڈال دینا چاہئے، یہ فیصلہ ہمیں کرلینا چاہئے، اس پر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے لئے کونسا کام بہت ضروری ہے؟

بھائیو! ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ دین اسلام کو پھیلانے کیلئے کوشش کریں، یہ کام وہ ہے جو بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتوں میں سے یہ وصیت ہے ہم کو کہ "دین کو ہر طرف پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں بہت تاکید فرمائی ہے اور قرآن بھی بہت تاکید کرتا ہے۔

قرآن پاک عرب سے نکل کر جو پھیل گیا وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل تھا، ورنہ کیا ان کو جنون تھا (نعوذ باللہ) کہ عرب سے باہر نکلتے؟ گھر

سے باہر نکلنا تو ہر حال میں تکلیف کا باعث ہوتا ہے، مگر صحابہ کرامؓ نے اس کام کو فرض جان کر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک سال کے اندر صحابہ کرامؓ کی فوجیں نکلیں، ان کا مقصد ملکوں اور قوموں پر قبضہ کرنا نہیں تھا، بلکہ قرآن کو اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لائحۂ عمل کو انسانوں تک پہنچانا اور پھیلا دینا تھا، دنیا کمانا اور دوسروں کو محکوم بنا کر خود ان پر مسلط ہو جانا صحابہ کرامؓ کا مقصد کبھی نہیں رہا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فوج کے سردار اور سالار افواج تھے آپ ملک شام میں اسلامی افواج کے ساتھ تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے خیمے میں گئے تلاشی لی دیکھا تو کیا پایا؟ ایک لوٹا تھا ایک مسواک اور ایک تھیلا، اس میں ہاتھ ڈالا تو سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے ابوعبیدہ کیا جمع کر رکھا ہے؟ سالار افواج نے جواب دیا میں ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اس لئے سحری کیلئے یہ روٹی رکھی ہے۔

ایک اور صحابی گورنر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت گئی کہ وہ ہفتہ میں دو دن اجلاس نہیں کرتے ایک تو منگل کا دن ہے اور دوسرا دن جمعہ کا، حضرت عمرؓ نے ان گورنر صحابی کو بلا کر پوچھا تمہارے خلاف یہ شکایت ہے اس سلسلہ میں تمہارا کیا جواب ہے؟ گورنر نے کہا منگل کے دن میں کپڑے دھو لیتا ہوں ان کے سوکھنے پر پہن کر باہر جاتا ہوں، کیونکہ میرے پاس صرف ایک ہی جوڑا ہے، دھو کر ڈال دینے کے بعد کپڑا نہیں رہتا اس لئے باہر نہیں نکلتا جمعہ کے روز غسل کرتا ہوں اور جمعہ کی تیاری کرنی پڑتی ہے، یہ عذر تھا ان شکایتوں کا کہ گورنر ہفتہ میں دو دن اجلاس نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے یہ ہے صحابہ کرامؓ کی زندگی! جنہوں نے ممالک فتح کئے، مگر دولت کیلئے نہیں، دنیا کیلئے نہیں، صرف قرآن کو پھیلانے کیلئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے دین اسلام کو پھیلانے کیلئے۔ رومیوں نے شام کا رخ کیا تھا تو وہاں لوٹ مار مچی تھی، ان کے حملے دولت کیلئے ہوتے تھے، اسلام اس واسطے باہر نہیں نکلا تھا، صحابہ کرامؓ اپنا فریضہ ادا کرنے کیلئے نکلے تھے، بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانے کیلئے نکلے تھے، وہ اس لئے نکلے

تھے کہ اللہ کی جنت میں لوگوں کو داخل کرایا جائے، اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب کرایا جائے۔

دنیا کی تعلیم

آج ہمارے تعلیم یافتہ حضرات کو دیکھئے ان کے پاس کس قسم کی طاقت ہے؟ نہیں، کسی قسم کی طاقت نہیں، پھر بھی وہ جمے ہوئے ہیں دنیا کی طرف، ہائے پیٹ ہائے پیٹ کا ذکر ہوتا ہے، اوران کی ساری مساعی اس پیٹ کیلئے ہوتی ہے، دنیا کا ذکر ہوتا ہے مگر اللہ کا ذکر نہیں، دین کیلئے توجہ نہیں ہوتی۔ یہ میں ظاہری حیثیت سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو اتارا ہے، ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، مگر آپ ظاہری حیثیت سے کہئے، آپ تعلیم کیلئے اوپر تلے ہوجاتے ہیں اور یہ تعلیم پیٹ کیلئے ہوتی ہے روح کیلئے نہیں ہوتی۔ اگر کوئی دین کا کام کرتا ہے اور دین کے علم کیلئے سعی کرتا ہے تو اس پر دنیا کو مسلط کردیتے ہیں، دنیا غالب کردیتے ہیں، آپ غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ آپ اس لئے کرتے ہیں کہ دنیا آپ کے روبرو ہے، دنیا کے علم کا فائدہ آپ کو نظر آجاتا ہے، مگر دین کے علوم کے فوائد نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں، اس لئے ہماری توجہ ان کی طرف نہیں جاتی۔

میرے بزرگو! جب تک ہم زندہ ہیں تب تک ہمارے لئے اپنے دین اور اپنے ایمان کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور دوسروں کو بھی اسلام کی طرف متوجہ کرنا چاہئے یہ ضروری ہے اور بہت ضروری ہے، اس علم کو دوسروں تک پہنچانا بے انتہاء ضروری ہے، یہی حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، حکم ہوتا ہے ''اے رسول پہنچاؤ لوگوں کو وہ چیزیں جو تمہارے اوپر اتاری گئیں، اگر تم نے تبلیغ نہ کی تو تم نے رسالت کا کام انجام نہیں دیا''۔

اللہ سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر عشق ہے اس کی پوری تعریف نہیں کی جاسکتی، آپ فرماتے ہیں اگر میرے دل میں کسی قسم کی گنجائش ہوتی تو ابوبکرؓ کو اپنا خلیل اور حبیب بناتا، میرے دل میں سوائے خدا کے کسی کی گنجائش نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر تعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے امت میں سے کسی سے نہیں، باوجود اس کے آپ کے دل

میں جگہ نہیں تھی ابوبکرؓ کیلئے، کیونکہ آپ کے دل میں اللہ کا عشق تھا۔ اللہ سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عشق ہے، بس اسی لئے اللہ کے حکم کی تعمیل میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے، انہیں سمجھاتے تھے، اس کام میں تنگی پیش آتی تھی، آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی مگر حکم تھا اس لئے یہ کام کرتے تھے۔ فرماتے ہیں میرے دل میں انقباض ہو جاتا ہے تو سو (۱۰۰) مرتبہ استغفار کرتا ہوں، محبوب کی طرف توجہ نہ ہو تو شاق ہوتا تھا، اس لئے کہ اللہ کی محبت سے دل بھرا ہوا ہوتا تھا، عاشق کو اپنے محبوب کی طرف توجہ سے راحت ہوتی ہے غیر کی طرف توجہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تمام عاشقوں کے سردار ہیں، آپ نے عشق کے تمام مراحل طے فرمائے ہیں، بیوی، بچوں سب کو چھوڑ کر دن، دو دن یا ہفتہ، دو ہفتہ نہیں، مہینہ مہینہ اللہ کی یاد میں رہے ہیں، ایک ایک مہینہ بعد گھر تشریف لاتے تھے گھر کی ضروریات پوری کر کے پھر چلے جاتے تھے، یکسوئی سے محبوب کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، سالہا سال تک آپ نے ایسا کیا۔ ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

دوسرے کاموں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں ہوتا تھا، مگر محبوب نے حکم دیا تھا "پہنچاؤ جو ہم نے اتارا تم پر دوسروں تک" تو محبوب کے حکم کی تعمیل فرمائی، یہ عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ عاشق معشوق کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

بزرگو! مسلمان اس لئے نکلے تھے اپنے گھروں سے، ہزاروں میل دور نکل گئے تھے اپنے گھروں سے، کس چیز نے انہیں اپنے گھروں سے نکالا؟ گھر کے آرام کو کس لئے ترک فرمایا؟ ہزاروں میل دور اس لئے اپنے گھروں سے نکل جاتے تھے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی وصیت فرمائی تھی، اللہ کے حکم کی تعمیل میں وہ ہزاروں میل دور نکل گئے تھے، ہندوستان میں بھی ہمارے بزرگ اسی جذبۂ عشق کے تحت آئے تھے، بڑے بڑے لوگوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اس ہندوستان میں، ایک انگریز لکھتا ہے "خواجہ معین الدین چشتی کے

ہاتھ پر نوے لاکھ (ہندو) مسلمان ہوئے'' خواجہ معین الدین چشتی کے پاس دولت نہیں تھی کہ جس کے ذریعہ آپ لالچ دے دے کر مسلمان بناتے، تاریخ اولیاء دیکھی جائے تو سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔ برصغیر میں اولیاء نے، علماء نے اسلام پھیلایا، بادشاہ تو لڑتے تھے آپس میں، وہ دنیا کی حکومت کیلئے آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف جنگیں کرتے تھے، ان کی لڑائیوں کا مقصد سلطنت کا حصول ہوتا تھا، مگر اسلام پھیلایا تو اولیاء اللہ نے یا علماء حق نے۔

اب آپ لوگوں سے عرض کرنا ہے کہ بھائی! آپ کیا ذخیرہ کر کے جا رہے ہیں؟ آپ آئندہ نسلوں کو مسلمان رکھنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے سعی کیجئے، صرف چاہنا کافی نہیں ہے، چاہنے کے نتیجہ میں اس کیلئے کام کرنا ہے، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہی بدعنوانیوں اور بے تدبیریوں کی وجہ سے دن بدن گرتی جا رہی ہے، وہ اپنے ہی دین کی رغبت نہیں رکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت سے بیزار ہیں، مادیت کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکوں کی صورت نہ بناؤ، داڑھیوں کو بڑھاؤ، مونچھوں کو کتراؤ، مگر آج ہمارا بھائی ہے کہ مادہ پرست بنتا جا رہا ہے، اس کے پاس دنیا کی ذرا سی چیز ہے تو مادہ پرست بن گیا، وہ چاہتا ہے کہ اس کی صورت لائیڈ جارج کی طرح ہو، وہ کسی ولی اللہ کی صورت بنانے کیلئے تیار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت ہے، قول سے نہیں تو عمل سے، اگر آپ کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو کیا اس کی صورت سے، چال چلن سے نفرت ہوتی ہے؟ پھر یہ کیا کر رہے ہو؟ سوچتے کیوں نہیں؟ سوچو، غور کرو اپنے اس چلن پر، اپنی اس روش پر۔ ہمارے بھائیوں میں مالدار تو بہت کم ہیں، مگر ان کے ہر کام میں وہ طور طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے جو حضرت کے دشمنوں کا تھا، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھائی داڑھی رکھو تو کہتے ہیں کہ کیا دین صرف داڑھی میں رکھا ہے، بھائی کسی کی ناک کاٹ لی جائے تو کیا صورت نہیں بگڑتی؟ اسلام کی صورت ہے، جیسے ناک کاٹنے سے صورت جاتی رہتی ہے اسی طرح داڑھی کاٹنے، مونڈنے سے (اسلام کی) صورت جاتی رہتی ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ آپ آنے والی نسلوں کیلئے کیا کر رہے ہیں؟ اپنے بچوں کو دینی

تعلیم دے دو، پہلے قرآن کی تعلیم دو، نماز کی تعلیم، عقائد کی تعلیم، اس کے بعد بچہ کو چاہے تجارت میں لگائیے، اسے انجینئر بنائیے، ڈاکٹر بنائیے، چاہے ملک کا وزیر اعظم بنا دیجئے یا کسی کام میں ماہر بنا دیجئے، مگر پہلے اس کے اندر دین ڈال دیجئے، دماغ میں دینی فکر کی روشنی پہنچا دیجئے۔

میرے بھائیو! جو بچے دینی تعلیم سے بے خبر ہوں گے اور ان کو بے دینی کی تعلیم دی جائے گی، وہ اس کے بعد اللہ رسول کو جانیں گے؟ اس کا جواب ان بچوں سے مل سکتا ہے جو سکولوں میں یہ تعلیم پا رہے ہیں، رات دن بے دین تعلیم کا کورس پڑھ پڑھ کر بچے میں دین کہاں رہے گا؟ سکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو دیکھئے وہ خواب بھی دیکھتے ہیں تو وہی دیکھتے ہیں۔

میرے بھائیو، بزرگو! سوچو، سمجھو اگر آپ نے اس سحر سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو بڑی آفت میں مبتلا ہو جائیں گے، آنے والا زمانہ تاریک ہے، کوشش کیجئے، اگر آپ نے دین سکھلا دیا پھر بچے کالج میں جائیں یا جہاں بھی جائیں ان کے پاس دین تو رہے گا، اسی واسطے علماء رات دن اسی فکر میں ہیں کہ دینی مدرسے ہر جگہ کھولے جائیں۔

بھائیو! میں آپ سے استدعاء کرتا ہوں کہ محلوں میں دین کی تعلیم کے مدرسے جاری کیجئے، متفق علیہ باتیں بتا دیجئے، متنازعہ فیہا مسائل کو نہ اٹھائیے، ہر بچہ میں دین کی جو چیز ضروری ہے وہ ڈال دیجئے، وہ بڑے ہو کر چاہے دوسری تعلیم حاصل کر لیں۔

میرے بھائیو! ہر جگہ خالص دینی مدارس کی ضرورت ہے تا کہ وہ قیامت اور آخرت کو پہچان سکیں، اس کے بعد وہ جو چاہیں سیکھیں، دین دل میں بٹھا دیجئے ان شاء اللہ وہ اس کی ہدایت پر چلتے رہیں گے اور ان کی دنیا بھی اچھی رہے گی اور آخرت بھی۔

تمام کو نیک توفیق عطا ہو، آمین الحمد للہ رب العالمین۔

(از چراغ محمد ص ۵۵۹ تا ص ۵۶۴)

دعاؤں کی قبولیت

دعا کی قبولیت کیلئے چند شرائط ہیں:

اول: یہ کہ انسان کا کھانا، پینا، پہننا وغیرہ سب حلال سے ہوں، ورنہ عمدہ سے عمدہ حالت میں بھی دعاء قبول نہیں ہوتی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''مسافر کی دعاء حالت سفر میں بھی بہت زیادہ قبول ہوتی ہے'' مگر اس کے ساتھ اگر مسافر حالت سفر میں ہو اور اس کا طعم وغیرہ حرام ہو تو کس طرح اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے؟

دوم: یہ کہ خلوص دل سے دعاء کی جاوے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ لایستجیب دعاء من قلب غافل لاہ اللہ تعالیٰ دعا کو غافل اور کھیلنے والے دل سے قبول نہیں کرتا۔

پھر اگر صرف زبانی ہی دعاء ہو اور دل دوسری طرف لگا ہو تو وہ دعاء کس طرح قبول ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعاء زیادہ تر قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ ستایا ہوا ہوتا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تو فرمایا: یا معاذ اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا و بین اللہ حجاب (اے معاذ مظلوم کی بددعا سے بچ کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا)

سوم: یہ کہ دعاء کی قبولیت کے بارے میں جلد بازی اور استعجال سے کام نہ لیا جائے، جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: یستجاب لا حدکم مالم یستعجل تم میں سے ہر ایک کیلئے قبولیت دعاء حاصل ہوتی ہے جب تک کہ استعجال نہ کرے اور کہنے لگے کہ میں نے یہ دعاء کی مگر قبول نہیں ہوئی،

چہارم: یہ کہ دعاء میں یقین اور عزم قوی سے کام لیا جائے اور پختہ یقین سے دل سے دعاء مانگی جائے اور ہمت قویہ اور ارادہ قلبیہ کو پورے زور سے اس طرف لگایا جائے، یعنی جس طرح بچہ ماں باپ سے مانگنے میں جب اڑ جاتا ہے اور پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا، ماں باپ ٹلانا چاہتے ہیں، یہ بہلانا چاہتے ہیں، مگر وہ نہیں مانتا اور تقاضوں پر تقاضے کرتا رہتا ہے، دوسری طرف نہیں دیکھتا،

پھر ماں باپ اس کی مراد پوری کر دیتے ہیں۔اسی طرح باری تعالیٰ سے پوری قوت قلبی اور ارادی عزم سے مانگا جائے، یہ نہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اگر تو مناسب سمجھتا ہو تو مجھ کو فلاں چیز دے دے اور بار بار پورے عزم اور جزم کے ساتھ مانگے تو ان شاء اللہ مراد میں کامیاب ہوگا۔

پنجم: یہ کہ اوقات قبولیت، امکنۂ قبولیت، احوال قبولیت کا لحاظ کیا جائے، اول کی مثال آخر شب وغیرہ کی دعاء ہے، دوسرے کی مثال مسجد حرام یا دیگر متبرک مقامات کی دعاء ہے، تیسرے کی مثال نماز کے بعد یا ذکر واستغفار کے بعد کی دعاء ہے۔

ششم: یہ کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے، اس کے بعد دعاء مانگی جائے اور پھر آخر میں بھی درود شریف پڑھا جائے اور دعاء بار بار کی جائے، آنحضرت علیہ السلام کم سے کم تین مرتبہ عموماً دعاء کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔

محترما! جناب باری عز اسمہ فرماتا ہے: وقال ربکم ادعونی استجب لکم تمہارے پالنے والا رب فرماتا ہے کہ تم مجھ کو پکارو اور حاجتیں مانگو میں قبول کروں گا۔دوسری جگہ ارشاد ہے: واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی الآیۃ (اور جب تجھ سے میرے بندے میری نسبت پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں، پکارنے اور مانگنے والوں کی دعاؤں کو جبکہ وہ مجھ کو پکاریں قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ مجھ سے قبولیت کی خواہش کریں اور مجھ پر یقین کریں) خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خلوص اور عزم قلبی کی دعائیں ضرور قبول فرماتا ہے یہ اس کا وعدہ ہے، وہ کریم وکارساز اپنے فضل وکرم سے اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے اگرچہ وہ مجبور نہیں مگر میرے محترم قبولیت کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

قبولیت دعاء کی چند صورتیں

(الف) بسا اوقات بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں باپ سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے وہ جلتے ہوئے چراغ کی طرف لپکتا ہے تاکہ ہاتھ میں پکڑے وہ انگارے کو پکڑنا چاہتا ہے وہ مٹھائی مانگتا ہے حالانکہ مریض ہے، مٹھائی اس کو نقصان دیتی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس بہت سی

چیزیں اس قسم کی ہیں، وہ کھیل کود چاہتا ہے وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا، ماں باپ سے اصرار کرتا ہے کہ مدرسہ اور مکتب میں نہ بھیجیں اس کو گلی ڈنڈا کھیلنے دیں، بداخلاق بچوں میں چھوڑ دیں وغیرہ وغیرہ کیا ان صورتوں میں سمجھدار و خیر خواہ ماں باپ کا یہی فریضہ ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح انسان مبتلائے نفس وشیطان، دنیاوی اور مادی خواہشات کا متوالا بسا اوقات ایسی چیزیں مانگتا ہے جس سے سراسر آخرت کا اور روحانیت کا خسارہ ہی خسارہ ہے، کیا اس میں ماں باپ سے زیادہ تر شفیق ورحیم، رؤف وکریم، حکیم وعلیم کا یہی منصب نہ ہوگا کہ وہ ہم کو ایسے زہر ہلاہل کا پیالہ ہرگز نہ پلائے، اگرچہ ہم اس کو شربت جان افزا سمجھ کر تقاضوں پر تقاضے ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

(ب) جس طرح بسا اوقات بچے اپنی نادانی سے ماں باپ سے ذلیل ریوڑی، گٹوں یا گڑ وغیرہ پر اصرار کرتے ہیں اور چونکہ ایسی کچی مٹھائی صحت کیلئے مضر ہے تو ماں باپ بچہ کی مانگ پر پکی مٹھائی گلاب جامن، برفی، بالوشاہی دیتے ہیں، مگر ریوڑی، گٹے کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے، اور یہی اعلیٰ درجہ کی محبت اور ماں باپ کی عقلمندی اور شفقت شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر رب العالمین عالم السر والخفایا سے جو چیز ہم اپنی نادانی سے مانگ رہے ہیں اور اس کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں، حالانکہ وہ ایسی نہیں ہے کہ دے اور روحانی نعمت دنیا میں یا آخرت میں کوئی نعمت ہماری مانگ اور دعاء پر مہیا فرمادے تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ دعاء قبول نہیں ہوئی اور مانگ خالی گئی؟ نہیں نہیں۔

(ج) اگر بچہ نے ماں باپ سے کسی چیز کا تقاضا کیا اور ماں باپ نے محبت سے اس کی طرف توجہ کر کے اس کو گود میں اٹھالیا، گرد اور دھول جھاڑی، بچہ کو نہلایا دھلایا، اس کو موذی جانوروں سے بچایا، اس کو دشمنوں سے بچایا، تو گو بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ ماں باپ نے میری استدعاء نہ مانی اور میری طرف توجہ نہ کی، مگر عقلمند جانتا ہے کہ یہ بچہ کے رونے اور مانگنے کا ہی اثر ہے کہ ماں باپ نے اس طرح اس کی طرف التفات کیا اور مضر چیزوں یا جانوروں سے اس کو بچایا۔ علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات بندہ کی دعاء کی قبولیت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ پر سے کوئی سخت مصیبت آنے والی دور ہو جاتی ہے جس سے بندہ کا اس قدر نفع ہوتا ہے کہ اس کی مانگی

ہوئی مراد میں عشر عشیر بھی نہ ہوتا۔ بسا اوقات دعاء قبول ہو جاتی ہے اور اس کے اثر کے ظاہر ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے، بندہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے (جو کہ انسان کی فطری بات ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وکان الانسان عجولا دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: خلق الانسان من عجل گمان کرنے لگتا ہے کہ میری دعاء قبول نہیں ہوئی، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام نے فرعون اور اس کی قوم پر بددعاء کی اور قبول ہوئی: قد اجیبت دعوتکما، مگر فرعون اس کے چالیس برس بعد مع اپنی قوم کے غرق ہوا۔ خلاصہ یہ کہ جناب باری عز اسمہ نے جو وعدۂ قبولیت کے متعلق فرمایا ہے وہ سچا ہے، اگر دعاء اپنی شروط کے ساتھ پائی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کا ظہور اسی صورت اور اسی جلدی کے ساتھ ہو جو دعاء گو نے کی تھی، اس لئے بندہ پر فرض ہے کہ اپنی چھوٹی اور بڑی بڑی حاجتوں کو ہمیشہ خدا سے مانگا کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تیرے جوتوں کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو مجھ سے مانگ، نمک یا لکڑی کی کمی ہو جائے تو مجھ سے مانگ، غرضیکہ جو حاجت بھی پیش آئے بندہ کا فریضہ ہے گڑگڑا کر آقا جل مجدہ سے مانگا کرے، آقا حکیم وعلیم ہے جو اس کی حکمت اور اس کے علم میں ہوگا اس کو ظاہر فرمائیگا۔ دعاء مانگنا اور گڑگڑانا اس کو پسند ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیة۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الدعاء مخ العبادة دعاء عبادت کا مغز اور گودا ہے، اور فرماتے ہیں: لایرد القدر الاالدعاء خداوندی تقدیر کو لوٹانے کی کسی چیز میں ماسوائے دعاء کے طاقت نہیں ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ اپنے آقا جل مجدہ کے ساتھ گمان اچھا رکھے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ فرمائے گا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فاذا ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی واذا ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر من ملأه (میں بندہ کے گمان کے پاس ہوں اور میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے جب وہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور وہ مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں (ملائکہ میں) یاد کرتا ہوں۔ باوجود

امور مذکورہ بالا کے کبھی کبھی تمام شروط کی موجودگی میں بھی دعاء قبول نہیں ہوتی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ امت آپس میں نہ لڑے، مگر یہ دعاء قبول نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ مختار ہے لایسئل عمایفعل الآیۃ۔ انسان بسااوقات گھبرا کر اپنے اوپر بددعاء کرنے لگتا ہے بالخصوص آپ جیسے مزاج کا جس میں طبیعت کی کمزوری اور نفس کا غلبہ، تحمل کا ضعف، عاقبت سے غفلت وغیرہ ہوں اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں بات بات میں اپنے آپ کو اور اپنے بچوں اور عزیزوں کو کوسنے اور بددعائیں دینے لگتی ہیں۔ بسااوقات بڑے بڑے لوگ بھی معمولی رنجشوں اور اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کو بددعائیں دینے لگتے ہیں یا اپنی قوم اور برادری کی ہلاکت وغیرہ کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں ویدعوا الانسان بالشر دعائه بالخیر و کان الانسان عجولاً اورانسان برائی کی دعاء اسی طور سے مانگنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کی دعاء مانگتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے. ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں کیلئے برائی کو اسی طرح جلد ظاہر کر دیتا جس طرح وہ بھلائی کے متعلق چاہتے ہیں تو ان کی ہلاکت ہو جاتی، بہر حال حکمت ہائے الٰہیہ اور پرورش ہائے ربانیہ متقاضی ہیں کہ انسانوں کی سب دعائیں قبول نہ کی جائیں ورنہ عالم تہ وبالا ہو جائے گا اور انسانی دنیا کو انتہائی مشکلات پیش آجائیں گی، و اللہ اعلم (مکتوبات ج ۴ ص ۳۶)

دعا اور تلاوت قرآن کریم

(۱) دعاء میں دل لگنا ضروری ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ لایستجیب دعاء من قلب غافل لاہ لہٰذا دعا میں دل لگنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ خلوص دل سے نکلتی ہے تاہم اگر دل نہ لگے تب بھی فائدہ سے خالی نہیں لیکن کوشش کرنا ضروری ہے۔

(۲) دعا اور تلاوت کلام پاک میں فرق ہے، قرآن مجید کے الفاظ اور حروف چونکہ اللہ تعالیٰ سے سرزد ہوئے ہیں اس وجہ سے قرآن مجید بالفاظہ مامور بالتلاوت ہے، اگر اس میں بھی دل نہ لگے تب بھی ثواب آخرت اور اثر سے خالی نہیں ہے، اور دعا میں یہ بات کہاں؟ (مکتوبات ص ۲۹۳ ج ۲)

محبت الٰہیہ اور فریضۂ حج

(سفر حج کے دوران ایک تقریر)

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:

آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہونا میں فضول اس وجہ سے سمجھتا ہوں کہ بڑے بڑے حضرات موجود ہیں اوران کی تقریریں برابر ہوتی رہی ہیں، میں نہ اعلیٰ درجہ کی تقریر کرسکتا ہوں اور نہ اس میدان کا ماہر ہوں اور میں اب کمزور ہوگیا ہوں، مگر مجھ کو بار بار حکم دیا گیا اس لئے کچھ روشنی عبادت حج کے متعلق ڈالنا چاہتا ہوں۔

اتباع کے اسباب

میرے بزرگو! تمام عالم میں ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ آزاد رہے، دوسرے کا تابعدار ہوکر نہ رہے کسی کی تابعداری اس وقت ہوتی ہے جبکہ تابعداری پر مجبوری ہو، تابعداری کے تین اسباب ہیں۔

(۱) بادشاہوں اور مالکوں کی تابعداری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ نفع پہنچائیں گے اور حاجت رفع کریں گے۔

(۲) دوسرا سبب نقصان کا اندیشہ ہے، یعنی کسی شخص سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہو کہ مارے گا، پیٹے گا، اگر اس کی تابعداری نہ کی تو اس سے نقصان پہنچے گا۔

(۳) تیسرا سبب تابعداری کا محبت ہے، کسی سے محبت ہو تو اس کی محبت کی وجہ سے اس کی تابعداری کی جاتی ہے، محبوب اگرچہ کمزور ہو، اس سے نفع کی امید ہو نہ نقصان کا اندیشہ، دیکھو ماں باپ اولاد کی تابعداری کرتے ہیں، بچے جو مطالبہ کرتے ہیں صرف محبت کی وجہ سے ماں باپ بچے کی تابعداری کرتے ہیں، اس کی ہر بات کو مانتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں، حالانکہ ان کو بچہ سے نفع کی کوئی امید نہیں نہ نقصان کا اندیشہ ہے، محبت کا تقاضا ہے کہ انسان محبوب کی

تابعداری کرے، شاعر کہتا ہے ؎ ان المحب لمن یحب یطیع

تم اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور اس کے حکم کے خلاف کرتے ہو یہ محبت کے قانون کے خلاف ہے، عاشق کی تو شان یہ ہے:

یداری ھواہ ثم یکتم سرہ ویخشع فی کل الامور ویخضع

حاصل کلام یہ ہے کہ تابعداری کے یہی تین اسباب ایک دوسرے کی تابعداری پر مجبور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ میں یہ تینوں اسباب بدرجہ اتم موجود ہیں، اللہ تعالیٰ سے اس قدر نفع کی امید ہے کہ دنیا میں کسی سے نہیں، اللہ تعالیٰ سب کا مربی، سب کا نگران، سب کا پیدا کرنے والا اور سب کا پالنے والا ہے۔ کتنا ہی بڑا بادشاہ ہو اس قدر نفع نہیں پہنچا سکتا: وللہ ملک السموات والارض، مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ۔ جسے چاہتا ہے شہنشاہ بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے غریب رکھتا ہے سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں سب اسی کی ہیں: وما بکم من نعمۃ فمن اللہ ، اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے اس کی نعمتیں جو تم کو مل رہی ہیں ان گنت اور بے شمار ہیں تم جو مانگتے ہو وہ تم کو دیتا ہے: واتاکم من کل ماسالتموہ اس لئے اللہ تعالیٰ سے نفع کی امید جتنی تمام مخلوق کو ہے اور ہو سکتی ہے اتنی اور کسی سے نہیں۔ ہم دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی میں اللہ ہی کے محتاج ہیں، وہ ہر چیز کو محیط ہے، مطلع ہے، کوئی اس کے احاطہ سے خارج نہیں۔ اسی طرح نقصان کا اندیشہ جتنا اس سے ہے اور کسی سے نہیں، جا بجا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے تمہارے معبود ہیں ان سب کے اندر نہ مالکیت نفع کی ہے نہ مضرت کی: افتعبدون من دون اللہ مالاینفعکم شیئا ولایضرکم، خدا کے سوا کسی سے نقصان کا اندیشہ نہیں، اگر اللہ کسی کو نفع پہنچانا چاہے اور تمام مخلوق مل کر اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور سارا جہاں مل کر بھی اس کو نفع پہنچانا چاہے تو نفع نہیں پہنچا سکتا، حقیقۃً نفع کی امید اور نقصان کا اندیشہ اسی سے ہے۔ جس کو چاہے نواز دے جس

کو چاہے بادشاہ بنادے، جس کو چاہے مریض بنادے، مالک الملک ہے جسے چاہے طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کردے، جسے چاہے مصیبت میں ڈال دے، جسے چاہے مصیبتوں سے نجات دے دے مالکیت کی وجہ سے جنات اور ملائکہ پر بھی اس کی تابعداری ضروری ہے، اس کی مالکیت ہر چیز پر ہے، تمام مخلوقات کو اس کی تابعداری کرنا ضروری ہے، اس کی صفت مالکیت کا تقاضا ہے کہ اس کی ہمیشہ تابعداری کی جائے، کیونکہ اس کو اگر راضی کیا جائے گا تو ہر قسم کی نعمتیں پہنچیں گی اور اگر اس کو ناراض کیا جائے گا تو ہر ایک نقصان کا اندیشہ ہے۔

اسباب محبت

تیسری وجہ تابعداری کی محبت ہے، محبت کے چار سبب ہوتے ہیں: کمال، جمال، احسان، قرب،

(۱) کسی میں کوئی کمال ہوتا ہے تو اس سے اس کمال کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے۔

؎ کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز میں جس قدر کمال رکھتا ہے دوسرا کوئی نہیں رکھ سکتا۔

(۲) دوسرا سبب جمال ہے، حسن و جمال بھی محبت کا سبب ہوتا ہے، سورج، چاند، ستارے، فرشتے اور انسانوں میں مرد اور عورت میں جو بھی حسن اور جمال پایا جاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ دینے والا وہی چیز دے سکتا ہے جو خود اس کے پاس موجود ہو۔ اور جبکہ ہر ایک شے میں جو کچھ حسن و جمال ہے وہ سب خدا ہی کا دیا ہوا ہے تو خود خدا کے اندر حسن و جمال کا ہونا بلکہ سب سے زیادہ اور سب سے اکمل واعلیٰ درجہ کا ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے، ان اللہ جمیل یحب الجمال کسی میں کوئی جمال ہے تو اس کا مبدأ ذات باری تعالیٰ ہے۔ چودھویں رات کے چاند میں جو جمال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، حیوانات، جمادات، فرشتے، انسان، مرد اور عورتوں میں جو بھی حسن و جمال ہے وہ سب اسی کا ہے، جس مخلوق میں تھوڑا سا بھی حسن ہوتا ہے اس پر فریفتہ ہوتے ہیں، چکور کو چودھویں رات کے چاند سے محبت ہے، بلبل کو گل سے، وہ خدا جس نے سب کو حسن و جمال عنایت فرمایا ہے خود اس میں جتنا حسن و جمال ہے کسی چیز میں نہیں۔

(۳) تیسرا سبب محبت کا احسان ہے الانسان عبد الاحسان کیا اللہ تعالیٰ کے احسان کے برابر کسی کا احسان ہوسکتا ہے، کیا اللہ جیسا محسن کوئی ہوسکتا ہے، ماں باپ کو دیکھئے کہ ان کا احسان اپنی اولاد پر جتنا ہوتا ہے کسی کا نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ اللہ کی صفت خالقیت کے مظہر ہیں، اللہ تعالیٰ کا احسان ہر انسان بلکہ ہر مخلوق پر جس قدر ہے کسی کا بھی نہیں، ہم کو ہمارے ماں باپ کو وجود سے نواز، دیکھنے، چلنے پھرنے کی طاقت سب اس نے دی، خدا کا احسان ہر مخلوق پر جب سب سے زیادہ ہے تو چاہئے کہ اس سے محبت بھی سب سے زیادہ اور اعلیٰ درجہ کی ہو، اس جیسی محبت کسی دوسرے سے نہ ہو، انسان پر اللہ تعالیٰ کا احسان کتنا بڑا ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے پہلے زمین وآسمان اور اس کی راحت کے تمام ساز وسامان پیدا کردیئے خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسوّٰهن سبع سمٰوات یعنی انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس پر احسانات کی بارش فرمائی، پیدا کرنے کے بعد اس قدر احسانات کئے کہ ان کا احاطۂ شمار ممکن نہیں۔ واتاکم من کل ماسألتموہ وان تعدو نعمة الله لا تحصوها تمام چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا خلق لکم ما فی الارض جمیعا اور صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ سب چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کردیا الم تروا ان الله سخر لکم مافی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة یہ سب کے سب تمہاری اطاعت کرتے ہیں، تمہاری خدمات میں لگے ہیں، بیگار ہیں، کوئی تم سے اپنی خدمات کی مزدوری طلب نہیں کرتا، بغیر اجرت کے شب وروز تمہاری خدمات میں ہر ایک مخلوق لگی ہوئی ہے، چاہے آسمان میں یا زمین میں، یہاں تک کہ فرشتے تمہاری خدمات کرتے، ہیں فرشتوں میں اعلیٰ درجہ کے مقرب فرشتے حاملین عرش بھی تمہارے لئے مسخر ہیں اور شب وروز دعا گوئی کرتے ہیں: الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به ویستغفرون للذین اٰمنوا ربنا وسعت کل شیٔ رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقهم عذاب الجحیم ربنا وادخلهم جنات عدن ن التی وعدتهم ومن صلح من آبائهم وازواجهم وذریاتهم انک انت العزیز الحکیم وقهم السیئات ومن تق السیئات

یومئذ فقد رحمته وذلک هو الفوز العظیم یہ فرشتے تمہارے لئے تمہاری اولاد کیلئے تمہاری بیویوں کیلئے دعائیں کرتے ہیں اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے عام فرشتوں کو تمہارے لئے مسخر اور تابعدار بنادیا وہ تمہاری خدمات کرتے ہیں تمہاری حفاظت کرتے ہیں، بادلوں کو چلانا، پہاڑوں کی حفاظت کرنا، دریاؤں کو چلانا یہ سب کام ان کے ذمے ہیں اور یہ ساری خدمات مفت بلا معاوضہ کرتے ہیں تم سے اس پر تنخواہ یا اجرت اور مزدوری نہیں طلب کرتے اللہ تعالیٰ کا احسان انسان پر بالخصوص مسلمانوں پر جس قدر ہے اتنا کسی پر نہیں اس لئے اگر احسان کی وجہ سے محبت کی جائے تو اللہ تعالیٰ سے کی جانی چاہئے اور اس جیسی محبت کسی سے نہ ہونی چاہئے۔

(۴) چوتھا سبب قرب ہے، قرابت داری کی وجہ سے بھی محبت کی جاتی ہے، بیٹا قریب ہے باپ کا بلکہ جزو ہے، بھائی جزو ہے باپ کا، ماں باپ اولاد وغیرہ کی محبت قرابت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، اب دیکھو کہ خدا تمہارے کس قدر قریب ہے، تم خود بھی اپنی ذات سے اس قدر قریب نہیں ہو ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد، وهو معكم اينما كنتم. اگر قرابت داری باعث محبت ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ قریب ہے۔ مختلف آیتیں اس پر شاہد ہیں کہ انسان کا خود اپنے سے اور کسی انسان سے اتنا قرب نہیں جتنا اللہ تعالیٰ سے ہے، وہ تمہاری روح سے متصل ہے، وفی انفسكم افلا تبصرون۔

محبت الٰہیہ کا تقاضا

میرے بھائیو! محبت کے یہ چاروں سبب اللہ تعالیٰ میں بدرجہ اتم واکمل موجود ہیں تو چاہئے کہ اللہ کی محبت بھی ہر چیز سے زائد ہو، خدائے پاک کی دو صفتیں ہیں، جلال اور جمال، مالک نفع ونقصان ہونا صفت جلال کے تحت ہے اور محبوب ہونا جمال کی وجہ سے ہے جو عبادات محبت کی وجہ سے ہوتی ہیں ان کا طریقہ الگ ہے اور جو مالکیت کی وجہ سے ہوتی ہیں ان کا طریقہ الگ۔ مالکیت میں آداب وسنن کا لحاظ ضروری ہے، عقل سے سوچ بچار کر کے ہر کام کو کیا جائے، دو عبادتیں نماز اور زکوٰۃ صفت مالکیت کے تحت مقرر فرمائیں، نماز میں من اوله الی آخره

ہر جز میں آداب کی ضرورت ہے، اس میں ذراسی بھی بے ادبی ہوگی تو عتاب ہوگا، اسی طرح محبوبیت کا تقاضا ہے کہ محبوب ومحبت کے طریقہ پر عمل کیا جائے۔ ؎

موسیا آداب داناں دیگر اند　　　سوختہ جاں وداناں دیگر اند

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ بے خودی پیدا ہو جائے، اس راہ میں جتنی بے خودی ہوگی اتنا ہی کمال ہوگا۔ ؎

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس وننگ　　　پختہ مغزاں جنوں را کہ حیا زنجیر پا است

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی عقل، نزاکت آراستگی اور ہوش سے نکل جائے، عشق جب پورا ہوگا کہ اپنے آپ کو پروانے کی طرح محبوب پر نثار کردے۔ ؎

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز　　　کاں سوختہ جاں شد وآواز نیامد

عشق میں جس قدر بے خودی پائی جائے اسی قدر محمود ہے۔

ع　عاشقاں را مذہب وملت جدا است

؎　جب پیت بھئی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کے اندر ایسا عشق ہونا چاہئے جو نہ بلبل میں ہو نہ پروانے میں نہ اور کسی کو ایسا عشق نصیب ہو۔

فریضۂ حج اور اس کی ادائیگی

میرے بزرگو! روزہ، حج یہ دو عبادتیں صفت محبوبیت کی بنا پر مقرر کی گئیں اور نماز، زکوٰۃ صفت مالکیت کی بنا پر۔ اب دیکھو اگر کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے پھر دوسروں سے بھی محبت رکھتا ہے تو اسے جھوٹا کہتے ہیں، محبوب کے علاوہ سب کو چھوڑ دینا محبت کا تقاضا ہے: فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا اللہ تعالیٰ کا جمال گوارا نہیں کرتا کہ دوسرے سے بھی محبت کی جائے، پہلی منزل محبت کی ہے کہ محبوب کے سوا سب سے منہ

پھیرلو۔ روزہ میں کھانا پینا اور بیوی سے ہم بستری کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ عام لوگوں کیلئے ہے، مگر خواص کا روزہ یہ ہے کہ تمام گناہوں کو چھوڑ دیں اور غیر اللہ کو سامنے بھی نہ لائیں، یہ عشق کی پہلی منزل ہے۔ رمضان گذرا، شوال سے عشق کی دوسری منزل شروع ہوئی، دوسری منزل یہ ہے کہ محبوب کے درودیار کی طرف توجہ کی جائے، جہاں اس کا کوچہ ہے، جہاں اس نے دوسروں کونوازا ہے وہاں جایا جائے، اس کے درودیوار کے پاس پہنچا جائے اور جمال محبوب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے گھر کے اردگرد دیوانہ وار پھرا جائے اس کے درودیوار سے چمٹ کر اس کے سنگ درکو بوسہ دیا جائے۔ ؎

امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار وذا الجدار

وماحب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من نزل الدیار

مجنوں کہتا ہے کہ میں دیار حبیب میں جب پہنچتا ہوں تو اس کے درودیوار کو بوسہ دیتا ہوں، اور مجھ کو ان درودیوار نے مجنوں نہیں بنایا بلکہ گھر والے نے من نزل الدیار نے مجنوں بنایا ہے۔ جس قدر دیار محبوب سے قریب ہوتے جاؤ آتش شوق بھڑکتی جائے۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

آداب حج

عاشق کو کہاں زیبا ہے کہ عشق ہو اور لوگوں سے لڑے جھگڑے، اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور معشوق کی نافرمانی کا صدور ہو: فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج، عاشق ہمیشہ سرنگوں رہتا ہے، عشق کا تقاضا ہے کہ کسی امر میں کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو، اگر سچا عشق اور سچی محبت لے کر نکلے ہو تو ہر چیز سے بالاتر ہو کر محبوب سے لپٹ جاؤ۔

میرے بھائیو! اللہ پاک کے گھر کی طرف جا رہے ہو اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، ہمیشہ لڑائی جھگڑے سے بچتے رہو، اور یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ خدائے پاک مجھ کو دیکھ رہا ہے، وہ تمہارے ہر حال کو دیکھتا ہے، اسی کا نام لیتے ہوئے: لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک

لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک کہتے ہوئے چلو، یہ آواز بلند کرتے ہوئے اللہ پاک کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تواضع وسکون کے ساتھ چلو، جس قدر ممکن ہو صبح وشام، دوپہر پڑھتے رہو، لاشریک لک بار بار کہا جاتا ہے (سوائے تیرے ہمارا کوئی محبوب نہیں) سلے ہوئے کپڑے اتار دو، خوشبو بھی ترک کردو، دو کپڑے بغیر سلے ہوئے پہن لو، سر کو ننگا رکھو، جوتہ پہنو مگر پیر کے اوپر کی ہڈی ابھری ہوئی چھپنے نہ پائے، سرمہ نہ لگاؤ، خوشبو نہ لگاؤ، بالوں کو اکھیڑنا، سنوارنا جائز نہیں، شکار مت کرو، غرض کہ دیوانوں کی صورت بناؤ، یہ چیزیں تو اس کیلئے ہیں جو ہوش وہواس میں ہو، عشاق کو اتنا ہوش کہاں ؎

نو بہار است جنوں چاک گریباں مددے — آتش افتادو بجاں جنبش داماں مددے

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک — اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

عشق نے تیرے کو وہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو — عیش ونشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

جس قدر مکہ معظمہ سے قریب تر ہوتے جاؤ دیوانگی اور جنون کے آثار بڑھتے جائیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ میں آثار صفت جمالیہ ظاہر ہیں۔ ہم کورے ان بزرگوں کی اطاعت اور پیروی میں جو یہ آثار دیکھتے ہیں اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگاتے ہیں، صفا، مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں۔ بہر حال یہ عبادت مظہر عشق ہے اور اللہ تعالیٰ محبوب، اس کے اندر اسباب محبت باتم الوجوہ پائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی حقیقۃً محبوب ہیں، یہ حج اسی لئے فرض کیا گیا کہ اسی محبوب حقیقی کے پروانے بنو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کردیا، عاشق کو عشق کی راہ میں کوئی نصیحت کرتا ہے تو اس کو غصہ آتا ہے اور ناصح کو پتھر مارتا ہے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جان کی قربانی دینے جارہے تھے تو راستہ میں تین جگہ ناصح ناداں شیطان نے سمجھایا باپ کے ساتھ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے پتھر مارے، اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچالیا اور جنت کے مینڈھے کو ذبح کیا، یہ اب شریعت ہے کہ مینڈھے اور دنبے کو ذبح

کرنا گویا بیٹے کو ذبح کرنا ہے (رونے کی آواز)

روضۂ اطہر پر حاضری

اللہ تعالیٰ کا عشق لے کر جارہے ہو تو جس قدر ممکن ہو عجز وانکساری اختیا کرو، جملہ عاشقوں کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھتے ہوئے اور تلاوت کر کے ہدیہ کیجئے، اس راہ عشق کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے میرے نزدیک اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک پہلے مدینہ منورہ جانا افضل ہے: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابًا رحیما۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کیلئے بلکہ تمام عالم کیلئے رحمت ہیں، آپ کے پاس حاضری دے کر عرض کرو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہوئے ہیں ہمارے لئے حج کی قبولیت کی دعا فرمایئے، شفاعت فرمایئے، پھر جناب باری سبحانہ کے گھر کی طرف لوٹا جائے تاکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ پاک حج کی اس عاشقانہ عبادت کو قبول فرمائے۔

میرے بھائیو! ایام حج میں سب سے زیادہ مقدس وقت وقوف عرفہ کا دن اور مزدلفہ کی رات ہے، ایسا وقت نہیں ملے گا، میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ بے وقوفی کی وجہ سے اس مقدس وقت کو بات چیت، کھانے پینے میں صرف کردیتے ہیں (رونے کی آواز)

دیکھو بے وقوفی مت کرو، اس وقت کو بے کار مشغلوں میں ضائع نہ کرو، اللہ اللہ کرو، تسبیح پڑھو، تلاوت کرو، درود پڑھو، دعاء کرو۔ جبل رحمت کے پاس جانا ضروری نہیں، میدان عرفہ میں جہاں چاہو توبہ واستغفار کرو، بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت سے بیزار ہیں، ڈاڑھی منڈواتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ''ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ'' عبداللہ بن عمرؓ ایک مٹھی پکڑ کر کٹاتے تھے۔ ایک مٹھی سے کم کتروانا صورت وسیرت محمدیہ سے نفرت کرنا ہے۔ دیکھو سکھ ایک بال پر قینچی نہیں لگاتے، شرم سے مرجانا چاہئے کہ مسلمان کو ایسا بڑا رسول ملا کہ کسی قوم کو نہیں ملا اور

پھر بھی خود مسلمان ایسے پیارے رسول کی سیرت سے بیزاری کا اظہار کرے۔

میرے بھائیو! اس سے بچو آقائے نامدار صلی اللہ کی صورت اور سیرت کے عاشق بنو: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب ہیں اللہ کے اگر ان کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا عاشق بن جائے گا تم محبوب خدا بن جاؤ گے، یحببکم اللہ اللہ تعالیٰ تمہارا عاشق بن جائے گا، تمہارا بیٹا تم کو محبوب ہے، اگر کوئی لڑکا تمہارے بیٹے کی صورت میں تمہارے سامنے آ جائے تو بے اختیار تم کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کی صورت بناؤ، سیرت اختیار کرو، صورت اور سیرت کی تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا عاشق بن جائیگا۔ اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرو، توبہ کرو، اس سے مایوس نہ ہو، جب تک موت نظر نہ آ جائے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں حتی الامکان کوشش کرو، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ جیسا کہ اس سے مایوس نہ ہونا چاہئے اسی طرح بے باک بھی نہ بنو، اس سے ہر وقت ڈرتے رہو، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو، اگر تم اس کی عادت ڈالو گے تو سوتے وقت بھی ذکر جاری رہے گا اور مرنے کے وقت آخری سانس تک جاری رہے گا اور مرنے کے بعد جب اٹھو گے اور قیامت ہوگی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

دعا کرو کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (ماخوذ از ارشادات مدنیؒ)